عمران سیریز
جلد نمبر
35
سنگ ہی اِن ایکشن
جونک کی واپسی
زہریلی تصویر
بیباکوں کی تلاش
ابن صفی

پیشرس

''جونک کی واپسی'' حاضر ہے۔

اس دوران میں بہتیرے پڑھنے والوں نے ''سنگ ہی'' کی واپسی کی فرمائش کی تھی اُس کی واپسی کے امکانات کا جائزہ لینے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ گنجائش ہے۔ واپسی ہو سکے گی میرے پڑھنے والے غالباً بھولے نہ ہوں گے کہ سنگ ہی عرف عام میں ''جونک'' کہلاتا تھا....

بہر حال واپسی ہو گئی ہے۔ لیکن اس کتاب میں صرف واپسی ہی کی حد تک ہے.... ویسے یہ اور بات ہے کہ پوری کہانی پر سنگ ہی چھایا نظر آئے۔

اس تمہید کا مقصد یہ ہے کہ سنگ ہی کی دوسری کہانی کے منتظر رہئے۔

میرے پڑھنے والوں نے بڑی شدت سے استفسار کیا ہے کہ اب آخر جاسوسی دنیا اور عمران سیریز کے ناول پابندی سے کیوں شائع نہیں ہو رہے۔

گذارش ہے کہ جب سے دوبارہ لکھنا شروع کیا ہے "موڈ" کا پابند ہو گیا ہوں۔ پہلے کی طرح طبیعت پر جبر کر کے نہیں لکھتا۔ معالج کا مشورہ بھی یہی تھا کہ فی الحال کچھ دنوں تک موڈ ہی کے پابند رہئے۔ آہستہ آہستہ معمول پر آنا مناسب ہو گا۔ لٰہذا اسی ہدایت پر عمل کر رہا ہوں۔ توقع ہے جلد ہی اس قابل ہو جاؤں گا کہ پڑھنے والوں کو کسی شکایت کا موقع نہ ملے۔

جونک کی واپسی ایک مکمل کہانی ہے.... یہ اور بات ہے کہ اصل مجرم کا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکا ہو۔ ایسا بھی ہوتا ہے.... لیکن بعض پڑھنے والے تو یہی کہتے ہیں "کیا ہوا.... کچھ بھی تو نہیں؟ اٰخیر میں کہانی پھس ہو کر رہ گئی۔"

اب انہیں کون سمجھائے بھائی بعض کہانیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کا مزاج بہت زیادہ دھول دھپے کا متحمل نہیں ہو سکتا اور نہ اُن کا اختتام ہی ڈرامائی انداز اختیار کر سکتا ہے۔ لیکن وہ تو کہتے ہیں "فلاں ناول جیسا تھا.... ویسا یہ نہیں ہے۔!"

یہ تو بڑی اچھی بات ہوئی کہ یہ اُس سے مختلف ہے۔ ورنہ آپ ہی "بور بور" کا نعرہ بلند کرنے لگتے۔ میں خود ہی کوشش کرتا ہوں کہ کہانیوں پر ٹریٹمنٹ میں مماثلت نہ ہونے پائے۔

ابنِ صفی

جولیانا فٹنر واٹر نے کنکھیوں سے دیکھا۔ وہ موٹا چینی اُسے اَب بھی گھورے جا رہا تھا۔ چھوٹے قد کا بھاری بھر کم آدمی تھا۔ چہرہ گول، آنکھوں اور ناک کی بناوٹ ایسی ہی تھی جیسی عام طور پر چینیوں کی ہوتی ہے۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہو گی۔ جسم پر عمدہ تراش کا سمر سوٹ تھا۔

کوئی چینی خواہ کتنا ہی صاف ستھرا کیوں نہ ہو جولیا کو پسند نہیں آتا تھا کچھ دیر بعد اُسے اُس پر غصہ آنے لگا۔ گھورے ہی چلا جاتا ہے، کتیا کا بچہ.... اُس نے سوچا.... اور یکلخت اُس کی طرف مڑ گئی اور وہ کچھ اس طرح جھجھکا جیسے اچانک کسی قسم کا ذہنی جھٹکا لگا ہو۔

اَب جولیا اُسے خونخوار نظروں سے گھور رہی تھی اور وہ آنکھیں چرا رہا تھا۔

اس وقت وکٹوریہ روڈ کے چوراہے کا یہ اسنیک بار زیادہ آباد نہیں تھا۔ کئی میزیں خالی تھیں، جولیا اتفاقاً کافی پینے یہاں چلی آئی تھی۔ ورنہ اُسے ایسی چھوٹی جگہوں سے وحشت ہی ہوتی تھی جہاں وہ عام طور پر دوسروں کی توجہ کا مرکز بن سکے۔

اَب تو چینی نے حقیقتاً سہم کر سر جھکا لیا تھا.... جولیا نے جوں توں کافی ختم کی اور اٹھ گئی۔ ویسے بھی یہاں دیر تک بیٹھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

باہر آ کر اپنی چھوٹی سی فیاٹ میں بیٹھی اور ایک طرف چل پڑی۔

وہ ایک خوشگوار شام تھی۔ کئی دن کی بوندا باندی کے بعد مطلع صاف ہوا تھا اور سردی بھی

غیر معمولی نہیں تھی، جولیا کا خیال تھا کہ کچھ وقت کھلی فضا ہی میں گذارے گی۔ کچھ دیر بعد اُسے یاد آیا کہ اسے کاسمیٹکس بھی خریدنی ہیں۔

ایک جنرل اسٹور کے سامنے گاڑی روک دی۔ اتر کر ضرورت کی چیزیں خریدیں اور پھر گاڑی کی طرف واپس آ رہی تھی کہ دفعتاً دائیں جانب نظر اٹھ گئی اور سب سے پہلے اُسی چینی کی شکل دکھائی دی جو کچھ دیر قبل اسنیک بار میں اُسے گھور رہا تھا۔

نئے ماڈل کی شیورلیٹ تھی اور وہ خود ہی اسٹیئرنگ پر تھا۔ شیورلیٹ جولیا کی فیاٹ سے تقریباً چار گز کے فاصلے پر کھڑی کی گئی تھی۔

جولیا نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور اپنی گاڑی میں آ بیٹھی۔ لیکن اَب اُس نے گھر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔

گاڑی اسٹارٹ کر کے تھوڑی دور تک چلی پھر ایک گلی میں مڑ گئی۔ عقب نما آئینے میں چینی کی شیورلیٹ صاف نظر آ رہی تھی۔

وہ گلیوں میں بھی اُس کی فیاٹ ہی کے پیچھے لگی رہی۔ دوسری سڑک کے کنارے ایک پبلک پارک تھا جولیا نے وہیں اپنی فیاٹ روک دی اور نیچے اتر آئی۔ پارک زیادہ گنجان آباد نہیں تھا۔ متعدد بنچیں خالی نظر آ رہی تھیں۔

یہاں رک جانے کا فعل اضطراری تھا۔ جولیا کے ذہن میں کوئی اسکیم نہیں تھی۔ ویسے چینی کے خلاف اُس کے غصے کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھی تھی وہ سوچ رہی تھی کہ اُسے اس کی سزا ضرور ملنی چاہئے۔

وہ گاڑی مقفل کر کے پارک میں داخل ہو گئی۔ کئی تناور اور گھنے درختوں کے نیچے والی بنچوں پر لوگ آرام بھی کر رہے تھے۔

جولیا کو کسی سایہ دار جگہ ہی والی بنچ کی تلاش تھی۔ چلتے چلتے وہ ایسی پوزیشن میں آ گئی کہ کنکھیوں سے عقب کا جائزہ بھی لے سکے۔

تعاقب کرنے والا چینی بھی پارک میں داخل ہو رہا تھا۔ بے اختیار جولیا کا دل چاہا کہ سینڈل اُتارے اور اس پر پھینک مارے۔ صورت حرام آخر خود کو سمجھتا کیا ہے؟

وہ تیزی سے ایک خالی بنچ کی طرف بڑھی۔

"مجھے معاف فرمایئے گا۔" دفعتاً پشت سے آواز آئی اور وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں مڑی۔ چینی سامنے کھڑا تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر مسکینی طاری تھی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود

بھی اپنے اس رویے پر پشیمان ہو۔

"کیا بات ہے!" جولیا غرائی۔

"یہ....." وہ ایک رومال آگے بڑھاتا ہوا بولا۔ "شاید آپ کا ہے؟"

"تم گدھے ہو۔ تعارف حاصل کرنے کا یہ طریقہ بہت پرانا ہے۔" جولیا نے سرد لہجے میں کہا۔

"آپ غلط سمجھیں محترمہ.....!" اُس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ آواز غم ناک تھی اور اُس کی آنکھوں میں افسردگی مترشح تھی۔

"نہیں یہ میرا نہیں ہے۔" جولیا غصہ ظاہر کرتی ہوئی بولی۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ لوگ مجھے اتنا بُرا کیوں سمجھتے ہیں۔" وہ اس طرح بڑبڑایا جیسے خود سے مخاطب ہو۔

جولیا دوسری طرف مڑ گئی تھی۔ بنچ کے قریب پہنچ کر اُس کی طرف دیکھے بغیر بیٹھ گئی۔ چینی اَب بھی وہیں کھڑا تھا.... جہاں جولیا سے گفتگو کی تھی۔

جولیا نے اُسے دیکھا اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ آگے بڑھا اور نظریں جھکائے ہوئے بولا۔

"کیا آپ مجھے معاف کر دیں گے۔ واقعی مجھ سے زبردست غلطی ہوئی۔ مجھے اُس رومال کو نظر انداز کر دینا چاہئے تھا۔"

"تو اَب کیوں سر پر سوار ہو.... دفع ہو جاؤ۔" جولیا دانت پیس کر بولی۔

اُس نے مغموم انداز میں سر کو جنبش دی اور آہستہ سے بولا۔ "میں ہمیشہ اداس ہی رہوں گا.... خوشی کا ایک لمحہ بھی مجھے میسر نہیں۔"

"حالانکہ شیورلیٹ دبائے پھرتے ہو۔" جولیا نے مضحکہ اڑانے کے سے انداز میں کہا۔

"میں روحانی مسرت کی تلاش میں ہوں۔"

"تعجب ہے کہ ابھی تک تلاش ہی میں ہو۔ حالانکہ تمہارے ملک کی افیون بہت مشہور ہے۔"

"میں بُرا نہیں مانتا۔ آپ شوق سے مضحکہ اڑایئے۔" وہ رو دینے کے سے انداز میں بولا۔

جولیا نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ لیکن محسوس کر رہی تھی کہ وہ اب بھی وہیں کھڑا ہے۔

کچھ دیر بعد اُس نے کھکار کر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ نے میرے متعلق کوئی بُری رائے نہ قائم کی ہو گی۔"

"ارے۔ ارے۔ ارے۔" جولیا جھلا کر پلٹی۔ "تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ تم ہو کیا بلا۔"

"میں معافی چاہتا ہوں اگر میری زبان سے کوئی نامناسب بات نکل گئی ہو۔"

"میں کہتی ہوں جاؤ یہاں سے.... ورنہ....!" جولیا اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"ارے.... نہیں.... ارے نہیں۔" دفعتاً پشت سے آواز آئی.... جولیا غیر ارادی طور پر آواز کی جانب مڑ گئی۔ کراٹا کی باڑھ کے پیچھے ایک دوسرا چینی نظر آیا۔ دبلا پتلا اور دراز قد۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ کافی اونچی باڑھ کو پھلانگ کر اُن کے قریب پہنچ چکا تھا۔ جولیا نے اتنا لمبا چینی آج تک نہیں دیکھا تھا۔ اُس کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی اور بے حد چمکیلی تھیں۔ لباس سے ذی حیثیت آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"میں سمجھا تھا آپ انہیں تھپڑ مارنے جا رہی ہیں۔" اُس نے جولیا سے کہا۔

نہ جانے کیوں جولیا اُس کی آمد پر بوکھلا سی گئی تھی۔

"تم.... تم یہاں کیوں؟" موٹے چینی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"آپ تو خاموش ہی رہئے جناب۔" دبلے چینی نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ پھر جولیا سے بولا۔ "آپ کچھ خیال نہ کیجئے محترمہ.... یہ میرے مالک مسٹر کاؤیوچن ہیں، خوبصورت خواتین کو دیکھ کر بدحواس ہو جاتے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ تم لوگ کیا بکواس کر رہے ہو اور اس کا مقصد کیا ہے۔"

"کیا مقصد ہے....؟" دبلا چینی یوچن کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا اور یوچن بھی اُس پر دانت پیسنے لگا۔ کیونکہ اُس کی مسکراہٹ کا انداز کافی ٹھنڈے دماغوں کو بھی غصہ دلا سکتا تھا۔

"میں کسی پولیس مین کو بلاتی ہوں۔" جولیا غرائی۔

"ارے نہیں...!" دبلا چینی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ ہی دو چار جوتیاں مار دیجئے۔ پولیس مین کو کیوں تکلیف دیں گی۔"

"حرام زادے۔" یوچن نے اُسے گھونسہ دکھایا۔

"ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا۔" دبلے چینی نے جولیا کو پھر مخاطب کیا۔ "میرے مالک مسٹر یوچن کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے اس لئے مجبوراً مجھے ان کی نگرانی کرنی پڑتی ہے۔ یہ آپ کے پیچھے تھے اور میں ان کے پیچھے تھا.... ذہنی توازن بگڑ گیا ہے لیکن بے ضرر آدمی ہیں.... کچھ دیر بعد آپکے پیچھے دوڑتے اور پھر کسی موقع پر ممی ممی کہہ کر آپ سے لپٹ جانے کی کوشش کرتے۔"

"او حرامزادے....!" یوچن بے بسی سے چیخا۔

اور جولیا تیزی سے سڑک کی طرف مڑ گئی.... غصے سے کانپ رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا

تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔

اُسی جھلاہٹ کے عالم میں اپنی کار تک آئی۔ دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ دبلا چینی تیز رفتاری سے اُس کی جانب جھپٹا آ رہا تھا۔

"محترمہ.... محترمہ....!" اُس نے قریب پہنچ کر اونچی آواز میں کہا۔ "میں پھر عرض کروں گا کہ وہ خطرناک قسم کے پاگل نہیں ہیں۔"

"چلے جاؤ.... ورنہ اتنے جوتے لگاؤں گی....!"

"یقیناً.... یقیناً....!" وہ جلدی سے بات کاٹ کر بولا۔ "ویسے یہ بھی عرض کر دوں کہ اگر میں دخل اندازی نہ کر بیٹھتا تو۔"

"تو کیا ہوتا....!" جولیا پھاڑ کھانے والے انداز میں گاڑی سے نیچے اُتر آئی۔

"دوسری خواتین کو تو ممی ہی کہتے رہے ہیں.... آپ کی بات۔"

"میں کہتی ہوں دفع ہو جاؤ۔"

"وہ تو ہونا ہی ہے۔ لیکن میں کہیں کا نہ رہا۔ اس دخل اندازی کے سلسلے میں ملازمت سے ضرور برطرف کر دیا جاؤں گا۔"

جولیا پھر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اُس نے انجن بند نہیں کیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں گاڑی چل پڑی۔ وہ اُس دبلے آدمی سے نہ جانے کیوں خائف ہو گئی تھی۔ پتہ نہیں کیا چیز تھی اُس کی شخصیت میں جو اُس کے ذہن کے کسی تاریک گوشے کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی تھی۔ وہ اس احساس کو کوئی معنی نہ پہنا سکی۔

کار تیزی سے دوڑتی رہی۔ دفعتاً عقب نما آئینے میں پھر اُس موٹے چینی کی شیورلیٹ دکھائی دی۔

"کتے کا پلا!" وہ دانت پیس کر بڑبڑائی۔

موٹا چینی اب بھی اُس کا تعاقب کر رہا تھا اور اُس کی گاڑی زیادہ فاصلے پر بھی نہیں تھی۔

جولیا نے رفتار تیز کر دی۔ لیکن دونوں گاڑیوں کا فاصلہ طویل نہ ہو سکا۔ اُس کے ساتھ ہی چینی نے بھی رفتار بڑھا دی۔

جولیا کو دبلے چینی کی کہی ہوئی بات یاد آئی.... اور اُس نے سوچا اگر ذہنی توازن ٹھیک نہیں تو کہیں گاڑی لڑا ہی نہ دے۔

وہ کار کی رفتار بتدریج تیز کرتی رہی لیکن فاصلہ کم نہ ہوا.... پھر کچھ دیر بعد بھری پُری سڑکوں سے بھی گذرنا پڑااور رفتار دوبارہ کم کرنی پڑی۔

اب وہ سوچ رہی تھی کہ اُسے کہاں جانا چاہئے۔ تعاقب کرنے والے کی ڈھٹائی نے اُسے یقین دلادیا تھا کہ وہ پاگل ہی ہے۔

دفعتاً اُسے خیال آیا کہ صفدر گھر ہی ہوگا.... اُس کا گھر یہاں سے زیادہ دور بھی نہیں.... ٹھیک ہے۔ وہیں چلنا چاہئے.... براہِ راست اپنے گھر جانا مناسب نہیں پاگل ہی ٹھہرا۔ گھر دیکھ لینے کے بعد نہ جانے کیا کر بیٹھے۔ پڑوسیوں میں خواہ مخواہ مضحکہ اڑے گا۔

صفدر کے مکان کے سامنے پہنچ کر اُس نے گاڑی روکی۔ مڑ کر پیچھے دیکھے بغیر نیچے اتری اور تیزی سے برآمدے میں پہنچ کر کال بل کا بٹن دبانے لگی۔

دروازہ کھولنے والا صفدر ہی تھا.... جولیا اندر چلی گئی اور وہ اُسے حیرت سے دیکھتا رہا کیونکہ اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار دور سے بھی نظر آسکتے تھے۔

"خیریت....!"

"ایک پاگل آدمی میرا تعاقب کررہا ہے۔"

"کہاں....!"صفدر ہنس پڑا۔

"باہر....ایک موٹا سا چینی ہے۔ نئے موڈل کی شیورلٹ میں۔"

"تب تو پھر نکل بھی گیا ہوگا۔"

"مجھے یقین نہیں....!"

"کیوں؟"

"بس وہ ایسا ہی آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"اچھا ٹھہرو.... میں دیکھتا ہوں۔"

جولیا وہیں ٹھہر کر اُس کی منتظر رہی.... ویسے اب اُسے اپنی اس مضحکہ خیز حالت پر ہنسی بھی آرہی تھی۔ وہ تو شائد اُسے تھپڑ بھی مار دیتی لیکن وہ پاگل تھا؟ عورتیں عموماً پاگلوں سے ڈرتی ہیں (ہو سکتا ہے لاشعوری طور پر انہیں اپنا حریف سمجھتی ہوں)۔

کچھ دیر بعد صفدر واپس آیا۔ اُس کے پیچھے وہ موٹا چینی بھی تھا۔ صفدر نے اعصاب زدہ سی

ہنسی کے ساتھ کہا۔"ارے یہ تو مسٹر یوچن ہیں۔ تشریف رکھئے مسٹر چن.... یہ میری دوست مس جولیانافٹنر واٹر ہیں۔"

اُس نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے اور پھر بند کر لئے۔ دونوں ہاتھوں میں جنبش ہوئی اور بیڈھنگے پن سے دانت نکل پڑے۔ بے حد نروس نظر آرہا تھا۔

"تشریف رکھئے.... مسٹر یوچن....!"صفدر نے پھر کہا اور یوچن ایک کرسی پر ڈھیر ہوگیا۔

جولیا متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہی تھی۔ صفدر بھی کچھ کم نروس نہیں نظر آرہا تھا کمرے کی فضا پر گہری خاموشی مسلط تھی۔ تینوں کے چہروں سے صاف ظاہر تھا۔ جیسے وہ کچھ کہنا تو چاہتے ہوں لیکن اظہار خیال کے لئے مناسب الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

"یہ مسٹر کاؤچن ہیں۔ شہر کی اہم ترین شخصیت....!"صفدر نے دوبارہ تفصیل سے تعارف شروع کیا۔"ہم سب ہی کسی نہ کسی طرح ان کے احسان مند ہیں۔ واٹر سپلائی کا نیا نظام انہیں کی صلاحیتوں کا مرہون منت ہے.... اور مسٹر یوچن.... مس جولیا سمجھی تھیں شائد آپ انہیں خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں۔"

"ارے نہیں.... نہیں....!"وہ زور زور سے سر ہلانے لگا۔

"تو پھر یہاں تک چلے آنے کی وجہ....!"جولیا نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"مسٹر یوچن نے وجہ بھی بتائی ہے۔"صفدر مسکرایا۔"لیکن بہتر ہوگا کہ تم بھی انہی ہی کی زبان سے سنو۔"

"نہیں.... نہیں....!"وہ شرما کر بولا۔"آپ ہی بتادیجئے مسٹر....!"

"نہیں آپ۔"

"نہیں آپ....!"یوچن نے عورتوں کی طرح لچکنے کی کوشش کی اور تھتھلا کر رہ گیا۔

جولیا کا غصہ رفع ہوچکا تھا اور اس "ادا" پر بے ساختہ مسکرا پڑی تھی۔ لیکن تجسس تو بہرحال برقرار رہا تھا۔ پھر وہ اُس سے کیا چاہتا ہے؟

"اچھا بھئی....!"صفدر اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔"مسٹر یوچن کا کہنا ہے کہ اگر تم انہیں ایک تھپڑ بھی مار دیتیں تو ان کی محنت وصول ہوجاتی۔"

"تم نے بھی بکواس شروع کردی۔"جولیا جھنجھلا گئی۔

"مسٹر یوچن.... بہتر ہوگا کہ آپ ہی بتادیں....!"صفدر بولا۔

"نہیں آپ....!"یوچن جھینپے ہوئے انداز میں ہنسا۔

”بھئی سنو....!“ صفدر نے جولیا سے کہا۔ ”بات کسی حد تک مضحکہ خیز بھی ہے لیکن تمہیں اس پر ہمدردی سے غور کرنا پڑے گا۔“

”میں جا رہی ہوں۔“

”ارر.... نہیں....!“

”خدا کے لئے میری بات سن لیجئے....!“ یوچن گھگھیایا۔

”آج شائد احمقوں کے علاوہ اور کسی سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔“

”اچھا ٹھہرو.... آخری کوشش ہے۔ اس بار شائد پوری بات تمہاری سمجھ میں آ جائے۔“

صفدر نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”بیٹھ جاؤ۔“

جولیا بُرا سا منہ بنائے بیٹھ گئی۔

”مسٹر یوچن کی والدہ ایک فرانسیسی خاتون تھیں۔“ صفدر نے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔ ”باپ چینی تھے.... مسٹر یوچن کا کہنا ہے کہ تمہاری شکل ان کی والدہ سے بہت ملتی ہے۔“

”بکواس بند کرو۔“ جولیا صوفے کے ہتھے پر ہاتھ مار کر بولی۔ ”اس کے ملازم نے ٹھیک ہی کہا تھا.... یہ سچ مچ پاگل ہے۔“

”ملازم.... کون ملازم....!“ یوچن نے حیرت سی کہا۔

”وہ دوسرا چینی....!“ جولیا اُسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

”میں نہیں جانتا وہ کون تھا؟“

”میں کیسے یقین کر لوں جب کہ تم نے اُس کی بکواس کی تردید بھی نہیں کی تھی۔“

”مجھے شدت سے غصہ آ گیا تھا اور جب مجھے شدت سے غصہ آتا ہے تو میں گونگا ہو کر رہ جاتا ہوں۔ زبان سے کچھ نہیں نکلتا۔“

”وہ کہہ رہا تھا کہ تم عورتوں کا پیچھا کرتے ہو اور جب وہ جوتا اتار کر تم پر پل پڑتی ہیں تو تم ممی ممی کہہ کر جان چھڑاتے ہو۔“

”جھوٹا تھا وہ حرام زادہ....!“ یوچن دانت پیس کر بولا۔ ”میں کبھی عورتوں کا پیچھا نہیں کرتا.... کیا میں گدھا ہوں۔“

”پھر میرا تعاقب کیوں کر رہے تھے۔“

”انہوں نے بتا تو دیا۔“ یوچن نے آہستہ سے شرمیلے لہجے میں کہا۔

جولیا نے سوچا پرلے سرے کا گدھا معلوم ہوتا ہے۔ چلو تھوڑی تفریح ہی سہی۔

”ہوں....!“ اُس نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔ ”اگر میں تمہاری ماں سے مشابہ ہوں تو پھر؟“

”پھ.... پھر.... میں کیا کہوں۔“

”نہیں.... کیا کہنا چاہتے ہو....؟“

”بس میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں.... کبھی کبھی؟“

جولیا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ”وہ دوسرا آدمی کون تھا۔“

”یقین کیجئے میں نہیں جانتا۔“

”پھر.... ممی والی بات تمہارے ذہن سے نکل کر اُس کے ذہن میں کیسے پہنچی ہو گی؟“

”میں خود بھی نہیں جانتا۔ یقین کیجئے پتہ نہیں وہ کون بدمعاش تھا۔“

”ظاہر ہے کہ وہ شروع سے آپ کے پیچھے لگا رہا ہو گا۔“

”پتہ نہیں۔“

”بہر حال مجھے تو اس پر ہنسی آ رہی ہے کہ تم مسٹر یوچن جیسے آدمی کو پاگل سمجھتی تھیں۔“ صفدر بول پڑا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد یوچن نے جولیا سے کہا۔ ”کیا آپ مجھے اپنا فون نمبر دے سکیں گی۔“

”کیوں نہیں.... ضرور ضرور....!“ جولیا سر ہلا کر بولی اور اُسے نمبر لکھوانے لگی۔ لیکن یہ عمران کے فون نمبر تھے۔

صفدر نے اُسے گھور کر دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

یوچن نے نمبر لکھ کر نوٹ بک جیب میں رکھی اور صفدر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جولیا سے کہا۔ ”کیا یہ آپ کے....!“

”دوست ہیں....!“ جولیا نے جلدی سے جملہ پورا کر دیا۔

”تو آپ یہاں نہیں رہتیں۔“

”نہیں....!“

”اوہ.... اوہ....!“ اس کے چہرے پر مایوسی بکھر گئی۔

اَب جولیا کے انداز میں بے تعلقی پیدا ہو گئی تھی اور وہ صفدر کو بتانے لگی تھی کہ سوئٹزر لینڈ میں گاجریں کس طرح کھائی جاتی ہیں.... پھر پولٹری فارمنگ پر اُتر آئی اور یوچن احمقانہ انداز میں ان کی گفتگو سنتا رہا۔ پھر دفعتاً وہ اُس سے بھی پوچھ بیٹھی۔ ”تمہاری ماں مرغیاں پالتی تھیں؟“

"نن.... ار.... ہاں.... نن.... مم میرا خیال ہے پالتی تھیں....!"

"ضرور پالتی ہوں گی...." جولیا نے کہا اور پھر صفدر سے مخاطب ہو گئی۔ اب مرغیوں کی مختلف اقسام میں زرخیزی کی نوعیت زیر بحث تھی۔

یوچن ہمہ تن گوش تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس کے مستقبل کا انحصار ہی مرغیوں پر ہو۔

"میں تو مرغیوں کی صرف ایک ہی نسل سے واقف ہوں۔" صفدر نے کہا۔

"کون سی؟"

"وہ جو کھائی جاتی ہیں۔" صفدر نے کہا اور شائد اس توقع پر یوچن کی طرف دیکھا کہ اُسے ہنسی آگئی ہو گی لیکن وہ تو کسی بار بردار گدھے کی طرح ٹھس بیٹھا تھا۔

"اچھا.... اَب چلنا چاہئے۔" جولیا اٹھتی ہوئی بولی۔

"میں بھی چلوں۔" یوچن نے بچکانہ انداز میں پوچھا۔

"تم کہاں چلو گے۔"

"تمہارے گھر...."

"دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔" جولیا پھر جھلا گئی۔

"اچھا اچھا! میں اب نہیں کہوں گا.... ناراض مت ہوئیے....!"

"اگر اب تم میرے پیچھے آئے تو سڑک پر بے عزتی کردونگی۔" جولیا نے کہا اور باہر نکل چلی آئی۔ مڑ کر دیکھا بھی نہیں کہ کہیں وہ پھر تو نہیں آرہا.... لیکن برآمدے سے اترتے ہی اُس نے سوچا کہ یوچن کو سبق تو دینا ہی چاہئے.... اُس کی گاڑی کے پیچھے ہی یوچن کی شیورلیٹ نظر آئی۔ کیوں نہ ہوا نکال دی جائے ایک آدھ پہیے کی، اُس نے سوچا اور مڑ کر برآمدے کی طرف دیکھنے لگی۔ یوچن کو شائد صفدر نے روک لیا تھا۔

وہ تیزی سے آگے بڑھی ایک دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر جھکی ہی تھی کہ پھر اس طرح اچھل کر پیچھے ہٹ آئی جیسے الیکٹرک شاک لگا ہو۔

پچھلی نشست کے نیچے ایک لاش تھی کسی عورت کی لاش جس کی گردن کاٹ دی گئی تھی۔

✪

اس کا سر چکرا گیا۔ لیکن ذہن قابو سے باہر نہیں ہوا۔ اُس نے تیزی سے چاروں طرف نظر

ڈالی اور بیگ سے رومال نکال کر دروازے کا ہینڈل صاف کیا۔

سیکرٹ سروس کے چیف ایکس ٹو کا حکم تھا کہ ایسے مواقع کبھی نہ پیدا ہونے چاہئیں جہاں پولیس سے مڈبھیڑ ہو جانے کا امکان ہو۔

اب وہ اپنی گاڑی کی طرف جھپٹی اور پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ پھر اُسے یہ نہیں کہ کس طرح گھر تک پہنچی تھی۔

وہ سوچ رہی تھی کیا اس احمق چینی کے خلاف کوئی سازش کی گئی ہے یا وہ خود ہی دیدہ و دانستہ ایک لاش اپنی کار میں لئے پھر رہا تھا؟

کچھ دیر بعد اُس نے صفدر کے نمبر ڈائیل کئے.... جواب ملنے میں دیر نہیں لگی لیکن اُس نے محسوس کیا جیسے صفدر کی آواز کانپ رہی ہو۔

"تم کہاں ہو؟" اُس نے پوچھا۔

"اپنے گھر پر....!" جولیا نے جواب دیا تھا۔

"یہ تم نے کس مصیبت میں پھنسا دیا۔"

"کیوں کیا بات ہے۔"

"فون پر نہیں بتائی جاسکتی۔"

"پھر....!"

"میں کچھ دیر بعد وہیں آؤں گا....!" صفدر نے کہا اور پھر سلسلہ منقطع ہو گیا۔

جولیا ابھی ریسیور کریڈل پر رکھ کر بیٹھی ہی تھی کہ گھنٹی بجی۔

اُس نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے عمران کی آواز آئی۔

"میرا کیا قصور ہے محترمہ جولیانا فنٹز واٹر....!" وہ پوچھ رہا تھا۔

"میں نہیں سمجھی تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"پولیس ہیڈ کوارٹر سے مجھے بور کیا جا رہا ہے۔ بار بار فون کی گھنٹی بجتی ہے تمہارا نام دہرایا جاتا ہے اور میں ہر بار رانگ نمبر کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیتا ہوں۔"

"کوئی وجہ....؟"

"وجہ بھی تم ہی بتاؤ گی۔"

"تم یہاں آجاؤ۔"

"یہی مناسب بھی ہے ورنہ اگر تم یہاں آئیں تو....!"

جولیا نے مزید کچھ سنے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

صفدر سے پہلے عمران وہاں پہنچا تھا۔ جولیا نے اُسے بتایا کہ پولیس ہیڈ کوارٹر سے اُس کے لئے کیوں پوچھ گچھ کی جا رہی ہے۔

عمران سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "تو اُس نے دوسرے چینی کو اپنا ملازم تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔"

"قطعی طور پر لاعلمی ظاہر کی تھی۔"

"کیا صفدر.... اُس آدمی کاؤچن کو پہلے سے جانتا ہے۔"

"پتہ نہیں.... میرا خیال ہے کہ صفدر تو اُسے جانتا تھا لیکن وہ صفدر سے واقف نہیں.... اُن کی گفتگو کے انداز سے یہی ظاہر ہو رہا تھا؟"

"لیکن تم نے اُسے میرے فون نمبر کیوں دیئے تھے!"

"تفریحاً....!" جولیا نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

عمران اُسے تشویش کن نظروں سے دیکھتا رہا۔ جولیا دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر کچھ دیر بعد عمران نے کہا۔ "صفدر کو پھر فون کرو۔"

"اُس نے کہا تھا کہ وہ خود آئے گا۔"

"فون کرنے سے پتہ چل جائے گا کہ وہ گھر سے روانہ ہو چکا ہے یا نہیں۔"

جولیا نے صفدر کے نمبر ڈائیل کئے لیکن جواب نہ ملا۔ دوبارہ پھر ڈائیل کئے اور عمران کی طرف دیکھ کر نفی میں سر ہلایا۔

ریسیور رکھ کر وہ اندر چلی گئی۔ عمران نشست کے کمرے میں تنہا رہ گیا۔ اُس کے چہرے پر اب بھی تشویش کے آثار تھے۔

کچھ دیر بعد کسی نے باہر سے گھنٹی بجائی۔ یہ صفدر ہی تھا۔

"اوہو.... تو جناب پہلے ہی سے موجود ہیں۔" اُس نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

عمران کچھ نہ بولا۔ وہ اُسے ٹٹولنے والی نظر سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا جولیا نے آپ کو بتایا....!" اُس نے عمران سے پوچھا۔

"اب تم بھی بتاؤ۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ "پولیس تو ویسے ہی بور کر رہی ہے۔"

"اوہ.... مجھے یاد ہے۔" صفدر ہنس پڑا۔ "جولیا نے اُسے آپ ہی کے نمبر لکھوائے تھے؟"

"تم کاؤچن کو کیسے جانتے ہو۔"

"بس یونہی! اُس سے کبھی تعارف نہیں ہوا۔ پہلے کہیں دیکھا تھا اور کسی نے اُس کا نام بتایا تھا۔"

"کار میں لاش کس نے دریافت کی تھی۔"

"خود اُسی نے.... اور چیختا ہوا پھر میرے مکان میں گھس آیا تھا۔"

"پولیس کو کس نے اطلاع دی تھی۔"

"مجھے ہی دینی پڑی تھی.... وہ تو بُری طرح بدحواس تھا۔"

"پھر پولیس کے سامنے اُس نے کیا بیان دیا۔"

"یہی کہ اُس کی لاعلمی میں کسی نے وہ لاش اُس کی کار میں لا ڈالی تھی.... ایک بڑا سا مومی تھیلا بھی کار میں ملا ہے لاش اُسی میں بھر کر وہاں لائی گئی ہوگی۔"

"لاش کی شناخت ہو سکی تھی؟"

"نہیں.... کاؤچن کے لئے اجنبی تھی۔"

"اب تم اپنی پوزیشن بتاؤ....!"

"چونکہ وہ ایک اجنبی کی حیثیت سے میرے گھر میں داخل ہوا تھا اس لئے میرے بیان میں جولیا کا نام آنا بھی ضروری ہو گیا.... لیکن میں نے اس کے رہائشی پتہ سے لاعلمی ظاہر کی۔ بس یہ لکھوا دیا کہ اکثر ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں میں اُس سے ملاقات ہوتی رہی تھی۔"

"بے حد عقلمندی کا کام کیا تم نے جو اس کے باوجود بھی یہاں دوڑے چلے آئے۔ اگر انہوں نے تمہاری نقل و حرکت کی بھی نگرانی شروع کرا دی تو....؟"

"مجھے توقع نہیں ہے کہ وہ اتنی جلدی کسی خاص نتیجے پر پہنچ کر کوئی اقدام کر سکیں۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ اتنے میں جولیا بھی واپس آگئی۔ ہاتھوں پر چائے کی ٹرے سنبھالی ہوئی تھی۔

"کیپٹن فیاض تمہیں بھی جانتا ہے اور جولیا کو بھی۔" عمران نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "جولیا کی رہائش گاہ سے لاعلمی ظاہر کر کے تم نے اچھا نہیں کیا اور پھر یہ محترمہ اُسے میرا فون نمبر بتا کر پہلے ہی مزید عقلمندی کا ثبوت دے چکی ہیں۔"

جولیا خاموشی سے چائے انڈیلتی رہی۔

اب عمران تمسخر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا پولیس نے آپ کو تنگ کیا تھا۔"

"کئی بار....!" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "وہ جولیا کا نام لیتے تھے اور میں رانگ نمبر کہہ کر ڈس کنکٹ کر دیتا تھا.... شاید اب کیپٹن فیاض میرے فلیٹ میں بیٹھا اونگھ رہا ہو۔"

جولیا نے بڑے اہتمام کے ساتھ عمران کو چائے پیش کی۔

"شکریہ.....!" عمران نے خشک لہجے میں کہا۔ "برہم چاری ہوں.....!"

"کیوں؟"

"کئی بار یہاں تقاضوں کے باوجود بھی چائے نہیں ملی۔"

"اوہ.....!" جولیا جھنجھلا گئی..... "تم سمجھتے ہو شائد میں تمہاری خوشامد کر رہی ہوں۔ خود کو کیا سمجھتے ہو۔"

"ایڈیٹ..... درجہ اول.....!"

جولیا نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر وہی پیالی صفدر کی طرف بڑھا دی۔

"لیجئے نا.....!" صفدر ہنس کر بولا۔

"ناوقت چائے نہیں پیتا۔" عمران نے بدستور خشک لہجے میں کہا۔ "اچھا اب میں چلا، اس سلسلے میں کوئی مدد نہ کر سکوں گا اپنی کھیاں خود ہی مارو۔"

وہ اٹھ گیا اور جولیا بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "جہنم میں جاؤ۔"

عمران باہر نکلا چلا آیا۔

چند لمحے باہر کھڑا اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتا رہا پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلاتا ہوا اپنی ٹوسیٹر کی طرف بڑھ گیا۔

اُس کی یہ تشویش فضول ثابت ہوئی کہ کسی نے صفدر کا تعاقب کیا ہوگا۔ آس پاس کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ البتہ اُس کا یہ اندازہ غلط نہ نکلا کہ فیاض اُس کے فلیٹ میں اس کا منتظر ہوگا۔

عمران نے بڑی گرم جوشی سے نہ صرف مصافحہ بلکہ معانقہ بھی کیا اور بہت دنوں بعد ملاقات ہونے پر افسوس بھی ظاہر کرتا ہوا بولا۔

"میاں یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ ایک ہی شہر میں رہتے ہیں اور کئی کئی ماہ تک ملاقات نہیں ہوتی۔ اب کہاں لوگ اگلے وقتوں کے...... روزانہ ملاقات نہ ہو تو حقہ ہضم نہیں ہوتا تھا۔"

"ہوں؟" فیاض اُسے گھورتا ہوا غرایا اور جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر اُس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "یہ تمہارے ہی فون کا نمبر ہے نا!"

عمران نے اُسے دیکھ کر واپس کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں ہاں..... کیوں؟ اس نمبر پر اگر کوئی بدسلوکی ہوئی ہو تو جوزف کو شرابی اور سلیمان کو فلسفی سمجھ کر معاف کر دینا۔"

"پولیس کو ایک ایسی عورت کی تلاش ہے جس نے یہ نمبر اپنا کہہ کر بتایا تھا۔"

"نہایت نامعقول عورت معلوم ہوتی ہے۔ پولیس کو اس کی تلاش ہونی ہی چاہئے۔"

"اُس نے اپنا نام جولیانا فٹنر واٹر بتایا تھا۔"

"پھر تم یہاں کیوں آئے.... کیا اُس کا پتہ تمہیں معلوم نہیں۔"

"سوال یہ ہے کہ اُس نے تمہارا نمبر کیوں بتایا۔"

"یہ سوال بھی تم اُسی سے کر سکتے ہو۔"

"ہیڈ کوارٹر سے تم سے اُس کے متعلق پوچھا گیا تھا تم نے رانگ نمبر کہہ کر سلسلہ کیوں منقطع کر دیا تھا۔"

"پھر کیا کرتا.... یہاں کوئی جولیانا فٹنر واٹر نہیں رہتی۔"

"تم انہیں اُس کا صحیح پتہ بتا سکتے تھے۔"

"ہو سکتا ہے اس شہر میں کوئی اور جولیانا فٹنر واٹر بھی ہو۔"

"وہ اس وقت کہاں ملے گی۔"

"ارے میں نے کوئی ٹھیکہ لے رکھا ہے شہر بھر کا....!" عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

"وہ بڑی الجھنوں میں پڑ جائے گی.... کاؤ یو چن زیر حراست ہے۔"

"کہاں کی ہانک رہے ہو.... یہ کاؤ یو چن کون ہے۔"

فیاض خاموشی سے اُسے گھورتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اُس نے بھی وہی داستان دہرا دی جو عمران جولیا اور صفدر سے سن چکا تھا۔

"ہوں....!" وہ سر ہلا کر بولا۔ "تو یہ عورت.... کیا لاش کی شناخت ہو گئی ہے۔"

"میں کہتا ہوں یہ جولیا خواہ مخواہ اپنی گردن پھنسا بیٹھی ہے۔" فیاض نے بڑے جوش سے کہا۔

"لاش کی شناخت ہو چکی ہے.... وہ ایک غیر ملکی سفیر کی بیوی تھی۔"

۞

اور پھر جب عمران کو یہ معلوم ہوا کہ یہ کس ملک کے سفیر کی بیوی تھی تو اُسے یک بیک سنجیدہ ہو جانا پڑا لیکن فیاض کے جوش و خروش کے مطابق وہ متحیر بھی نہ نظر آ سکا... کیونکہ مقتولہ اپنی [illegible] پرستی کے لئے خاصی مشہور تھی۔ وہ بے حد سنجیدہ اس لئے ہو جانا پڑا تھا کہ وہ غیر ملکی سفیر کی بیوی تھی... قتل اس کے ملک میں ہوا تھا اس لئے اس کی حکومت [illegible]

ہو سکتی تھی۔ پھر ظاہر ہے ایسی صورت میں نہ صرف محکمہ سراغ رسانی بلکہ اُمور خارجہ کی سیکرٹ سروس کے لئے دردِ سر بمقدار وافر مہیا ہو سکتا تھا۔

وہ چند لمحے تشویش کن نظروں سے فیاض کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”ہاں ممکن ہے کہ یہ کسی رقابت کا فنشنگ ٹچ ہو۔“

”اس لئے جولیا کی پوزیشن نازک بھی ہو سکتی ہے۔“

”جولیا کو جہنم میں جھونکو اگر وہ ایسے ہی گھٹیا ٹیسٹ کی مالک ہے۔“ عمران بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

”کیا مطلب....!“

”وہ کسی چینی کے لئے کسی عورت کو قتل نہیں کر سکتی۔ میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں۔“

”ضروری نہیں کہ وہ قتل کسی چینی کے لئے ہوا ہو.... کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ الزام اُسی چینی کے سر تھوپنے کے لئے لاش اُس کی گاڑی میں ڈال دی گئی ہو۔“

”چینی ہی کیوں؟“ عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ چند لمحے خاموش رہ کر مسکرایا۔ مسکراہٹ شرارت آمیز تھی۔ فیاض تاؤ کھا گیا۔ غصیلی آواز میں غرا کر بولا۔ ”جس طرح وہ اپنی بعض خصوصیات کے لئے مشہور تھی اُسی طرح کاؤچن.... عورتوں کے لئے خاص کشش رکھتا ہے اور اُس کی کہانیاں بھی عام ہیں.... اُس کے گرد بھی عورتوں کی بھیڑ دیکھی جاتی ہے۔“

”تو گویا بعض عورتیں اُسے پسند کرتی ہیں۔“ عمران نے پوچھا۔

”تم کہنا کیا چاہتے ہو۔“ فیاض کچھ اور زیادہ جھنجھلا گیا۔

”بس اتنا ہی کہ اگر وہ کسی عورت ہی کا کام تھا تو اُس نے یوچن کو کیوں پھنسانا چاہا جب کہ وہ اُس کا محبوب تھا....! یا تو یہ تسلیم کرو کہ قتل رقابت کی بناء پر نہیں ہوا یا پھر کسی قاتلہ کی بجائے قاتل کی تلاش کرو۔ اگر کوئی عورت اُسے قتل کرتی تو یوچن کو پھنسانے کی کوشش ہرگز نہ کرتی۔“

”میں نے لفظ رقابت استعمال کیا ہے۔ اُسے کسی کے لئے مخصوص نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے قتل کرنے والا مرد ہی ہو۔ اپنی محبوبہ کے ہرجائی پن پر تاؤ کھا کر اُسے نہ صرف قتل کر دیا بلکہ یوچن کو بھی پھنسانے کی کوشش کی ہو۔“

”میں یہی عرض کرنا چاہتا تھا ڈیئر کیپٹن فیاض کہ جولیا کے پیچھے نہ پڑو۔ وہ اس خانے میں کسی طرح بھی فٹ نہ ہو سکے گی۔“

”پوچھ گچھ کے لئے وہ ہیڈ کوارٹر میں ضرور طلب کی جائے گی۔“ فیاض اُسے خوں خوار نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ عمران نے سلیمان کو آواز دی۔

”جی صاحب!“ سلیمان نے دروازے کی اوٹ سے سر نکال کر پوچھا۔

”صاحب کے لئے ایک گلاس ٹھنڈا پانی لاؤ۔“

سلیمان مؤدبانہ انداز میں سر کو جنبش دے کر چلا گیا اور فیاض عمران کو گھونسہ دکھا کر بولا۔

”میں کسی دن بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔“

”آج بھی موقع ہے۔“

”میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ اُس نے تمہارا فون نمبر اُسے کیوں لکھوایا تھا۔“ فیاض میز پر گھونسہ مار کر دہاڑا۔

”آہستہ۔ پیارے آہستہ۔ میرا باڈی گارڈ جوزف اختلاج قلب کا مریض ہے۔“ عمران نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

”میری بات کا جواب دو۔“

”کسی رسالے کے ایڈیٹر کو لکھ بھیجو۔ جواب چھپ بھی جائے گا۔“

فیاض کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں لیکن وہ خاموش ہی رہا۔ البتہ پلکیں جھپکائے بغیر عمران کو گھورے جا رہا تھا۔

سلیمان نے پانی کا گلاس لا کر نہایت ادب سے فیاض کے سامنے پیش کر دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ فرش پر گر کر چور چور ہو گیا۔ کیونکہ فیاض نے اُسے پلیٹ سے اٹھانے کی بجائے سلیمان کا ہاتھ جھٹک دیا تھا وہ پھر خود بھی اٹھتا ہوا بولا۔ ”دیکھ لوں گا.... ابھی تمہیں بھی ہیڈ کوارٹر ہی میں طلب کراتا ہوں۔“

عمران کو کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر وہ باہر نکل گیا۔

سلیمان کبھی عمران کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی ٹوٹے ہوئے گلاس کی طرف۔

”مورف کہاں ہے۔“ عمران نے اُس سے پوچھا۔

”کیا آپ کیپٹن صاحب کا غصہ اُس پر اتاریئے گا....؟“ سلیمان نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

”اُسے یہاں بھیج دو....!“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”نہیں شائد مجھ پر ہی اُترے گا۔“

”ابے جاتا ہے.... یا!“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

سلیمان جھپٹ کر اندر چلا گیا۔

دفعتاً کسی نے باہر سے گھنٹی بجائی اور عمران کے اشارے پر سلیمان دروازے کی طرف جھپٹا۔

اور پھر اس طرح پلٹا تھا جیسے دروازے کے باہر سر نکالتے ہی کسی نے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا ہو۔

عمران نے اُسے گھور کر دیکھا۔

"بڑے.... بڑے....!" سلیمان ہانپتا ہوا بولا۔ لیکن جملہ پورا نہ کر سکا۔

"کیا بکتا ہے....!"

"بڑے بڑے پولیس آفیسر....!"

عمران خود اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"فف فرمایئے....!" اُس نے دروازے سے باہر نکلنے سے قبل ہی پوچھا.... اور پھر جب مخاطب پر نظریں پڑیں تو اُسے سنجیدہ ہو جانا پڑا کیونکہ وہ موجودہ ڈی آئی جی سے بخوبی واقف تھا۔ لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ خود بھی اُس سے واقف ہو۔

"میں مس جولیانا فٹنر واٹر سے ملنا چاہتا ہوں....!" اُس نے عمران کو نیچے سے اوپر تک گھورتے ہوئے کہا۔

"مس ونولیا.... ڈرنک واٹر....!" عمران نے حیرت سے دہرایا۔

"جولیانا فٹنر واٹر....!" اُس نے سخت لہجے میں کہا۔

"یہاں اس نام کی کوئی مس نہیں رہتیں.... یہاں تو میں.... یعنی کہ جی ہاں....!"

"آپ کون ہیں....!"

"علی عمران ایم ایس سی۔ ڈی۔ ایس۔ سی۔ آکسن....!"

ڈی آئی جی کے پیچھے کھڑے ہوئے ایک ماتحت آفیسر نے آگے بڑھ کر آہستہ سے کہا۔

"جناب والا شائد ہمیں غلط فہمی ہوئی ہے.... یہ یہاں تنہا رہتے ہیں۔"

"تم کیا جانو....!"

"جناب یہ ڈائریکٹر جنرل مسٹر رحمان کے صاحب زادے ہیں اور ان کے ساتھ کوئی عورت نہیں رہتی۔"

"اوہو.... تو یہ وہ مسٹر علی عمران ہیں۔" ڈی آئی جی مسکرایا۔ "کیا آپ ہمیں بیٹھنے کو بھی نہ کہیں گے۔"

"اوہ.... ضرور ضرور.... اندر تشریف لے چلئے....!" عمران نے شرمیلے لہجے میں کہا۔

دوسرے ماتحت آفیسر مسکرا رہے تھے.... اور اب تو ڈی آئی جی کا موڈ بھی یک لخت تبدیل ہو گیا تھا۔ وہ ڈرائینگ روم میں آ بیٹھے۔

پھر ڈی۔ آئی۔ جی نے اٹھ کر عمران کے ٹیلی فون نمبر دیکھے اور سر ہلا کر بولا۔ "لیکن نمبر میں کوئی اختلاف نہیں۔"

"آخر بات کیا ہے۔" عمران نے پوچھا۔

"ایک مشتبہ عورت جولیانا فٹنر واٹر نے کسی کو آپ کے نمبر بتائے تھے۔"

"بتا سکتی ہے....!" عمران سر ہلا کر بولا۔

"میں نہیں سمجھا....!"

"وہ میری دوست ہے۔"

"جی....!"

"جی ہاں! لیکن یہاں نہیں رہتی.... ہو سکتا ہے کسی کو میرے ہی نمبر بتائے ہوں۔"

"وہ کہاں رہتی ہے۔"

عمران نے جولیا کا پتہ ایک ماتحت آفسر کو نوٹ کرایا۔

ڈی۔ آئی۔ جی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے عمران کو مخاطب کیا۔

"یہ فٹنر واٹر کیا کرتی ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ کسی فارورڈنگ کلیرنگ ایجنسی میں اسٹینو ہے۔"

"اُس کا پتہ بھی لکھ دیجئے۔"

"مجھے فرم کا نام یاد نہیں۔"

"کیا وہ کوئی بُری عورت ہے۔"

"ایسی بُری بھی نہیں ہے.... ویسے میرا خیال ہے کہ دایاں کان بائیں سے کچھ چھوٹا ہے لیکن بغور دیکھنے ہی پر اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔"

"مسٹر عمران میں آپ کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ اس لئے استدعا کروں گا کہ اس مسئلے پر سنجیدگی اختیار کیجئے۔ کیونکہ یہ ایک غیر ملکی سفیر کی بیوی کے قتل کا معاملہ ہے۔"

"قتل....!" عمران متحیرانہ انداز میں چونک پڑا۔

"جی ہاں....!"

"تو پھر جولیا کس سلسلے میں مشتبہ ہے۔"

"ہو سکتا ہے وہ قتل کے بارے میں کچھ واقف ہو۔"

"اگر یہ بات ہے تو وہ ضرور بتائے گی۔ میرا خیال ہے کہ وہ جھوٹ صرف ایسے ہی مواقع پر

بولتی ہے جب اپنی گرہ سے کچھ خرچ کرنا پڑے۔"

"کیا آپ اُسے ایک شریف اور بااصول عورت سمجھتے ہیں۔"

"قطعی.... قطعی....!" وہ سر ہلا کر بولا۔

"آپ اُسے کب سے جانتے ہیں۔"

"بہت دنوں سے....!"

"کیا وہ یہاں بھی آتی ہے۔"

"جب میرے ستارے گردش میں ہوں تو ضرور آتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"سمجھا تو میں بھی نہیں ہوں کہ اُس کے آنے کی وجہ سے ستارے گردش میں آتے ہیں یا ستارے گردش میں ہوں تو وہ آتی ہے۔"

"یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آسکی۔"

"پھر بتایئے! میں اس سلسلے میں کیا کر سکوں گا....!" عمران نے کہا اور فون کی گھنٹی کی آواز سن کر اچھل پڑا۔ جھپٹ کر ریسیور اٹھایا دوسری طرف جولیا تھی۔

"ہلو....!" عمران چہک کر بولا۔ "فرمایئے، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"بکومت! میری بات سنو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"جی....!" عمران نے حیرت سے کہا۔ "نہیں۔ نہیں جناب.... یہ جنرل اسٹور نہیں ہے.... جنرل اسٹور نہیں ہے تو پھر میں مسور کی دال کا بھاؤ بھی نہیں بتا سکتا.... جی ہاں.... رانگ نمبر....!" اُس نے سلسلہ منقطع کر کے ایک طویل سانس لی اور احمقانہ انداز میں ڈی آئی جی کی طرف دیکھنے لگا۔

پھر عمران پیشانی پر شکنیں ڈالے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا ڈی آئی جی کی طرف مڑا۔

"کیا بات ہے۔" ڈی آئی جی نے پوچھا۔

"ایک بیگم صاحبہ مسور کی دال کے بھاؤ پوچھ رہی تھیں۔" عمران ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"میں تو تنگ آگیا ہوں اس ٹیلی فون سے۔ ہر وقت مصیبت بنا رہتا ہے۔"

"اوہ تو کسی نے آپ کو جنرل مرچنٹ سمجھ کر فون کیا تھا۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ بُرا منہ بنائے بیٹھا رہا۔ "کچھ دیر خاموشی رہی پھر ڈی آئی جی بولا۔ "یہ جولیانافٹنر واٹر کیسے مزاج کی عورت ہے۔"

"مزاج تو ملتے ہی نہیں۔"

"میری مراد ٹمپرامنٹ سے تھی۔"

"میں آج تک اُسے سمجھ ہی نہیں سکا۔" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

پھر دو چار رسمی باتیں ہوئیں اور ڈی آئی جی اٹھ گیا۔

عمران گہری سوچ میں تھا۔ وہ اٹھ کر اُن کے ساتھ دروازے تک بھی نہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے جولیانافٹنر واٹر کے نمبر ڈائیل کیے۔ فوراً ہی جواب ملا۔

عمران نے اُس سے پوچھا کہ ابھی تک پولیس اُس تک پہنچی یا نہیں۔ نفی میں جواب پا کر اُس نے کہا۔ "کیپٹن فیاض اور سول پولیس سبھی کو تمہاری طرف سے تشویش لاحق ہوگئی ہے۔"

"اونہہ آنے دو.... کیا تم نے انہیں میرا پتہ بتادیا ہے۔" جولیا نے پوچھا۔

"نہ بتاتا تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ فیاض تمہاری رہائش گاہ سے واقف ہے۔"

"اور کچھ؟"

"اور کچھ بھی نہیں۔ ویسے بہتر ہوتا اگر تم اس واقعہ کی اطلاع اپنے چیف کو بھی دے دیتیں۔"

"مشورے کا شکریہ۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ لہجہ زہریلا تھا۔ عمران نے متفکرانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

کچھ دیر بعد اُس نے جوزف کو آواز دی اور وہ کمرے میں داخل ہو کر "اٹینشن" ہوگیا۔

حسبِ معمول اس وقت بھی جسم پر فوجی وردی تھی اور دونوں جانب بلٹ ہولسٹروں میں ریوالور بھی موجود تھے۔ یہ اُس کا معمول تھا جب تک جاگتا رہتا جسم سے وردی نہ اترتی اور مسلح بھی رہتا۔

"جوزف....!"

"یس باس....!"

"تمہیں نگونڈا یاد ہے.... کرنل ڈوہرنگ کا حبشی ملازم....!"

"یس باس....!"

"اُسے کس نے اپنی ضمانت میں لیا تھا؟"

"مادام نشی کانے....!"

”وہ کون تھی....؟“

”فلی پائین کے سفیر کی بیوی....!“

”اب وہ آدمی نگونڈا کہاں ہے۔“

”وہیں ہوگا باس! عورت اس کی کمزوری ہے۔“

”ہوں....!“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کیا وہ ہمیں مل سکے گا۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ مل سکے گا۔“

”میں اُس سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”ریگی بار تک چلنا پڑے گا۔ وہ زیادہ تر وہیں ملتا ہے۔“

”کیا آج بھی جب کہ اُس کی مالکہ قتل کر دی گئی ہے....!“

”کون قتل کر دی گئی۔“ جوزف نے حیرت سے پوچھا۔ ”مادام نشی کا۔“

”ہاں....اُس کی لاش ایک چینی مسٹر کاؤ یوچن کی گاڑی میں پائی گئی ہے....!“

”اوہ....!“ جوزف کے ہونٹ دائرے کی شکل میں سکڑ گئے۔

”پھر پتہ نہیں باس وہ کہاں ہوگا۔“ اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”احتیاطاً ریگی بار میں بھی دیکھ لیں گے۔ میری دانست میں تو قتل کی خبر سن کر بھی اُس نے اپنی میزبانہ چھوڑی ہوگی....وہ ایسا ہی ولد الحرام ہے....بے وفا....طوطے کی طرح آنکھیں بدل لینے والا....!“

وہ باہر آکر گاڑی میں بیٹھے....عمران خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا....جوزف پچھلی نشست پر تھا....جب بھی جوزف عمران کے ساتھ باہر نکلتا....راہگیروں کی نظریں اُن پر جم کر رہ جاتیں۔ کیونکہ جوزف کے انداز سے ایسا ہی لگتا جیسے عمران کسی ملک کا نابالغ شہزادہ ہو اور اُس کی نگہداشت کے فرائض جوزف کے سپرد کر دیئے گئے ہوں۔

کچھ دیر بعد گاڑی شہر کی ایک بارونق شاہراہ کے فٹ پاتھ سے لگ کر کھڑی ہوگئی۔ بائیں جانب والی عمارت پر ”ریگی بار“ کا بڑا سا بورڈ نظر آرہا تھا۔

”آؤ....!“ عمران نیچے اترتا ہوا بولا۔

بار میں قدم رکھتے ہی عمران کو تسلیم کرنا پڑا کہ جوزف کی فراہم کردہ اطلاع غلط نہیں تھی۔ نگونڈا ایک گوشے کی میز پر تنہا بیٹھا پی رہا تھا۔ نظریں گلدان پر مرکوز تھیں اور انگلیوں میں سگریٹ سلگ رہی تھی۔

عمران سیدھا اُس طرف چلا گیا....جوزف اُس کے پیچھے چل رہا تھا۔

نگونڈا انہیں دیکھ کر چونکا اور پھر کھڑا ہوگیا۔ اُس کی حالت کسی وحشت زدہ درندے سے مشابہ تھی۔ دونوں ہاتھ بلٹ ہولسٹر میں لگے ہوئے ریوالوروں کے دستوں پر جا ٹکے تھے۔

”بیٹھ جاؤ....“ عمران سرد لہجے میں بولا۔

”اس اچانک ملاقات کا مقصد معلوم کئے بغیر نہیں....!“ نگونڈا غرایا۔ کبھی کبھی وہ جوزف کو بھی گھورنے لگتا۔

عمران اُس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا اور جوزف کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا نگونڈا سے بولا۔ ”کیا تم نے ابھی تک کوئی بُری خبر نہیں سنی۔“

”نہیں....!“ نگونڈا پھر غرایا اور ایک جھٹکے کے ساتھ بیٹھ گیا....جوزف بھی بیٹھ گیا تھا۔

”تم نے مادام نشی کو کب سے نہیں دیکھا؟ عمران نے نگونڈا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا؟“

”مطلب کیا ہے؟“

”اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ فی الحال مادام نشی کا میں دلچسپی لے رہا ہوں۔“

”میں جواب دینے کا پابند نہیں۔“

”کیا۔ تم مجھے بھول گئے۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

”نہیں اپنے موقع کا منتظر ہوں۔“

”باس....!“ جوزف نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”تم اپنی زبان تھکانے کی بجائے ہاتھوں کو تکلیف دو....سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”شٹ اپ....!“ نگونڈا جوزف پر الٹ پڑا۔

جوزف کا ہاتھ ریوالور پر گیا ہی تھا کہ عمران بول پڑا۔ ”جوزف میں یہاں کسی قسم کا جھگڑا پسند نہیں کروں گا۔“

”تو پھر باہر چلو....!“ نگونڈا نے چیلنج کیا۔

”نہیں....!“ عمران جھک کر اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا پھنکارا۔

”اگر تم آدمیوں کی طرح بات نہیں کرو گے تو پچھتانا پڑے گا۔ تمہیں ایک بار تجربہ ہو چکا ہے۔ اگر کوئی واضح ثبوت تمہارے خلاف مل سکا ہوتا تو اس وقت جیل میں بھی ہوتے۔“

نگونڈا اُسے گھورتا رہا پھر غصیلے لہجے میں بولا۔ ”کیا کہنا چاہتے ہو۔ میرے پاس زیادہ وقت

؎ اس کی داستان ”ڈاکٹر دعاگو“ جلد نمبر 34 میں ملاحظہ فرمائیں۔

نہیں ہے۔"

"کسی نے مادام نشی کا کو قتل کر دیا۔"

"کیا....؟" نگونڈا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پھر اُس نے اس انداز میں جوزف کی طرف دیکھا جیسے اس اطلاع کی تصدیق چاہتا ہو۔

"ہاں.... باس کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔" جوزف آنکھیں نکال کر بولا۔

"کس نے۔ کس نے قتل کیا مادام کو....!"

"یہ نہیں معلوم ہو سکا۔ تم صبح سے اب تک کہاں رہے ہو۔"

"کیوں؟" اُس کے تیور بدل گئے۔

"میری بات کا جواب دو....!" عمران نے سخت لہجے میں کہا۔ "تمہارا ریکارڈ بھی اچھا نہیں رہا۔"

"بارٹنڈر شہادت دے گا کہ میں آٹھ بجے صبح سے اس وقت تک یہیں رہا ہوں۔"

"اُس کی لاش ایک چینی کنٹریکٹر کاؤیو چن کی کار میں ملی ہے۔"

"کاؤیو چن....!" نگونڈا اس طرح بڑبڑایا جیسے ذہن پر زور دے رہا ہو۔

عمران اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھتا رہا۔ جوزف ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا تھا۔ شائد شراب کی بو اُسے پریشان کر رہی تھی۔

"کاؤیو چن....!" نگونڈا تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اس نام سے کان آشنا معلوم ہوتے ہیں۔ مگر یہ کب کی بات ہے۔"

"تین چار گھنٹے گذرے۔" عمران نے بدستور اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا۔"

"کیا نہیں سمجھ سکتے....؟"

"مادام نشی کا قتل... لیکن میں تمہاری باتوں پر کیسے اعتماد کرلوں۔ ہو سکتا ہے کسی چکر میں ہو۔"

"کاؤنٹر پر فون موجود ہے۔" عمران نے کاؤنٹر کی جانب ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "اپنی تشفی کر سکتے ہو.... نمبر نہ ہوں تو میں بتاؤں.... شائد براہِ راست سفیر صاحب ہی سے بات کر سکو۔"

نگونڈا کچھ نہ بولا۔

جوزف نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ عمران نے اُسے گھور کر دیکھا اور وہ خاموش ہی رہ گیا۔

عمران جانتا تھا کہ اگر دونوں کے درمیان نوک جھونک شروع ہو گئی تو کام کی بات جہاں تہاں

رہ جائے گی۔

"جلدی کرو دوست میرے پاس وقت نہیں۔" اُس نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے نگونڈا سے کہا۔

"اور کیا پوچھنا چاہتے ہو۔"

"ان دنوں وہ کس سے بہت زیادہ مل رہی تھی؟"

"یہ میں ہرگز نہیں بتاؤں گا....؟"

"کیوں....؟"

"وہ میری مالکہ تھی۔ میں اُس کا باڈی گارڈ تھا....!"

"آخر تم جیسا باڈی گارڈ رکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی؟"

"میں اس سوال کا جواب بھی نہیں دے سکوں گا۔"

"شائد پھر مجھے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے۔"

"آزما دیکھو....!" نگونڈا نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"بہت ہو چکا باس....!" جوزف غرایا۔

"تم خاموش رہو۔" عمران نے اُسے ڈانٹا۔

جوزف نے ایسا بُرا منہ بنایا جیسے اُسے اُسکے کسی پسندیدہ مشغلے سے باز رکھنے کی کوشش کی گئی ہو۔

"ہاں.... پھر؟" عمران نے نگونڈا کو مخاطب کیا۔ "شائد تم یہی چاہتے ہو کہ تمہیں مشتبہ آدمیوں کی فہرست میں جگہ دے کر پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم کیا چاہتے ہو۔"

"اُس آدمی کا نام اور پتہ چاہئے جس کے ساتھ وہ ان دنوں بہت زیادہ رہتی ہو۔"

"میں کیسے بتا سکوں گا۔"

"تم اُس کے باڈی گارڈ تھے۔"

دفعتاً نگونڈا کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی اور وہ کرسی سمیت دوسری طرف الٹ گیا۔

عمران اٹھ کر جھپٹا۔

نگونڈا کی پیشانی سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔

"جوزف....!" عمران دروازے کی طرف جھپٹتا ہوا چیخا۔ ہر چند کہ معاملہ جوزف کی سمجھ میں نہیں آیا تھا لیکن وہ اُس کے پیچھے تیزی سے دوڑ گیا۔

٭

وہ یقینی طور پر کوئی بے آواز ریوالور ہی تھا جس نے نگونڈا کا کام تمام کیا تھا۔ جیسے ہی دونوں بار سے باہر نکلے اندر سے بارٹنڈر نے چیخنا شروع کر دیا۔

"پکڑو.... پکڑو.... قاتل.... قاتل.... پولیس.... قتل.... پولیس....!"

عمران نے سوچا اگر ایسی حالت میں پکڑا گیا تو بڑی درگت بنے گی۔ اُس نے جوزف کا ہاتھ پکڑا اور اپنی گاڑی کی طرف دوڑنے لگا۔ غنیمت یہی تھا کہ بارٹنڈر باہر نہیں نکلا تھا۔ کاؤنٹر کے پیچھے ہی کھڑا چیختا رہا تھا.... اگر وہ فٹ پاتھ پر نکل آیا ہوتا تو پھر اُن دونوں کا بچنا محال ہوتا۔

کار تیزی سے دوڑتی رہی۔ جوزف مڑ مڑ کر دیکھے جا رہا تھا....

"کیا پیچھے کوئی گاڑی آ رہی ہے۔" عمران نے پوچھا۔

"نہیں باس....!" جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "لیکن یہ کیا ہوا باس....!"

"بے آواز ریوالور....؟"

"تم اُس سے کیا پوچھنا چاہتے تھے۔"

"اچھا یہ تو بتاؤ....!" عمران نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر جملہ پورا کئے بغیر کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ جوزف منہ کھولے استفہامیہ انداز میں اُسے دیکھتا رہا۔

"تو کیا وہ سچ مچ قتل کر دی گئی۔" اُس نے کچھ دیر بعد خود ہی اُس سے سوال کیا۔

"ہاں یہ درست ہے....!" عمران نے آہستہ سے جواب دیا۔

"اگر یہ درست ہے.... تو پھر....؟"

"تو پھر کیا؟"

"وہ ان دنوں ایک اجنبی کے ساتھ بہت زیادہ دیکھی جا رہی تھی۔"

"تم اُس کے متعلق اتنا زیادہ کیسے جانتے ہو۔"

"میں نگونڈا کی تاک میں تھا باس! اس لئے اُس پر بھی نظر پڑ ہی جاتی تھی۔ وہ اُس کا باڈی گارڈ ہی تو تھا۔"

"لیکن تم نگونڈا کی تاک میں کیوں رہتے تھے۔"

"ہم دونوں میں سے صرف ایک ہی زندہ رہ سکتا تھا باس....!"

"اوہو.... لیکن کیوں....؟"

"میں نے قسم کھائی تھی؟"

"اب میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم نے کیوں قسم کھائی تھی۔" عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

جوزف کچھ نہ بولا۔ وہ خالی خالی نظروں سے خلاء میں گھورے جا رہا تھا۔

"کیا تم اس چینی کو جانتے ہو جسکے ساتھ وہ دیکھی جاتی تھی۔" عمران نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"میں اُس کا نام نہیں جانتا.... موٹا اور پستہ قد آدمی ہے۔"

"ہوں....!" عمران نے طویل سانس لی۔ صفدر نے کاؤیوچن کے متعلق بھی یہی بتایا تھا کہ وہ موٹا اور پستہ قد ہے۔

"وہ کہاں رہتا ہے۔"

"میں یہ بھی نہیں جانتا۔"

"تم نے اُسے کہاں دیکھا تھا....؟"

"زیادہ تر رائیل ہوٹل میں....!"

"اوہو.... تو جناب اعلیٰ پیمانے کے ہوٹلوں میں نشست و برخاست رکھتے ہیں۔"

"ہیڈ ویٹر میرا دوست ہے؟" جوزف جلدی سے بولا۔

"ہوں! اچھا اب تم فلیٹ میں نہیں رہو گے۔ میں تمہیں رانا تہور علی والے محل میں اتار دوں گا۔"

"مجھے کب تک وہاں رہنا پڑے گا۔" جوزف نے ناخوش گوار لہجے میں پوچھا۔

"اور تم اپنی یہ فوجی وردی قطعی طور پر اتار دو گے۔" عمران نے اُس کے سوال کو نظر انداز کر کے کہا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا۔" جوزف برا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔

"تم سمجھنے کے لئے نہیں بلکہ صرف متحرک رہنے کے لئے پیدا ہوئے ہو۔" عمران نے کہا اور پھر جوزف کے ہونٹ قطعی طور پر غیر متحرک ہو گئے۔

رانا پیلس بھی سیکرٹ سروس والوں کی کمین گاہوں میں سے ایک تھی۔ جوزف کو وہیں چھوڑ کر عمران آگے بڑھ گیا۔

رائیل ہوٹل کی کمپاؤنڈ میں گاڑی روک کر وہ نیچے اُترا۔ کاؤنٹر کلرک کے علاوہ اور کسی سے [illegible] مناسب نہ سمجھ کر وہ سیدھا اُسی کی طرف چلا گیا۔

"[illegible] جناب" کلرک نے بڑی شائستگی سے پوچھا۔

"مسٹر کاؤیوچن کس کمرے میں مقیم ہیں۔"

"مسٹر کاؤیوچن....." کلرک کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ یہاں اس نام کا کوئی آدمی مقیم نہیں۔"

"ارے.... وہ موٹے سے.... چھوٹے قد والے چینی.... صاحب....!"

"چینی.... جی ہاں.... ایک ایسا چینی یہاں ہے.... لیکن اُس کا نام کاؤیوچن نہیں ہے۔"

"اوہ تو پھر میں نام بھول رہا ہوں شائد.....!" عمران متفکرانہ انداز میں اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔

"ٹھہریئے.... میں نام بتاتا ہوں۔" کلرک ایک رجسٹر اٹھا کر اس کے ورق الٹنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اُس کا نام فوہی ہے.... کمرہ نمبر بیاسی.... یہ تیسری منزل کی چوتھی راہداری میں ہے۔"

"شکریہ.... کب سے قیام ہے ان صاحب کا۔"

"تین ماہ سے۔"

"شکریہ....!"

"کیا میں انہیں فون پر مطلع کردوں کہ کوئی صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ میں ویسے ہی مل لوں گا۔"

اب عمران اوپری منزل کے زینوں کی طرف جارہا تھا۔

تیسری منزل کی چوتھی راہداری کے کمرہ نمبر بیاسی کے سامنے پہنچ کر رکا۔ دروازہ کھٹکایا لیکن جواب نہ ملا۔ پھر متواتر دستک دیتا رہا۔

دروازہ مقفل نہیں تھا کیونکہ کنجی باہر ہک سے لٹکی ہوئی تھی۔ ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور احتیاط سے اندر داخل ہو کر دروازہ پھر بند کر دیا۔

ایک موٹا اور پستہ قد چینی سامنے صوفے پر بیٹھا نظر آیا۔

"شائد تم اونچا سنتے ہو۔" عمران نے بہ آواز بلند انگریزی میں کہا۔

لیکن موٹے چینی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔

اب عمران نے غور سے دیکھا.... موٹا پلکیں جھپکائے بغیر ایک ہی سمت گھورے جارہا تھا۔ جسم میں خفیف سی حرکت بھی نہیں تھی....

کوئی غیر فطری چیز تھی اُس کے انداز میں۔ عمران تیزی سے اُس کے قریب آیا اور جھک کر اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

پھر سیدھے کھڑے ہو کر ٹھنڈی سانس لی۔ موٹا چینی مر چکا تھا۔ لیکن یہ کون تھا....؟ فوہی

یا کاؤیوچن.... ہو سکتا ہے یہ دونوں نام ایک شخصیت سے متعلق ہوں.... اُس نے مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر سوئچ آن کر کے کمرے کا بلب روشن کر دیا لیکن سوئچ کو ہاتھ لگاتے وقت اپنی انگلی پر رومال لپیٹنا نہیں بھولا تھا۔

جیب سے منا کس کا اسپائی کیمرہ نکال کر لاش کی کئی تصویریں مختلف زاویوں سے لیں اور لائٹ بند کر کے کمرے سے باہر آ گیا۔

واپسی پر اُس نے دروازے کے ہینڈل کو بھی رومال سے صاف کر دیا....!

وہ سوچ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ لیکن اُس کے علاوہ اور کوئی فیصلہ نہ کر سکا کہ کسی گمنام آدمی کی طرف سے فون پر پولیس کو اطلاع دے کہ رائیل ہوٹل کے کمرہ نمبر بیاسی میں ایک لاش موجود ہے؟

نگونڈا جو مادام نشی کا باڈی گارڈ تھا اس طرح مارا گیا اور وہ آدمی جس کے ساتھ وہ ان دنوں بہت زیادہ دیکھی گئی تھی رائیل ہوٹل کے کمرے میں مردہ پایا گیا۔ ریگی بار کا بارٹنڈر غالباً یہی سمجھا تھا کہ وہی دونوں نگونڈا کو قتل کر کے بھاگے ہیں اور رائیل ہوٹل کا کاؤنٹر کلرک بھی پولیس کو اس آدمی کی کہانی ضرور سنائے گا جس نے فوہی کے متعلق نہ صرف پوچھ گچھ کی تھی بلکہ اُس کے کمرے میں بھی گیا تھا۔

عمران سوچتا رہا اور کار شہر کی سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ ایک جگہ گاڑی روک کر وہ پھر اترا۔ قریب ہی پبلک ٹیلی فون بوتھ تھا وہاں سے پولیس ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کر کے رائیل ہوٹل والی لاش کے متعلق اطلاع دی اور باہر نکل کر تیزی سے ایک طرف روانہ ہو گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اُس نے جوزف کو ریگی بار لے جا کر غلطی کی۔ کسی باوردی اور مسلح نیگرو کی تلاش کم از کم کیپٹن فیاض کے لئے تو آسان ہی ہو گی۔

اب اُس کی گاڑی کا رخ دانش منزل کی طرف تھا....

دانش منزل پہنچ کر اُس نے سب سے پہلے بلیک زیرو کے نمبر ڈائیل کئے اور اُسے دانش منزل پہنچنے کو کہا۔ پھر ڈارک روم میں جا کر اسپائی کیمرہ سے فلم نکال کر ڈیولپ کی.... اتنے میں بلیک زیرو بھی پہنچ گیا۔ دونوں کافی دیر تک آج کی وارداتوں کے متعلق گفتگو کرتے رہے.... لیکن کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔

کچھ دیر بعد وہ دوبارہ ڈارک روم میں نظر آیا۔ .... لاش کی تصاویر انلارج کیں اور انہیں خشک کر کے جیب میں رکھتا ہوا باہر نکل آیا.... بلیک زیرو کو پہلے ہی رخصت کر چکا تھا۔

اب فون پر صفدر کے نمبر ڈائیل کئے اور اسے ٹپ ٹاپ نائٹ کلب میں آنے کو کہا۔

شام ہو چلی تھی.... سڑکوں پر ٹریفک کا اژدھام تھا۔ ٹپ ٹاپ نائٹ کلب میں بھی خاصی رونق نظر آئی۔

کچھ دیر بعد صفدر بھی آ پہنچا.... عمران نے ڈائننگ ہال میں بیٹھنا مناسب نہ سمجھا.... صفدر کو بال روم کی طرف لیتا چلا گیا۔

"کیپٹن فیاض کو آپ کی تلاش ہے۔" اُس نے عمران سے کہا۔

"ہونی ہی چاہئے....!"

"میرا خیال ہے کہ اس وقت بھی آپ کے فلیٹ میں اُس کا آدمی آپ کا منتظر ہوگا۔"

"کوئی خاص بات....!"

"ریگی بار میں کسی نے نگونڈا کو قتل کر دیا.... وہ نگونڈا.... شائد آپ کو یاد ہو.... کرنل ڈوہرنگ کا باڈی گارڈ تھا۔"

"تو پھر.... اس سلسلے میں میری تلاش کیا معنی رکھتی ہے۔"

"بارٹنڈر کے بیان کے مطابق اُس کی میز پر دو اور آدمی بھی موجود تھے۔ اُن میں ایک نیگرو تھا.... ملٹری یونیفارم میں.... اور اُس کے ہولسٹروں میں...."

عمران نے جملہ پورا ہونے سے قبل ہی چینی کی لاش کی تصاویر جیب سے نکال کر اُس کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا۔ "اسے پہچانتے ہو۔"

"نہیں....!" صفدر نے تھوڑی دیر تک اُن کا جائزہ لیتے رہنے کے بعد کہا۔

"تو یہ کاؤیوچن نہیں ہے؟"

"نہیں.... قطعی نہیں....!" صفدر نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔

❂

عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "رائل ہوٹل کے کمرہ نمبر بیاسی میں اس آدمی کی لاش موجود ہے۔ معلوم کرو کہ پولیس وہاں پہنچی یا نہیں اور اس آدمی سے متعلق جو کچھ بھی معلوم ہو سکے وہ بہر حال تمہارے چیف ایکس ٹو کے لئے کارآمد ہوگا.... تم اس کے بارے میں ساری اطلاعات براہ راست ایکس ٹو کو دے سکتے ہو۔"

"کیا اس کا تعلق بھی جولیا والے واقعے ہی سے ہے؟" صفدر نے پوچھا۔

"پتہ نہیں....!" عمران نے کہا اور خاموشی سے ایک جانب گھورتا رہا۔

"تو پھر اب میں جاؤں....!" صفدر نے پوچھا۔

"یقیناً.... ہوٹل کے رجسٹر میں اس کا نام فوہی درج ہے۔"

صفدر کو رخصت کر کے وہ پھر ڈائننگ ہال میں واپس آ گیا۔ یہاں کی رونق کچھ اور بڑھ گئی تھی.... لیکن عمران نے تو بوریت ہی محسوس کی کیونکہ ہال میں داخل ہوتے ہی کیپٹن فیاض پر نظر پڑی تھی.... اُس نے بھی شائد اسے دیکھ کر ہی ہاتھ ہلایا تھا.... وہ طوعاً و کرہاً اُسکی میز کیطرف بڑھا۔

"مجھے توقع تھی کہ یہیں ملاقات ہوگی۔" فیاض بولا۔

عمران بے دلی سے سر ہلا کر اُس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

فیاض معنی خیز انداز میں اُس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا تھا۔ عمران نے بھی آنکھیں چرانے کی کوشش نہیں کی۔

کچھ دیر بعد فیاض مسکرا کر بولا۔ "میں ریگی بار کے بارٹنڈر اور رائل ہوٹل کے کاؤنٹر کلرک سے مل چکا ہوں۔"

"بڑی خوشی کی بات ہے.... لیکن یہ جملہ تھا یا کسی کہانی کا طویل عنوان۔"

"جوزف کہاں ہے؟"

"کیا اُسے بھی بور کرو گے.... شاعری اُس کی سمجھ میں نہیں آتی۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم دونوں نگونڈا سے کیوں ملے تھے۔"

"کیا تم اس کی وجہ نہ جانتے ہو گے۔"

"جو میں پوچھ رہا ہوں اُس کا جواب دو۔"

"میں پابند تو نہیں ہوں سوپر فیاض۔"

"تم پابند ہو۔" وہ آگے جھک کر اُس کی آنکھوں میں گھورتا ہوا غرایا۔ "یہ میں ایک ذمہ دار آفیسر کی حیثیت سے پوچھ رہا ہوں۔"

"میں ایک غیر ذمہ دار شہری ہونے کے علاوہ کنوارا بھی ہوں۔" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ میں کوئی بال بچے دار آدمی تو ہوں نہیں کہ تم جیسے آفیسروں کی ناک میں نکیل [illegible]"

"تمہیں میرے سوالات کا جواب دینا ہی پڑے گا....!" فیاض میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

”پوچھو....؟“ عمران مردہ سی آواز میں بولا۔

”تم رنگی بار میں کیوں گئے تھے؟“

”کسی بار میں لوگ کیوں جاتے ہیں۔“

”تم اُس کے لئے ہرگز نہ گئے ہوگے.... میں جانتا ہوں کہ تم نہیں پیتے۔“

”پچھلے ہفتے سے پینے لگا ہوں۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”تم دونوں پر نگونڈا کے قتل کا الزام ہے اس لئے سنجیدگی سے گفتگو کرو۔“

”کیا اُسے بھی کسی نے قتل کر دیا....؟“ عمران چونک کر بولا۔ ”خاصی اچھی ایکٹنگ کی تھی۔“

”ہوں....؟“ فیاض غرایا۔

”تب تو معاملات گہرے معلوم ہوتے ہیں۔“

”کیسے معاملات....؟“

”وہ مادام نشی کا باڈی گارڈ تھا۔“

”کیا مطلب....!“ فیاض اچھل پڑا۔

”ہاں پیارے سوپر فیاض۔ وہ مادام نشی کا باڈی گارڈ تھا۔“

”میرے لئے بالکل نئی اطلاع ہے۔“ فیاض کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”تو تمہیں اس کا اعتراف ہے کہ تم اور جوزف اس سے رنگی بار میں ملے تھے۔“

عمران نے سوچا کہ وہ اُس کی شناخت کے لئے رنگی بار کے بارٹنڈر کو بھی طلب کر سکتا ہے اس لئے اب سچی بات کہہ دینے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔

”ہاں ہم اُس سے ملے تھے لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ اگلتا کسی بے آواز ریوالور کی گولی اُسے ہی چاٹ گئی۔“

فیاض اُس کی آنکھوں میں گھورتا رہا لیکن اُس کے خاموش ہو جانے پر کافی دیر تک اُس سے کوئی نیا سوال نہیں کیا۔ عمران تھوڑے توقف کے بعد خود ہی بولا۔ ”ظاہر ہے کہ مجھے اور جوزف کو بھی بھاگنا ہی پڑا ہوگا؟ کیونکہ اُس وقت وہاں بارٹنڈر کے علاوہ کوئی چوتھا آدمی نہیں تھا.... اور پھر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ بارٹنڈر ہمیں ہی قاتل سمجھ کر شور مچانے لگا تھا۔“

”خیر.... خیر.... لیکن رائیل ہوٹل میں کیوں گئے تھے۔“

”کاؤ یوچن کی تلاش میں [illegible] مادام نشی کو پچھلے دنوں کسی موٹے سے پستہ قد چینی کے ساتھ دیکھی جا رہی تھی، جو رائیل ہوٹل میں مقیم

تھا۔ میں سمجھا کاؤ یوچن ہوگا۔ کیونکہ اُس کا حلیہ بھی یہی سنا تھا۔ لیکن وہ خود ہی نکلا....!“

”غالباً تم اُس کی موت کے اسباب پر بھی روشنی ڈال سکو گے۔“

”اُس کی لاش ہی سے ملاقات ہوئی تھی۔“

”کیا خیال ہے؟ اُس کی موت کیسے واقع ہوئی ہوگی؟“

”خدا جانے....!“ عمران نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اُس کے جسم پر زخم کا نشان بھی نہیں تھا۔“

”ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ وہ دم گھٹنے کی وجہ سے مرا ہوگا۔ اب پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا انتظار ہے۔“

”اُس کے متعلق اور کیا معلومات فراہم کیں۔“ عمران نے اُسے ٹٹولنے والی نظر سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”بس اتنی ہی جتنی ہوٹل کے رجسٹر سے فراہم ہو سکتی تھیں۔“

”یعنی....!“

”وہ ہانگ کانگ سے آیا تھا۔ اُس کے پاسپورٹ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ پاسپورٹ کے علاوہ کسی دوسری قسم کے کاغذات اُس کے سامان سے برآمد نہیں ہوئے۔“

”نشی کی تصویر رائیل ہوٹل والوں کو دکھا کر تم اُس کے متعلق بہت کچھ معلوم کر سکتے ہو۔“

”شکریہ....!“ فیاض نے خشک لہجے میں کہا۔ ”لیکن تم اس معاملے میں کہاں سے آکودے۔“

”جولیانا فٹنر واٹر کی خاطر....!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

”لیکن میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ اس چکر میں نہ پڑو ورنہ پچھتاؤ گے....“

”اس مشورے کی وجہ....؟“

”[illegible] میں پوچھتا ہوں کیا ضروری ہے کہ تم ہر معاملے میں ٹانگ اڑا بیٹھو!“ فیاض جھنجھلا کر بولا۔

”میں نہ بھی اڑاؤں تو تم میری ٹانگ پکڑ کر خود ہی اس قسم کے معاملات میں اڑا دیتے ہو۔“

”ضروری نہیں ہے۔“ فیاض نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

”چلو تسلیم کر لیا....!“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”لیکن اب تو ٹانگ اڑا ہی بیٹھا ہوں اس لئے وہ آخر تک اڑی رہے گی۔ ویسے کیا تم کاؤ یوچن کی قیام گاہ سے واقف ہو۔“

”فی الحال وہ محکمہ خارجہ کی نگرانی میں ہے۔“

”چلو ٹھیک ہے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

"کیا ٹھیک ہے۔"

"یہی ہونا چاہئے تھا؟"

"میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ اس معاملے سے الگ رہو....!" فیاض نے خلوص کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھوڑی دیر خاموش رہا پھر پوچھا۔ "جوزف کہاں ہے؟"

"روپوش ہوگیا ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"اُس نے غالباً یہی سوچا ہوگا کہ کسی باوردی اور مسلح نیگرو کا تذکرہ سن کر تم اُس کی ٹانگ لو گے لہٰذا وہ کہیں کھسک گیا۔"

"اُس کا پتہ تو تمہیں بتانا ہی پڑے گا۔ میں دو چار دن اُسے حوالات میں رکھنا چاہتا ہوں۔"

"کس خوشی میں۔"

"کارکردگی تو دکھانی ہی پڑے گی۔" فیاض نے خشک لہجے میں کہا۔

"مجھے پکڑ کر بند کردو پیارے....!"

"یہ بھی ناممکن تو نہیں ہے۔" فیاض اُسے گھورتا ہوا غرایا۔

"سچ ہے بڑی بوڑھیوں کا کہنا کہ پولیس والے کسی کے یار نہیں ہوتے۔"

"میں سچ کہتا ہوں کہ اگر جوزف نہ ملا تو مجبوراً تمہیں ہی حراست میں لینا پڑے گا۔ ایک غیر ملکی سفارت خانے کا معاملہ ہے۔ اگر چوبیس گھنٹوں کے اندر کوئی گرفتاری نہ ہوئی تو خود تمہارے والد صاحب کی پوزیشن بھی بڑی خراب ہو جائے گی۔"

"اگر یہی بات ہے تو میں کسی طوائف کو پکا کئے دیتا ہوں۔" عمران نے بڑے خلوص سے کہا۔

"کیا مطلب....!"

"وہ کہہ دے گی کہ کاؤنٹ ویچن سے اُس کے تعلقات تھے۔ اُسے کسی دوسری عورت کے ساتھ دیکھ کر اُسے غصہ آگیا اس غم و غصہ کا اظہار اُس نے اپنے کسی دوسرے آشنا سے کر دیا۔ بالآخر اُس آشنا نے اُسے خوش کرنے کے لئے مادام نشی کا کو قتل کر دیا۔ خاصی اچھی روداد تیار ہو جائے گی۔"

"میں سنجیدہ ہوں عمران۔" فیاض غصیلے لہجے میں بولا۔ "تمہیں یا جوزف کو دو چار دن حوالات میں رہنا پڑے گا۔"

"اچھا تو پھر میں چلوں... اُسے تلاش کروں۔" عمران اٹھتا ہوا بولا۔

"میرا مخلصانہ مشورہ یہی ہے۔" فیاض اُس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

عمران اٹھ کر صدر دروازے کی طرف بڑھا۔ فیاض نے اُسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

کمپاؤنڈ میں پہنچ کر وہ اپنی گاڑی میں بیٹھا۔ انجن اسٹارٹ کیا اور پھاٹک سے گذر کر سڑک پر آگیا.... لیکن جب وہ پھاٹک سے گذر رہا تھا کوئی ٹھنڈی سی چیز اُس کی گردن سے آلگی ساتھ ہی کسی سرگوشی کی بھی آواز سنائی دی۔ "اعشاریہ چار پانچ کا ریوالور ہے.... چپ چاپ چلتے رہو۔ مڑ کر دیکھنے کی کوشش کی تو گردن میں سوراخ ہو جائے گا۔"

پھر ایک ہاتھ آگے بڑھا اور عقب نما آئینے کی پوزیشن بھی بدل دی گئی اس طرح کہ پچھلی سیٹ پر بیٹھنے والے کا چہرہ اُسے نظر آسکے۔ گردن پر ریوالور کی نال کا دباؤ بڑھ گیا۔

"بائیں جانب موڑو....!" ریوالور والے نے کہا اور عمران نے بے چون وچرا تعمیل کی۔ پھر بولا۔ "کہاں لے چلو گے۔"

"چپ چاپ چلتے رہو۔"

"اور اگر میں انکار کردوں تو....!"

"کر کے دیکھو....!"

عمران نے طویل سانس لی اور چپ چاپ اسٹیئر کرتا رہا۔

گردن پر ریوالور کا دباؤ بدستور محسوس ہوتا رہا۔

۞

کچھ دیر بعد وہ ایک ویران علاقے سے گذر رہے تھے۔ پچھلی نشست پر بیٹھا ہوا نامعلوم آدمی عمران کو برابر ہدایات دیتا رہا اور گردن پر ریوالور کی نال کا دباؤ بھی کم نہیں ہوا تھا۔

"اب بائیں طرف کچے راستے پر موڑ دو....!" پچھلی نشست سے کہا گیا۔

"میں ہرگز شادی نہیں کروں گا۔ چاہے کچھ ہو جائے۔" عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں سمجھ گیا.... ڈیڈی ڈارلنگ اب ایسی حرکتوں سے مجھے راہ راست پر لانا چاہتے ہیں۔"

"بکواس بند کرو.... بائیں موڑو....!" گردن پر ریوالور کا دباؤ کچھ اور بڑھ گیا۔

کار متذکرہ سمت موڑنی ہی پڑی۔ کچھ دور چلنے کے بعد کچے راستے پر دو رویہ جھاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

"روک دو....!" اچانک پچھلی نشست سے آواز آئی۔

عمران پچھلے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تین چار آدمیوں کو دیکھ چکا تھا، جو تھوڑے ہی فاصلے پر راستہ روکے کھڑے تھے۔

عمران نے گاڑی روک کر مشین بند کر دی.... اور اُسے ریوالور ہی کے زور سے نیچے اتار دیا گیا! کئی آدمی اُسے گھیرے کھڑے تھے! ان میں ہر ایک کے ہاتھ میں ریوالور نظر آرہا تھا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا....!" عمران آہستہ سے بڑبڑایا۔ اس کے لئے اندازہ کرنا دشوار تھا کہ دوسرے لمحے میں کیا ہوگا۔

"اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دو۔" کسی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ فوراً ہی تعمیل کی گئی۔ عمران نے چپ چاپ پٹی بندھوالی۔ ابھی تک کچھ کر گذرنے کا خیال بھی نہیں آیا تھا۔

اب اُسے دوبارہ گاڑی میں بٹھایا گیا۔ دو آدمیوں کے درمیان پھنسا بیٹھا تھا۔ کار چل پڑی کوئی اور ڈرائیو کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد عمران نے محسوس کیا کہ گاڑی دوبارہ پختہ سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

وہ دم سادھے چپ چاپ بیٹھا رہا۔ پتہ نہیں وہ اُس سے کیا چاہتے تھے۔ مقصد قتل کر دینا ہوتا تو ٹپ ٹاپ کی کمپاؤنڈ میں بھی یہ کام بہ آسانی انجام پا سکتا۔ یقین کے ساتھ یہ بھی تو نہیں کہا جا سکتا کہ یہ لوگ حالیہ واقعات سے متعلق تھے یا کوئی پرانے دشمن۔

تھوڑی دیر بعد خود اُسے اپنی خاموشی گراں گذرنے لگی اور اُس نے خوامخواہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "بہت دنوں سے خواہش تھی کہ کچھ دن آرام بھی کروں۔"

"ہم بھی یہی چاہتے ہیں برخوردار....!" کسی نے جواب دیا اور عمران اس طرح چونک پڑا جیسے پہلے کبھی یہ آواز سن چکا ہو۔

"شکریہ....!" عمران چہکا.... لیکن اس آواز کے متعلق ذہن پر زور دیتا رہا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ گاڑی کے انجن کی ہلکی سی آواز اس وقت ایسی ہی لگ رہی تھی جیسے کان کے پردے پھاڑے دے رہی ہو۔ اُسے اپنا سر بوجھل سا محسوس ہو رہا تھا۔ آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔ پھر خود اُسے بھی اپنے اطمینان پر حیرت ہونے لگی۔

کچھ دیر بعد گاڑی رکی اور کسی نے اس کے بائیں پہلو پر ریوالور کا دباؤ ڈال کر کہا۔ "نیچے اترو۔"

اس نے بے چوں و چرا تعمیل کی۔ دو آدمی اس کے بازو پکڑے چلاتے رہے اور پھر دفعتاً کسی [illegible]

پٹی کھلتے ہی اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ کمرے میں زیادہ قوت کے کئی بلب روشن

تھے۔ چار آدمی نظر آئے۔ لیکن کوئی صورت جانی پہچانی نہیں تھی پھر وہ آواز کس کی تھی۔ آواز سے تو ایسا ہی محسوس ہوا تھا جیسے بولنے والے کا چہرہ دیکھتے ہی وہ اُسے پہچان لے گا۔

عمران چند لمحے اُنہیں گھورتا رہا پھر بولا۔ "رات کے کھانے کی کیا رہے گی۔" انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بُرے سے منہ بنا کر رہ گئے۔

پھر ایک سریلی سی آواز آئی۔ "یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

اور عمران کی آنکھوں میں بجلیاں سی کوند گئیں.... بڑی خوبصورت لڑکی تھی۔ یوروپین تھی۔ عمران قومیت کا اندازہ نہ کر سکا۔

عمر انیس بیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ نیلے اسکرٹ اور سفید بلاؤز میں تھی۔

اُسے دیکھتے ہی چاروں آدمی وہاں سے چلے گئے لیکن عمران نے محسوس کیا کہ دروازہ باہر سے بولٹ کر دیا ہے۔ ساخت کے اعتبار سے یہ کمرہ ایئر کنڈیشنڈ معلوم ہوتا تھا۔

لڑکی خاموشی سے کھڑی اُسے دیکھتی رہی۔ چہرے پر کچھ ایسے تاثرات تھے جیسے وہ کچھ کہنا تو چاہتی ہو لیکن ہچکچاہٹ آڑے رہی ہو۔

عمران نے چاروں طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی اور منہ چلانے لگا۔

"کیا تم ناراض ہو....!" لڑکی نے دفعتاً آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں.... بالکل نہیں۔" عمران نے بڑے خلوص سے کہا۔ "بھلا اس میں ناراضگی کی کیا بات ہے۔"

"میں مجبور تھی۔"

"ضرور رہی ہوگی۔"

"چھ ماہ سے تمہیں دیکھ رہی تھی۔"

"نن...." عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "بھلا چھ ماہ میں کیا ہوتا ہے۔"

"تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔" لڑکی نے ٹھنڈی سانس لی۔

"یہ کیسے سمجھا تم نے۔"

"تم نے اس طرح لائے جانے پر حیرت نہیں ظاہر کی۔"

"عادت نہیں ہے۔ اور حیرت ظاہر کرنے میں بھی خاصی انرجی ضائع ہوتی ہے۔"

"میں دل سے تمہیں چاہتی تھی۔"

"مجھے بھوک لگ رہی ہے.... رات کا کھانا ابھی تک نصیب نہیں ہوا....!"

"اوہ.... اچھا ٹھہرو.....!" لڑکی نے آگے بڑھ کر میز پر رکھی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک آدمی اندر آکر مؤدب کھڑا ہو گیا۔

"کھانا لگاؤ.....!" لڑکی نے اُس سے کہا اور وہ قدرے خم ہو کر دروازے کی طرف مڑ گیا۔

"میں سب کچھ بتا دوں گی۔" وہ عمران سے مخاطب ہو کر بولی۔ "اور مجھے یقین ہے کہ تم مجھے معاف کر دو گے۔"

عمران صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ سامنے دیوار پر تجریدی آرٹ کا ایک نمونہ دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اُس کے چہرے پر مردنی سی چھا گئی۔ آنکھیں بند ہونے لگیں اور پھر وہ آگے پیچھے جھولتا ہوا اوندھے منہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

"ارے.... ارے.....!" لڑکی بوکھلا کر دوڑ پڑی۔

"کیا ہے.... کیا بات ہے۔" وہ اُس کے قریب دوزانو بیٹھی پوچھ رہی تھی۔

تھوڑی دیر تک تو عمران دم سادھے پڑا رہا پھر سر اٹھا کر نحیف آواز میں بولا۔ "وہ.... وہ سامنے.... والی تصویر.....!"

"آ.... ہاں!" لڑکی سر اٹھا کر تصویر کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ "کیوں.... ؟"

"اس کا مطلب سمجھاؤ مجھے.... ؟" عمران نے روہانسی آواز میں کہا۔

"یعنی.... مم.... میں نہیں سمجھی۔"

"ہائے....!" عمران کراہا۔ "تم بھی نہیں سمجھیں! تو پھر اب کون مجھے سمجھائے گا۔"

"تم کیسی باتیں کر رہے ہو! کہیں میں پاگل نہ ہو جاؤں۔ تصویر.... تصویر.... میں کیا بات ہے۔"

"بات ہی سمجھ میں آ گئی ہوتی تو اس حال کو کیوں پہنچتا۔" عمران کراہ کر اٹھ بیٹھا۔

"سچ بتاؤ.... کیا بات ہے۔"

"تجریدی آرٹ کا وہ نمونہ جو میری سمجھ میں نہ آ سکے مجھ پر یہی ظلم ڈھاتا ہے.... ٹھہرو اب دوسری طرف سے دیکھتا ہوں۔ شائد کچھ پلے پڑے۔"

وہ تصویر کی طرف منہ کر کے سر کے بل کھڑا ہو گیا۔ لڑکی قریب ہی کھڑی متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتی رہی۔

کچھ دیر بعد سیدھا ہو کر مایوسانہ لہجے میں بولا۔ "بالکل سمجھ میں نہیں آتا۔ اب کیا ہو گا۔"

"اُف خدا.... کیا [illegible] کی پیشانی [illegible] ہوئی بولی۔

"مجھے اس تصویر کا مطلب سمجھاؤ، ورنہ ہسٹریائی دورے پڑنے لگیں گے مجھ پر۔"

"اوہ... اب سمجھی... تم اس تصویر کا مضحکہ اڑانا چاہتے ہو۔ خود مجھے پسند نہیں ہے مگر پاپا۔"

"پاپا...." عمران بوکھلا کر دو چار قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ "کیا تمہارا پاپا بھی ہیں۔"

"کیوں.... ؟" لڑکی کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے۔

"اور.... اور.... میں یہاں۔"

"ہاں کیوں؟" لڑکی جھنجھلا گئی۔ "پوری بات کیا کرو۔"

"مطلب یہ کہ.... کیا وہ مجھے یہاں دیکھ کر خفا نہ ہوں گے۔"

"یقیناً.... اگر انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ تم یہاں کس طرح لائے گئے ہو۔"

"اوہ.... تو تم ان سے کیا کہو گی۔"

"یہی کہ میرے ایک دوست ہیں.... باہر سے آئے ہیں۔"

"ہوں.... بڑی چالاک معلوم ہوتی ہو.... لیکن یہ لوگ کون تھے جو مجھے یہاں لائے ہیں۔"

"ہمارے ملازمین۔"

"اگر انہوں نے تمہارے پاپا کو اطلاع دے دی تو۔"

"نہیں وہ ایسا نہیں کریں گے.... مجھے اُن پر اعتماد ہے۔"

"ہونا ہی چاہئے....!" عمران اُسے نیچے سے اوپر تک گھورتا ہوا بولا۔

"کیا مطلب....!"

"بھوک برداشت سے باہر ہو رہی ہے.... اب!" عمران پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

لڑکی نے پھر گھنٹی بجائی.... لیکن اس بار دروازہ کھلنے پر ایک سفید فام معمر غیر ملکی آدمی دکھائی دیا۔ اُس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں چندھیائی سی معلوم ہو رہی تھیں۔ کھوپڑی انڈے کے چھلکے کی [illegible] شفاف تھی۔ جسم کی بناوٹ سے خاصا توانا آدمی معلوم ہوتا تھا۔

وہ چند لمحے دروازے میں کھڑا اس طرح نتھنے سکوڑتا رہا جیسے کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہا ہو.... پھر گرج کر بولا۔ "یہاں کون ہے؟"

"مم.... میں ہوں.... پاپا....!"

"صرف تم.... ؟"

"نہیں تو.... میرے ایک فرینڈ بھی ہیں [illegible] فرانڈس [illegible]"

لفظ فرانڈس پر عمران نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کچھ ایسا منہ بنایا جیسے کوئی سخت سی چیز نگلنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"ہے.... فرنانڈس....!" بوڑھا خوش ہو کر بولا۔ "ہلو مسٹر فرنانڈس.... ہاؤڈیوڈو....!"

"اوکے.... تھینکس....!" عمران نے خالص امریکی لہجے میں جواب دیا۔

"مسٹر فرنانڈس مجھے افسوس ہے کہ تمہیں واضح طور پر نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اپنی عینک لائبریری میں بھول آیا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں.... میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ یہ تجریدی پینٹنگ....!"

"تمہیں پسند آئی....!" بوڑھے نے خوش ہو کر پوچھا۔

لڑکی اس طرح بوکھلائے ہوئے انداز میں سر ہلانے لگی جیسے عمران سے کہہ رہی ہو۔ "کہہ دو.... ہاں!"

❂

عمران نے لڑکی کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اس کا اشارہ سمجھ میں نہ آیا ہو۔ لڑکی اور زور سے سر ہلانے لگی.... آخر عمران چہک کر بولا۔ "یقیناً.... یقیناً....!" پھر اس طرح منہ بنایا جیسے اس قسم کا جھوٹ اُس کی سرشت کے خلاف ہو۔

"اس میں کون سی چیز پسند آئی ہے....!" بوڑھے نے پرجوش ہو کر پوچھا۔

"چچ.... چیز....!" عمران ہکلایا۔ "کیا اس میں کوئی چیز بھی ہے۔"

"ہائیں.... کیوں؟" بوڑھے نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں....

"بب.... بات یہ ہے کہ.... صرف ایک چیز.... ذرا سمجھ میں نہیں آئی۔"

"کیا چیز سمجھ میں نہیں آئی.... مجھ سے پوچھو! میں ہی اس پینٹنگ کا خالق ہوں۔"

"اوہ آپ....!" عمران اُسے نیچے سے اُوپر تک گھورتا ہوا بولا۔

"ہاں.... ہاں.... میں۔" بوڑھے نے فخریہ انداز میں کہا۔

"آج تک کوئی ایسا مصور میری نظر سے نہیں گذرا تھا جو تجریدی تصویریں بناتا ہو.... آج ایک دیرینہ آرزو پوری ہوئی ہے.... اب بتایئے میں آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کروں۔"

"کیا مطلب....!"

"میرا یقین ہے کہ اگر اس سلسلے میں دو چار قتل ہو جائیں تو اچھا ہے۔"

"تم نے کیا بکواس شروع کر دی.... مسٹر فرنانڈس....!"

"گذارش یہ ہے کہ اگر دو چار ایسے مصور قتل کر دیئے جاتے تو اچھا تھا۔"

"کیوں....؟" بوڑھے نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"دوسروں کو عبرت ہوتی.... اور میں دردِ سر سے بچتا۔"

"اوہ پاپا....!" لڑکی جلدی سے بولی۔ "اگر ایسی تصویریں ان کی سمجھ میں نہیں آتیں تو یہ بیہوش ہو جاتے ہیں۔"

"بس اب تم ہی سمجھاؤ.... میرے دماغ میں اتنا بوتا نہیں۔" عمران نے کہا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھامے ہوئے وہیں فرش پر اکڑوں بیٹھ گیا۔

"تو کیا یہ تصویر ان کی سمجھ میں نہیں آئی....!" بوڑھے نے لڑکی سے پوچھا۔

"بڑی دیر تک کوشش کرتے رہے پاپا.... لیکن.... اوہ.... میں نے دیکھا تھا چکرا کر گر پڑے تھے۔"

"یہ بات....!" وہ منہ بنا کر بولا۔ "اچھا.... منگواؤ میری عینک لائبریری سے۔"

لڑکی نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ ایک ملازم کمرے میں داخل ہوا۔

"پاپا کی عینک لائبریری سے لاؤ۔"

"عینک....!" وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے گھورتا رہا۔

"ہاں.... عینک.... جاؤ....!" وہ ہاتھ ہلا کر بولی۔

"تم.... عینک نہیں جانتا.... یہ.... یوں....!" اُس نے انگلیوں اور انگوٹھوں سے حلقے بنا کر آنکھوں کے قریب لاتے ہوئے کہا۔

"آہا.... چشمہ.... چشمہ....!"

"سب بقراط معلوم ہوتے ہیں۔" عمران آہستہ سے اردو میں بڑبڑایا۔ وہ اب بھی اُسی طرح سر تھامے فرش پر اکڑوں بیٹھا تھا۔

ملازم چلا گیا اور بوڑھا خلاء میں گھورتا ہوا گہری سانسیں لیتا رہا۔

"اٹھو....! اس طرح کیوں بیٹھے ہوئے ہو۔" لڑکی نے عمران کو مخاطب کیا۔

"بس اسی طرح ٹھیک ہوں.... اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہاں بھی تجریدی آرٹ سے سابقہ پڑے گا تو ہرگز نہ آتا۔"

"فرنانڈس....!"

"بس بس.... بور نہ کرو مجھے۔"

"ارے تم کیا سمجھتے ہو خود کو....!" بوڑھا غرایا۔

"اس صدی کا سب سے بڑا نقاد....!" عمران اٹھ کر اکڑتا ہوا بولا۔

"مجھے غصہ نہ دلاؤ۔"

"پاپا...پاپا...!"

"تم خاموش رہو۔"

اتنے میں ملازم عینک لایا۔ بوڑھا اُسے اپنی ناک پر جماتا ہوا عمران کی طرف مڑا چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "صورت سے تو معقول آدمی معلوم ہوتے ہو۔ دیسی ہی ہو لیکن انگریزی امریکن لہجے میں بولتے ہو۔ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔ امریکن گدھے ہوتے ہیں۔ انہیں فنون لطیفہ سے کیا سروکار۔ خیر ادھر آؤ...!"

"آ گیا...؟" عمران آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"کیا چیز سمجھ میں نہیں آئی۔"

"یہ...اس بانس پر لال رنگ کیوں چڑھایا گیا ہے....!"

"بانس...!" بوڑھے نے حیرت سے کہا۔ "ارے یہ تو ابدیت ہے.... اور یہ اس کے سرے پر جو سرخی دیکھ رہے ہو.... دائرے کی شکل میں بتدریج گہری ہوتی ہوئی سرخی.... یہ محبت ہے....اور یہ یہاں دیکھو.... نقطہ.... یہ جانتے ہو.... کیا ہے....!"

"ٹھہریے....!" عمران پینٹنگ کی طرف انگلی اٹھاتا ہوا بولا۔ "یہ ابدیت ہے.... اور یہ محبت اور.... ہاں یہ نقطہ.... یہ کیا ہے۔"

"اکائی۔"

"چلئے اکائی سہی.... بات کیا بنی....!"

"ایک مجموعی تاثر....!" اُس نے کسی قدر غصیلے لہجے میں کہا۔

"چلئے یہ بھی سہی.... مگر اُس مجموعی تاثر کو کیا کہیں۔"

"بکواس بند کرو۔" وہ حلق پھاڑ کر دہاڑا.... اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

لڑکی بے حس و حرکت کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ پھر کچھ دیر بعد عمران کی طرف مڑ کر بولی۔ "تم نے بہت بُرا کیا۔"

"اب تم بھی بور کرو گی.... کیوں؟" عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

"اوہ.... تم مجھ پر کیوں خفا ہو رہے ہو۔" لڑکی روہانسی ہو گئی۔

"پھر کس پر خفا ہونا چاہئے.... عمران نے پھر آنکھیں نکالیں۔

"میں لعنت بھیجتی ہوں اس پینٹنگ پر.... میرا بس چلتا تو اُسے آگ میں جھونک دیتی۔"

"کیوں نہیں چلتا بس.... کتنی بڑی بات ہے۔ کوشش کرو۔ سب کچھ ممکن ہے۔"

"یعنی میں اُسے سچ مچ برباد کر دوں۔"

"یقیناً....!"

"مگر پاپا...!"

"ہوں گے پاپا واپا.... اول تو میں کسی ایسے مصور کو پاپا ہی تسلیم کرنے پر تیار نہیں اور اگر کر بھی لوں تو ضروری نہیں کہ فرض فرزندی میں تجریدی بوریت بھی شامل ہو۔"

"تم پتہ نہیں کیسی باتیں کر رہے ہو۔ کیا تمہارے باپ نہیں ہیں۔"

"میرے تو ایسے باپ ہیں کہ خاندان بھر کی تجرید کر کے رکھ دی ہے۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں.... کیا کروں۔" وہ اپنی ٹھوڑی مسلتی ہوئی بولی۔

"میں نے کہا تھا کہ میں بھوکا ہوں۔" عمران غرایا۔

"اوہ.... میں خود دیکھتی ہوں۔" وہ دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"شب بخیر.... اب صبح ملاقات ہو گی۔"

"کیا مطلب...!" وہ مڑ کر مسکرائی اور بولی۔ "خام خیالی ہے تم یہاں سے نکل نہیں سکو گے۔"

عمران نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور دوسری طرف مڑ گیا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز بھی سنی لیکن مڑ کر دیکھنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔ اُس کے چہرے پر ایسا ہی اطمینان نظر آ رہا تھا جیسے سچ مچ کسی کا مہمان ہوا ہو۔

کچھ دیر بعد وہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ تنہائی میں بھی اس کی نگرانی ہو رہی ہے چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ کوئی اُسے دیکھ رہا ہے....!

دفعتاً دروازہ کھلا اور لڑکی اندر داخل ہو کر بولی۔ "چلو....!"

عمران کچھ کہے بغیر اُس کے ساتھ چل پڑا۔ طویل راہداری طے کر کے وہ ایک بڑے کمرے میں پہنچے۔ راہداری کی طوالت کہہ رہی تھی کہ وہ کوئی بڑی عمارت ہے۔ کمرے کے وسط میں کھانے کی بڑی میز تھی جس کے گرد بارہ کرسیاں نظر آ رہی تھیں لیکن وہاں ان دونوں کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔

"کیا میرے اعزاز میں کچھ اور لوگ بھی مدعو کئے گئے ہیں۔" عمران نے پوچھا۔

"نہیں ہم دونوں ہی کھائیں گے.... یہ حقیقت ہے کہ تمہارے انتظار میں ابھی تک میں

نے رات کا کھانا نہیں کھایا تھا۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ اُن کے بیٹھتے ہی ایک آدمی کھانے کی ٹرالی لایا۔

عمران نے اپنے آگے رکھی ہوئی پلیٹ سیدھی کی.... ٹرالی سے مرغ کی قاب اٹھا کر اُس کے سامنے پیش کی گئی۔

"میں مرغ نہیں کھاتا....!" عمران نے بُرا سامنہ بنا کر کہا اور قاب لڑکی کی طرف بڑھادی گئی۔

"کیوں....؟ تعجب ہے تم مرغ نہیں کھاتے۔" لڑکی نے ایک پیس کاٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں مجھے اس نامعقول کی آواز پسند نہیں ہے۔"

"بھلا آواز کا ذائقے سے کیا تعلق۔"

"کچھ تجریدی قسم کی حرکت ہو جاتی ہے ذہن میں۔"

"خیر کچھ اور لو....!"

اس بار جھینگے کی قاب اُس کے سامنے لائی گئی....اور وہ غراتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"ارے، ارے۔ کیا بات ہے۔" لڑکی نے بوکھلا کر کہا۔

"کیا تم لوگ میرا مضحکہ اڑانے پر تل گئے ہو۔"

"کیوں....؟ یہ کیسے سمجھا تم نے۔"

"یہ نامعقول چیز.... یعنی جھینگے۔"

"پھر کیا کھاتے ہو تم....!" لڑکی بھی کسی قدر جھنجھلا کر بولی۔

"کڑھی چاول....!"

"یہ کیا چیز ہے۔"

"صاحب یہاں کڑھی چاول نہیں پکتا۔" ملازم نے گھگھیا کر کہا۔

"کیا بات ہے۔" لڑکی نے عمران سے انگریزی میں پوچھا۔

"میں جو کچھ کھاتا ہوں وہی اُس سے پکوا کر کھاؤں گا۔"

"کیوں کیا پکاتا ہے۔" لڑکی نے ملازم سے پوچھا۔

"میم صاحب آپ نہیں جانتیں، جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں یہاں نہیں پک سکتا اس وقت.... ایک دیسی چیز ہے۔"

"اس وقت تو یہی کھالو....!" لڑکی نے بے بسی سے کہا۔

"ہرگز نہیں۔" عمران نے کہا اور پھر حیرت سے منہ پھاڑے رہ گیا۔ ایک عورت کمرے میں

داخل ہو رہی تھی.... لڑکی نے بھی اُسے دیکھا اور بوکھلا کر اٹھتی ہوئی بولی۔ "ہلو.... مادام نشی کا۔"

وہ مادام نشی کا ہی ہو سکتی تھی۔ عمران پہلے بھی کئی بار اُسے دیکھ چکا تھا۔ مادام نشی کا جس کی لاش کا وُیو چن کی کار میں پائی گئی تھی۔

"مجھے افسوس ہے۔" آنے والی عورت نے کہا۔ "ڈرائینگ روم میں تمہارا انتظار کرنا چاہئے تھا۔ لیکن وہ ایسی ہی ضروری بات ہے.... کیا ایک منٹ کے لئے الگ چل کر میری بات سن سکتی ہو۔"

"ضرور.... ضرور....!" لڑکی اپنی کرسی پیچھے کھسکا کر اُس کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

اور عمران حیرت سے منہ پھاڑے بیٹھا رہا.... وہ سوچ رہا تھا کیا وہ میک اپ ہو سکتا ہے؟

✡

پھر وہ چھری کانٹا پلیٹ میں رکھ کر اپنا سر سہلانے لگا۔

نووارد عورت لڑکی سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہی تھی اور لڑکی کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آرہے تھے.... پھر یک بیک وہ ہنس پڑی اور نووارد عورت کے انداز سے بھی ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اپنی کہی ہوئی باتوں کا ردعمل دیکھ کر خود بھی کافی محظوظ ہو رہی ہو۔

عمران نے ہاتھ روک لئے تھے اور انہیں اس انداز میں گھورے جارہا تھا جیسے اس ناوقت دخل اندازی کی وجہ سے اُسے غصہ آگیا ہو۔

پھر وہ عورت کچھ اسی طرح رخصت ہوئی تھی گویا جلدی میں ہو۔

لڑکی کھانے کی میز پر واپس آگئی اور عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "کیا وہ ڈرائنگ روم میں انتظار نہیں کر سکتی تھی۔"

"اوہ.... وہ بیچاری بڑی الجھن میں مبتلا ہو گئی ہے۔"

"کب تک مبتلا رہے گی.... مطلب یہ کہ پھر تو اس طرح آکر بور نہ کرے گی۔"

"تم نہیں سمجھ سکتے۔ جانتے ہو کون تھی۔"

"میں کیا جانوں.... ویسے اُس کی سپاٹ آنکھیں اور ناک کی مخصوص بناوٹ اُسے مشرق بعید کی باشندہ ثابت کرتی ہے۔"

"تمہارا خیال درست ہے وہ فلپائن کی باشندہ ہے.... ایک معزز عورت.... فلپائن کے سفیر کی بیوی.... لیکن حیرت انگیز.... انتہائی حیرت انگیز.... تم کھاؤ نا....!"

"آہم کھاؤں گا.... لیکن....؟"

"وہ مادام نشی کا کہلاتی ہے۔"

"نام تو سنا ہے۔"

"وہ مجھے بتانے آئی تھی کہ آج وہ قتل کر دی گئی۔"

"کیا مطلب....!"

"ہاں اُس کی لاش کسی کی گاڑی سے برآمد ہوئی ہے۔"

"اوہو! سمجھ گیا۔" عمران ہنس پڑا۔ "اب تم مجھے اُلو بناؤ گی۔"

"نہیں.... سچ کہتی ہوں ایسی کوئی بات نہیں.... وہ بات ہی مضحکہ خیز ہے۔"

"خیر نہ بتاؤ۔"

"بتا تو دیا ہے.... کسی عورت کی لاش ملی ہے جسے فلپائن کے سفیر نے بھی اپنی بیوی تسلیم کر لیا ہے۔ یعنی مادام نشی کا.... اب اس مادام نشی کا کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔"

"تو وہ تم سے کیا چاہتی ہے۔"

"کچھ بھی نہیں.... مجھے بھی اس لطیفے سے محظوظ کرنا چاہتی تھی۔"

"واقعی اگر شوہر سے اس طرح پیچھا چھوٹ جائے تو اُسے لطیفہ ہی کہیں گے۔"

"اوہو.... تم اُس بیچاری کا مضحکہ اڑا رہے ہو.... بُری بات ہے.... ذرا سوچو تو کہ.... وہ کس الجھن میں دوچار ہے۔"

"بھلا میں کیوں سوچوں؟"

"تم نے پھر ہاتھ روک لئے کھاؤ نا....!"

"بس شکریہ....!" عمران نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا ہوا بولا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ تو کیا وہ یہاں اس لئے لایا گیا تھا کہ نشی کا کی کوئی ہم شبیہہ دکھا کر خود اُسے الجھن میں ڈالا جائے۔

"اچھا اب تم کافی پیو گے یا چائے۔" لڑکی نے پوچھا۔

"پہلے تم اپنا نام بتاؤ....!" عمران نے احمقانہ انداز میں کہا۔

"میرا نام.... اوہ.... کیا میں نے ابھی تک نہیں بتایا۔"

عمران نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میرا نام.... ریٹا ہے.... ریٹا نکسن....!"

"اچھا تو مس ریٹا نکسن.... مجھے یہاں کب تک ٹھہرنا پڑے گا۔"

"اوہ.... تو کیا تم مجھ سے اتنی جلدی اکتا گئے۔"

"تمہارے ہی بھلے کو پوچھ رہا ہوں.... دراصل تم بہت اچھی ہو.... یعنی کہ بہت اچھی دوست ہو.... لہٰذا میں نہیں چاہتا کہ میری طرف سے کوئی بُری رائے قائم کرو۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"کیا بتاؤں.... بڑی دکھ بھری داستان ہے۔" عمران ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

"اوہو.... بتاؤ نا.... مجھے الجھن میں نہ ڈالو۔"

اتنے میں دوسرا ملازم کمرے میں داخل ہوا۔ ریٹا اُس سے کافی کے لئے کہتی ہوئی پھر عمران کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"بتاؤ نا....!" اُس نے کہا۔

"مجھ پر دورے پڑتے ہیں! ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہوں۔ اور اُسی حالت میں کبھی کتوں کی طرح بھونکتا ہوں اور کبھی بندروں کی طرح اچھل کود مچانے لگتا ہوں۔"

ریٹا بے اعتباری سے ہنسی اور ایسی نظروں سے اُسے دیکھنے لگی جیسے کوئی اکتائی ہوئی ماں اپنے شریر بچے کو دیکھتی ہے۔

"یقین کرو....!"

"ہوں....!" وہ دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"تمہارے پاپا خونخوار آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" عمران نے کہا۔

"تم ان کی فکر نہ کرو۔ میں انہیں ہینڈل کر سکتی ہوں۔"

عمران پھر کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد کافی آ گئی اور عمران پھر مادام نشی کا کا قصہ نکال بیٹھا.... اور لڑکی کسی قدر مغموم نظر آنے لگی۔

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ اب اُس بیچاری کا کیا حشر ہو گا۔"

"اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر وہ بیچاری خود کو مظلوم کیوں سمجھ رہی ہے۔ کیوں نہیں آتی منظر عام پر.... کیوں نہیں اعلان کرتی کہ اس کے متعلق لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں.... وہ کسی اور کی لاش تھی اُس کی نہیں....!"

"پتہ نہیں کیا دشواریاں ہیں.... ورنہ ہونا تو یہی چاہیے تھا۔"

"ظاہر ہے کہ انہیں نامعلوم شخصیتوں کی خاطر پریشان ہونا ہی پڑے گا۔"

"یقیناً....!" لڑکی نے طویل سانس لے کر کہا۔ "وہ مجھ سے یہی بتانے آئی تھی کہ اب...."

مل سکے گی۔"

"بڑی گہری دوستی معلوم ہوتی ہے۔" عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا اور نہ جانے کیوں ریٹا جھینپے ہوئے انداز میں آنکھیں چرانے لگی۔ پھر جلدی سے بولی۔ "کافی اور لو گے۔"

"نہیں شکریہ.....!" عمران چونک کر بولا۔ چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر آہستہ سے کہا۔ "بتاؤ نا مجھے کب تک یہاں رہنا پڑے گا۔"

"اوہ.....!" لڑکی ہنس پڑی۔ "میرا مذاق عموماً معیاری ہوتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"جب چاہوں گی تمہیں اسی طرح پکڑ بلواؤں گی۔"

"کک..... کیا.....!" عمران چاروں طرف آنکھیں پھاڑتا ہوا بولا۔ سر چکرانے لگا تھا اور آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے گنجان دائرے ناچ رہے تھے۔ کافی یقینی طور پر نشہ آور تھی..... اُس کا سر چکرا تا رہا اور وہ رہ رہ کر آنکھیں پھیلاتا اور سکوڑتا رہا۔

پھر پتہ نہیں کیا ہوا..... دوسری بار آنکھ کھلی تو چاروں طرف گہرا اندھیرا تھا..... اور شدید ترین بدبو کا احساس بالآخر اوبکائیوں میں تبدیل ہو گیا..... ہتھیلیاں زمین پر ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن ہاتھ دھنستے چلے گئے اور سر دیوار سے ٹکرایا۔

پھر اچانک اُسے احساس ہوا کہ کسی بہت بڑے ڈسٹ بن میں پڑا ہوا ہے..... بمشکل تمام وہ اس سے باہر آسکا۔

رات تاریک تھی لیکن کھلی فضا میں تاروں کی چھاؤں گرد و پیش کا جائزہ لینے میں مدد کر سکتی تھی۔ اُس نے خود کو شہر کی کسی گھنی آبادی میں پایا۔ لیکن فوری طور پر اندازہ نہ کر سکا کہ وہ کہاں ہے۔

ایسی تھکن ذہن و جسم پر طاری تھی جیسے سینکڑوں میل پیدل چلا ہو۔ کافی دیر تک وہ ایک جگہ کھڑا گہری گہری سانسیں لیتا رہا۔ خنکی بڑھ گئی تھی۔ دفعتاً اُس نے پولیس کی سیٹی کی آواز سنی جو کہیں قریب ہی سے آئی تھی۔

اُس نے اپنے کپڑے جھاڑے اور ٹائی کی گرہ درست کرنے لگا۔ پیروں کی چاپ قریب آتی جا رہی تھی۔ وزنی جوتوں کی دھمک دور دور تک پھیل رہی تھی۔

پھر وہ دونوں ڈیوٹی کانسٹیبل بھی نظر آئے جو غالباً اُسے ہی دیکھ کر چلتے چلتے رک گئے تھے۔

"کون ہے.....؟" ایک نے گونج دار آواز میں پوچھا۔

"علی عمران۔ ایس۔ ایس۔ سی۔ ڈی۔ ایس۔ سی۔ (آکسن)۔!"

وہ تیزی سے چلتے ہوئے قریب آگئے۔ ایک نے اُس کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "یہ کیا کر رہے ہو..... میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"اچھا جی.....!" اُن میں سے کوئی طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کہاں کے نواب ہو۔"

"کیا وقت ہوا ہو گا۔" عمران نے لاپروائی سے کہا۔ "میری گھڑی بند ہو گئی۔"

"تم ہو کون اور اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو۔"

"میں بھی ڈیوٹی پر ہوں۔"

"کک..... کیسی ڈیوٹی۔"

"فضول بکواس نہ کرو۔" عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"تھانے لے چلو.....!" ایک نے دوسرے سے کہا۔

"کون سے تھانے کی بات کر رہے ہو۔"

"دھام پورہ.....!"

اس طرح عمران معلوم کر سکا کہ وہ اس وقت دھام پورہ میں ہے۔ یہ شہر کی ایک نواحی بستی تھی اُسے یاد آیا کہ دھام پورہ کا انچارج اُس کی جان پہچان والوں میں سے ہے..... لہٰذا اُس نے سوچا ممکن ہے وہ اس وقت ڈیوٹی ہی پر ہو اور اُسے گرما گرم چائے کا ایک کپ مل سکے جس کی ضرورت وہ بڑی شدت سے محسوس کر رہا تھا۔

"چلو تھانے ہی چلو.....!" عمران بڑبڑایا۔ "وہاں تمہیں معلوم ہو گا کہ بڑے آدمیوں سے بدتمیزی کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔"

"آپ کک کون ہیں۔"

"چور ہے..... چور.....!" کسی جانب سے آواز آئی۔ "پکڑو اسے!" اور وہ آواز اُسے کچھ جانی پہچانی سی [illegible]۔ لیکن وہ صحیح اندازہ نہ کر سکا۔

"کون بول رہا ہے۔" ایک کانسٹیبل نے اونچی آواز میں پوچھا۔

"جلدی کرو.....!" وہی آواز پھر آئی۔ "ورنہ یہ جل دے کر نکل جائے گا۔ میں سی آئی ڈی کا آدمی ہوں۔"

اور پھر وہ دونوں کانسٹیبل عمران پر ٹوٹ پڑے۔

عمران حقیقتاً بوکھلا گیا۔ بھلا کانسٹیبلوں پر ہاتھ کس طرح اٹھتے۔ پولیس سے ہاتھا پائی کرنے کو وہ ہمیشہ سے کمینہ پن سمجھتا آیا تھا۔۔۔۔ اور پھر خود بھی ایک ذمہ دار آفیسر تھا۔

وہ کسی نہ کسی طرح اُن کے حملوں کو زد کرنے کے قابو میں آنے سے گریز کرتا رہا۔ اُدھر اُن کا جوش وخروش تھا کہ بڑھتا ہی جارہا تھا۔

ساتھ ہی وہ آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ "شاباش۔۔۔۔ ٹھیک ہے۔ گھیرو۔۔۔۔ گھیرو۔۔۔۔ جانے نہ پائے۔" لہجے میں تمسخر تھا۔۔۔۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہنس بھی رہا تھا۔

ادھر اب کانسٹیبلوں نے بھی شور مچانا شروع کر دیا تھا۔ عمران کی الجھن بڑھتی جارہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر آس پاس کے لوگ جاگ پڑے تو کیا ہوگا۔ تب تو شائد بھاگتے راستہ نہ ملے۔

ابھی تک وہ اُن کے حملوں سے بچاؤ کر رہا تھا۔ اب سوچا جدھر سینگ سمائیں بھاگ نکلو۔ کانسٹیبلوں کے پاس ریوالور تو ہوتے نہیں۔

اس بار اُس نے انہیں جھکائی دی اور ایک تاریک گلی میں گھستا چلا گیا۔ جی چھوڑ کر بھاگ رہا تھا۔۔۔۔ اس کی پرواہ کئے بغیر کہ اندھیرے میں آگے کیا ہوگا۔

دوڑتا رہا۔۔۔۔ اور اپنے پیچھے بھی کئی قدموں کی آوازیں سنتا رہا۔ ویسے اب اُسے راستہ بھی دکھائی دے رہا تھا کیونکہ تعاقب کرنے والے نے ٹارچ روشن کر رکھی تھی۔ لیکن وہ اُن کے شور سے ضرور خائف تھا برابر چیختے جارہے تھے "چور۔۔۔۔ چور۔۔۔۔ پکڑو۔۔۔۔ پکڑو۔"

عمران کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ سیدھا ہی دوڑتا رہے یا دائیں بائیں کسی گلی میں مڑ جائے۔ بعض مکانات کی کھڑکیاں کھلنے لگی تھیں۔۔۔۔ اُس نے سوچا اب آئی پوری طرح شامت۔ بپھرا ہوا مجمع تقریر سننے کے موڈ میں نہیں ہوتا۔ جتنی دیر میں وہ صفائی پیش کرے گا خود اس کا صفایا ہو چکا ہوگا۔

بہرحال وہ دوڑتا رہا۔۔۔۔ اور پھر اچانک ایک جگہ ٹھوکر کھائی۔ لاکھ سنبھلنے کے باوجود بھی ڈھیر ہو گیا۔ نہ صرف ڈھیر ہو گیا بلکہ بائیں جانب لڑھکتا چلا گیا۔۔۔۔ اور پھر جب زمین چھوڑی تو دم ہی نکل کر رہ گیا۔ پتہ نہیں کن گہرائیوں میں دفن ہونا پڑے۔

لیکن جلد ہی پھر زمین سے جسم لگا۔ غالباً وہاں گٹر ڈالے جارہے تھے۔ اُن کے لئے کھدائی ہوئی تھی۔ عمران اسی نالے میں دبکا پڑا رہا۔ شور مچاتے ہوئے کانسٹیبل قریب ہی سے دوڑتے ہوئے گذر گئے۔ اُن کے پیچھے شائد اب کچھ اور لوگ بھی تھے۔ عمران نے کئی قدموں کی چاپیں سنی تھیں۔

کچھ دیر بعد سناٹا چھا گیا پھر قریب ہی کہیں ایک کتا بھونکنے لگا۔

اب دوسری مصیبت۔۔۔۔ اُس نے سوچا کیونکہ اُس ایک آواز کے ساتھ ہی قریب دور سے متعدد آوازیں اور بھی ابھریں تھیں۔ اگر کتوں نے پیچھا لیا تو پھر گھر ہی تک پہنچا کر دم لیں گے۔

بہرحال وہ کہنیوں کے بل اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

گٹر کے لئے کھودے گئے نالے کی گہرائی چار فٹ سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔۔۔۔ ایک ہی جست اُسے نالے سے باہر لے آئی اور وہ مخالف سمت میں چلنے لگا۔ اُسی جانب رخ نہیں کیا جدھر اُس کا تعاقب کرنے والے گئے تھے۔

کتے بدستور بھونکتے رہے۔ کچھ دور چلنے کے بعد بالآخر اُن سے بھی مڈبھیڑ ہو ہی گئی۔۔۔۔ عمران کی مٹھیوں میں پہلے ہی سے دو پتھر دبے ہوئے تھے۔۔۔۔ اُس نے ہاتھ گھمادیا۔۔۔۔ اور ایک کتا چیاؤں چیاؤں کرتا ہوا دوسری طرف بھاگا۔ دوسروں نے بھی اُس کا ساتھ دیا۔۔۔۔ لیکن وہ اب بھی بھونکے جارہے تھے۔ عمران نے دوسرا پتھر بھی پھینکا اور وہ دور تک دوڑتے چلے گئے۔ ویسے وہ اب بھی آسمان سر پر اٹھائے ہوئے تھے۔

عمران بہت احتیاط اور تیزی سے راستہ طے کر رہا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد اُسے ایک جگہ بھیڑ نظر آئی۔ شائد یہ کانسٹیبلوں کا شور سن کر جاگے ہوئے لوگ تھے۔

عمران کو دیکھ کر اُن میں سے کسی نے استفسار حال کیا اور عمران نے اسی طرح چلتے ہوئے جواب دیا۔ "زندگی اجیرن ہوگئی ہے صاحب! روز یہی چکر چلتے ہیں۔۔۔۔ راتوں کی نیند حرام ہوگئی پتہ نہیں کون لوگ تھے کدھر نکل گئے۔" وہ اسی طرح بڑبڑاتا ہوا اُس بھیڑ سے بھی نکلا چلا گیا۔

اُس بستی سے کسی نہ کسی طرح باہر آیا۔۔۔۔ اب ایک سنسان سڑک سامنے تھی جس پر کم از کم پانچ میل کی مسافت طے کرنے کے بعد وہ اپنی جائے قیام تک پہنچ سکتا۔

تن بہ تقدیر چل پڑا۔ دل میں دعائیں مانگتا جارہا تھا کہ کوئی بھولی بھٹکی گاڑی ہی آنکلے اور وہ ڈرائیور سے شہر تک کی لفٹ کے لئے استدعا کرے۔

چلتا رہا۔۔۔۔ لیکن دعا قبول نہ ہوئی۔ ذہن الجھا ہوا تھا۔ ایک کے بعد دوسری گرہ سامنے آتی تھی۔ آخر وہ اس طرح کسی نامعلوم جگہ کیوں لے جایا گیا تھا؟ کیا وہ سچ مچ نشے کا تھی؟ وہ آدمی کون تھا جس نے کانسٹیبلوں کو اس کے خلاف اکسایا تھا؟ اور اُن کا مقصد کیا تھا؟

یا کوئی شخص اسے ان [illegible] میں الجھانا چاہتا تھا [illegible] معاملات کی طرف سے اس کا ذہن ہٹ جائے۔۔۔۔ وہ سوچتا رہا لیکن کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ سکا؟

کچھ دیر بعد سڑک پر ہلکی سی روشنی دکھائی دی۔ عقب سے آتی ہوئی کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپ کی روشنی تھی۔ عمران رک کر مڑا۔ گاڑی ابھی دور تھی۔ وہ پیچھے ہٹ کر اُس کا انتظار کرنے لگا.... جیسے ہی وہ قریب آئی اُس نے ہاتھ اٹھا کر رکنے کا اشارہ کیا۔

گاڑی رک گئی اور کسی نے کھڑکی سے سر نکال کر پوچھا۔ "کیا ہے؟"

"شہر تک لفٹ چاہیئے۔" عمران بولا۔

"آؤ...!" اگلی سیٹ سے آواز آئی.... اور اگلی ہی سیٹ کا دروازہ بھی کھلا.... عمران شکریہ ادا کر کے بیٹھتا ہوا بولا۔ "سردی بڑھ گئی ہے۔"

جواب میں کسی نے کچھ نہیں کہا۔ پچھلی سیٹ پر دو افراد کی موجودگی کا احساس اُسے پہلے ہی ہوا تھا۔

کار چل پڑی۔ عمران خاموش بیٹھا رہا.... پھر پچھلی نشست سے سرگوشیوں کی آواز آئی۔ کوئی ہنسا.... آواز نسوانی تھی۔ پھر بیک وقت دو قہقہے سنائی دیئے۔ دونوں ہی عورتیں تھیں۔

کار تیزی سے راستہ طے کرتی رہی۔ دفعتاً عمران نے محسوس کیا کہ وہ شہر کی طرف نہیں جا رہے۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں۔" عمران نے پوچھا۔

"وہیں جہاں جادو کی پریاں رقص کرتی ہیں۔" پچھلی نشست سے ایک سریلی سی آواز ابھری۔

"واقعی....!" عمران بچوں کے سے انداز میں خوش ہو کر اچھلا۔

لیکن اس "واقعی" کا کوئی جواب نہ ملا اور وہ سوچنے لگا کیا سچ مچ وہ کسی بڑے چکر میں پھنس گیا ہے.... اب کار ایک کچے راستے پر چل رہی تھی

"میں سمجھا تھا شائد آپ لوگ شہر جا رہے ہیں۔" عمران نے کہا۔

"دماغ اپنا اپنا!" ڈرائیو کرنے والے نے جواب دیا۔ "آپ اپنے طور پر جو چاہیں سمجھنے کے لئے آزاد ہیں۔"

"مگر مجھے تو شہر جانا تھا۔"

"یقیناً ایسا ہی رہا ہوگا۔"

"پھر میں اب کیسے جاؤں گا۔" عمران نے بچوں کے سے انداز میں کہا۔

"یہ تم خود سوچو.... ہم کیا بتائیں۔"

"تم کہاں جا رہے ہو۔"

"ہم کہاں جا رہے ہیں۔" اُس نے پھر بلند آواز میں دہرایا۔

"جہاں چاندی کی جھیل میں سونے کے کنول تیرتے ہیں۔" پچھلی نشست سے نسوانی آواز آئی۔

"سونے کے نہیں پلاٹینم کے....!" عمران نے خوش ہو کر تصحیح کی۔

کار اب ایسے راستے پر چل رہی تھی جس کے دونوں جانب گھنی جھاڑیوں کے سلسلے تھے۔

عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ آہستہ منہ چلانے لگا۔

"تو پھر بولو.... تمہیں کہاں اتاریں...." کچھ دیر بعد اُس سے پوچھا گیا۔

"اب میں نے خیال بدل دیا ہے۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"کیا مطلب....!"

"مجھے کہیں نوکری دلوا دو۔"

"پچھلی نشست سے ایک قہقہہ بلند ہوا۔ مگر یہ ایک عورت کی آواز تھی دوسری نے شائد اُسے قابل توجہ نہیں سمجھا تھا۔"

دفعتاً ایک جگہ کار رک گئی اور ساتھ ہی عمران نے کسی چیز کی چبھن اپنی گدی پر محسوس کی۔

"یہ ریوالور ہے۔" پچھلی نشست سے نسوانی آواز آئی۔ "چپ چاپ نیچے اتر جاؤ۔"

پھر پچھلی نشست سے کسی نے اُتر کر اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور عمران چپ چاپ نیچے اُتر آیا۔

کار فراٹے بھرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ کچے راستے کی دھول اُڑ کر عمران کے منہ پر آئی اور وہ دوہرا ہو کر کھانسنے لگا۔ شائد کچھ کہنے کیلئے منہ کھولا تھا کہ گرد و غبار کی یلغار حلق میں اترتی چلی گئی۔

اب کیا کرے.... وہ بے بسی سے چاروں طرف آنکھیں پھاڑنے لگا.... حد نظر تک جنگل پھیلا ہوا تھا۔ اندازہ نہ کر سکا کہ وہ کہاں اتارا گیا ہے۔

وہ دم بخود کھڑا دانت پر دانت جمانے کی مشق کرتا رہا۔ سردی اتنی ہی شدید تھی۔

پھر یک بیک۔ قریب ہی سے کسی نے انگریزی میں کہا۔ "تم یہاں تنہا تو نہیں ہو۔!"

عمران اچھل پڑا۔ آواز سے کان آشنا محسوس ہوئے۔ نسوانی آواز تھی۔

"مجھے یقین ہے کہ میں تنہا رہ ہی نہیں سکتا۔" عمران نے لاپروائی سے کہا۔ وہ اُس لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی جس کے ساتھ وہ رات کے اوپین حصے میں کھانا کھا چکا تھا.... پھر وہ اُس کے قریب آکر ملتجیانہ انداز میں بولی۔ "کیا تم مجھ سے خفا ہو۔"

"شامت آئی ہے جو کسی عورت سے خفا ہونے کا خیال بھی دل میں لاؤں گا۔"

"نہیں تم یقیناً خفا ہو گئے ہو گے۔ کیونکہ حالات ہی ایسے ہیں۔"

"میں نے ابھی تک حالات کے متعلق غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی....!"

"بولو.... ڈیئر.... ادھر دیکھو میری طرف۔" وہ اُس کا بازو پکڑ کر بولی۔

"تمہاری ہی طرف تو دیکھ رہا ہوں۔" عمران نے بے بسی سے کہا۔ "اندھیرا ہے نا....!"

"میں دراصل ایڈونچر کی شائق ہوں۔ ہر لحظہ زندگی میں نئے پن کی متلاشی رہتی ہوں۔ تمہیں کافی میں خواب آور دوا دی گئی تھی۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ تم ہوش میں آنے پر کیا کرتے ہو.... وہ کمبخت وہ کانسٹیبل نہ جانے کہاں سے آ پہنچے۔ خیر اب تو ہم یہاں ہیں۔"

پھر یک بیک وہ چونک پڑی۔ دور کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپ چمک رہے تھے۔

"اوہ....!" وہ اُس کا بازو پکڑ کر کھینچتی ہوئی بولی۔ "چلو.... شائد پاپا آرہے ہیں۔"

اور پھر وہ اُسے جھاڑیوں میں کھینچتی لیتی چلی گئی

۞

عمران اس وقت سچ مچ خود کو پرلے درجے کا احمق محسوس کر رہا تھا۔ نکلا تھا بڑے طمطراق سے کہ مادام نشی کا کے قاتل کا پتہ لگائے گا۔ لیکن اب خود اس کی ایسی حالت ہو رہی تھی جیسے کسی ضدی بچے کو بہلاتا پھر رہا ہو۔ وہ لڑکی کے ساتھ گھسٹتا ہوا ایک جگہ رکا۔

"آؤ.... آؤ....!" لڑکی ہانپتی ہوئی بولی۔

"چھپنے کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے.... میں آگے نہیں جاؤں گا۔"

"اچھا....!" لڑکی نے کہا اور قریب ہی کھڑی ہو کر ہانپنے لگی۔

"فرض کرو....!" عمران آہستہ سے بولا۔ "اگر تمہارے پاپا ہمیں یہاں دیکھ لیں تو ہمارا کیا بگاڑ لیں گے۔"

"بہت غصہ ور آدمی ہیں۔"

"عینک سمیت.... یا بغیر عینک....!"

"کیا مطلب....!"

"سجھائی تو دیتا نہیں۔ غصہ کیا کریں گے۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھی۔"

"صبح سمجھنا.... اندھیرے میں نہیں سمجھ سکو گی۔"

"آہستہ بولو۔"

"مری کیوں جا رہی ہو.... وہ دیکھو.... گاڑی ہمارے قریب ہی سے گذری جا رہی ہے.... لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ اس میں تمہارے پاپا ہی ہوں۔"

"انہیں شبہ ہو گیا تھا۔ ہو سکتا ہے انہوں نے میرا تعاقب کیا ہو۔"

"تم آخر مجھ سے کیا چاہتی ہو۔ پہلے یہ بتاؤ۔"

"میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔" لڑکی بھرائی ہوئی آواز میں بولی "اور جو کچھ پسند کرتی ہوں اُسے ہر حال میں حاصل کر لینے کی کوشش کرتی ہوں۔"

"ہوں....!" عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر پوچھا۔ "مجھے حاصل کر چکیں یا ابھی اور حاصل کرو گی۔"

لڑکی منہ دبا کر ہنسنے لگی۔ عمران خاموش کھڑا رہا۔

تھوڑی دیر بعد لڑکی نے کہا۔ "اب نکلو یہاں سے۔"

"چلو....!" عمران کچے راستے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ عمران نے ریڈیم ڈائیل والی گھڑی کی طرف دیکھا۔ چار بج رہے تھے۔ خنکی پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی۔ کچے راستے پر پہنچ کر وہ پھر رک گیا۔

"میں کیا کروں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیا بات ہے۔" لڑکی نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"صبح کی چائے کے متعلق سوچ رہا ہوں۔"

"اوہو.... پیٹ کے علاوہ کچھ اور بھی یاد رہتا ہے تمہیں۔"

"مجھے اپنے باورچی سے عشق ہے۔"

"گھٹیا باتیں نہ کرو۔"

"سچ کہتا ہوں.... جب کھانے کی میز پر قورمے کی قاب کا ڈھکن اٹھاتا ہوں، روح تازہ ہو جاتی ہے بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے، خوشبوؤں کے جزیرے کی کسی جھیل کے کنارے کھڑا ہوں۔"

"بہتر ہے چپ ہی رہو۔"

"اچھی بات ہے....!" عمران نے ٹھنڈی سانس لی پھر آسمان کی طرف سر اٹھا کر بولا۔

"دیکھو یہ ستارے کیسے لگ رہے ہیں۔"

"کیسے لگ رہے ہیں۔" لڑکی نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"بہت واہیات لگ رہے ہیں.... چائے کا کیا بنے گا۔"

"ارے بس! خاموش بھی رہو۔"

عمران ہولے ہولے اپنا سر سہلا رہا تھا۔

"تمہارے ملک میں بے وفائی عام ہے۔" لڑکی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"کیا یہی بتانے کے لئے یہاں لائی تھیں۔"

"تم آخر اتنے بور کیوں ہو رہے ہو، کون سی آفت آگئی ہے اگر تفریح کیلئے ادھر آ نکلے۔"

"تفریح کے لئے....!" عمران نے مردہ سی آواز میں دہرایا۔

"پھر کیا تمہیں یہاں قتل کرنے لائی ہوں۔"

"نہیں.... تم تو مجھے....!"

بات ادھوری رہ گئی کیونکہ قریب ہی سے فائر کی آواز آئی تھی۔ لڑکی اچھل پڑی۔

"غضب ہو گیا۔" وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "شائد پاپا نے اندھیرے میں فائرنگ شروع کر دی۔"

"تب تو بڑا اچھا ہے۔" عمران نے خوش ہو کر کہا۔ "شائد ادھر بھی کوئی گولی گھوم جائے۔"

"کیا بک رہے ہو.... چلو یہاں سے...." وہ پھر اُس کا ہاتھ پکڑ کر ایک جانب گھسیٹنے لگی۔

"میں بہت تھک گیا ہوں۔" عمران کراہا۔

"چلو.... چلو....! ورنہ سچ مچ گولی لگ جائے گی....!" لڑکی نے کہا کیونکہ ابھی ابھی دوسرے فائر کی آواز بھی سنائی دی تھی۔

"اس طرح پیدل چلنے سے تو یہی بہتر ہے کہ آدمی مر ہی جائے۔"

لڑکی اُسے گھسیٹتی رہی اور عمران بالکل اسی طرح گھسٹتا رہا جیسے کسی بچے کو کسی بات پر مجبور کیا جا رہا ہو۔

چلتے چلتے یک بیک اُس نے کہا۔ "میں تمہارا نام بھول گیا۔"

"ریٹا....!" لڑکی ہانپتی ہوئی بولی۔ "تم بچاؤ کی کوئی بات کیوں نہیں سوچتے۔"

"بچ کر کیا کروں گا.... موت کی خواہش ہی مجھے زندہ رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ ورنہ زندگی میں کیا رکھا ہے۔"

"ارے تمہیں فلسفہ سوجھ رہا ہے اس وقت۔"

ٹھیک اُسی وقت پھر فائر کی آواز آئی اور وہ اچھل پڑے.... اب تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ دوڑنا ہی شروع کر دے گی۔

"بھئی میں تو اب نہیں چل سکتا۔" دفعتاً عمران اکڑوں بیٹھتا ہوا بولا۔

"ارے.... ارے....!" وہ اُسے کھینچنے لگی۔

"ناممکن....!" عمران گردن جھٹک کر بولا۔ "میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں کہ تمہارے پاپا کتنے خونخوار ہیں۔"

"میرے خدا میں کیا کروں۔" وہ اُس کا ہاتھ چھوڑ کر بے بسی سے بولی۔

"ایڈونچر....!" عمران گنگنایا۔

"لعنت ہے ایڈونچر پر.... اگر کوئی لگ گئی تو۔"

"ہاتھ پیر ٹوٹے بغیر ایڈونچر کا مزہ نہیں آتا.... میں تو اکثر آنکھیں بند کر کے کنوئیں میں چھلانگ لگا دیتا ہوں ایڈونچر کے لئے۔"

"اچھا بس خاموش رہو۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"رر.... ریٹا....!" عمران کراہا۔ "اب پھر بھوک لگ آئی ہے....!"

دفعتاً قریب کے درختوں پر روشنی نظر آئی۔ عمران نے مڑ کر دیکھا ساتھ ہی ریٹا اچھل کر بھاگتی ہوئی بولی۔ "ارے بھاگو.... وہ پھر آ رہے ہیں۔"

عمران نے بھی اُس کا ساتھ دیا۔ اب وہ پھر جھاڑیوں میں گھس رہے تھے۔ لیکن عمران نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ وہ اس بار پکی سڑک سے قریب ہی رہنا چاہتا تھا۔

کار پھر قریب آ رہی تھی۔ رفتار تیز نہیں تھی۔

"اوہ.... چلو....!" وہ اُسے گھسیٹتی ہوئی منمنائی۔

"ہرگز نہیں۔" عمران اُسی جگہ جمتا ہوا بولا۔ "میں دیکھوں گا تمہارے پاپا کا نشانہ کیسا ہے۔"

"تم [illegible] مرنا ہی چاہتے ہو۔" ریٹا نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"مجھے کیسے یقین آئے.... مرے بغیر....!"

پھر جیسے ہی کار اُن کے قریب سے گذرنے لگی عمران حلق پھاڑ کر چیخا۔ "ہالٹ ہو کمس دیئر....!"

بریک چرچرائے تھے اور کار رک گئی تھی۔ ساتھ ہی ایک کپکپاتی ہوئی سی آواز بھی آئی تھی۔

"فرینڈز.... فرینڈز....!"

"ہائے یہ کیا تم نے....!" لڑکی نے غمناک انداز میں سسکاری لی۔

"گولی مار دوں گا....!" عمران آواز بدل کر غرایا۔ "دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے نیچے اتر آؤ۔"

دروازہ کھلا اور کوئی ہاتھ اٹھائے ہوئے گاڑی سے اتر آیا۔

عمران نے جلد ہی اندازہ لگالیا کہ گاڑی میں اُس ایک آدمی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

"اسی طرح ہاتھ اٹھائے ہوئے سیدھے چلے آؤ.... جھاڑیوں کے اندر۔" عمران نے پھر تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"ارے یہ کیا کررہے ہو تم....!" ریتا نے غصیلے انداز میں سرگوشی کی۔

عمران نے کوئی جواب نہ دیا۔ ڈرائیور دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے جھاڑیوں کی طرف بڑھ رہا تھا.... پھر جیسے ہی وہ جھاڑیوں میں داخل ہوا.... عمران کسی چیتے کی سی پھرتی سے باہر کھسک گیا۔ گاڑی کا انجن بند نہیں کیا گیا تھا۔ دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔

ایک ہی جست اُسے اگلی سیٹ پر لے گئی۔ پیر ایکسیلریٹر پر پڑا.... اور گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی.... انجن کے شور کے باوجود بھی اُس نے ریتا کی چیخیں سنی تھیں۔

کچا راستہ شیطان کی آنت ثابت ہوا.... ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔

عمران سوچ رہا تھا کہیں کسی معقول جگہ پہنچنے سے قبل ہی پٹرول ختم نہ ہوجائے

اکادکا پرندوں نے آوازیں نکالنی شروع کردی تھیں اور افق کی دھندلاہٹوں میں سرخی کی جھلکیاں نظر آنے لگی تھیں.... اور انہیں جھلکیوں کے پس منظر میں اُسے کسی مسجد کے منارے بھی دکھائی دیئے۔

کار کی رفتار تیز ہوتی رہی اور بالآخر اُس کچے راستے کا اختتام ایک بستی پر ہوا.... کچے پکے مکانات پر مشتمل یہ بستی ملگجے اندھیرے میں اونگھتی ہوئی سی محسوس ہورہی تھی۔ سناٹے میں انجن کا شور گونج رہا تھا۔

مسجد سے کچھ نمازی آتے دکھائی دیئے اور عمران نے گاڑی روک دی۔

وہ سبھی لپکتے ہوئے گاڑی کے قریب آئے۔

"یہ کون سا گاؤں ہے۔" عمران نے پوچھا۔

"رستم آباد....!" کسی نے کہا۔ "آپ کون ہیں۔"

"راستہ بھول گیا ہوں۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

"کہاں جانا تھا۔"

"شاداب نگر....!"

"غلط آگئے....!"

"کیا یہاں کچھ دیر ٹھہرنے کے لئے جگہ مل جائے گی۔"

کیوں نہیں ضرور.... ضرور....!" کسی نے کہا اور پھر کوئی قریب آیا کھڑکی پر ہاتھ ٹیک کر جھکا اور عمران کے چہرے کو بہت قریب سے گھورتا رہا۔

"ارے....!" عمران نے اُسے یک بیک پیچھے ہٹ کر کہتے سنا۔ "ارے.... ارے.... چودھریو یہ تو اپنا ڈبو ہے ڈبو.... یااللہ تیرا شکر ہے.... واپس آگیا.... یااللہ۔"

⟡

عمران سناٹے میں آگیا.... اُسے وہم بھی نہیں تھا کہ زندگی کے کسی مرحلے پر اُسے "ڈبو" بھی سمجھا جاسکے گا.... کیسا ڈبو؟.... کس کا ڈبو....

چودھریوں کا شور بڑھتا ہی جارہا تھا۔ وہ ایک ایک کرکے کھڑکی کے قریب آتے۔ اُسے گھورتے اور ہاں "ڈبو ہی معلوم پڑتا ہے!" کا نعرہ لگا کر پیچھے ہٹ جاتے۔

"آپ.... یعنی.... آپ....!" عمران اُس آدمی کی طرف دیکھ کر ہکلایا جو قریب ہی کھڑا اس طرح ہونٹ بھینچ رہا تھا جیسے آنسو روکنے کی کوشش کررہا ہو۔

"ہاں.... میرے لال.... مجھے پہچان.... میں تیرا باپ مدار بخش ہوں.... آج چوبیس برس سے آنکھیں تیری راہ پر لگی تھیں....!"

پھر وہ بڑے پیار سے موٹر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ دوسرے چودھریوں کا شور بدستور تھا۔

کوئی کہہ رہا تھا۔ "ارے موٹر لایا ہے.... موٹر....!"

"چل.... اب اتر بھی بیٹا.... تیری ماں روتے روتے اندھی ہوگئی۔" چوہدری مدار بخش نے عمران کے کاندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"اجی.... قبلہ.... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" عمران نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہ آپ کے ڈبو صاحب کوئی اور ہوں گے۔"

"لو اور سنو! مولبی صاحب!" چودھری مدار بخش نے ہانک لگائی۔ "اب ہم اپنے پیٹ کے کیڑے کو نہ پہچانیں گے۔"

دو چار اور قریب آگئے اور چودھری مدار بخش نے اُن سے شکوہ شروع کیا۔ "یہ دیکھو زمانہ، چوبیس برس بعد شکل دکھائی ہے اور اب کہوے ہے میں تمہارا بیٹا نہیں ہوں۔"

بات بڑھ گئی اور بزرگ قسم کے چودھری نے عمران کا ہاتھ پکڑ کر نیچے کھینچ لیا۔

"مم.... میں کہتا ہوں....!" عمران بے بسی سے بولا۔

"تم کچھ نہیں کہتے.... کہو بھی تو ہم نہیں سنتے....!" قوی ہیکل بوڑھا چودھری غرایا۔

"ہوں....!" عمران کراہا۔ سچ مچ بھوک کے مارے دم نکل رہا تھا اور رات بھر کی تھکن اور شب بیداری نے ذہن کو اس طرح کچل کر رکھ دیا کہ وہ ڈھنگ کی کوئی بات سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔

اُس نے سوچا چلو اسی طرح کچھ دیر آرام نصیب ہو جائے گا۔

اور پھر اُسے کشاں کشاں ایک جانب لے جایا جانے لگا.... کئی چودھری اُسے لعنت ملامت کر رہے تھے۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک نیم پختہ مکان کے سامنے رکے.... قریب ہی جانوروں کے باڑے سے کوئی بھینس ڈکرائی۔

چودھری مدار بخش نے دروازے ہی پر چیخنا شروع کر دیا۔ "ارے آ گیا.... او نصیبن کی ماں.... اپنا ڈبو آ گیا۔"

وہ اُسے گھر کے اندر دھکیل لے گئے.... اب خاصا اجالا پھیل گیا تھا۔ لیکن مکان کی دہلیز میں اب بھی ایک میلی کچیلی سی لالٹین روشن تھی۔

گوبر کی بدبو اور کسی قسم کی بساندھ فضا میں رچی بسی ہوئی تھی۔

"کون ہے.... کیا ہے....!" اندر سے کسی عورت کی بھاری بھر کم آواز آئی۔

اور پھر عمران کو ایک ایسی بوڑھی عورت سے دو چار ہونا پڑا جو دہاڑیں مار مار کر رو رہی تھی اور اُسے گالیاں بھی دے رہی تھی۔

"اب چوبیس برس بعد تو نے سدھ لی حرامی.... تیرا ناس جائے....!"

"جی ہاں.... جی ہاں.... بجا ارشاد فرمایا۔" عمران گڑگڑایا۔

"اری دیکھ تو کیسا آپ جناب کر رہا ہے.... اب بس بھی کر حرامزادی۔" چودھری نے بے حد خوش ہو کر فرمایا۔

اُدھر ایک گوشے میں غالباً محترمہ نصیبن کھڑی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔

"او.... مردار....!" چودھری مدار بخش نے اُسے گھونسہ دکھا کر کہا۔ "اب بس.... جا چولہے پر دو چار روٹیاں ٹھونک لے.... بھائی کے لئے.... بھوکا ہو گا۔"

"بالکل.... بالکل....!" عمران سر ہلا کر بولا۔

پھر کسی نہ کسی طرح بھیڑ چھٹی.... اور وہاں صرف چار افراد رہ گئے۔ مسٹر ڈبو....

چودھری مدار بخش مسماۃ نصیبن اور مسز چودھری مدار بخش....!

چودھری مدار بخش عمران کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً انہوں نے اس کی ٹائی پکڑ کر جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔ "تو تو ایسا جان پڑے ہے جیسے تحصیلدار ہو گیا ہو۔ کیوں ہے نا!"

"جی.... میں کیا عرض کروں۔" عمران نے خاکسارانہ انداز میں کہا۔ "جو جی چاہے سمجھ لیجئے۔"

"یہ لے نصیبن کی ماں۔" چودھری صاحب نے قہقہہ لگایا۔ "ابھی سے آمدنی چھپانے لگا۔ ارے کہیں شادی وادی تو نہیں کر بیٹھا۔"

"جی نہیں.... قبلہ بھلا میں کس قابل ہوں۔"

"لے دیکھ.... بالکل شریف آدمی ہو گیا ہے یہ.... قبلہ.... قبلہ.... واہ....!"

"مجھے بھوک لگی ہے جناب....!"

"لے ابھی لے.... !او.... نصیبن مردار تو ابھی تک گئی نہیں چولہے کے پاس۔"

نصیبن بیچاری سڑ سڑ کرتی بھاگ پڑی اور عمران ٹھنڈی سانس لیکر ایک جھلنگے میں دھنس گیا۔

"ارے تیری موٹر....!" دفعتاً چودھری مدار بخش نے چونک کر کہا۔

"وہ.... وہ تو وہیں کھڑی ہے۔"

"اور جو کوئی چرا لے جائے تو....؟" چودھری نے آنکھیں نکالیں۔

"چلئے.... یہیں لے آتے ہیں۔" عمران اٹھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں باہر آئے۔ عمران نے راستے میں اُس سے پوچھا۔ "آپ کو کیسے پتہ چلا تھا کہ میں آ رہا ہوں۔"

"بس بیٹا کیا بتاؤں۔ رات خواب دیکھا تیری ماں کچے گولروں سے جھولی بھرے کھڑی ہو.... آنکھ کھل گئی۔ فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ مسجد جانے کے لئے باہر نکلا ہی تھا کہ داور صاحب مل گئے۔ شہر سے آ رہے تھے اپنی موٹر میں.... مجھے روک کر بولے.... چودھری تمہارا ڈبو آ رہا ہے.... اسی راستے سے آئے گا.... کالی موٹر میں.... وہ بہت وہ ہیں کیا کہتے ہیں اُسے ہاتھ دیکھ کر جو قسمت کا حال بتاتا ہے۔"

"پامسٹ....!"

"نہیں.... بے.... وہ نجومی.... نجومی....!"

"نہیں قبلہ نجوم الگ چیز ہے.... اور پامسٹری الگ ہے جسے عربی میں علم الید کہتے ہیں۔"

"بس بے بس! بڑا آیا مولبی بن کر.... ہم تیرے باپ ہیں.... ہاں بحث نہ کیجو!"

”بہت اچھا جناب!“ عمران نے مردہ سی آواز میں کہا۔

اُس کے بعد وہ خاموشی سے گاڑی تک آئے۔ چودھری نے پھر بڑے پیار سے اُس کی چھت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔ ”یہ تیری ہی ہے نا....!“

عمران نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”اور تو تحصیلدار بھی ہو گیا ہے۔“

عمران نے پھر خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”تب تو.... اب میں تجھے ڈبو نہیں کہوں گا.... اصلی والا نام ٹھیک رہے گا۔“

”جی بہت بہتر....!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”لیکن میں اپنا اصلی والا نام بھول گیا ہوں۔“

”ارے مجھے یاد نہیں بگڑ کا کا نے تیرا نام پیر بخش رکھا تھا۔“

”پیر بخش....!“ عمران نے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس طرح دہرایا جیسے کوئی چیز حلق میں اٹک گئی ہو۔

”یاد آ گیا نا....!“

”جی.... لیکن یہ پیر بخش....! اس سے اچھا تو یہی ہے آپ مجھے ڈبو ہی کہیں۔ میں اسپیلنگ میں ہیر پھیر کر کے اُسے انگریزیا لوں گا۔“

”ہائیں ہائیں کیا بکتا چلا جا رہا ہے.... میں کچھ نہیں سمجھا....!“

”ڈبو کو ڈی باؤ.... کر لوں گا.... ڈی ای.... بی او یو.... ڈی باؤ.... لیکن اس طرح تو میں کوئی فرانسیسی معلوم ہوں گا.... خیر کوئی بات نہیں....!“

”اب موٹر لے چل یہاں سے بے فضول کی ٹائیں ٹائیں کیے جا رہا ہے.... نصیبن نے جوار کی تازی تازی روٹیاں اتار لی ہوں گی اور تیری ماں نے گڑ مکھی تیار کر لی ہو گی۔“

”تشریف رکھئے....!“ عمران نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

چودھری نے بیٹھتے وقت کھیسیں نکال دیں....

سورج ابھر آیا تھا اور گاؤں کے بچے موٹر کے گرد اکٹھا ہونے لگے تھے.... عمران نے اسٹیئرنگ سنبھالنے سے پہلے ہارن بجا کر انہیں ہٹانا چاہا اور بمشکل تمام کار آگے بڑھی اور وہ اُسے چودھری مدار بخش کے مکان کے سامنے لایا.... بچے تالیاں بجاتے اور شور مچاتے اُن کے پیچھے ہی پیچھے آئے تھے چودھری نے نیچے اتر کر انہیں دھمکانا شروع کیا.... دبی زبان سے دو چار گالیاں بھی دیں۔ لیکن بچوں کی بھیڑ وہاں سے نہ ہٹی۔

وہ پھر اندر آئے۔ بوڑھی عورت اب بھی رو رہی تھی۔ لیکن بے آواز.... کبھی کبھی کوئی سسکی فضا میں گونج اٹھتی تھی۔

”اری تو روئے جائے گی حرام خور میں کہتا ہوں اب بس کر! او مردار تو نے روٹیاں اتار دیں یا نہیں!“ چودھری باورچی خانے کی طرف لپکا....

بوڑھی عورت پھر عمران کے پاس کھڑی ہوئی دونوں ہونٹ بھینچے شائد آنسو روکنے کی کوشش کرتی رہی پھر کچھ کہے بغیر عمران کے شانوں اور بازوؤں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

”کیوں پریشان کر رہی ہے اُسے۔“ چودھری نے اُسے ڈانٹا اور پھر عمران کو مخاطب کر کے کہا۔ ”بیٹھو بیٹھو.... ان عورتوں کو رونے کے علاوہ اور کیا آتا ہے خوشی کا موقع ہے تو روئیں گی، غمی ہوتی ہے رونے کے لئے۔“

”جی بہت اچھا جناب!“ عمران نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا اور جھلنگے میں غرق ہو گیا۔

عورت آنسو پونچھتی ہوئی اُس کے پاس سے ہٹ گئی۔

چودھری پھر اُس کے پاس آ بیٹھا اور عمران نے اُس سے پوچھا۔ ”یہ داور صاحب کون ہیں۔“

”بہت اچھے ہیں وہ جو نواب صاحب کی کوٹھی تھی نا یہاں۔ سرکار نے جنگ کے زمانے میں اُسے نواب صاحب سے خرید لیا تھا۔ اب داور صاحب نے اُسے سرکار سے خرید لیا ہے۔ کبھی شہر میں رہتے ہیں اور کبھی یہاں۔“

”تو انہوں نے خواہ مخواہ آپ کو میرے بارے میں بتانا شروع کر دیا تھا۔“

”بس بے رہا وہی اُلو کا اُلو.... ابے میں نے خود انہیں بتایا تھا تیرے بارے میں کہ تو آٹھ برس کی عمر میں گھر سے بھاگ گیا تھا.... بیچاروں نے میرا ہاتھ دیکھ کر بتایا تھا کہ تو ایک نہ ایک دن ضرور واپس آئے گا۔“

”اور میں واپس آ گیا....!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر پوچھا۔

”اور تو واپس آ گیا.... دیکھو اب کے کیسی زور دار گیارہویں کرتا ہوں۔ اناج کی کمی نہیں.... دھان خوب ہوا ہے۔ کھاریاں بھری ہیں بسنتی کا بچھڑا ذبح کر دوں گا۔“

”تم چاہے بعد میں مجھے بھی ذبح کر دینا لیکن پہلے مجھے داور صاحب کے متعلق بتاؤ۔“

”انہوں نے وہ کوٹھی کب خریدی تھی۔“

”تین چار ماہ ہوئے....!“

”کیا وہ کوٹھی میں موجود ہوں گے۔“

"ہاں.... صبح آئے تو ہیں....!"

"چلو اٹھو....! میں بھی ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔"

"ابے کچھ کھا پی تو لے....!"

"نہیں.... جناب بس اٹھئے.... کھائیں گے واپسی پر....!" عمران اٹھتا ہوا بولا۔

✡

نواب صاحب کی حویلی قدیم وضع کی تھی ایک مضبوط اور بلند و بالا عمارت تھی جس کے گرد بے ترتیب باغات کے سلسلے بکھرے ہوئے تھے۔

یہ عمارت اب بھی نواب صاحب کی حویلی ہی کہلاتی تھی حالانکہ اس کا موجودہ مالک کوئی اور تھا۔ جیسے ہی عمران کی کار حویلی سے ملحقہ زمینوں کی حدود میں داخل ہوئی.... بالکل ایسی ہی آواز آئی جیسے کوئی مائیکروفون پر کہہ رہا ہو۔ "کون ہے؟ یہ عام راستہ نہیں ہے...... براہِ کرم سرخ تاروں کی حدود میں داخل ہونے کی کوشش نہ کیجئے۔ اپنی گاڑی بائیں جانب سے نکال لے جایئے۔"

"ابے ڈبو.... سن تو کیا کہہ رہا ہے....!" چودھری نے خوش ہو کر اکڑتے ہوئے کہا۔

کار عمارت کی طرف بڑھتی رہی.... لیکن دوسری بار کچھ نہیں کہا گیا۔ پھر وہ طویل برآمدے کے سامنے پہنچ کر رک گئی.... ایک بوڑھا آدمی برآمدے کی سیڑھیاں طے کر کے نیچے آرہا تھا۔

"سلام منیجر صاحب....!" چودھری نے کار کے اندر ہی سے ہانک لگائی۔

"کیا بات ہے....!" بوڑھے نے پُروقار لہجے میں پوچھا۔ اُس نے اُس کے سلام کا جواب بھی نہیں دیا تھا۔

"یہ جی.... اپنا ڈبو ہے نا....!"

بوڑھا کار کے قریب آچکا تھا۔ اُس نے عمران کو گھورتے ہوئے پھر چودھری کو مخاطب کیا۔

"میں نہیں سمجھا تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"یہ.... یہ داور صاحب سے ملنا چاہتا ہے۔"

"وہ تشریف نہیں رکھتے....!"

"پر صبح تو....!"

"ہاں آئے تھے.... لیکن پھر چلے گئے....!" بوڑھے نے کہا اور پھر عمران کی طرف دیکھنے لگا۔

"اب پھر کب تشریف لائیں گے؟" عمران نے پوچھا۔

"مرضی کے مالک ہیں۔" بوڑھے نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"آپ کون ہیں۔"

"جی....!" وہ پھر عمران کو گھورتا ہوا بولا۔ "اس جائیداد کا منیجر....!"

"آپ کب سے اس جائیداد کے منیجر ہیں۔"

"آپ....!" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔ "آپ سے سروکار؟"

"ارے.... منیجر صاحب.... یہ تحصیلدار ہو گیا ہے.... جی پیر بخش نام ہے۔ آپ نہیں جانتے.... یہ میرا ڈبو.... ڈبو....!"

"میں نہیں سمجھا جناب....!" بوڑھے نے حیرت ظاہر کی۔

"مطلب یہ کہ....!" عمران اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "مجھے حق حاصل ہے کہ صاحب جائیداد لوگوں یا اُن کے ملازمین سے اس قسم کی پوچھ کچھ کر سکوں۔"

"تو پھر تشریف لایئے نا.... میرے مالک داور صاحب بہت فراخ دل آدمی ہیں۔" بوڑھے نے مسکرا کر کہا۔ "انہوں نے آفیسروں کی خاطر و مدارت کے لئے فنڈ مخصوص کر رکھا ہے۔"

عمران دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔

"اندر تشریف لے چلئے جناب....!" بوڑھے نے اس بار بڑے ادب سے کہا۔

چودھری مدار بخش نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔ "جی ہاں.... یہ ڈبو ہے.... اپنا ڈبو.... پر اب تو پیر بخش ہی کہیں گے۔"

پھر اُس نے بڑی فراخ دلی سے دانت نکال لئے۔

"تم یہیں ٹھہرو چودھری....!" بوڑھے نے کہا۔

"لک.... کیوں؟" اُس نے منہ کھول کر عمران کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے.... آپ یہیں ٹھہریئے....!" عمران نے بھی بوڑھے کی تائید کی۔

چودھری نے بُرا سا منہ بنا کر آہستہ آہستہ کچھ بڑبڑانا شروع کر دیا۔

بوڑھا عمران کو ساتھ لئے ہوئے برآمدے میں آیا اور جب وہ اندر جا رہے تھے تو بوڑھے نے آہستہ سے کہا۔ "میم صاحب بھی آگئی ہیں۔"

"ہم سے پہلے ہی....!" عمران نے اکڑ کر پوچھا۔

"جی صاحب....!"

"خیر.... خیر.... خیر....!" عمران سر ہلا کر بولا۔

ایک لمبی راہداری طے کر کے وہ ایک بڑے کمرے میں پہنچے۔

"آپ تشریف رکھئے جناب.... میں ابھی حاضر ہوا۔" بوڑھے نے کہا اور باہر چلا گیا۔

عمران بُرا سامنہ بناتے ہوئے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

کمرہ قدیم طرز کے بھاری بھرکم فرنیچر سے آراستہ تھا۔ دروازوں پر نارنجی رنگ کے دبیز پردے لٹک رہے تھے۔ اٹھارویں صدی کے فرانسیسی مصور کے نمونے دیواروں کی زینت تھے۔

عمران ایک بڑی آرام کرسی میں دراز ہو گیا۔ کمرے میں کچھ ایسی بو محسوس ہو رہی تھی جیسے وہ عرصہ تک بند رہا ہو۔

اُس نے لیٹے ہی لیٹے طویل انگڑائی لی اور اس طرح آنکھیں بند کر لیں جیسے بہت تھک گیا ہو۔

بھوک کی وجہ سے کسی قدر نقاہت تو پہلے ہی سے محسوس کر تا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد کانوں میں گھنٹیاں سی بج اٹھیں۔ بڑی سریلی ہنسی تھی.... لیکن عمران نے آنکھیں نہیں کھولیں، کیونکہ وہ آواز تو اُس کی سماعت میں زہر گھول رہی تھی۔

"مجھ سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے۔" ہنسی روک کر کہا گیا۔

"اب میں مطمئن ہوں۔" عمران نے آنکھیں کھولے بغیر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا آنکھیں نہیں کھولو گے۔"

"لوریاں سننے دو مجھے۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

"کیا بات ہے۔ کیوں خفا ہو۔" لڑکی نے قریب آ کر اُس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ناشتہ....!" دفعتاً عمران حلق پھاڑ کر دہاڑا اور وہ چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئی.... اب عمران نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

"اُف فوہ....!" وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر جھینپے ہوئے انداز میں مسکرائی۔ "تم تو ڈرا دیتے ہو۔"

"میرا تو جی چاہتا ہے کہ تمہیں ہی پھاڑ کھاؤں۔" عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

ریٹا نے اس طرح حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں جیسے سچ مچ اُس سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو نادانستگی میں۔

"میں نہیں سمجھی....!"

"رات ہی سے چیخ رہا ہوں کہ ناشتے کی [illegible] گی"

"ناشتہ.... ارے ناشتہ.... میں نے خود بھی ناشتہ نہیں کیا۔ تمہارا انتظار تھا۔"

"کیا ابھی ختم نہیں ہوا انتظار....!" عمران نے بالکل ایسے ہی لہجے میں پوچھا جیسے وہ اس کی زر خرید ہو۔

"ابھی.... ابھی.... آتا ہے ناشتہ!" وہ الٹے پاؤں پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔

اُس کے جانے کے بعد عمران پھر نیم دراز ہو گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

سچ مچ اُس کا یہی دل چاہ رہا تھا کہ ایک آدھ کا سر پھاڑ دے۔ ہر چند کہ وہ شاذ و نادر ہی جھنجھلاہٹ کا شکار ہوتا تھا۔ لیکن اس وقت تو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ فطرتاً غصہ ور واقع ہوا ہو۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے پھر ریٹا کی آواز سنی....اور آنکھیں کھول دیں۔ وہ خود ہی ناشتے کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی لائی تھی۔

"لو آ گیا ناشتہ بھی....!" اُس نے کہا اور عمران سیدھا ہو بیٹھا۔

"ذرا.... ذرا سی بات پر خفا ہو جاتے ہو۔" ریٹا نے کسی بے حد محبت کرنے والی بیوی کے سے انداز میں کہا۔

"یقیناً خفا ہونا چاہئے....!" عمران نے آنکھیں نکالیں.... اور ہاتھ بڑھا کر سینڈوچ اٹھاتا ہوا بولا۔ "مالٹوں کا رس نہیں دکھائی دیتا.... میں ناشتے میں ایک گلاس مالٹوں کا رس ضرور پیتا ہوں۔"

"ابھی ہوا جاتا ہے۔" وہ لپکتی ہوئی باہر چلی گئی۔

"ٹھہرو.... واپس آؤ...." عمران نے آواز دی اور وہ پھر پلٹ آئی۔

"والد صاحب کا کیا ہو گا....!" عمران نے پوچھا۔

"میں انہیں دھوکا دے کر نکل آنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔"

"میں اپنے والد صاحب کی بات کر رہا تھا۔ وہ باہر تشریف رکھتے ہیں۔"

"اوہ.... تو پھر....!"

"بوڑھے نے انہیں اندر نہیں آنے دیا تھا۔"

"عقل مند معلوم ہوتا ہے....!" ریٹا بیٹھتی ہوئی بولی۔ "مالٹوں کا رس اُدھار رہا.... میں بھی بہت بھوکی ہوں۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ وہ بھی پیالی میں چائے انڈیلنے لگی.... اور جھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"دو سینڈوچ تو میرے لئے بھی رہنے دو....!"

"تمہیں اپنے [illegible] ہوں.... لیکن والد صاحب"

"مت بور کرو۔"

”میرے والد صاحب تمہارے پاپا کی طرح آدم خور نہیں ہیں۔“

”چلو.... ناشتہ کرو.... پھر دیکھیں گے۔“

پھر وہ خاموشی سے چائے پیتے رہے۔

ناشتے کے بعد عمران نے پھر وہی تذکرہ چھیڑ دیا۔ یعنی اُس کے والد صاحب کو بھی اندر آنا چاہئے.... آخر ریٹا اس بات پر آمادہ ہو گئی کہ وہ اُس کے ساتھ برآمدے تک جائے گی اور اُس کے باپ کو.... دیکھ کر ہی فیصلہ کر سکے گی کہ اسے حویلی میں داخل ہو جانے دیا جائے یا نہیں۔

برآمدے میں پہنچ کر ہر طرف سناٹا محسوس ہوا۔ وہ کالی گاڑی بھی موجود نہیں تھی جس پر عمران یہاں تک آیا تھا.... چودھری.... بھی نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔

بوڑھے منیجر نے بتایا کہ وہ مرنے مارنے پر آمادہ تھا۔

”پھر ٹلا کیسے....!“ عمران نے پوچھا۔

”آپ کو بھی گالیاں دے رہا تھا جناب....!“

”بڑی خوشی ہوئی.... اور میری گاڑی۔“

”پتہ نہیں....!“ بوڑھے نے لاپروائی سے کہا۔ ”میں برآمدے میں موجود نہیں تھا.... لیکن ٹھہریئے.... ابھی ایک صاحب آپ کے لئے ایک خط دے گئے ہیں۔“

اُس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر عمران کی طرف بڑھا دیا.... نیلے رنگ کا مہکتا ہوا لفافہ تھا جس سے ایک مختصر سی تحریر برآمد ہوئی۔

”برخوردار!

اگر یہ لڑکی پسند نہ ہو تو دوسری کا انتظام کیا جائے۔

ویسے یہ بہت ذہین اور فرماں بردار لڑکی ہے۔ تمہیں کسی شکایت کا موقع نہ دے گی۔

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست!“

عمران نے کاغذ تہہ کر کے لفافہ میں رکھتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی اور ریٹا کو اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا جیسے پہلی بار نظر آئی ہو.... وہ قطعی بے تعلق ہو کر خلاء میں گھورے جا رہی تھی.... عمران نے اُس کا بازو پکڑا اور پھر حویلی کے اندر واپس چلا آیا۔

❂

ریٹا کچھ کہے بغیر اُس کے ساتھ چلتی رہی اور وہ پھر اُس کمرے میں آئے جہاں ناشتہ کیا تھا۔

وہ دونوں خاموش کھڑے ایک دوسرے کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر عمران نے پوچھا۔ ”تمہارا باس کون ہے۔“

”میرا باس؟“ لڑکی کے لہجے میں تحیر تھا۔

عمران نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو جنبش دی۔

”پتہ نہیں تم کیسی باتیں کر رہے ہو....!“

”کیا اب میں اس خط کا انگریزی میں ترجمہ کروں۔“ عمران نے لفافہ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

وہ تھوڑی دیر تک خط دیکھتی رہی پھر بے بسی سے بولی۔ ”مجھے مقامی زبان نہیں آتی۔“

عمران نے جیب سے فاؤنٹین پن نکال کر اُسی کاغذ پر مضمون کا ترجمہ کیا اور دوبارہ اُس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”اب دیکھو....!“

وہ اُسے پڑھتے ہی آپے سے باہر ہو گئی۔ چیخ کر بولی۔ ”یہ کس نے لکھا ہے۔“

”میں نہیں جانتا.... تمہارے سامنے ہی اُس بوڑھے نے یہ کہہ کر لفافہ دیا تھا کہ کوئی نامعلوم آدمی دے گیا ہے۔“

”میں بھی نہیں جانتی! کچھ نہیں جانتی اس بیہودگی کے متعلق.... مجھے راہ میں ایک آدمی ملا تھا.... جس نے بتایا کہ تم اس عمارت میں موجود ہو۔“

”مگر تم وہاں سے یہاں تک پہنچی کیسے تھیں....!“

”اُسی آدمی نے پہنچایا تھا.... گاڑی میں تھا.... تمہارے چلے آنے کے بعد میں وہاں جنگل میں تنہا رہ گئی تھی۔“

”اور تمہارے پاپا کا کیا بنا تھا.... گاڑی تو میں لے بھاگا تھا۔“

”میرا وہم تھا.... وہ پاپا نہیں تھے.... پتہ نہیں کون تھا.... میں ڈر کر پھر جھاڑیوں میں گھستی چلی گئی تھی۔“

”کیا میں پاگل ہو جاؤں....!“ عمران آنکھیں نکال کر دہاڑا۔

”پتہ نہیں تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔“ لڑکی سہم گئی۔

”تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہو....؟“

”میں پیچھے پڑ گئی ہوں....یا مصیبتیں جھیلتی پھر رہی ہوں تمہاری وجہ سے۔“

”ہائیں....!“ عمران حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

ریٹا نے اپنا منہ چھپالیا تھا اور سسکیاں لینے لگی تھی۔

”یعنی کہ....ارے واہ....مم....میں نے کہا....!“

اتنے میں بوڑھا اجازت لے کر کمرے میں داخل ہوا۔

”باہر ہنگامہ برپا ہے جناب....!“ اُس نے بڑے ادب سے کہا۔

”کیسا ہنگامہ....!“

”گاؤں والے اکٹھا ہو گئے ہیں....کہہ رہے ہیں کہ آپ کو باہر لایا جائے۔“

”ہا چھا....!“ عمران کراہا۔

پھر جیسے ہی وہ دروازے کی طرف بڑھا ریٹا نے جھپٹ کر اُس کا بازو پکڑ لیا۔

”کہاں جارہے ہو....تم اس طرح نہیں جاسکتے۔“ وہ تقریباً روتی ہوئی بولی۔

عمران اُسے کوئی جواب دیئے بغیر چلتا رہا اور وہ اُس کا بازو پکڑے گھسٹتی رہی۔

برآمدے میں پہنچ کر عمران سچ مچ بوکھلا گیا۔ ایک جم غفیر ”ڈبو....ڈبو“ کے نعرے لگا رہا تھا۔ لیکن انہیں دیکھتے ہی سناٹا چھا گیا۔

ریٹا عمران کا بازو پکڑے کھڑی تھی۔

گہری خاموشی طاری تھی....دفعتاً چودھری مدار بخش نے آگے بڑھ کر غصیلے لہجے میں پوچھا۔ ”یہ کون ہے؟“

”میری بیوی....!“ عمران نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا....

”ابے تو کیا بگڑ کا کا کی نواسی....!“ چودھری جملہ پورا کئے بغیر مجمع کی طرف مڑ گیا....اب وہ سبھی بڑبڑا رہے تھے۔

”اچھا بے....سیدھی طرح گھر چل....نہیں تو....“ چودھری نے پھر عمران کی طرف مڑ کر گھونسہ دکھاتے ہوئے کہا۔

عمران نے ایک چھت شگاف قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”یار تم بھی [illegible] اور صاحب کے بہکاوے میں آگئے....میں اُن کا [illegible] ہے اُن کی [illegible] اگر [illegible] سے [illegible] اور صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ کسی دن تمہیں ایسا اُلو بناؤں گا کہ زندگی بھر یاد رکھو گے۔“

”تت....تو....کیا یہ جھوٹ تھا....“ چودھری ہکلایا۔

”سو فیصدی....!“

”کیا یہی تمہارا باپ ہے!“ ریٹا نے عمران سے پوچھا۔

”کچھ دیر پہلے تھا۔ اب نہیں ہے۔“ عمران نے بائیں آنکھ دبائی۔

”پہلے تم نے کیوں نہیں بتایا تھا۔“ چودھری نے روہانسی آواز میں کہا اور پھر سچ مچ رو پڑا۔

”اوہو....یہ تو رو رہا ہے....کیوں رو رہا ہے....!“ ریٹا نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

”پتہ نہیں....!“ عمران نے کہا اور اندرونی دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ ”آؤ چلیں!“

اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس گورکھ دھندے میں آپھنسا ہے، خط بھیجنے والا کون تھا اور اس طرح یہاں کیوں ہانک لایا گیا ہے۔

کچھ دیر بعد اُس نے بوڑھے کو دھمکانا شروع کر دیا۔

”صاحب میں کچھ نہیں جانتا۔“ بوڑھا جھلا کر بولا۔ ”مجھ سے جو کچھ کہا گیا ہے میں نے کیا اب کیا میں اپنے مالک سے بال کی کھال نکالنے بیٹھ جاتا۔ کوئی بھی ملازم ایسا نہیں کر سکتا وہ تو حکم کا بندہ ہوتا ہے۔“

”کیا کہا تھا تمہارے مالک نے....!“

”انہوں نے کہا تھا کہ کالی گاڑی میں ایک مہمان آرہے ہیں۔ شائد چودھری مدار بخش کے ساتھ آئیں۔ اُن کی میم صاحبہ اگر اُن سے پہلے پہنچ جائیں تو انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دینا۔“

”پھر ہم سے یہ کیوں کہا گیا تھا کہ یہ عام راستہ نہیں ہم اپنی گاڑی سرخ رنگ کے تاروں کے باہر سے لے جائیں۔“

”[illegible] اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ وہ مہمان ہی کی گاڑی ہے۔“

”لیکن میری گاڑی کہاں گئی۔“

”میں نہیں جانتا۔“

”یہاں سے اگر کوئی چیز غائب ہو جائے تو کون ذمہ دار ہوگا۔“ عمران نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

”ذمہ داری تو میری ہی ہے جناب! لیکن میں کیا کر سکتا ہوں۔“

”کیا اُسے تلاش نہیں کر سکتے۔“

”اپنی حدود میں تمام تلاش کر چکا ہوں۔“

"یار بڑے میاں عقل کے ناخن لو.... کیا لے جانے والا اس کا منتظر رہا ہو گا کہ تم اُسے اپنی حدود میں تلاش کر لو تو وہ اُسے لے جائے۔"

"تب بھی مجبوری ہے جناب.... دنیا لامحدود ہے۔"

"تم ایک جغرافیائی حقیقت کی نفی کر رہے ہو....!"

"یہ بھی مجبوری ہے جناب! میں زیادہ لکھا پڑھا نہیں ہوں۔"

"چلو خیر کوئی بات نہیں.... لنچ کس وقت ملے گا۔"

"لنچ کے وقت....!"

"معقول جواب ہے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "یہاں ستار مل سکے گا۔"

"میرے مالک کو موسیقی سے دلچسپی نہیں۔"

"انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ مہمان کا قیام کب تک رہے گا؟" عمران نے پوچھا۔

"جی نہیں....!"

"یہاں حویلی میں کوئی گاڑی موجود ہے۔"

"جی نہیں۔"

"شہر یہاں سے کتنی دور ہے۔"

"پتہ نہیں! کبھی جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔"

"کتنے دنوں سے یہاں ملازم ہو....!"

"جب سے داور صاحب اس حویلی کے مالک بنے ہیں۔"

"اگر میں یہ کہوں کہ داور صاحب کو سرے سے جانتا ہی نہیں۔"

"بھلا مجھے اس سے کیا سروکار.... حکم کا بندہ ہوں۔"

"کیا تم لوگ انگریزی میں گفتگو نہیں کر سکتے؟" ریٹا بولی۔

بوڑھے نے مستفسرانہ نظروں سے عمران کی طرف دیکھا اور عمران نے کہا۔ "کہہ رہی ہیں کہ فضول ٹائیں ٹائیں نہ کرو.... جا کر لنچ کا انتظام کرو۔"

"بہت بہتر جناب....!" بوڑھے نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر ریٹا نے پوچھا۔ "کیا یہ تمہارے کسی عزیز کا مکان ہے۔"

"بالکل... اور میں عنقریب اُسے عزیز ترین بنا کر چھوڑوں گا۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" عمران نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

اتنے میں بوڑھا پھر واپس آیا اُس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

"جج.... جناب غضب ہو گیا۔"

"اب کیا ہوا....!" عمران کراہا۔

"اس بار جناب عالی۔" بوڑھا ہانپتا ہوا بولا۔ "وہ بہت زیادہ خوفناک بن کر آئے ہیں۔"

"کون....!"

"گاؤں والے! کہتے ہیں کہ آپ کو فوراً حویلی کے باہر لایا جائے ورنہ وہ اندر گھس پڑیں گے۔"

"چلو....!" وہ اٹھتا ہوا بولا۔

"کیا بات ہے.... کیا ہے.... مجھے بھی بتاؤ۔" ریٹا نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

عمران نے اُس سے کہا کہ وہ وہیں ٹھہرے اور وہ خود بوڑھے کے ساتھ برآمدے میں آیا۔

اس بار سچ مچ مجمع غضب ناک نظر آ رہا تھا.... چودھری مدار بخش نے ایک بہت وزنی تبر ہاتھوں میں سنبھال رکھا تھا جسے اٹھائے ہوئے اُس نے چیخ کر کہا۔ "ڈبو.... چلا چل سیدھی طرح۔"

"میں چل رہا ہوں۔" عمران نے بھی بلند آواز میں ہانک لگائی۔

"تیری جورو.... ساتھ نہیں جائے گی۔"

"بالکل نہیں جائے گی۔"

"تو پھر نیچے آ جا۔"

"آ رہا ہوں.... لیکن ذرا ایک بار اندر تو ہو آؤں...."

"نہیں.... اب اندر نہیں جا سکتا۔ تیری جورو روک لے گی۔"

"اچھا....!" عمران مردہ سی آواز میں بولا اور زینے طے کرتا ہوا برآمدے سے نیچے اترنے لگا۔

پھر چودھری نے اُسے گھیر کر لعنت ملامت شروع کر دی۔

"چل بے۔" مدار بخش نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے۔

اتنے میں برآمدے سے ریٹا کی آوازیں آئیں۔ "تم کہاں جا رہے ہو.... تم کہاں جا رہے ہو۔" اور پھر وہ بھی ان کے پیچھے دوڑ پڑی۔

"بھاگ جاؤ.... ورنہ یہ لوگ تمہیں جان سے مار دیں گے.... بگڑ کا کا کی نواسی سے حامی ہیں۔" عمران ہاتھ ہلاتا ہوا چیخا۔

پھر دفعتاً قریب کی جھاڑیوں سے ایک فائر ہوا.... پھر دوسرا.... پھر تیسرا.... اور بھگدڑ مچ گئی۔

تھوڑی ہی دیر بعد عمران وہاں تنہا کھڑا رہ گیا۔ گاؤں والے دوڑتے ہوئے چلے جا رہے تھے!

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ اُن جھاڑیوں کی طرف جھپٹتا جہاں سے فائرنگ ہوئی تھی لیکن وہ اُسی جگہ کھڑا او نگھتا رہا۔

"یہ کیا ہے.... یہ کیا ہو رہا ہے۔" ریٹا اُسے جھنجھوڑتی ہوئی بولی۔

"اُوں....!" عمران چونک پڑا اور خالی خالی نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔

"میں پوچھ رہی ہوں یہ لوگ کون تھے اور کیا چاہتے تھے۔"

عمران مسکرایا اور بولا۔ "یہ کیوں نہیں پوچھتیں کہ اُن جھاڑیوں سے فائرنگ کس نے کی تھی۔"

"پوچھوں؟" لڑکی نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

عمران نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"واقعی یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آئی اور اب یہ بھی سوچ رہی ہوں وہ کون تھا جس نے مجھے یہاں تک پہنچایا تھا۔"

"سوچے جاؤ...." عمران نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر برآمدے کی طرف بڑھ گیا۔

ریٹا بھی اُس کے ساتھ چلتی رہی انداز ہی ایسا تھا جیسے اُسے منانے کے لئے کچھ کہنا چاہتی ہو۔ لیکن الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

برآمدے سے گذرتے ہوئے وہ پھر اُسی کمرے میں آپہنچے۔

"میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔" عمران نے اپنی کنپٹی پر انگلی مارتے ہوئے کہا۔

"تو سوچو نا.... میں نے منع کیا ہے کیا؟" وہ ٹھنک کر بولی۔

"میں کسی کی موجودگی میں کچھ نہیں سوچ سکتا۔"

"یہ نئی بات سنی ہے میں نے۔"

"ابھی اور پتہ نہیں کتنی باتیں سنو گی۔" عمران نے لاپروائی سے کہا اور آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا.... ریٹا قریب ہی اسٹول پر بیٹھ گئی۔

"سب سے پہلی بات تو یہ سوچنی ہے کہ تمہارے اس ایڈونچر کا خاتمہ کہاں ہوگا۔" وہ آنکھیں بند کرتا ہوا بولا۔

"تم بات بات پر مجھے کیوں گھسیٹ رہے ہو....!"

"یونہی تفریحاً....!" عمران آنکھیں کھولے بغیر بولا۔ "لیکن تمہارے پاپا کہاں رہ گئے۔ کیا انہیں تمہارے اس طرح غائب ہو جانے پر تشویش نہ ہوگی۔"

"تم میری باتیں کیوں نہیں کرتے! پاپا میں اس قدر دلچسپی کیوں لے رہے ہو۔"

"تم جیسی لڑکی پیدا کر دینا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔ اس لئے میری نظروں میں تمہارے پاپا بڑی وقعت رکھتے ہیں۔"

"ہائیں.... ہائیں....!" وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔ "میں کچھ نہیں سمجھی۔"

"جاؤ اب لنچ کا انتظام کرو....!" عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔

ریٹا تھوڑی دیر تک اُسے گھورتی رہی پھر اٹھ کر باہر چلی گئی۔

عمران نے بھی آرام کرسی چھوڑ دی تھی.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کر گذرنے کا ارادہ رکھتا ہو.... دوسرے ہی لمحے میں وہ کمرے کے ایک بند دروازے کا بولٹ گرا رہا تھا.... دروازہ کھول کر وہ دوسرے کمرے میں آیا۔

یہاں ہر طرف ابتری نظر آ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سالہا سال سے بند پڑا رہا ہو۔ عجیب طرح کی ناگوار بو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اور پرانی وضع کے فرنیچر پر گرد کی تہیں نظر آ رہی تھیں۔ ایک گوشے میں پرانے اخبارات کا ڈھیر نظر آیا۔

آگے بڑھ کر اُس نے دوسری طرف کا دروازہ کھولا.... سامنے ایک طویل راہداری تھی۔ جس میں دونوں جانب دوسرے کمروں کے دروازے نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی کھلا نہ ملا.... وہ تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا۔

راہداری کا اختتام ایک دروازے پر ہوا۔ یہ دروازہ بھی مقفل نہیں تھا۔ بولٹ گراتے ہی کھل گیا.... سامنے ایک مختصر سا برآمدہ تھا جس کی سیڑھیوں کا اختتام گھنی جھاڑیوں کے ایک بے ترتیب سلسلے پر ہوا تھا.... عمران نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور چپ چاپ نیچے اترتا چلا گیا۔

پھر وہ دوڑ تا رہا تھا۔ اِدھر اُدھر دیکھے بغیر جیسے کوئی وحشت زدہ جانور چڑیا گھر کے کسی کٹہرے سے نکل کر بھاگا ہو۔ بے ترتیب باغات سے نکلتے ہی وہ گھنے جنگل میں داخل ہو چکا تھا۔

یہاں اُسے اپنی رفتار کم کر دینی پڑی۔ ویسے بھی اتنی دور تک دوڑنے کی وجہ سے سانس پھولنے لگی تھی۔

آہستہ آہستہ ایک جانب چلنے لگا۔ رکنا تو چاہتا ہی نہیں تھا۔

جنگلوں میں داخل ہوتے ہی خنکی کا احساس ہوا لیکن یہ خنکی خوشگوار تھی۔ پرندوں کی آوازیں فضا میں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔

کسی مخصوص سمت کا تعین کئے بغیر وہ چلتا رہا.... کسی نہ کسی طرح اس جال سے نکل جانا چاہتا تھا جو اُس کے گرد پھیلایا گیا تھا۔ لیکن اب تک نہیں سمجھ سکا تھا کہ یہ چکر کیا ہے اگر کوئی شخص اُسے اپنی راہ سے ہٹانا چاہتا تھا تو بہترین طریقہ یہ ہوتا کہ اُسے بے خبری میں مار لیا جاتا۔ آخر اس کھڑاگ کی کیا ضرورت تھی؟ کیا مقصد تھا اس کا؟

گھڑی ڈیڑھ بجا رہی تھی.... اُس نے سوچا اب یہ دوسری حماقت سرزد ہو رہی ہے۔ آخر جنگلوں میں کہاں بھٹکتا پھرے گا۔ اس سے بہتر تو یہی تھا کہ چھپ چھپا کر گاؤں میں پہنچنے کی کوشش کرتا اور گاؤں والوں کو حویلی والوں کے خلاف بھڑکا کر پھر دیکھتا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔

لیکن اب....؟ وہ چلتے چلتے رک گیا۔

آس پاس کہیں کوئی پگڈنڈی بھی نہ دکھائی دی۔ وہ ایک درخت کی جڑ پر بیٹھ گیا۔

اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ ایسے حالات سے شائد ہی کبھی دوچار ہوا ہو.... پتہ نہیں کس ستم ظریف سے سابقہ پڑا ہے اس بار.... اُس نے ٹھنڈی سانس لی اور حسب عادت جیب میں چیونگم کا پیکٹ ٹٹولنے لگا مگر اب وہاں کیا باقی بچا تھا۔

تھوڑی دیر بعد پھر اٹھا اور اندازے سے اُسی جانب چلنے لگا جدھر سے آیا تھا۔ اب یہی سوچ رہا تھا کہ کسی نہ کسی طرح گاؤں تک پہنچنے کی کوشش کرے ورنہ ان جنگلوں میں بھٹکتا ہی رہ جائے گا۔

چلتا رہا.... اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ حویلی سے کتنی دور نکل آیا ہے....

دفعتاً کچھ دور پر ایک جگہ درختوں کی چوٹیوں پر دھواں سا محسوس ہوا.... اُس نے سوچا ممکن ہے اُسی گاؤں سے تعلق رکھنے والے کسی آدمی سے ملاقات ہو جائے کوئی لکڑ ہارا ہو.... وہ اسی جانب چل پڑا۔

تھوڑی ہی دور چلا ہوگا کہ اُسی سمت سے ایک نسوانی چیخ ابھری اور کوئی عورت ہسٹریائی انداز میں "بچاؤ.... بچاؤ...." چیختی رہی۔

عمران دوڑنے لگا... اور پھر اُس جگہ پہنچنے میں دیر نہیں لگی جہاں سے آوازیں آ رہی تھیں۔

دو آدمی نظر آئے جو ایک لڑکی کو بے بس کرنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن وہ ان کے قابو میں نہیں آ رہی تھی۔

"اے بے خبر دار!" عمران دہاڑا.. اور وہ ٹھٹھک گئے۔ لڑکی اچھل کر دوسری طرف جا پڑی تھی۔

"بھاگ جاؤ...." اُن میں سے ایک نے سنبھالا لے کر ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔

عمران نے دیکھا کہ دوسرے نے چاقو نکال لیا ہے اور اب اپنے ساتھی کو اشارہ کر رہا تھا کہ وہ لڑکی کا خیال رکھے۔

اور پھر اُس نے چاقو تول کر عمران پر چھلانگ لگائی عمران بے خبر تو نہیں تھا کہ مار کھا جاتا پینترا بدل کر بڑی صفائی سے وار خالی دیا۔ حملہ آور غراتا ہوا پلٹا اور پوری قوت سے اُس پر ٹوٹ پڑا۔

عمران نے چاقو والا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور اُسے موڑنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ آدمی بھی جان دار معلوم ہوتا تھا.... ایسا لگتا تھا جیسے وہ عمران کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑا لینے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اسی کشمکش کے دوران ایک بار اس کا چہرہ عمران کے چہرے کے قریب آ گیا اور عمران نے بے محابا اپنا سر اس کی ناک پر دے مارا۔ پھر پے در پے دو تین بار یہی حرکت کر ڈالی۔ اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ کسی دم توڑتے ہوئے بھینسے کی طرح ڈکراتا ہوا ڈھیر ہو گیا.... چاقو تو کبھی کا اُس کی گرفت سے نکل چکا تھا۔ عمران نے پھرتی سے جھک کر چاقو پر قبضہ کر لیا۔ دوسرا آدمی جو لڑکی کی نگرانی کر رہا تھا یہ واقعہ دیکھ کر عمران پر چڑھ دوڑا۔

عمران کے لئے یہ حملہ غیر متوقع نہیں تھا۔ لہٰذا قبل اس کے کہ وہ قریب پہنچتا عمران نے اچھل کر اُس کے پیٹ پر ٹھوکر رسید کر دی۔ وہ شاید اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ دوسری طرف الٹ گیا۔

پہلا آدمی تو بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔ دوسرے نے پھر اٹھنا چاہا لیکن عمران نے موقع نہیں دیا۔

دوسری ٹھوکر اُس کی ٹھوڑی پر پڑی اور وہ کسی نامعلوم آدمی کو گالیاں دینے لگا.... پھر وہ دوبارہ نہیں اٹھ سکا اور اپنے ساتھی ہی کی طرح بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔

لڑکی قریب ہی کھڑی بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ اُس کی بڑی بڑی وحشت زدہ آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں اور ہونٹ کانپ رہے تھے۔

"یہ کون ہیں۔" عمران نے اُس سے پوچھا۔

"مم.... میں.... نن.... نہیں جانتی۔" اُس نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

"خیر.... خیر.... اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرو! اور چلتی رہو۔" عمران اسے بائیں جانب چلنے کا اشارہ کرتا ہوا بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دھواں بھی اُسی جانب دکھائی دیا تھا۔

"یہاں ایک جھونپڑی ہے....!" لڑکی چلتے چلتے منمنائی۔

"کدھر....!"

"بس تھوڑی دور....!"

اور پھر وہ اُس جھونپڑی کے قریب جا پہنچے اور وہ الاؤ بھی نظر آ گیا جس کا دھواں اُس نے درختوں کی چوٹیوں پر دیکھا تھا.... الاؤ میں شاید گیلی لکڑیاں ڈالی گئی تھیں جن سے اب بھی گہرا دھواں پھوٹ کر فضا میں منتشر ہو رہا تھا۔

جھونپڑی خالی تھی۔ عمران نے سوالیہ انداز میں لڑکی کی طرف دیکھا۔

"وہ مجھے یہاں لائے تھے۔"

"کہاں سے۔"

"ریلوے اسٹیشن سے۔" لڑکی نے آہستہ سے کہا اور سر جھکا لیا۔

عمران نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی اور پھر لڑکی سے مخاطب ہوا۔ لڑکی کے چہرے پر اب بھی سراسیمگی کے آثار تھے۔

"تم کون ہو....!" عمران نے پوچھا۔

"مم میں زرینہ ہوں....!"

"ٹھیک ہے.... لیکن ان لوگوں کے ہاتھ کیسے پڑ گئی تھیں۔"

"میں شاداب نگر میں رہتی ہوں.... یہ لوگ....!" اس نے جملہ پورا نہیں کیا۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ دو ہی تھے یا اور بھی ہیں۔"

"مجھے تو اور کوئی نہیں ملا....!"

"شاداب نگر سے یہاں کیسے پہنچیں....!"

"طویل داستان ہے جناب.... زبان.... نہیں کھلتی۔"

"کیا تم جانتی ہو.... یہ علاقہ کون سا ہے.... یا پختہ سڑک یہاں سے کتنی دور ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتی جناب.... ریلوے اسٹیشن سے ہم باہر آئے تھے وہ ایک ریلوے کوارٹر میں مجھے لے گئے تھے۔ وہاں چائے پلائی تھی۔ پھر مجھے یاد نہیں کہ کس طرح اس جنگل تک پہنچی تھی۔"

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ تمہیں چائے میں کوئی نشہ آور چیز دی گئی تھی۔"

"جی ہاں.... سر چکرایا تھا.... اور پھر کچھ یاد نہیں۔"

"آنکھ اس جھونپڑی میں کھلی تھی....؟" عمران نے پوچھا۔

"جی ہاں....!"

"تم کیسی بھولی تھیں کہ ان کے ساتھ چلی آئیں....!" عمران نے آگے بڑھ کر جھونپڑی میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"حالات....!" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "کاش میں پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔"

عمران نے مڑ کر اُسے غور سے دیکھا.... خوش شکل اور صحت مند لڑکی تھی۔ عمر زیادہ سے زیادہ بیس سال رہی ہوگی۔ لباس بھی ناموزوں نہیں تھا۔

"حالات....!" عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور لڑکی سے بولا۔ "جھونپڑی کے اندر بیٹھو.... میں ذرا گرد و پیش کا جائزہ لے لوں۔"

"میں اب کسی پر بھی اعتماد نہیں کر سکتی.... آپ کون ہیں۔"

"میں ایک احمق ہوں مجھ سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"میں خوفزدہ نہیں ہوں۔" لڑکی اکڑ کر بولی اور داہنا ہاتھ سامنے لائی، جس میں کھلا ہوا چاقو تھا.... حملہ آوروں کا چاقو وہیں گر پڑا تھا.... اور عمران نے بعد میں اس کی طرف دھیان بھی نہیں دیا تھا۔ لڑکی اسے اٹھا لائی تھی۔

"تو تمہارا نام زرینہ ہے....!" عمران نے چاقو پر نظر جمائے ہوئے پوچھا۔

"ہاں.... یہی ہے۔"

"پڑھی لکھی بھی معلوم ہوتی ہو۔"

"تھرڈ ایئر کی متعلمہ ہوں....!"

"بڑی خوشی ہوئی....!"

"لیکن میں اب کیا کروں گی.... کہاں جاؤں گی....!" وہ مضطربانہ انداز میں بڑبڑائی۔

"تم نے ابھی بتایا تھا کہ شاداب نگر میں رہتی ہو۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔"

"کچھ بتاؤ بھی تو.... اچھا کس ریلوے اسٹیشن پر تم اتری تھیں۔"

"شکر آباد....!"

عمران نے اس طرح ہونٹ سکوڑے جیسے سیٹی بجانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

"آپ نہیں سمجھ سکتے.... میں نے جہنم میں چھلانگ لگا دی ہے جس سے نکلنا مشکل ہے۔"

"بھئی کچھ سمجھنے دو مجھے....!"

"ایک شخص نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ جسے میں دنیا کا ارفع ترین آدمی سمجھتی تھی۔ اُس نے مجھے محبت کا فریب دیا۔ میں بری طرح اس کے جال میں پھنس گئی۔ لیکن ہماری شادی ناممکن تھی۔"

"ناممکن شادی نہیں بلکہ خوشحال شادی شدہ زندگی کہلاتی ہے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔

"آپ نہیں سمجھے۔ ہمارے یہاں صرف خاندان ہی میں شادیاں ہوتی ہیں۔ ایک مخصوص نسل ہے، جس میں آج تک باہر کی ملاوٹ نہیں ہوئی۔"

"خیر ہاں تو پھر.....!"

"ایک سال تک ہم دونوں ایک دوسرے سے ملتے رہے۔ ہماری خواہش تو یہی تھی کہ شادی کرلیں لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ شادی ہو بھی سکتی تھی لیکن میرے اعزہ میری اور اس کی زندگی دوبھر کردیتے۔ بالآخر ہم نے طے کیا کہ شاداب نگر سے باہر چلے جائیں کہیں دور..... وہیں شادی کرکے نئی زندگی کا آغاز کریں..... ایک رات ہم نکل کھڑے ہوئے۔ ٹرین پر انہیں دونوں آدمیوں سے ملاقات ہوئی تھی جنہیں ابھی آپ نے مارا ہے۔ میرے ساتھی نے بتایا کہ وہ اس کے گہرے دوستوں میں سے ہیں اور اتفاق سے وہیں جارہے ہیں جہاں ہم نے جانا ہے۔ پھر ہم سب گھل مل کر باتیں کرتے رہے۔ میرے ساتھی نے میرا تعارف اپنی بیوی کی حیثیت سے کرایا تھا۔ وہ دونوں مجھے بھابی کہہ کر مخاطب کرتے رہے! ایک اسٹیشن پر میرا ساتھی سگریٹ لینے کے لئے اترا..... اور کچھ دیر بعد گاڑی چل پڑی، میں پریشان ہونے لگی۔ ان دونوں نے کہا گھبرانے کی کوئی بات نہیں وہ کسی دوسرے کمپارٹمنٹ میں چلا گیا ہوگا۔ اگلے اسٹیشن پر آجائے گا۔ میں خاموش ہو بیٹھی لیکن دل دھڑکنے لگا تھا۔ اگلے اسٹیشن پر بھی نہ آیا۔ اُن میں سے ایک آدمی اتر کر اُسے پوری ٹرین میں آواز دیتا پھرا۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ پھر انہوں نے کہا کہ وہ یقینی طور پر پچھلے اسٹیشن پر رہ گیا ہوگا..... اب بہتر یہی ہے کہ تم ہمارے ساتھ شکوہ آباد تک چلی چلو..... ہم وہیں اسٹیشن پر اس کی آمد کے منتظر رہیں گے۔ وہ دوسری ٹرین سے وہاں ضرور پہنچے گا۔ اسٹیشن پر اتر کر انہوں نے کہا کہ ہم لوگ ریلوے کوارٹر میں رہتے ہیں، اسے بھی معلوم ہے۔ وہ سیدھا وہیں آجائے گا۔"

لڑکی خاموش ہوگئی۔ عمران بھی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی نے کہا۔ "میں اب اپنے خاندان والوں کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی..... میں کیا کروں کہاں جاؤں۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ لڑکی خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی..... اور عمران تو اس طرح سر جھکائے کھڑا تھا جیسے وہ خود ہی مجرم ہو۔

"آہا..... ذرا ان کی تو خبر لوں.....!" وہ کچھ دیر بعد چونک کر بولا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔"

"نہیں میں بھی ساتھ چلوں گی۔"

"کمال ہے.....!"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"اگر میں ہی تمہیں پھاڑ کھاؤں تو.....!"

"میں بھی چلوں گی.....!" لڑکی بدستور اپنی بات پر اڑی رہی۔

عمران چل پڑا تھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے چلتی رہی..... اور وہ وہیں آپہنچے جہاں دو آدمیوں کو بیہوش چھوڑا تھا..... لیکن اب وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

"اب بتاؤ.....!" عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

"میں کیا بتاؤں.....!"

"یہ کہاں بھاگ گئے۔"

"ارے میں کیا جانوں.....!"

"بڑے حیادار تھے۔" عمران اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "مجھ اکیلے آدمی سے اتنا مرعوب ہوئے کہ دوبارہ حملہ کرنے کی ہمت ہی نہیں پڑی۔"

"بھلا میں کیا بتاؤں۔" لڑکی روہانسی ہوکر بولی۔ "میں تو آپ ہی ستم رسیدہ ہوں۔"

"اچھا ستم رسیدہ صاحبہ! اب اجازت دیجئے۔" عمران نے بڑے ادب سے جھک کر اُسے سلام کیا اور ایک جانب چل پڑا۔

"ارے..... ارے.....!" لڑکی اُس کے پیچھے دوڑی۔

"اب کیا ہے.....!" عمران رک کر مڑا۔

"کیا میں یہاں جنگل میں تنہا رہ جاؤں گی۔"

"یہ تمہاری اپنی مرضی پر منحصر ہے۔"

"میں بھی ساتھ چلوں گی۔"

"قطعی ناممکن.....!" عمران گردن جھٹک کر بولا۔ "چاہے بقیہ زندگی اسی جنگل میں کیوں نہ بسر کرنی پڑے۔"

"آپ پتہ نہیں کیسی باتیں کررہے ہیں۔ رحم نہیں آتا آپ کو۔"

"اچھا اس آدمی کا نام اور پتہ بتاؤ جس سے تمہارا تعلق ہوا تھا۔"

"نام پوچھ کر آپ کیا کریں گے۔"

"ضروری ہے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "یہ سال میرے لئے بالکل واہیات ہے۔ ایک نجومی نے بتایا تھا کہ اگر کسی لڑکی کی مدد کرنی پڑے تو اس کے فوراً بعد ہی کنوئیں میں چھلانگ لگادینا ورنہ وہ

لڑکی قبر تک ساتھ جائے گی۔"

وہ پہلے تو متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتی رہی پھر بسورنے لگی اس کے بعد باقاعدہ طور پر رو پڑی۔

عمران نے دانت پیس کر خلاء میں تین چار بار مکے ہلائے اور پھر سر پکڑ کر اکڑوں بیٹھ گیا۔

لڑکی روتی اور سسکیاں لیتی رہی.... کئی منٹ اسی طرح گذر گئے۔

"ارے کچھ کھانے کو بھی ہے اُس جھونپڑی میں یا بھوکوں مرنا پڑے گا۔" عمران نے کسی ایسی معمر عورت کے سے انداز میں کہا جو اپنے بچوں کی نالائقیوں سے تنگ آگئی ہو۔

"ہے کیوں نہیں۔" وہ روہانسی آواز میں بولی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے روتے روتے جھلا کر بولی ہو۔

"چلو....! بھوک لگی ہو تو اپنی حالت پر افسوس کرتے بھی نہیں بن پڑتا۔"

عمران اٹھ کر پھر جھونپڑی کی طرف چل پڑا.... لیکن مڑ کر نہیں دیکھا کہ لڑکی بھی آرہی ہے یا نہیں۔ جھونپڑی میں پہنچ کر اُس نے دو تین گہری گہری سانسیں لیں اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔

ایک گوشے میں کھجور کے پتوں کی ایک باسکٹ نظر آئی۔ اُس کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ لڑکی کی آواز آئی۔ "ٹھہرو۔"

"نہیں تم جا کر روؤ.... یہاں کیوں چلی آئیں۔" عمران نے کہا اور باسکٹ اٹھا کر اس میں دیکھنے لگا۔ کاغذ میں لپٹے ہوئے انڈوں کے سینڈوچ نظر آئے چائے کا تھرماس بھی تھا۔

"تم عجیب آدمی ہو۔" لڑکی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کان پک گئے ہیں بار بار یہی جملہ سنتے ہوئے۔" عمران نے کہا اور سینڈوچز گننے لگا پھر بولا۔

"یہ تعداد میں بارہ ہیں.... میرے خیال سے تمہارے لئے صرف دو تین عدد کافی ہوں گے۔ خوبصورت لڑکیوں کو زیادہ نہ کھانا چاہئے ورنہ جسم غیر متناسب ہو جاتا ہے۔ چھتیس، چوبیس، چھتیس کا ریشو گڑ بڑا جاتا ہے کہ نہیں۔"

"بیکار باتیں نہ کرو، پتہ نہیں میں نے کب سے کھانا نہیں کھایا۔" لڑکی نے کہا۔ "آج کون سا دن ہے۔"

"منگل....!"

"میرے خدا.... تو پھر میں نے سنیچر کی شب میں کھانا کھایا تھا۔"

"میں تو جب سے پیدا ہوا ہوں آج تک کچھ کھایا ہی نہیں۔"

"تم آخر میرا مذاق کیوں اڑا رہے ہو۔ مجھ سے ہمدردی ہونی چاہئے تمہیں۔"

"پیٹ بھر لینے کے بعد" عمران ایک سینڈوچ کا نصف دانتوں سے کاٹ کر منہ چلاتا ہوا بولا۔

"صورت ہی سے منحوس معلوم ہوتے ہو۔" لڑکی جل کر بولی۔

"اُس صورت میں شائد تمہیں آدھا سینڈوچ بھی نہ ملے۔"

لڑکی نے جھپٹ کر ایک بڑا سا پتھر اٹھایا اور اُسے تولتی ہوئی بولی۔ "چپ چاپ رکھ دو سارے سینڈوچ ورنہ سر پھاڑ دوں گی۔"

✿

عمران نے ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کی۔ ایسے بے تعلقی سے کھاتا رہا جیسے قریب ہی کوئی بلی کھڑی "میاؤں میاؤں" کر رہی ہو۔

لڑکی اُسے گھورتی رہی پھر یک بیک چونک کر بولی۔ "اوہ کیا میرا دماغ خراب ہو گیا ہے؟"

"تم ہی سوچو....!" عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"مم.... میں معافی چاہتی ہوں جناب!" لڑکی کانپتی ہوئی سی آواز میں بولی۔ "پے در پے غیر متوقع حادثات نے مجھے ذہنی طور پر کہیں کا نہ رکھا۔ آپ میرے محسن ہیں.... مجھے معاف کر دیجئے۔"

"کر دیا....!" عمران نے نوالہ چباتے ہوئے کہا۔

پھر لڑکی چپ چاپ ایک گوشے میں جا بیٹھی۔ چھ سینڈوچ کھا کر عمران نے بقیہ اس کی طرف بڑھا دیئے اور تھرماس سے چائے انڈیلنے لگا۔

"یہ بہت ہیں....!" لڑکی نے آہستہ سے کہا۔ "آپ اور لیجئے۔"

"بس شکریہ.... جو باقی بچیں پھر کھا لینا.... پتہ نہیں پھر کب کھانا نصیب ہو۔"

"کیوں.... میں نہیں سمجھی۔"

"تمہاری طرح میں بھی نہیں جانتا کہ کہاں ہوں۔ مجھے ایک لڑکی بھگا لائی تھی۔"

"خدا کے لئے میرا مضحکہ نہ اڑایئے۔"

"میں قسم کھانے کو تیار ہوں۔"

لڑکی کچھ نہ بولی۔ سر جھکائے اپنے ناخنوں کا جائزہ لیتی رہی۔

"میں اس سے پیچھا چھڑا کر اس جنگل میں آگھسا تھا.... لیکن یہاں بھی۔"

"یہاں بھی کیا....؟"

"ایک لڑکی ہی سے ملاقات ہوگئی....!"

"خدا نے.... میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آتا....!" لڑکی بیزاری سے بولی۔

"تو تمہارا نام زرینہ ہے۔"

"جی ہاں....!"

"صرف زرینہ....!"

"باپ کا نام لکھتی ہوں زرینہ کے ساتھ۔"

"وہ بھی کوئی اچھا ہی سا نام ہوگا؟"

"مجبوری.... نہ بتا سکوں گی۔"

"میں نے پوچھا کب تھا؟" عمران نے حیرت سے کہا۔

لڑکی پھر خاموش ہوگئی اور عمران ٹانگیں پھیلاتا ہوا بولا۔ "پچھلی رات ایک پل کے لئے بھی نہیں سوسکا.... لہٰذا ٹاٹا....!"

چٹائی پر چت لیٹ کر اُس نے آنکھیں بند کرلیں۔

"مجھے کیا کرنا چاہئے.... مجھے کیا کرنا چاہئے۔" لڑکی مضطربانہ انداز میں بڑبڑائی۔

"صبر....!" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

"میں سوچ رہی ہوں کیا پرویز نے مجھے اُن لوگوں کے ہاتھ فروخت کردیا تھا۔"

"غلط سوچ رہی ہو....!" عمران نے آنکھیں کھولے بغیر جواب دیا۔

"کیوں....؟"

"پیسہ خرچ کرنے والے اتنی آسانی سے نہیں ٹلتے۔ اگر تمہارا خیال صحیح ہوتا تو وہ ہوش میں آنے کے بعد ادھر ضرور آتے۔"

"کون جانے... وہ آپ کو غافل دیکھ کر حملہ کر ہی بیٹھیں۔ کہیں آس پاس چھپ گئے ہوں گے۔"

"اب تو چاہے جان چلی جائے کچھ دیر سوؤں گا ضرور....!"

اور پھر وہ سچ مچ سو گیا.... پھر آنکھ کھلی تھی اس لڑکی کے جھنجھوڑنے پر....

"آئیں.... ہائیں۔" اُس نے لیٹے ہی لیٹے تن کر منہ چلایا.... اور کروٹ لے کر پوچھا۔ "کیا بات ہے۔"

"کوئی ہے.... میں نے آوازیں سنی تھیں۔" لڑکی نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کہاں کون ہے؟" عمران اٹھ بیٹھا۔

"کچھ آدمیوں کے بولنے کی آوازیں سنی تھیں۔"

"آدمی ہی کی آواز تھی نا....!"

لڑکی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اونہہ....!" عمران پھر لیٹتا ہوا بولا۔ "میں سمجھا تھا شیر ویر ہوگا۔"

"میں خوب سمجھتی ہوں....!" لڑکی جھنجھلا کر بولی۔

"جو کچھ سمجھتی ہو اُسے فی الحال دل ہی میں رکھو۔ نیند پوری کرلینے کے بعد سنوں گا۔"

"یا خدا کیا کروں....؟" لڑکی نے اپنی پیشانی پر دوہتھڑ مارا۔

"یہ بھی نامناسب نہیں ہے۔" عمران نے سنجیدگی سے کہا اور کروٹ بدل کر آنکھیں بند کرلیں۔

"میں کہتی ہوں میری بات سنو....!" وہ اُسے دوبارہ جھنجھوڑ کر چیخی۔

عمران اٹھ بیٹھا۔ چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "کیا تم مجھے بور ہی کرنے پر تل گئی ہو۔"

"میں پوچھتی ہوں کہ میں کیا کروں؟"

ادھر عمران سوچ رہا تھا کہ اب کچھ نہ کچھ کر ہی گذرنا چاہئے۔ جن حالات میں اس لڑکی سے دوچار ہوا تھا وہ بھی اسی طرف اشارہ کررہے تھے کہ یہ کوئی نیا جال ہے۔ جو اُسے الجھائے رکھنے کے لئے پھیلایا گیا ہے.... اگر اس میں ذرہ برابر بھی حقیقت ہوتی تو وہ دونوں ہوش میں آنے کے بعد غائب نہ ہوجاتے۔

عمران سوچتا رہا اور لڑکی کھا جانے والی نظروں سے گھورتی رہی۔

تو اب یہ ہونا چاہئے عمران نے سوچا اور داہنا ہاتھ اس زور سے اُس کے گال پر رسید کیا کہ وہ داہنی جانب لڑھک گئی۔

"ارے....!" وہ حلق پھاڑ کر چیخی پھر دوبارہ اٹھ ہی رہی تھی کہ عمران نے اتنی ہی قوت سے پھر ایک ہاتھ رسید کردیا۔

اب تو وہ بُری طرح چنگھاڑنے لگی تھی.... اور عمران دونوں ہاتھوں سے اُسے پیٹ رہا تھا.... کچھ دیر تک وہ خود ہی مدافعت کی کوشش کرتی رہی پھر چیخنے لگی۔ "ارے بچاؤ.... بچاؤ مارے ڈالتا ہے بچاؤ.... بچاؤ...."

عمران کے ہاتھ اور تیزی سے چلنے لگے۔ دفعتاً جھونپڑی کے دروازے کی طرف سے آواز آئی۔ "خبردار.... چھوڑ دو اسے ورنہ گولی ماردوں گا۔"

عمران اچھل کر پیچھے ہٹ گیا.... تین آدمی نظر آئے۔ ایک کے ہاتھ میں ریوالور تھا اس

نے چپ چاپ دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

لڑکی خاموش تو ہوگئی تھی لیکن کبھی کبھی سسکیاں نکل ہی جاتیں اور آنسو تو تھمے ہی نہیں تھے۔

وہ عمران کو اس طرح گھورے جارہی تھی جیسے کچا چبا جائے گی۔ دفعتاً وہ اٹھی اور عمران پر ٹوٹ پڑی۔

عمران پہلے تو دوہرا ہو گیا.... اس کی ضربات اپنی پشت پر سہتا رہا پھر یک بیک سیدھا ہوا اور لڑکی کو ریوالور والے پر اچھال پھینکا۔ پھر خود بھی اُن پر چھلانگ لگا دی۔

چاروں زمین پر تھے اور عمران ریوالور چھین لینے کے لئے کوشاں تھا۔ ساتھ ہی اس پر بھی دھیان تھا کہ ان میں سے کوئی اٹھنے نہ پائے لڑکی بُری طرح چیخ رہی تھی کیونکہ اس پر دو آدمیوں کا بوجھ تھا کسی نہ کسی طرح عمران ریوالور پر قبضہ کر لینے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ اعشاریہ چار پانچ کا وزنی ریوالور تھا.... ایک نے جیسے ہی اٹھنے کے لئے سر ابھارا عمران نے ریوالور کا دستہ پوری قوت سے اس کے سر پر رسید کر دیا۔ اس کے حلق سے ایک کمزور سی چیخ نکلی اور اس نے ہاتھ پیر ڈال دیئے.... دوسرے کے ساتھ بھی اس نے یہی برتاؤ کیا تیسرے پر بھی ہاتھ اٹھایا تھا لیکن پھر کچھ سوچ کر رک گیا۔ دو آدمی بیہوش ہو چکے تھے.... تیسرے کی گردن پکڑ کر اٹھاتے ہوئے لڑکی کے لات رسید کی اور وہ چنگھاڑتی ہوئی دور جا گری۔ پھر تیسرے کو بھی دھکا دیا.... وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن اس نے پھر جھپٹنے کی کوشش کی۔

"بے دریغ فائر کر دوں گا۔" عمران نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ لڑکی اور وہ دونوں کھڑے ہانپتے رہے۔

عمران چند لمحے انہیں گھورتا رہا پھر غرایا۔ "تمہاری گاڑی کہاں ہے؟"

کوئی کچھ نہ بولا۔

"میں سچ کہتا ہوں تم سبھوں کی کھوپڑیوں میں سوراخ کر کے چل دوں گا۔" عمران نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ "یہ تو دیکھ ہی چکے ہو کہ مجھے اس جیسی خوبصورت لڑکی پر بھی رحم نہیں آتا۔"

"کمینے کتے....!" لڑکی بڑبڑائی۔

عمران نے لڑکی کیطرف توجہ دیئے بغیر پھر اس آدمی کو مخاطب کیا۔ "کیا تم نہیں بتاؤ گے۔"

"گگ.... گاڑی" وہ ہکلایا۔ "یہاں سے دور ہے! سڑک کے قریب!"

"یہ تم کیا کر رہے ہو۔" لڑکی نے اس کی طرف دیکھ کر غصیلے لہجے میں کہا۔

"وہ ٹھیک کر رہا ہے تم خاموش رہو.... ورنہ دونوں کان کاٹ دوں گا۔" عمران بولا۔ پھر مرد سے بولا۔ "تم مجھے وہاں لے چلو.... اور کون ہے تمہارے ساتھ۔"

"کک کوئی نہیں۔" وہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔

"چلو....!" عمران نے ریوالور سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

کچھ دیر بعد وہ جھونپڑی سے نکل رہے تھے مرد آگے تھا اس کے پیچھے لڑکی اور عمران دونوں کے پیچھے ریوالور سنبھالے چل رہا تھا۔

"مجھے وہیں لے چلو جہاں گاڑی ہے۔" عمران نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ وہ کچھ نہ بولے۔ خاموشی سے چلتے رہے۔ لڑکی کبھی کبھی مڑ کر عمران کیطرف دیکھنے لگتی اور عمران کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ دیکھ کر ایسا منہ بناتی جیسے کوئی گندی سی گالی ذہن میں گونج کر رہ گئی ہو۔

اگلا آدمی بائیں جانب والی جھاڑیوں میں داخل ہو رہا تھا۔ یہاں ایک پتلی سی پگڈنڈی نظر آئی.... دورویہ جھاڑیاں ان کے قد سے بہت اونچی تھیں۔

وہ چلتے رہے۔ عمران خود ہی کسی قسم کی گفتگو سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تقریباً ایک یا ڈیڑھ میل کی مسافت طے کرنے کے بعد وہ نسبتاً کم گھنے جنگل میں پہنچ گئے تھے۔ لیکن یہ پگڈنڈی کسی طرح ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔

"کیا ارادے ہیں....!" عمران غرایا۔

"مم.... میں شائد راستہ بھول گیا ہوں...." مرد نے رک کر مڑتے ہوئے کہا۔ لڑکی بھی رک گئی۔

"کہیں میں سچ مچ تمہیں گولی نہ مار دوں۔"

"اب میں.... کک.... کیا بتاؤں.... پھر ادھر ہی واپس چلتے ہیں۔"

"نہیں ہم یہیں ٹھہریں گے۔" عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

دفعتاً کہیں قریب ہی سے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی.... اور عمران نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ لیکن لڑکی کھلکھلا کر ہنس پڑی اور چیخ کر بولی۔ "کر دو فائر.... کرو.... کرو....!"

پھر ایسا محسوس ہوا جیسے چاروں طرف سے بے شمار آدمی دوڑ پڑے ہوں۔ عمران نے قریب کی جھاڑیوں میں چھلانگ لگائی اور اندھا دھند بھاگتا چلا گیا۔

ذرا ہی دیر بعد اس نے فائروں کی آوازیں سنی.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یونہی بے مقصد چاروں طرف گولیاں برسائی جارہی ہوں۔

ایک بار تو وہ بال بال بچا.... گولی سر سے شائد آٹھ یا نو انچ کے فاصلے سے گذر گئی تھی۔ وہ بے تحاشہ زمین پر گر گیا تھا اور اب سینے کے بل رینگتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اسی طرح پتہ نہیں کتنی دور نکل آیا....

کچھ دیر بعد سناٹا چھا گیا لیکن وہ اُسی طرح زمین سے چپکا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اس طرح جنگل میں کہاں بھٹکتا پھرے گا۔

کیسا جال تھا؟ کیوں بچھایا گیا تھا۔ وہ سوچتا اور بور ہوتا رہا۔ کیا مادام نشی کا کی لاش کاؤیوچن کی گاڑی میں اسی لئے ڈالی گئی تھی کہ جولیانا فٹنر واٹر کسی نہ کسی طرح اس واقعہ سے متعلق ہو جائے یا وہ محض اتفاق تھا....؟ پھر اس کے بعد پے در پے دو قتل ہوئے گونگا مارا گیا.... جو مادام نشی کا کا باڈی گارڈ تھا؟ فوہی ختم کر دیا گیا جس کے ساتھ وہ ان دنوں بہت زیادہ دیکھی گئی تھی۔

پھر اسے وہ دوسرا چینی یاد آیا جس نے جولیا سے کاؤیوچن کے متعلق گفتگو کی تھی اور بتایا تھا کہ وہ اس کا ملازم ہے اور چھپ کر اس کی نگرانی کرتا رہتا ہے تاکہ دوسروں کو اس کے پاگل پن سے محفوظ رکھا جا سکے۔ لیکن کاؤیوچن نے اس کی تردید کر دی تھی۔ وہ اسے پہچانتا تک نہیں تھا.... آخر وہ چینی کون تھا....؟ کیا اُسی نے نشی کا کی لاش کاؤیوچن کی گاڑی میں ڈالی تھی؟

پھر اُسے محض اس لئے اس کیس کے سلسلے میں چھان بین کرنی پڑی تھی کہ جولیا کی پوزیشن صاف ہو سکے؟ لیکن.... وہ کیا کر سکا؟.... پتہ نہیں جولیا کا کیا حشر ہوا ہو۔ ہو سکتا ہے فیاض نے اپنی دھمکیوں کو عملی شکل بھی دے دی ہو۔

وہ سوچتا اور رینگتا رہا.... یہاں نہ صرف جھکڑ دار جھاڑیاں تھیں بلکہ زمین بھی ناہموار تھی۔ اس نے سوچا کب تک اس طرح رینگتا رہے گا۔

اٹھ بیٹھا.... تھوڑی دیر تک گھٹنوں کے بل بیٹھا رہا.... پھر اٹھ بیٹھا.... سورج مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ خنکی بڑھنے لگی تھی۔ اس نے سوچا اگر جنگل سے نکلنے سے قبل ہی اندھیرا پھیل گیا تو کیا ہوگا۔ لیکن تیز چل کر بھی کیا کرتا.... خود کو تھکانے سے فائدہ.... ضروری نہیں تھا کہ تیز رفتاری بار آور ہوتی۔

بس تن بہ تقدیر ہو کر چلتا رہا۔ ایک گھنٹہ گذر گیا۔ پھر یک بیک اسے کسی بھاری گاڑی کے انجن کی آواز سنائی دی اور یہ زیادہ دور بھی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ سمت کا بھی اندازہ ہو گیا اور اس

نے تیزی سے دوڑنا شروع کر دیا۔

اور پھر جب اس نے جھاڑیوں کے سلسلے کے سرے پر پہنچ کر نیچے دیکھا تو تقریباً تیس چالیس فٹ نیچے سڑک دکھائی دی۔ شائد ابھی ابھی کوئی بڑی گاڑی گذری تھی۔ عمران نے فضا میں پٹرول کے دھوئیں کی بو محسوس کی۔

ڈھلوان ایسی نہیں تھی کہ وہ بآسانی نیچے اتر سکتا۔ پھر بھی.... کوشش کر ہی ڈالی۔ ایک جگہ پیر جمانے کا موقع ملا ہی تھا کہ دوسرا پیر اکھڑ گیا.... اگر ایک مضبوط پودے کا تنا ہاتھ میں نہ آ گیا ہوتا تو نیچے پختہ سڑک پر گر کر ہاتھ منہ توڑ بیٹھتا۔

اب وہ پودے کو دونوں ہاتھوں سے تھامے خلاء میں جھول رہا تھا۔ پیروں سے اُس دیوار نما ڈھلان کو بھی ٹٹولتا جا رہا تھا۔ شاید کہیں پیر جمانے کی جگہ مل ہی جائے.... اتنے میں پھر کسی گاڑی کی آواز سنائی دی.... اور عمران نے شور مچانا شروع کر دیا۔

یہ ایک ٹرک تھا جس پر بڑے بڑے شہتیر لدے ہوئے تھے۔ پچھلے حصے میں بیٹھے ہوئے مزدوروں نے اُسے حیرت سے دیکھا۔ ڈرائیور نے ٹرک روک دیا تھا۔ وہ سب نیچے اُتر آئے....

عمران چیختا جا رہا تھا۔ "اسے اتارو کسی طرح.... ورنہ نیچے گر کر چور چور ہو جاؤں گا۔"

"تو اس طرح لٹکنے کی کیا ضرورت تھی؟" ڈرائیور نے نیچے سے پوچھا۔

"نیچے پہنچ کر بتاؤں گا....!" عمران نے چیخ کر کہا۔ "تم ٹرک قریب لاؤ.... اور ایک شہتیر اس نامعقول ڈھلان سے ٹکا دو۔"

"ترکیبی معلوم ہوتے ہو یار....!" ڈرائیور ہنس کر بولا.... اور ٹرک میں بیٹھ کر اُسے بیک کرتا ہوا اس جگہ لایا۔ مزدوروں نے ایک شہتیر سیدھا کر کے ڈھلان سے ٹکا دیا اور اسے ہاتھوں سے دبائے رہے لیکن شہتیر کا اوپری سرا عمران کے پیروں تک بھی نہ پہنچ سکا۔

"چھوٹا ہے.... اس سے بڑا نکالو....!" عمران نے کہا۔

بڑا شہتیر نیچے ہے.... مشکل سے نکلے گا....!" ایک مزدور نے کہا۔

"اور میں آسانی سے مر جاؤں گا.... کیوں؟"

"اے تم تو بقراط معلوم ہوتے ہو۔" ڈرائیور نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا۔ "پھر مزدوروں سے بولا۔ "نکالو نیچے سے۔"

بیس منٹ بعد کامیابی ہو سکی.... دوسرا بڑا شہتیر ڈھلوان سے ٹکایا گیا.... یہ اس کی پنڈلیوں تک پہنچ سکا.... عمران نے دونوں ٹانگیں اس میں پھنسا کر پودے کا تنا چھوڑ دیا اور بڑے اطمینان

سے پھسلتا ہوا ٹرک پر آرہا.....

"بہت بہت شکریہ.....!" اس نے مزدوروں سے کہا اور ٹرک سے کود کر ڈرائیور کی سیٹ کی طرف بڑھا۔

"اب کیا ہے.....؟" ڈرائیور نے پوچھا۔ عمران دروازہ کھول کر اُس کے برابر بیٹھ چکا تھا۔

"کیا ارادہ ہے.....!" ڈرائیور اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"میں ڈاکو نہیں ہوں.....!" عمران نے بڑے پیار سے کہا۔

"وہاں اوپر کیا کر رہے تھے.....!"

"بھیڑیوں نے دوڑایا تھا..... شکار کھیل رہا تھا۔ ساتھیوں سے بچھڑ کر راستہ بھول گیا۔ ادھر سے نیچے اترنے کی کوشش کر رہا تھا..... تم کہاں جا رہے ہو۔"

"ساجد نگر.....!"

"بس تو پھر مجھے وہیں چھوڑ دینا۔ یہاں سے کتنی دور ہوگا۔"

ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے جواب دیا۔ "تیس میل۔"

عمران نے کوٹ کی اندرونی جیب ٹٹولی۔ پرس موجود تھا۔ بیہوشی کے دوران میں کسی نے اس میں ہاتھ نہیں لگایا تھا..... اس نے اطمینان کی سانس لی۔

کچھ دیر بعد ٹرک ڈرائیور نے کہا۔ "اگر میرے ٹرک پر شہتیر نہ ہوتے تو کیا ہوتا۔"

"موت تو بہرحال آتی..... لیکن بھیڑیوں سے بچ جاتا.....!" عمران نے احمقانہ انداز میں جواب دیا۔

"بندوق کہاں گئی.....!"

"رائفل تھی..... پتہ نہیں کہاں رہ گئی بوکھلاہٹ میں۔"

"اب کیا کرو گے۔"

"بہت زیادہ احتیاط سے زندگی بسر کروں گا۔"

وہ کچھ نہ بولا۔ ٹرک سنسان سڑک پر دوڑتا رہا۔

☼

اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی وہ ساجد نگر پہنچ گئے۔ عمران نے ٹرک ڈرائیور کو دس روپے دینے

چاہے لیکن اس نے انکار کر دیا..... مزدور بھی کچھ لینے پر تیار نہیں ہوئے.....!

پھر وہ ساجد نگر کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچا۔ تھوڑی ہی دیر بعد شہر کے لئے ٹرین مل گئی.....

رات بہت سرد تھی۔ وہ احتیاطاً تیسرے درجے میں بیٹھا تھا۔ جوں توں شہر پہنچا اور ریلوے اسٹیشن ہی سے دانش منزل کی راہ لی۔ عمارت سنسان پڑی تھی۔ فون پر بلیک زیرو سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے بتایا کہ جولیا سے اس کے مکان ہی پر پوچھ گچھ کی گئی تھی۔ البتہ فیاض عمران کے فلیٹ کے چکر لگا رہا ہے۔ کاؤیوچن اب بھی حراست میں ہے، فوہی کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون تھا اور کہاں سے آیا تھا..... جوزف کے بارے میں بتایا کہ وہ عمران کی ہدایت کے مطابق رانا پیلس ہی میں مقیم ہے۔

عمران نے سلسلہ منقطع کر کے کیپٹن فیاض کے نمبر ڈائیل کئے۔

"تم کہاں سے بول رہے ہو؟" فیاض نے پوچھا۔

"یہ نہیں بتاؤں گا.....!"

"کہاں غائب ہوگئے تھے۔"

"شہر میں نہیں تھا۔"

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں.....؟ کوئی خاص بات؟"

"بہت ضروری..... دفتر آجاؤ..... میں جا رہا ہوں۔ میں وہیں انتظار کروں گا۔"

"کیا اس بات کا تعلق نشی کاوالے معاملے سے ہے۔" عمران نے پوچھا۔

"نہیں.....!" جواب ملا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوگیا۔

عمران ریسیور رکھے بغیر کچھ سوچتا رہا۔ پھر ریسیور رکھ کر بیرونی برآمدے میں آیا۔ یہاں بھی تھوڑی دیر رک کر کچھ سوچتا رہا پھر آگے بڑھ گیا۔

گیراج سے موٹر کار نکالی اور فیاض کے دفتر کی طرف روانہ ہوگیا۔ توقع تھی کہ اس سے فوہی کے متعلق بالتفصیل معلومات حاصل ہو سکیں گی۔

کار فراٹے بھرتی رہی۔ اس نے اوور کوٹ کے کالر کھڑے کر لئے تھے۔ بہت زیادہ محتاط رہنا چاہتا تھا۔ جو لوگ اس کا اغوا کر سکتے تھے سرِ راہ گولی بھی مار سکتے تھے۔

ویسے وہ بخیر و عافیت محکمہ سراغرسانی کے دفاتر تک پہنچ گیا۔ فیاض موجود تھا..... بڑی خوش دلی سے ملا۔

"بہت بھوکا ہوں۔" عمران نحیف آواز میں بولا۔

"یہیں منگواؤں کچھ....؟" فیاض نے بڑے پیار سے پوچھا اور عمران چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

لہجے میں کوئی ایسی چیز ضرور تھی جس نے ڈھکی چھپی جھلاہٹ کی بھی ہلکی سی جھلک دکھاہی دی تھی۔

فیاض آنکھیں چار نہ کر سکا۔ ہاتھ بڑھا کر گھنٹی بجائی۔ اردلی اندر آیا.... فیاض ایک سلپ پر کچھ لکھ کر اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "کینٹین کے منیجر کو دینا۔"

عمران اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔

"ہوں تو تم کہاں رہے....؟" فیاض نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔ "مرغابیوں کے شکار پر گیا تھا۔"

"کتنی ماریں....!"

"یہ پوچھو کتنی نہیں ماریں.... غلیل کار برنہ ٹوٹ گیا ہوتا تو....!"

اتنے میں دوسرا اردلی کسی کا وزیٹنگ کارڈ لایا۔

"بھیج دو....!" فیاض نے لاپروائی سے کہا اور عمران کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں عمران کو چونکنا پڑا۔

وہ سفید فام غیر ملکی کمرے میں داخل ہو رہا تھا جسے ریٹا نے اپنے باپ کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا۔

عمران پر نظر پڑتے ہی وہ چیخنے لگا تھا۔ "یہی تھا.... جی ہاں یہی تھا.... اُو بدبخت میری لڑکی کہاں ہے.... میں تمہیں گولی مار دوں گا گندے سور....!"

عمران نے جھٹکے کے ساتھ منہ کھولا اور پھر بند کر لیا۔ فیاض اُسے گھور رہا تھا.... اس نے بوڑھے سے کہا۔ "بیٹھئے.... بیٹھئے....!"

"میں آپ کا مشکور ہوں جناب....!" اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "بے حد شکر گذار ہوں کہ آپ نے اسے ڈھونڈھ نکالا.... مگر ریٹا کہاں ہے۔"

اب عمران اس برافروختہ بوڑھے کی بجائے فیاض کو گھورے جا رہا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس وقت فیاض نے محض کارروائی شناخت کے لئے اسے وہاں بلایا تھا۔ ایک طرف اسے دفتر پہنچنے کو کہا اور دوسری طرف بوڑھے کو بھی.... فون کر کے یہاں طلب کر لیا۔

"کیا قصہ ہے....!" فیاض نے عمران سے پوچھا۔

"سمجھوتہ کرادو....!" عمران نے جھینپے ہوئے انداز میں آہستہ سے کہا۔

"یعنی تو یہ سچ ہے کہ ریٹا....!" فیاض نے آنکھیں نکالیں۔

"دل کے ہاتھوں مجبوری ہے سوپر فیاض....!" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ "بالآخر مجھے بھی کہنا ہی پڑا کہ مجنوں نرا کلرک ہی نہیں تھا۔"

"تو تم اعتراف کرتے ہو....؟"

"بالکل بالکل....!" عمران سر ہلا کر بولا۔

"تم نے اُن لوگوں کو اپنا کوئی دوسرا نام بتایا تھا۔"

"وہ بھی ریٹا ہی کی جدت تھی.... بڑی خوش مزاج لڑکی ہے۔"

"میں کیا کر سکوں گا....!" فیاض نے لاپروائی سے کہا۔

"اتنے دنوں کی دوستی پر خاک ڈال دو گے۔ کیوں؟"

"ہاں.... اب کیا چاہتے ہو....!" فیاض نے بوڑھے کو انگریزی میں مخاطب کیا۔

"ریٹا.... میری بیٹی.... میں اس کی واپسی چاہتا ہوں۔"

"کیا عمر ہے....!" فیاض نے عمران سے پوچھا۔

"نابالغ نہیں ہے.... کم از کم چوبیس سال کی ہو گی۔"

"اگر اس نے تمہارے پاس آنے سے انکار کر دیا تو....؟" فیاض نے بوڑھے سے پوچھا۔

"میں اُسے گولی مار دوں گا۔"

"جناب والا....!" عمران نے بڑے ادب سے فیاض کو انگریزی میں مخاطب کیا۔ "یہ جملہ نوٹ کیا جائے.... آپ ایک ذمہ دار آفیسر ہیں۔"

"ہاں ہاں۔ اگر اس نے تم جیسے فراڈ کے ساتھ رہنے پر آمادگی ظاہر کی تو میں اُسے یقینی طور پر گولی مار دوں گا۔"

"اچھا اگر ہم دونوں سمجھوتہ کر لیں تو....!" عمران نے نرم لہجے میں کہا۔

"کیسا سمجھوتہ....!" وہ مکا ہلا کر چیخا۔ "ریٹا کی واپسی کے علاوہ اور میں کسی بات پر رضا مند نہیں ہو سکتا۔"

"یہ تو بڑی مصیبت ہے....!" عمران کراہا۔

"آپ کچھ کرتے کیوں نہیں....!" بوڑھے نے جھنجھلا کر فیاض سے کہا۔

"آپ ذرا دیر باہر تشریف رکھئے....!" فیاض نے اردلی کو بلانے کے لئے گھنٹی بجائی۔

"اچھا.... اچھا.... لیکن اگر میری مرضی کے خلاف کچھ ہوا تو....!" وہ فیاض کو دھمکیاں

دیتا ہوا باہر چلا گیا۔

اُس کے چلے جانے کے بعد فیاض خاموشی سے عمران کو گھورتا رہا۔

"ہائے تم.... تو اس طرح گھور رہے ہو جیسے....؟"

"بے کار اڑنے کی کوشش نہ کرو....!" فیاض غرایا۔

"پھر بتاؤ میں کیا کروں....!"

"کیا وہ سچ مچ تمہارے ساتھ رہنے پر تیار ہے۔"

"میں اُسے گود میں اٹھا کر تو لے نہیں گیا تھا۔"

"لیکن مجھے تم دونوں کو حراست میں لینا پڑے گا.... اس کا فیصلہ عدالت ہی کر سکے گی کہ آئندہ کیا ہونا چاہئے۔"

"لیکن سوپر فیاض! یہ اپنے علاقے کے پولیس اسٹیشن پر رپورٹ درج کرانے کی بجائے تمہارے پاس کیوں دوڑا آیا اور تم براہِ راست اس سلسلے میں کیونکر اقدام کر سکتے ہو۔"

"وزارتِ خارجہ کے توسط سے یہ کیس میرے پاس آیا ہے۔ بوڑھا یہاں کا شہری نہیں.... مقامی فن مصوری کی اسٹڈی کرنے کے لئے یہاں عارضی طور پر مقیم ہے۔"

"بھلا کس سفارت خانے کے توسط سے یہ کیس وزارت خارجہ تک پہنچا ہوگا۔"

"معلوم کرلو.... وہاں تو تمہارا بڑا دخل ہے...." فیاض نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بہت اچھا....!" عمران نے سعادت مندی کا اظہار کیا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر عمران نے کہا۔ "ظاہر ہے اس نے تمہیں میرا اور کوئی نام بتایا تھا پھر تم خاص طور پر مجھے ہی کیوں طلب کر بیٹھے۔"

"حلیہ بھی بتایا تھا اس نے....!" فیاض اسے بغور دیکھتا ہوا بولا۔

"اور میرا حلیہ تمہیں ازبر ہے۔"

فیاض کچھ نہ بولا۔ عمران نے کہا۔ "یار سمجھوتہ کرادو کسی طرح۔"

"وہ کہتا ہے کہ لڑکی اس کے حوالے کردی جائے تو بات نہیں بڑھے گی۔"

"اچھی بات ہے!" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

"کیا مطلب....!"

"اُسے میرے ساتھ بھیج دو۔"

"کیا ضمانت ہے کہ تم اسے دھوکا نہیں دو گے۔"

"ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔"

"میں فضول باتیں سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ ابھی تمہیں مزید جواب دہی کرنی ہے۔ گونڈا اور فوہی کے قتل کے سلسلے میں بھی تمہارا ہی حلیہ سرفہرست ہے۔"

"حلیہ حسب ذیل بولتے ہیں....!" عمران نے تصحیح کی۔

"اچھی بات ہے.... اس بار دیکھ لوں گا۔"

فیاض تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اچھی بات ہے۔"

گھنٹی بجائی اردلی اندر آیا.... اور اس نے اس سے کہا۔ "انسپکٹر زیدی کو اندر بھیج دو....!"

"کسی گھاگ کو بھیجو.... وہ تو ابھی برخوردار ہے۔" عمران نے کہا۔

اردلی جا چکا تھا۔ فیاض لاپروائی سے کاغذات کی طرف متوجہ ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک جوان العمر آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

"انسپکٹر ان کے ساتھ جاؤ....!" اس نے کہا اور پھر کچھ کہتے کہتے رک کر عمران کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "تم بھی باہر ٹھہرو....!"

"بہت بہتر جناب عالی....!" عمران نے کہا اور اٹھ کر باہر چلا آیا۔ بوڑھا برآمدے میں موجود تھا.... عمران کو دیکھ کر دانت پیسنے لگا اور بپھرے ہوئے سانڈ کی طرح فوں فوں کرنے لگا.... عمران اس کی طرف متوجہ تک نہ ہوا....

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر زیدی کمرے سے نکلا اور عمران کو گھورتا ہوا بولا۔ "چلئے....!"

پھر بوڑھے کو بتانے لگا کہ وہ اِن کے ساتھ جا کر لڑکی کو برآمد کرنے میں مدد دے گا۔

عمران اپنی گاڑی میں جا بیٹھا.... بوڑھا اپنی کار لایا تھا۔

"آپ بوڑھے ہی کے ساتھ تشریف رکھئے جناب....!" عمران نے انسپکٹر سے کہا۔

"جی نہیں....! مجھے ہدایت ملی ہے کہ آپ ہی کے ساتھ بیٹھوں....!"

"بسم اللہ....!"

حالانکہ وہ نہیں چاہتا کہ ایسا ہو.... اب اس کے ذہن میں کوئی اسکیم نہ تھی پہلے تو سوچا تھا کہ کسی طرح اس بوڑھے کو چنگل میں لے کر اس سے کچھ اگلوانے کی کوشش کرے گا۔ لیکن فیاض بھی احمق تو تھا نہیں کہ ان دونوں کو تنہا جانے دیتا۔ ویسے بھی معاملہ براہِ راست وزارت خارجہ کے دفتر سے اس تک آیا تھا اس لئے لڑکی کی بازیابی کی باقاعدہ [illegible]

عمران سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔

"آپ کہاں چل رہے ہیں....!" انسپکٹر زیدی نے اس سے پوچھا۔

"کیا بوڑھے کی کار پیچھے آ رہی ہے....!" عمران جواب دینے کی بجائے خود سوال کر بیٹھا۔

"ضرور آ رہی ہوگی.... میں نے پوچھا کہ ہمیں کہاں جانا ہے۔"

"شاہ دارا....!"

"کیا....؟" انسپکٹر زیدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اوہ.... کیا کیپٹن فیاض نے نہیں بتایا۔"

"نہیں.... میں تو سمجھا تھا یہیں کہیں۔"

"تب تو فیاض ہی کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ ٹھیک ہے، اُن حضرت نے بھی مجھ سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ لڑکی کہاں ہے۔"

"واپس موڑیئے....!" زیدی جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "انہیں معلوم ہونا چاہئے"

"ناک میں دم ہے....!" عمران کراہا۔ "کاش پہلے معلوم ہوتا کہ لڑکیوں کو بھگا لے جانے کے بعد کیسی درگت بنتی ہے۔"

"آپ کو شرم آنی چاہئے۔"

"شرم کیا اب تو موت بھی آ جائے تو مجھے بے حد خوشی ہوگی۔"

انسپکٹر زیدی اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا۔ عمران نے ٹرن لے کر گاڑی پھر اُسی راستے پر لگا دی جس سے آیا تھا۔ بوڑھا بھی گالیاں بکتا ہوا اپنی گاڑی موڑنے لگا۔ ایک بار ان کے برابر پہنچ کر وہ اپنی گاڑی سے دہاڑا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"ہم پھر آفس جا رہے ہیں....!" انسپکٹر نے جواب دیا۔

"کیوں؟"

"آپ فضول بحث نہ کیجئے....!"

"میرا دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے تم لوگوں نے....!"

"ہر خوبصورت لڑکی کے باپ کو تمہاری ہی طرح خبطی ہونا چاہئے۔" عمران بولا۔

"مجھے آپ کی ڈھٹائی پر حیرت ہے۔" انسپکٹر نے حیرت سے کہا۔

"مجھے تو اب کسی بات پر حیرت نہیں ہوتی۔"

وہ محکمہ سراغ رسانی کے دفتر کے سامنے آ رکے.... انسپکٹر زیدی نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔ "چلئے....!"

لیکن عمران لاپروائی سے سر ہلا کر بولا۔ "آپ جلدی سے بتا کر واپس آ جایئے۔ میں بہت زیادہ بور ہو چکا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔" انسپکٹر زیدی نے کہا اور بوڑھے کی طرف ہاتھ ہلا کر کہا۔ "میں ابھی واپس آ رہا ہوں آپ دونوں ٹھہریئے۔"

وہ کمپاؤنڈ سے گذر کر عمارت میں چلا گیا۔ دفعتاً عمران نے انجن اسٹارٹ کیا اور تیزی سے گاڑی موڑ کر بھاگ نکلا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ بوڑھا تعاقب میں ضرور آئے گا۔

کچھ دور چل کر گاڑی ایک ایسی سڑک پر ڈال دی جس پر ٹریفک زیادہ نہیں رہتا تھا۔ گاڑی کی رفتار بتدریج تیز ہوتی رہی۔

پھر اس نے ڈیش بورڈ پر لگا ہوا ایک پش سوئچ دبایا.... ایک طرف ایک تختی سی سرکی اور ٹرانسمیٹر نمایاں ہو گیا۔ وہ اس کے ذریعہ اپنے ماتحت بلیک زیرو کو متوجہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بلیک زیرو کی آواز آئی۔

"میں اس وقت ریکسٹن روڈ پر مشرق کی جانب جا رہا ہوں۔ ایک سیاہ رنگ کی کار میری گاڑی کا تعاقب کر رہی ہے....!"

"میں خود آؤں....؟" بلیک زیرو نے پوچھا۔

"ہاں.... لیکن دخل اندازی کی ضرورت نہیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ اس گاڑی کے پیچھے اور کوئی تو نہیں ہے۔"

✿

اس کی کار تیز رفتاری سے راستہ طے کر رہی تھی۔ عقب نما آئینے میں کسی کار کی ہیڈ لائیٹس نظر آ رہی تھیں.... اس نے کئی بار زاویئے بدل کر دیکھنے کی کوشش کی کہ دوسری کار کے پیچھے کوئی تیسری گاڑی بھی ہے یا نہیں۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

کچھ دیر بعد ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "ہیلو.... ہیلو.... بلیک زیرو اسپیکنگ....!"

"ہیلو....!" عمران ایکس ٹو کی مخصوص بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"میں مشرق کی جانب جا رہا ہوں لیکن ابھی تک کوئی گاڑی نظر نہیں آئی سڑک سنسان ہے۔"

"چلے آؤ....!"

"مجھے کیا کرنا ہوگا....!"

"تمہاری یادداشت کمزور ہوگئی ہے کیا....!" عمران غرایا۔ "میں نے کہا تھا کہ مجھے اطلاع دو اس کالی گاڑی کے پیچھے کوئی اور گاڑی تو نہیں ہے۔"

"بہت بہتر جناب....!"

عمران خاموش ہوگیا۔ دوسری طرف سے بھی کوئی آواز نہ آئی۔ کار تیزی سے دوڑتی رہی.... کچھ دیر بعد پھر بلیک زیرو کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا۔ "میں نے کالی گاڑی کو دیکھ لیا ہے اس کے پیچھے کوئی دوسری گاڑی نہیں ہے۔"

"اپنی پشت پر بھی نظر رکھو....!" عمران نے کہا۔

"دیکھ چکا ہوں!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "دور دور تک کسی دوسری گاڑی کا پتہ نہیں۔"

"اچھا اب! اس گاڑی سے قریب ہونے کی کوشش کرو۔"

کچھ دیر بعد عمران نے اپنی گاڑی کی رفتار سست کر دی.... ٹھیک اسی وقت بلیک زیرو کی بھی آواز آئی۔ "میں اس گاڑی سے آٹھ یا دس گز کے فاصلے پر ہوں۔"

"یہی فاصلہ قائم رکھو....!" عمران نے کہا۔

یہاں سڑک زیادہ چوڑی نہیں تھی یکایک عمران نے اپنی گاڑی ترچھی کر کے روک دی۔ پچھلی گاڑی بھی رک گئی اور اس سے ہارن کی آوازیں آنے لگیں۔ تیسری گاڑی جو اس کے پیچھے تھی وہ بھی رک گئی تھی۔

عمران اپنی گاڑی سے اترا۔ بلیک زیرو نے اسے اترتے دیکھ لیا تھا لہٰذا وہ بھی گاڑی سے اتر آیا۔

"یہ کیا ہے....؟" دوسری گاڑی سے نسوانی آواز آئی۔ "اپنی گاڑی ہٹاؤ....!"

جملہ انگریزی میں کہا گیا۔ عمران گاڑی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ جیسے ہی یہ آواز کان میں پڑی "ارے باپ رے" کہہ کر اچھل پڑا۔

"گاڑی آگے بڑھاؤ.... کیا ہے.... کیا مطلب!" جھلائی ہوئی سی نسوانی آواز پھر آئی۔

عمران تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا ہی تھا کہ گاڑی سے آواز آئی۔ "ارے تم ہو۔"

گاڑی کا دروازہ کھلا اور وہ جانی پہچانی لڑکی نہ صرف نیچے اتر آئی بلکہ عمران کا بازو بھی تھام لیا اب وہ تیزی سے بولے جا رہی تھی۔ "تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔"

جیسے [illegible] بڑھتے ہوئے قدم [illegible] تھے۔ [illegible] تھی۔ "تم [illegible] ہو۔ میرے جذبات کی قدر نہیں کر سکتے۔ آدمی ہو.... مجھے دھوکہ دے کر نکل بھاگے تھے۔ لیکن تم

مجھ سے نہیں بھاگ سکتے.... سمجھے۔"

"تت.... تمہارے پاپا کہاں گئے۔" عمران نے پوچھا۔

"پچھلی سیٹ پر بیہوش پڑے ہیں۔"

"بے ہوش....!"

"ہاں۔ میں کیسے گوارا کر لیتی کہ وہ تمہیں پولیس کے حوالے کر دیں۔"

"تم کہاں تھیں....!"

"وہیں۔ آس پاس۔ جب میں نے دیکھا کہ تم بھاگ رہے ہو تو....؟"

بلیک زیرو کھکارا.... اور بات جہاں تہاں رہ گئی۔

عمران نے مخصوص انداز میں ہاتھ ہلائے اور بلیک زیرو چپ چاپ اپنی گاڑی میں جا بیٹھا۔

"میرے گھر چلوگی۔" عمران نے آہستہ سے کہا۔

"ضرور چلوں گی۔"

عمران نے معنی خیز انداز میں سر کو جنبش دی اور اُس کی گاڑی میں جھانک کر دیکھا۔ کوئی پچھلی سیٹ پر پڑا تھا۔

دفعتاً ایک نیا خیال اسکے ذہن میں ابھرا.... کوئی اسطرح ایکس ٹو کو تو بے نقاب نہیں کرنا چاہتا۔

"تو پھر چلو....!" اُس نے کہا۔

"مگر پاپا....!" لڑکی نے کہا۔

"کیسے بے ہوش کیا تھا انہیں....!"

"کلوروفارم سنگھا کر....!"

"چلو انہیں بھی لے چلو تھوڑے تھوڑے وقفے سے کلوروفارم سنگھاتے رہیں گے۔"

عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا.... ساتھ ہی اُس نے جھر جھری سی لی۔ اس وقت موڈ کچھ اس قسم کا تھا جیسے عموماً اندھی چال چلتے وقت ہو جایا کرتا تھا۔

"چلو بیٹھو....!" عمران نے اُسے گاڑی کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

"شہر کی طرف موڑو.... میں اپنی گاڑی نکال لوں گا۔"

"تم پھر دھوکہ دو گے....!"

"باتیں ختم کرو.... اوہ دیکھو کوئی شریف آدمی بھی ہماری وجہ سے خواہ مخواہ رکا ہوا ہے۔"

ریٹا نے مڑ کر بلیک زیرو کی گاڑی کی طرف دیکھا اور جلدی سے اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ عمران نے

کسی نہ کسی طرح اپنی گاڑی آگے نکالی اور کچھ دور چلنے کے بعد بلیک زیرو کو مخاطب کیا۔

"ہیلو.....! میں انہیں رانا پیلس لے جارہا ہوں۔ سبھوں کو ہدایت کرو کہ رانا پیلس کی نگرانی کریں۔"

"بہت بہتر.....!" دوسری طرف سے جواب آیا۔

اب وہ بہت تیز رفتاری سے شہر کی طرف جارہا تھا۔ کچھ دیر بعد گاڑی رانا پیلس کے پھاٹک پر رکی۔ چوکیدار نے پھاٹک کھولا۔

یکے بعد دیگرے دو گاڑیاں پھاٹک میں داخل ہوئیں اور پورچ میں جاکر رک گئیں۔

عمران نے اتر کر ریٹا کی گاڑی کا دروازہ کھولا۔ وہ اتری اور متحیرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگی۔

"بڑی شاندار عمارت ہے.....!" اُس نے کہا۔

"وقت نہ برباد کرو..... پہلے یہ دیکھو کہ پاپا کو کلوروفارم کی ضرورت تو نہیں ہے۔"

"انہیں اندر کیسے لے جاؤ گے۔"

"ابھی ہو جاتا ہے۔" عمران نے کہا اور کار کا ہارن بجانے لگا۔ ایک ملازم عمارت سے باہر آیا۔ عمران نے اس سے دوسرے ملازمین کو بھی بلانے کو کہا۔

تھوڑی دیر بعد بوڑھا پچھلی نشست سے اتارا جارہا تھا۔ چار ملازم اسے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے اندر لائے اور ڈرائنگ روم کے تین نشست والے صوفے پر ڈال دیا۔

"بیٹھو.....!" عمران نے لڑکی سے کہا۔

وہ بیٹھ گئی..... اُس کے چہرے سے ذرہ برابر بھی بے اطمینانی ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔

"ٹھہرو.....!" عمران چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "میں تم لوگوں کیلئے کھانے کا انتظام کروں!"

"تمہارے سر پر کھانا کیوں اس بُری طرح سوار رہتا ہے۔"

"پھر بھی.....!" عمران نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا اور ایک ملازم سے کہا کہ وہ لائبریری میں جوزف کو بھیج دے۔

جوزف آیا اور چھوٹتے ہی پوچھ بیٹھا کہ اُسے کب تک یہاں مقید رہنا پڑے گا۔

"ہائیں تو کیا تمہیں شراب نہیں ملی.....!" عمران نے کہا۔

"نہیں باس.....!" اس نے دردناک لہجے میں کہا۔ "آج یہاں صبح سے ایک قطرہ بھی نہیں ہے..... کس سے کہوں، کس سے مانگوں۔ ٹائر صاحب بھی شائد یہاں نہیں ہیں۔"

بلیک زیرو یہاں اس عمارت میں طاہر صاحب کہلاتا تھا۔ ملازمین کا خیال تھا کہ وہ رانا تہور علی یعنی عمران کی طرف سے کوٹھی کا منتظم مقرر کیا گیا ہے۔

"اچھا..... ابھی مل جائے گی تم جلدی سے ایک کام کرو۔" عمران نے کہا اور سرگوشیوں میں اُسے کچھ سمجھانے لگا۔ کبھی جوزف کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آتے اور کبھی دانت نکل پڑتے..... بالآخر وہ سر ہلاتا ہوا کمرے میں چلا گیا۔

عمران پھر ڈرائنگ روم میں واپس آگیا۔ ریٹا خاموش بیٹھی تھی عمران کو دیکھتے ہی بولی۔

"تم خواہ مخواہ پریشان ہو ڈیئر..... میں کھانا کھا چکی ہوں۔"

"تھوڑا اور سہی.....!"

"نہیں! میں بہت خوش ہوں کہ دوبارہ تمہیں دیکھ رہی ہوں۔"

"اس خوشی میں کب تک کھانا نہ کھاؤ گی۔"

"ہائیں..... یہ کیا لغویت ہے..... کھانا کھانا کھانا..... کیوں بور کر رہے ہو۔"

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی..... عمران نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا..... اور ماؤتھ پیس میں بولنے لگا۔ "ہیلو..... ہاں..... میں ہی ہوں!" وہ انگریزی میں کسی سے مخاطب تھا۔ "ہیلو..... ہاں..... آجاؤ..... ٹھیک ہے۔ اس بار تمہاری طبیعت خوش ہو جائے گی..... قیمت بھی زیادہ نہیں ہے..... کتنی دیر میں پہنچو گے..... پانچ منٹ میں۔ ٹھیک ہے..... شکریہ.....!"

اس نے ریسیور رکھ کر طویل انگڑائی لی اور ریٹا کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"کون آرہا ہے.....!" ریٹا نے پوچھا۔

"تم آرام سے بیٹھو.....!"

"میں پوچھتی ہوں کون آرہا ہے۔"

"میرا ایک دوست.....!"

"یہیں اسی کمرے میں ریسیو کرو گے؟ پاپا کو کہیں اور پہنچا دو تو بہتر ہے.....!"

"رہنے دو..... اُسے کسی دوسرے کمرے میں ریسیو کرلوں گا..... مگر دیکھو تو انہیں کلوروفارم کی ضرورت تو نہیں ہے۔"

"تمہارے جانے کے بعد ایک بار پھر سنگھا چکی ہوں۔"

"کاش ہمارے ملک کی لڑکیاں بھی اسی طرح اپنے پاپوں کو کلوروفارم سنگھانے لگیں تو بہتیروں کی مشکل آسان ہو جائے گی۔"

"تم میرا مذاق اڑا رہے ہو....؟" ریٹا نے جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

اتنے میں جوزف کمرے میں داخل ہوا.... اس نے نائیجریا کے باشندوں کا ساڈھیلا ڈھالا چوغہ پہن رکھا تھا اور سر پر کامدار گول ٹوپی تھی۔

"آیئے.. آیئے.. جناب!" عمران اٹھ کر انگریزی میں بولا۔ "تشریف لایئے.. زہے نصیب...!"

جوزف ریٹا کو گھورتا ہوا بیٹھ گیا۔

"یہی لڑکی ہے۔" عمران نے ریٹا کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ہوں....!" جوزف اُسے بغور دیکھتا ہوا بولا۔ "ہے تو اچھی خاصی۔ کیا قیمت لو گے؟"

"صرف پانچ سو روپے.... اور ساتھ میں بوڑھا مفت....!"

"بوڑھے کو میں کیا کروں گا۔" جوزف نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"بحیثیت غلام رہے گا۔"

"نہیں میں مرد نہیں خریدتا۔ عورتیں خریدنا میری ہوبی ہے۔"

"تم لوگ کیا بکواس کر رہے ہو....!" ریٹا نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"میرا مقدر اچھا تھا کہ تم مفت ہاتھ آ گئیں۔ بڑے اچھے پیسے بنالوں گا۔ یہ نائیجریا کی ایک ریاست کا والی ہے.... لڑکیاں خرید کر لے جاتا ہے.... اس طرح لے جائے گا تمہیں کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی۔ تم مطمئن رہو۔ نائیجیریا بڑا حسین ملک ہے۔"

☼

پہلی بار عمران نے لڑکی کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار دیکھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی ہو۔ کبھی وہ عمران کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی بوڑھے کی طرف جس کے جسم میں حرکت پیدا ہو چکی تھی۔

"تت.... تم کیا بک رہے ہو....!" لڑکی ہکلائی۔

عمران نے اس طرف توجہ دیئے بغیر جوزف سے کہا۔ "یا امیر.... یہ لڑکی بہت شوخ اور نٹ کھٹ ہے۔ آہستہ آہستہ راہ پر آجائے گی۔"

جوزف نے بڑی فراخ دلی سے دانت نکال دیئے اور بولا۔ "راہ پر لانے کے لئے ہم چمڑے کا چابک استعمال کرتے ہیں.... اور اس برتن میں کھانے کو دیتے ہیں جس میں کتے کھاتے ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ تمہاری پچھلی لڑکیوں کی طرح یہ بھی جاندار ثابت ہو گی۔"

"یقیناً.... یقیناً....!" عمران سر ہلا کر بولا۔

"تو پھر سودا ہو گیا....؟"

"کیسا سودا....!" دفعتاً بوڑھا اچھل کر بیٹھ گیا۔

"دیکھو کتنا پھرتیلا ہے۔" عمران بولا۔ "بہترین خدمت گار ثابت ہو گا۔"

"اوہ....!" بوڑھا چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "میں کہاں ہوں۔"

پھر ریٹا پر نظر پڑتے ہی اس کی طرف جھپٹا۔

"اے....!" جوزف غرایا۔ "پیچھے ہٹو.... تم کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"تم کون ہو....!" بوڑھے نے حیرت آمیز لہجے میں کہا۔

"خاموش رہو۔" جوزف کا لہجہ بے حد ڈراؤنا تھا۔

پھر بوڑھے نے عمران کی طرف دیکھا اور اچھل پڑا چند لمحے اُسے گھورتے رہنے کے بعد گھونسہ دکھا کر کہا۔ "میں تمہیں خاک میں ملا دوں گا۔"

"ڈیڈی....!" ریٹا روہانسی ہو کر بولی۔ "اس نے ہم دونوں کو اس حبشی کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔"

"لڑکی شامت آئی ہے۔" جوزف غرایا۔ "ہمارے مرتبہ کا خیال رکھ....!"

"کیا یہ صحیح کہہ رہی ہے۔" بوڑھے نے عمران سے پوچھا۔

"بالکل....!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "ریٹا کے پانچ سو ملے ہیں اور تم مفت دیئے جا رہے ہو۔"

"میں پپ.... پولیس کو مطلع کر دوں گا۔" بوڑھا دروازے کی طرف بڑھا لیکن دو ملازم راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔

"میں تم سبھوں کو جہنم میں پہنچا دوں گا۔" بوڑھا حلق پھاڑ کر دھاڑا اور عمران نے جوزف سے کہا۔ "اس سے زیادہ نہیں چیخ سکتا۔ بس یہ آواز کا آخری حجم ہے۔"

"ہم اسے اپنے گدھوں اور اونٹوں کی نگرانی پر لگائیں گے۔" جوزف نے خوش ہو کر کہا۔

بوڑھا اور زیادہ چیخنے لگا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس پر کسی قسم کا دورہ پڑ گیا ہو۔

"اے بوڑھے شور نہ مچاؤ۔" عمران نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ جوزف بڑی شاندار ایکٹنگ کر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس وقوعے پر بہت زیادہ متحیر ہو۔ دفعتاً دروازے کے قریب والے سوئچ بورڈ پر ایک ننھا سا سرخ رنگ کا بلب روشن ہو گیا اور عمران نے جوزف سے کہا۔ "آپ یہیں

تشریف رکھئے میں ابھی حاضر ہوا۔" جوزف نے سر ہلا کر گویا اُسے جانے کی اجازت دی۔ عمران عمارت کے اس مخصوص کمرے میں آیا جہاں سے لاسلکی پیغام رسانی ہوتی تھی۔ وہ بلب دراصل اسی لئے روشن ہوا تھا۔ ٹرانسمیٹر پر کسی کا پیغام تھا۔

ٹرانسمیٹر کے قریب پہنچ کر عمران نے آواز کا حجم کسی قدر بڑھایا۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ "ہیلو..... ہیلو..... ہیلو..... ایکس ٹو پلیز.....!"

"ہیلو..... ایکس ٹو اسپیکنگ.....!" عمران نے ایکس ٹو کی مخصوص آواز میں کہا۔

"حالات بہتر ہیں..... عمارت کی نگرانی نہیں ہو رہی۔"

"اس کے باوجود تم نگرانی جاری رکھو گے۔" عمران نے کہا۔

"بہت بہتر جناب۔"

عمران پھر ڈرائینگ روم میں واپس آ گیا۔ بوڑھا دونوں ہاتھوں سے سر تھامے فرش پر اکڑوں بیٹھا تھا اور جوزف کہہ رہا تھا۔ "تم کیسے گنوار ہو۔ قاعدے سے بیٹھو! یہ یورپ والے ہوتے ہی ہیں جنگلی.....!"

"اور تم..... اور تم حبشی خبیث.....!" بوڑھا اچھل کر بولا۔ "تم خود کو مہذب سمجھنے لگے ہو۔"

"ہم ہمیشہ سے مہذب رہے ہیں۔" جوزف نے تن کر کہا۔ "شکسپیئر کو لکھنا کس نے سکھایا تھا حبشیوں نے.....!"

"تم جھوٹے ہو..... بکواس کر رہے ہو۔" بوڑھا مکا تان کر بولا۔

ریٹا خاموش تھی اور اس کے چہرے پر اب بیزاری کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اُس نے عمران کی طرف دیکھا اور بُرا سا منہ بناتے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگی۔

جوزف نے عمران سے کہا۔ "میں اس بدتمیز بوڑھے کو نہیں لوں گا۔ لڑکی کو لے جا رہا ہوں۔"

"دونوں جائیں گے.....!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "صرف بوڑھا میرے کس کام کا..... اُسے کون خریدے گا..... لڑکی کے ساتھ تو کوئی بھی لے جائے گا۔"

"اے اے..... تم کیا کر رہے ہو.....!" بوڑھے نے دانت پیس کر عمران سے کہا۔

"میرا پیشہ یہی ہے بوڑھے آدمی..... خوامخواہ غصہ نہ کرو۔"

"ارے تمہارا دماغ خراب ہو گیا۔" بوڑھا حلق پھاڑ کر چیخا اور اسے کھانسیاں آنے لگیں۔

"کیوں پریشان کر رہے ہو۔" ریٹا منمنائی۔

"کیا یہ اس طرح بولتی ہے۔" جوزف نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

"یہ ہر طرح بول سکتی ہے۔" عمران نے کہا۔ "جی خوش ہو جائے گا۔"

پھر عمران نے کسی نہ کسی طرح جوزف کو اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ بوڑھے کو بھی اپنے ساتھ لے جائے۔ "مگر لے کیسے جاؤ گے۔" عمران نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

"کہیں یہ راستے میں شور نہ مچا دیں۔"

"ارے بیہوش کر کے لے جاؤں گا۔" جوزف نے اپنے لبادے کے اندر سے ایک ہائپو ڈرمک سرنج نکالتے ہوئے کہا جس میں کوئی سیال مادہ بھرا ہوا تھا۔

"نہیں نہیں.....!" ریٹا چیخنے لگی۔ بوڑھا بھی بُری طرح شور مچا رہا تھا۔

"تو تم نہیں چاہتیں کہ میں تمہیں اس حبشی کے ہاتھ فروخت کروں۔" عمران نے پوچھا۔

"نہیں نہیں۔"

"اچھا تو پھر بتاؤ کہ کس نے تمہیں میرے پیچھے لگایا ہے۔ اگر تم نے سچ سچ بتا دیا تو میں اپنے اس ارادے سے باز آ جاؤں گا۔"

ریٹا بوڑھے کی طرف دیکھنے لگی اور بوڑھے نے آنکھیں نکالیں..... دفعتاً عمران غرایا۔ "اے تم اپنا منہ دیوار کی طرف پھیر لو۔"

"نہیں پھیروں گا.....!" بوڑھے نے کٹکھنے انداز میں کہا۔

عمران نے گھنٹی کا بٹن دبایا دو ملازم اندر آئے۔ عمران نے اُن سے کہا۔ "بوڑھے کو دوسرے کمرے میں لے جاؤ۔"

ملازم اسے دھکے دیتے ہوئے کمرے سے نکال لے گئے..... ریٹا کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر خوف زدہ انداز میں عمران کی طرف دیکھا..... اور تھوک نگل کر رہ گئی۔

"بولو.....! میرے پاس وقت کم ہے۔" عمران نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"میں نے اُسے آج تک نہیں دیکھا۔" ریٹا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"پھر اُس کے لئے کام کیسے کرتی ہو۔"

"بس ہمیں احکامات مل جاتے ہیں۔ کافی بڑی تنخواہ ملتی ہے۔"

"تنخواہ کس طرح ملتی ہے۔"

"اپنے چیف کے ذریعے.....!"

"اوہ..... تو وہ چیف کہاں ہے۔"

”یہ نہیں جانتی۔ ویسے کسی ہوٹل میں مقیم ہے۔ چینی ہے اور فوہی کہلاتا ہے۔“

”فوہی.....!“ عمران کی بھنویں سکڑ گئیں اور اس نے اس سے فوہی کا حلیہ بیان کیا جو مادام نشی کاکے ساتھ دیکھا گیا تھا۔

”ہاں یہ اُسی شخص کا حلیہ ہو سکتا ہے۔“ ریٹا نے کہا۔

”داور کون ہے.....؟“ عمران نے پوچھا۔

”میں نہیں جانتی.....!“

”اُس دیہی کوٹھی میں تم کیسے پہنچی تھیں.....!“

”ہمارے آدمیوں میں سے ایک نے پہنچایا تھا۔“

”کیا یہ بوڑھا آدمی تمہارا باپ ہے۔“

”نہیں یہ میری ہی طرح ملازم ہے۔ لیکن وہ بھی شائد نہ بتا سکے کہ ہمارا باس کون ہے۔“

”مادام نشی کاکا کیا قصہ تھا۔“

”میں کسی مادام نشی کاکو نہیں جانتی تھی جو کچھ مجھے سکھایا گیا تھا میں نے دہرا دیا تھا۔“

”کیا خیال ہے۔ وہ عورت جسے تم نے مادام نشی کاکے نام سے متعارف کرایا تھا سچ مچ نشی کا ہی تھی یا اُس پر نشی کا کا میک اپ تھا۔“

”میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکوں گی۔“

”کیا تمہیں علم ہے کہ فوہی قتل کر دیا گیا۔“

”قتل.....فوہی.....!“ اُس نے حیرت اور خوف کا اظہار کرتے ہوئے کہا ”نہیں میں نہیں جانتی۔“

”یہ اُسی دن کی بات ہے جب تم مجھے لے بھاگی تھیں۔“

”اوہ میرے خدا یہ قتل و خون کیوں.....؟“

”کیوں کیا تمہیں کسی بھلائی کی امید تھی۔“

”میں کچھ نہیں جانتی؟“ وہ اپنی پیشانی مسلتی ہوئی گھٹی گھٹی سی آواز میں بولی۔ ”میں تو یہ سمجھتی تھی کہ میں ایک بین الاقوامی اسمگلر کی ملازمہ ہوں۔“

”اوہو.....!“ عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

”میں کسی کی بھی نشاندہی نہ کر سکوں گی۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ تمہیں الجھائے رکھوں۔“

عمران نے پھر گھنٹی بجائی اور ایک ملازم کمرے میں آیا..... عمران نے اس سے کہا کہ بوڑھے کو اندر لائے کچھ دیر بعد بوڑھا آیا اور ریٹا کو خوں خوار نظروں سے گھورتا رہا۔

”تم بتاؤ.....وہ اسمگلر کون ہے.....!“ عمران نے پوچھا۔

”پتہ نہیں تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ یہ لڑکی پاگل ہے..... کیا اُس نے تمہیں کوئی حیرت انگیز کہانی سنائی ہے۔ جاگتے میں بھی خواب دیکھتی رہتی ہے۔“

”بوڑھے.....میں بہت بے رحم ہوں۔“ عمران غرایا۔

”ہوا کرو.....مجھے کیا؟“ بوڑھے نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

”اس کی ہڈیاں توڑ دو.....!“ عمران نے جوزف سے کہا اور جوزف نے اپنا لبادہ اتار کر ایک طرف اچھال دیا۔ پھر بڑھ کر بوڑھے کی کمر کو تھام لیا اور اُسے اپنے سر سے اونچا اٹھاتا ہوا بولا۔

”کدھر پٹخوں باس.....!“

بوڑھا حلق پھاڑنے لگا..... عمران جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سوئچ بورڈ پر سرخ رنگ کا بلب پھر روشن ہو گیا۔ اس نے جوزف سے کہا۔ ”ابھی ٹھہرو اور اس کمرے کی طرف روانہ ہو گیا جہاں ٹرانسمیٹر تھا۔

❂

اس بار اُسے کوڈ ورڈ میں بلیک زیرو کا پیغام ملا جس نے کہا تھا۔ ”اس وقت پھاٹک کے قریب ایک دبلا پتلا اور لمبا آدمی دیکھا جا رہا ہے... ہو سکتا ہے... ہمارے پیغامات کسی اور نے بھی سنے ہوں... آپ نے گاڑی سے اپنے پیغامات میں عمارت کا نام بھی لیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے...؟“

عمران نے سوچا کسی نے ان کا تعاقب نہیں کیا تھا پھر یہاں پھاٹک پر کسی کی موجودگی اسی پر دلالت ہو سکتی ہے کہ ان کے پیغامات کسی اور نے سنے تھے..... اور یہ ناممکن بھی نہیں تھا۔ اس نے کوڈ ورڈز میں بلیک زیرو سے کہا کہ اُس آدمی کی نگرانی اس طرح کی جائے کہ اُسے اُس کا شبہ نہ ہو سکے۔

وہ پھر ڈرائینگ روم میں واپس آگیا جہاں جوزف آنکھیں اور دانت نکال نکال کر بوڑھے کو دھمکیاں دے رہا تھا اور ریٹا بُری طرح کانپ رہی تھی۔

”کیا تم زبان نہیں کھولو گے۔“ عمران نے بوڑھے سے کہا۔

”میں نہیں جانتا کہ اس نامعقول لڑکی نے تم سے کیا کہہ دیا ہے۔“

عمران نے جو کچھ ریٹا سے معلوم کیا تھا دہرانے لگا۔ بوڑھا تمسخر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ

سنتا رہا اور عمران کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ کوئی الجھی ہوئی داستان ہوگی۔ جاسوسی ناولیں پڑھ پڑھ کر اس نے اپنا دماغ خراب کر لیا ہے۔"

"تمہارے مکان میں میں نے ایک ایسی عورت دیکھی تھی جس کی کچھ دیر قبل لاش ملی تھی۔"

"کیا اب تم بھی خواب دیکھنے لگے.....!اس رات تمہاری موجودگی میں وہاں کوئی عورت نہیں آئی تھی۔ میرے یہاں کوئی کبھی نہیں آئی۔"

"ان دونوں کو لے جاؤ۔" عمران نے جوزف سے کہا۔ جوزف دانت نکال کر بوڑھے کی طرف جھپٹا۔ ریٹا نے روہانسی آواز میں پوچھا۔ "کہاں لے جاؤ گے۔"

بوڑھا اب مرنے مارنے پر آمادہ ہو گیا۔ جوزف نے بدقت اُسے قابو میں کیا اور وہ دونوں رانا پیلس کے ایک تہہ خانے میں پہنچا دیئے گئے۔

تھوڑی دیر بعد عمران نے بلیک زیرو کو ٹرانس میٹر کے ذریعہ مخاطب کر کے کوڈ ورڈ میں پوچھا۔ "اب کیا کیفیت ہے۔"

"وہ دبلا پتلا آدمی عمارت کے آس پاس منڈلا رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے اس پر نظر رکھو۔ جہاں جائے تعاقب کرو۔ اگر کسی عمارت میں داخل ہو تو عمارت کی بھی نگرانی کی جائے بہر حال وہ کسی طرح بھی نظر سے اوجھل نہ ہونے پائے۔"

"اوکے چیف.....!" دوسری طرف سے کہا گیا۔

عمران نے ٹرانس میٹر کے پاس سے ہٹ کر ایک الماری کھولی.... یہاں کئی شولڈر ہولسٹر رکھے ہوئے تھے۔ ایک ہولسٹر سے ریوالور نکال کر اس نے جائزہ لیا اور دوبارہ ہولسٹر میں رکھ کر کوٹ اتارا اور ہولسٹر کے اسٹریپ شانے پر ڈال کر کوٹ پھر پہن لیا۔ ہولسٹر اس کی بائیں بغل کے نیچے چھپ کر رہ گیا تھا۔

کیپٹن فیاض کے شکاری کتوں سے بھی مڈبھیڑ ہو جانے کے امکانات تھے اس لئے وہ بہت زیادہ محتاط رہنا چاہتا تھا۔ اگر انسپکٹر زیدی کو جل دے کر نکل نہ آیا ہوتا تو خیر کوئی بات نہ تھی۔ اب تو فیاض نے شاید سارے تھانوں کو بھی باخبر کر دیا ہو۔ پتہ نہیں یہ بات سچ بھی تھی یا نہیں کہ اس بوڑھے کا کیس وزارت خارجہ کی وساطت سے اس تک پہنچا تھا۔

بہر حال روانگی سے پہلے عمران نے فون پر کیپٹن فیاض کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف فیاض ہی نے کال ریسیو کی تھی اور عمران کی آواز سن کر بھڑک اٹھا تھا۔

"کیپٹن فیاض!" عمران نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "میری یہ نصیحت غور سے سنو! ایسے مواقع پر ہمیشہ مجھ سے دور رہنے کی کوشش کیا کرو جب مجھ پر کسی لڑکی کے اغواء کا الزام عائد کیا جا رہا ہو۔"

"تم کہاں سے بول رہے ہو۔ بہتر ہے کہ مجھ سے ملو.... ورنہ....!"

"پھر کہتا ہوں کہ اس معاملے میں خاموشی اختیار کرو....!" عمران نے کہا۔

"بوڑھا کہاں ہے؟"

"میں نے تمہارے کسی سوال کا جواب دینے کے لئے فون نہیں کیا....!"

"سنو تو سہی....!"

"کہو.... میرے پاس وقت کم ہے۔" عمران نے کہا۔

"فوہی کا کوئی باضابطہ ریکارڈ نہیں مل سکا۔"

"نشی کا کے متعلق بھی کچھ معلوم ہو سکا۔"

"بس اسی قدر کہ وہ فوہی کے ساتھ اُن دنوں بہت زیادہ دیکھی گئی تھی۔"

"میرے لئے پرانی اطلاع ہے۔" عمران نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ باہر جا رہا تھا.... پھاٹک پر رک کر اس نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ جس مشتبہ آدمی کے متعلق ٹرانسمیٹر پر معلوم ہوا تھا کہیں نہ دکھائی دیا۔

وہ چند لمحے وہیں کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر ایک جانب چل پڑا۔ پھاٹک پر رکتے وقت اُس نے خیال رکھا تھا کہ اس کا چہرہ روشنی ہی میں رہے اس بار وہ اس خیال کے تحت باہر نہیں نکلا تھا کہ خاموشی سے چھپ چھپا کر کام نکالے گا بلکہ وہ تو اپنے نادیدہ حریفوں اور کیپٹن فیاض دونوں کے لئے چیلنج بن کر نکلا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد یک بیک وہ سڑک چھوڑ کر ایک گلی میں داخل ہو گیا.... اور یہ گلی اسے رانا پیلس کے عقبی پارک تک لے آئی۔

چاروں طرف سناٹا تھا۔ عمران درختوں کے ایک جھنڈ کے درمیان رک گیا۔ نظر عمارت کی عقبی دیواروں پر تھی۔

دفعتاً تاروں کی چھاؤں میں ایک متحرک سایہ دکھائی دیا جو بڑی احتیاط سے عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں عمران زمین پر تھا.... اور پھر وہ بھی کہنیوں کے بل کھسکتا ہوا عمارت کی طرف بڑھتا رہا تھا۔

اس طرح کچھ دور ہی پہنچا ہو گا کہ دفعتاً قیامت ٹوٹی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے ایک پوری فوج نے اس پر چھاپہ مارا ہو.... کوشش یہی کی گئی تھی کہ وہ ہاتھ پیر بھی نہ ہلا سکے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایک آدمی کے حلق سے کریہہ سی چیخ نکلی اور وہ اچھل کر دور جا گرا۔ دوسرے شاید اپنے

ساتھی کی چیخ سن کر ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ بس پھر اُسے ان کی گرفت سے نکل جانے کا موقع مل گیا۔

اس کے بعد وہ بھوکے بھیڑیئے کی طرح ان پر ٹوٹا ہے تو پھر شاید ہی کوئی ایسا بچا ہو جس نے جسم کے کسی نہ کسی حصے پر گہری چوٹ نہ کھائی ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھاگ نکلے اور پھر عمران زمین سے چپک کر رہ گیا۔ ان حملہ آوروں کا انداز بھی ایسا ہی تھا جیسے اُسے پکڑ لے جانا چاہتے ہوں....!

آخر کیوں؟ عمران واپسی کے لئے رینگتا ہوا سوچ رہا تھا.... کوئی نامعلوم گروہ اسے اس کی مصروفیات سے باز رکھنا چاہتا تھا.... آخر کیوں؟

وہ اب بھی مطمئن نہیں تھا۔ شولڈر ہولسٹر سے ریوالور نکال کر وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتا رہا۔ اُسے اپنے ماتحت یاد آئے جنہوں نے عقبی پارک کی طرف آنے کی زحمت گوارہ نہیں کی تھی۔ اس نے سوچا بعض اوقات یہ لوگ بھی گدھے ہو کر رہ جاتے ہیں اسے وہ حملہ آور یاد آیا جو چیخ کر دور جا گرا تھا۔ اس نے سوچا وہ یقینی طور پر بیہوش ہو گیا ہوگا۔

پھر اب کیا کیا جائے۔ اسے یہاں سے لے جانے کے لئے یقینی طور پر اٹھنا پڑے گا۔ پہلے تو اس نے یہی کوشش کی کہ لیٹے ہی لیٹے اُسے بھی اپنی پشت پر لادے لیکن ممکن نہ ہوا۔ کیونکہ داہنا بازو بُری طرح دکھ رہا تھا۔ کچھ دیر قبل کی جدوجہد میں غالباً چوٹ آئی تھی۔

بالآخر اُسے اٹھنا ہی پڑا۔ کسی نہ کسی طرح بیہوش آدمی کو پشت پر لاد کر عمارت کے عقبی حصے کی طرف چل پڑا۔

کچھ دیر بعد وہ پھر رانا پیلس کے ڈرائینگ روم میں نظر آیا۔ بیہوش آدمی صوفے پر پڑا ہوا تھا اور ابھی تک اُسے ہوش نہیں آیا تھا۔ عمران اس کے چہرے پر نظر جمائے رہا۔ وہ صورت سے مہذب معلوم ہوتا تھا۔ خدوخال کی بناوٹ کے اعتبار سے رحم دل بھی ہو سکتا تھا۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان رہی ہو گی۔

رانا پیلس کے ایک ملازم نے جو فی الحقیقت ایک سند یافتہ ڈاکٹر تھا اسے کسی قسم کا انجکشن دیا اور کچھ دیر بعد اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ سہمے ہوئے انداز میں چاروں طرف نظر دوڑانے کی کوشش کی اور پھر اٹھ بیٹھا۔

عمران خاموشی سے اس کے چہرے پر نظر جمائے رہا۔ بڑی دیر تک کمرے کی فضا پر بوجھل سا سکوت طاری رہا۔ پھر عمران نے اُسکے کھکارنے کی آواز سنی اسکی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔

"کیا تم ایک پیگ لینا پسند کرو گے؟" عمران نے بڑے نرم لہجہ میں پوچھا۔

"اوہ.... ج.... جی ہاں.... مم.... مگر....!"

"زیادہ باتیں نہ کرو۔" عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تھکان بڑھ جائے گی۔"

پھر اس نے ایک ملازم سے شراب لانے کو کہا۔ اس دوران میں وہ اس سے اس کی طبیعت کے متعلق ہی استفسار کرتا رہا.... شراب آئی اور اس آدمی کی طرف بڑھادی گئی اور عمران اُس سے بے تعلق سا نظر آنے لگا۔ گلاس خالی کر کے اُس نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں کہاں ہوں۔"

"ان لوگوں کے درمیان تو ہرگز نہیں ہو سکتے جن کے ساتھ یہاں تک آئے تھے۔"

"اوہ....!" اُس کی آنکھوں سے پھر خوف جھانکنے لگا۔

عمران خاموشی سے اس کے چہرے پر نظر جمائے رہا۔

"پھر اب میرا کیا ہوگا؟" اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"شادی ہو چکی ہے؟"

"نہیں....!"

"اگر پسند کرو تو شادی کرا دی جائے۔"

اس کی ہنسی سے بھی خوف مترشح تھا.... عمران اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "میں وہی آدمی ہوں جسے تم لوگ گھیرے رکھنے کی کوشش کرتے رہے ہو۔"

وہ اچھل پڑا۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے جسم میں رعشہ پڑ گیا ہو۔

"مم.... میں مجبور تھا.... جو کچھ کہا جاتا ہے کرنا پڑتا ہے۔"

"کون کہتا ہے....؟"

"ہمیں داور نامی ایک آدمی سے احکامات ملتے ہیں۔"

"مجھے کیوں گھیرا جارہا ہے۔"

"صرف کل نو بجے تک آپ کو الجھائے رکھا جائے گا۔"

"کیوں....؟"

"وہ چاہتے ہیں کہ کوئی آدمی کل نو بجے والے جہاز سے روانہ ہو جائے اور آپ اس تک نہ پہنچ سکیں.... اس کے بعد آپ کی طرف سے قطعی طور پر توجہ ہٹالی جائے گی۔"

عمران اُسے گھورتا رہا.... وہ خاموش ہو کر ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کہا "لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ آدمی ہے کون۔"

"نو بجے صبح.... کل نو بجے صبح....!" عمران بڑبڑاتا ہوا فون کی طرف بڑھا.... ایئرپورٹ کی انکوائری کے نمبر ڈائیل کئے اور صبح نو بجے والی فلائٹ کے متعلق پوچھا جواب میں کہا گیا کہ فلائٹ لندن کے لئے ہے۔ ریسیور رکھ کر وہ پھر اُس آدمی کی طرف مڑا۔

"تم کہاں رہتے ہو۔"

"اگر آپ میرے بارے میں تفصیل معلوم کئے بغیر چھوڑ دیتے تو اچھا تھا۔"

"چلو میں تمہارے متعلق تم سے کچھ نہ پوچھوں گا.... لیکن اتنا تو بتا ہی دو کہ اُن لوگوں کے لئے کب سے کام کر رہے ہو۔"

"زیادہ دن نہیں ہوئے پیسوں کے لئے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

"مثال کے طور پر....؟"

"آپ اپنا ہی معاملہ لے لیجئے....!"

"تو تم صرف میرے لئے ملازم رکھے گئے تھے۔"

"جی نہیں! پہلے دوسرے کام کرتا رہا ہوں۔"

"مثلاً....!"

"میرے ذمہ زیادہ تر لوگوں کی نگرانی کا کام ہے۔"

"کس قسم کے لوگوں کی نگرانی۔"

"مجھے صرف اُن کی نقل و حرکت کی رپورٹنگ کرنی ہوتی ہے۔ میں یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتا کہ وہ کون ہیں۔"

عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اس کے علاوہ اور کیا کرتے ہو۔"

"ایک چھوٹی سی دوکان کا مالک ہوں۔"

"کیا بیچتے ہو....!"

"اسٹیشنری....!"

"ان لوگوں سے کیسے ملاقات ہو گئی تھی۔"

"یہ نہ پوچھئے....!"

"اچھی بات ہے....!" عمران نے سعادت مندانہ انداز میں کہا اور اٹھ کر اس کمرے میں آیا جہاں ٹرانسمیٹر تھا۔ کچھ دیر بعد بلیک زیرو سے رابطہ قائم ہو سکا جس نے بتایا کہ خاور اور صفدر اُس دبلے پتلے آدمی کا تعاقب کر رہے ہیں۔

"اُسے جہنم میں جھونکو....!" عمران نے کوڈ ورڈ میں کہا۔ "کل صبح نو بجے والی فلائٹ کے مسافروں کی نہ صرف لسٹ مہیا کرو بلکہ اُن کے متعلق معلومات بھی فراہم کرو۔ اس کام کے لئے صرف دو گھنٹے کا وقت دیا جا سکتا ہے۔"

وہ پھر ڈرائینگ روم میں واپس آیا۔ قیدی مضطرب نظر آ رہا تھا۔ عمران اُس کے سامنے والی کرسی پر خاموشی سے بیٹھ گیا۔

"پھر جناب میرے لئے کیا حکم ہے۔" اس نے پوچھا۔

"کیا تم میں سے ہر ایک کو میرے گھیرے جانے کی وجہ کا علم ہے؟"

"پتہ نہیں۔"

"تمہیں کیسے علم ہوا تھا؟"

"داور نے ایک بوڑھے یوروپین کو وجہ بتائی تھی میں موجود تھا۔ داور سمجھتا ہے کہ میں انگریزی سے نابلد ہوں.... میں ظاہر بھی یہی کرتا ہوں....؟"

"کیوں ظاہر کرتے ہو....!"

"شائد اسی طرح معلوم کر سکوں کہ یہ لوگ کون ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟"

"تم نہیں جانتے؟"

"نہیں جناب۔"

"پھر ان کا ساتھ چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟"

"وہ پیسے جو معمولی محنت سے ہاتھ آئیں کیسے چھوڑے جا سکتے ہیں۔"

"خصوصاً اس وقت کی محنت تو معمولی سے بھی کمترین تھی....!" عمران نے مسکرا کر کہا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ....!"

"اکثر بے خودی میں ایسا بھی ہو جاتا ہے....!" عمران نے احمقانہ انداز میں کہا۔

"میں یہ بھی نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں.... اور وہ کیوں نہیں چاہتے کہ آپ کسی آدمی سے نہ مل سکیں۔"

عمران نے ایک ملازم سے جوزف کو بلوایا اور اس سے کہا کہ اسے بھی وہیں پہنچا دے جہاں وہ دونوں قیدی ہیں۔

"رحم کیجئے جناب.... میں عرض کر رہا ہوں.... سنئے تو.... میری بھی سن لیجئے۔" وہ کہتا رہا اور جوزف اُسے دھکے دیتا ہوا ڈرائینگ روم سے نکال لے گیا۔

عمران تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا رہا پھر ٹرانسمیٹر والے کمرے میں آیا.... بلیک زیرو سے رابطہ قائم کرنا چاہا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ کچھ دیر مزید انتظار کے بعد وہ اس کمرے سے نکل کر بیرونی برآمدے میں آیا۔

یہاں جوزف تنہا کھڑا اندھیرے میں گھور رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ اس طرح آنکھیں میچ لیتا جیسے وہ گرد و غبار کے ریلے کی زد پر آگئی ہوں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے شب تار کے بچے....!" عمران نے پوچھا اور جوزف اس طرح اچھل پڑا جیسے کسی نے سر پر لٹھ رسید کر دیا ہو۔ پھر وہ کھسیانے انداز میں ہنس کر بولا۔ "کچھ نہیں باس جب آنکھیں بند کرتا ہوں تو ایسا لگتا ہے جیسے کئی بوتلیں ایک پیٹرن سا بنا کر ناچ رہی ہوں۔"

"کیا اب تم جھوٹ بھی بولنے لگے ہو....!" عمران نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

"نہیں تو باس.... کیوں؟"

"تم کہہ رہے تھے کہ تمہیں شراب نہیں ملی۔ یہاں ہے ہی نہیں۔ ابھی میں نے تیسرے قیدی کے لئے برانڈی منگوائی تھی.... راشد لایا تھا۔"

"اوہ راشد....!" جوزف مٹھیاں بھینچ کر غرایا۔ "وہ گدھے کا بچہ.... مجھے بچہ سمجھتا ہے۔"

"کیوں....؟"

"میں نے مانگی تھی کہنے لگا صرف طبی ضروریات کے لئے تھوڑی سی پڑی ہے۔ پینے کے لئے نہ مل سکے گی۔ جوزف کے لئے بھی تو وہ طبی ضرورت ہی ہے۔"

"ابھی ان بدبختوں نے اتنی طب نہیں پڑھی۔"

"پھر میں کیا کروں باس....!"

"ٹھرا چلے گی....!" عمران نے پوچھا۔

"میں وہائٹ ہارس کے مقابلے میں اُسے گرے ڈنگی کہتا ہوں.... ضرور چلے گی باس....!"

"ابھی منگوائے دیتا ہوں۔ اچھا یہ بتاؤ تیسرے قیدی کو دیکھ کر ان کی کیا کیفیت ہوئی تھی۔"

"میرا خیال ہے باس وہ بھی پیتے ہیں۔ ابھی تھوڑی سی پلا دو سب کچھ اگل دیں گے۔"

"اندر جاؤ۔ تہہ خانے کے راستے کی نگرانی خود کرو گے.... سمجھے۔"

"مگر میں تو مٹی کا ڈھیر ہو رہا ہوں باس۔ پٹرول کے بغیر گاڑی نہیں چلتی۔"

"کہہ چکا ہوں ابھی منگوا دوں گا۔" عمران غرایا۔ "اندر جاؤ۔"

اتنے میں ایک ملازم نے اطلاع دی کہ ڈرائینگ روم کے سوئچ بورڈ پر سرخ بلب روشن ہو گیا ہے۔ عمران تیزی سے ٹرانس میٹر والے کمرے کی طرف آیا۔

دوسری طرف سے بلیک زیرو پے در پے "ہیلو" کہے جا رہا تھا.... عمران کے جواب پر کوڈ ورڈ میں بولا۔

"وہ تعاقب کرنے والوں کو جھکائی دے کر لاپتہ ہو گیا۔"

"کوئی اچھی خبر بھی سناؤ۔" عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"مسافروں کی لسٹ حاصل کر لی گئی ہے۔ تھوڑی دیر بعد آپ کو اُن کے متعلق رپورٹ بھی مل جائے گی۔"

عمران کچھ دیر وہیں کھڑا خیالات میں گم رہا.... پھر باہر آ کر جوزف کو طلب کیا۔

"تیسرے قیدی کو لاؤ....!" اُس نے اُس سے کہا۔

"باس تین ہی تو ہیں ہر قیدی تیسرا ہو سکتا ہے۔"

"اچھا....!" عمران آنکھیں نکال کر بولا۔ "اب مجھے منطق پڑھائے گا۔"

"کیا کروں باس ابھی تک نہیں ملی....!" وہ جماہی لے کر بولا۔ "تم خود ہی بتاؤ میں آدمیوں کی طرح کیسے سوچ سکتا ہوں۔"

"اُس قیدی کو لاؤ جسے بعد میں لے گئے تھے۔"

"میں تہہ خانے میں نہیں جاؤں گا۔" جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیوں....؟" عمران نے آنکھیں نکالیں۔

"میری طرف دیکھ کر مسکراتی ہے....؟"

"اچھا تو پھر....!"

"تو گویا یہ کوئی بات ہی نہیں ہے۔" جوزف روہانسا ہو کر بولا۔

"اچھا تو ہی بتا کیا خاص بات ہے میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔"

"کوئی عورت تمہیں دیکھ کر مسکرائے تو تم کیا سمجھو گے باس....!"

"خود کو سکندر اعظم سمجھنے لگوں گا۔"

"میں مجبور ہوں باس۔!" جوزف نے غصیلی آواز میں کہا۔

"تو اُس کی طرف دیکھتا ہی کیوں ہے۔"

"کیوں نہ دیکھوں۔ کیا اُس کتیا کی بچی سے ڈرتا ہوں۔"

"جوزف.... اُسے یہاں لاؤ.... ورنہ تیرا جبڑا توڑ دوں گا۔" عمران مکا تان کر بولا۔

"زبردستی کی بات دوسری ہے۔" جوزف بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

کچھ دیر بعد وہ تیسرے قیدی کو دھکیلتا ہوا وہاں لایا۔ شائد سارا غصہ اسی پر اتارا تھا کیونکہ وہ بے حد سہما ہوا نظر آ رہا تھا۔

"تم نے پہچانا اُس بوڑھے کو وہی ہے نا جس سے داور نے میرے متعلق گفتگو کی تھی۔" عمران نے پوچھا۔

"ج.... جی ہاں وہی ہے۔"

"اور وہ بھی تم سے اچھی طرح واقف ہے۔"

"میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ مجھے دیکھ کر اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوا تھا۔ بالکل اجنبیوں کے سے انداز میں دیکھا تھا میری طرف....!"

"اس لڑکی کو جانتے ہو۔"

"جی نہیں....!"

"تو یہ بوڑھا.... داور سے واقف ہے۔"

"جی ہاں.... میرا خیال ہے کہ داور اُسے سب کچھ بتا دیتا ہے۔"

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور عمران نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے خاور بول رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "جولیا غائب ہے.... پڑوسیوں کا بیان ہے کہ اُسے زبردستی لے جایا گیا ہے۔"

"تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں....!" عمران نے جواب دیا۔

"میں نہیں جانتا مجھے ایکس ٹو سے یہی ہدایت ملی تھی کہ اس نمبر پر رنگ کر کے آپ کو اطلاع دوں۔"

"مل گئی اطلاع....!" عمران نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ لیکن اس کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئی تھیں۔

وہ سوچ رہا تھا۔ یہ بھی اسی لئے ہوا ہے کہ میں اس عمارت سے باہر قدم نکالوں اس حملے کی ناکامی کے بعد انہوں نے یہ قدم اٹھایا۔

"اُسے لے جاؤ...." عمران نے جوزف سے کہا اور وہ پھر اس قیدی کو دھکیلتا ہوا باہر نکال لے گیا۔ اس بار عمران بھی دروازے تک آیا اور جوزف کو دوبارہ مخاطب کر کے کہا۔ "اب کے اس بوڑھے کو لانا۔"

فون کی گھنٹی پھر بجی اور دوسری طرف سے بلیک زیرو کی آواز آئی۔ "جولیا آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہے.... اس نے ایکس ٹو کے نمبر پر رنگ کیا تھا میں نے اسے رانا پیلس کا نمبر دے دیا ہے۔"

"کیا تم نے اس سے بحیثیت ایکس ٹو گفتگو کی تھی۔"

"جی ہاں وہ دراصل آپ کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ میرا مطلب ہے عمران کی حیثیت سے میں نے بتا دیا کہ آپ کس نمبر پر مل سکیں گے۔"

عمران نے 'اچھا' کہہ کر ڈس کنکٹ کر دیا۔ جوزف بوڑھے کا ہاتھ پکڑے گھسیٹتا ہوا ڈرائنگ روم کی طرف لا رہا تھا۔

اندر پہنچتے ہی بوڑھا چیخنے لگا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے.... کیوں ہو رہا ہے۔ کیا اس ملک میں شریفوں کی عزت محفوظ نہیں ہے۔"

"شریفوں کی عزت تو بے حد محفوظ ہے۔ تم صرف اپنی بات کرو۔"

"کیا مطلب....؟"

"داور کہاں مل سکے گا؟"

"کون داور.... میں نہیں جانتا کہ تم کس کی بات کر رہے ہو۔"

فون کی گھنٹی بجی.... اور عمران نے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ "ہیلو"

دوسری طرف سے جولیا کی آواز آئی۔ "عمران مجھے چند نامعلوم لوگ پکڑ لائے ہیں۔"

"بڑے خوش قسمت ہیں۔" عمران چہک کر بولا۔ "اب وہ نامعلوم نہ رہیں گے۔ خاصی شہرت ہو گی اس حادثے کی۔"

"سنجیدگی سے گفتگو کرو۔"

"ہوں؟ کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"تم نے ان کے دو آدمی پکڑ لئے ہیں۔ میری رہائی ان کی رہائی پر منحصر ہے۔"

"اگر تمہیں رہائی نصیب نہ ہوگی تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔"

"میں کہہ رہی ہوں سنجیدگی سے گفتگو کرو۔" جولیا کی آواز غصیلی تھی۔

"ان سے کہو کہ وہ چار دن تمہیں رہا نہ کریں....!"

"کیا بک رہے ہو....!"

"یہی مناسب ہے۔ میں نے جن آدمیوں کو پکڑا ہے کام کے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک لڑکی بھی ہے۔"

"اوہ.... میری بات کیوں نہیں سنتے۔"

"تھوڑی دیر بعد پھر رنگ کرنا۔" عمران نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ پھر بوڑھے کی طرف متوجہ ہوا۔

"مجھے کیوں گھیرا جا رہا ہے۔"

"تم پتہ نہیں کیسی اُوٹ پٹانگ باتیں پوچھ رہے ہو۔ میں کیا جواب دے سکتا ہوں۔"

"بوڑھے میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔"

"پولیس پولیس....!" وہ خوفزدہ انداز میں چیخنے لگا۔

"ایک نہیں چلے گی۔ میں دیکھوں گا کہ تمہارے آدمی تمہیں یہاں سے کیسے نکال لے جاتے ہیں۔"

"میرے آدمی۔ میرے آدمی۔ اگر کوئی ہمدرد ہوتا تو تم ایسی حرکت کر ہی نہ سکتے۔ آخر چاہتے کیا ہو۔ میں اپنی لڑکی سے دستبردار ہونا پسند نہیں کروں گا۔ اس کی شادی بھی کسی ہم قوم ہی سے ہوگی۔"

"تم سن رہے ہو۔ بھوتوں کے دیوتا....؟" عمران نے جوزف سے پوچھا۔

"ہاں باس....!"

"یہ اپنی لڑکی کی شادی کسی ہم قوم سے کرے گا۔"

"بڑی اچھی بات ہے باس۔"

"پھر تیرا کیا ہوگا۔"

"ب.... باس....!" اس نے حیرت سے منہ کھول دیا۔

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔"

"کس بات کا باس....!"

"کہ تجھے بھی اس کا ہم قوم بنا کر رکھ دوں....!"

"ہرگز نہیں باس۔ میں اسے پسند نہیں کروں گا کہ کسی یورپین کو منہ لگاؤں۔ یہ پکے سور ہوتے ہیں۔"

"عورت صرف عورت ہوتی ہے۔ نہ وہ یورپین ہے نہ ایشیائی نہ افریقی نہ امریکی.... نہ گورداسپوری۔"

"کیا واقعی....!" جوزف نے حیرت سے پوچھا۔

"اور کیا....؟"

جوزف نے اُسی طرح متحیرانہ انداز میں بوڑھے کی طرف ہاتھ اٹھا کر پوچھا۔ "یہ عورت ہے؟"

"تم لوگ میرا مضحکہ اڑا رہے ہو...." بوڑھا پیر پٹخ کر چیخا۔

"جوزف اسے اٹھا کر پٹخ دو اور اس وقت تک مارتے رہو جب تک کہ بالکل مر نہ جائے۔"

جوزف نے دانت نکال دیئے اور آستین سمیٹتا ہوا اسکی طرف بڑھنے لگا اور بوڑھا پیچھے ہٹتا ہوا بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہنے لگا۔ "دیکھو.... دیکھو.... اچھا نہ ہوگا.... اگر مجھے ہاتھ بھی لگایا... پیچھے ہٹو.... پیچھے ہٹو....!"

لیکن جوزف نے بالآخر اس کی گردن پکڑ ہی لی.... اور اسے گرا کر چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ پتلون کی جیب سے چاقو نکالا.... اور اس کے کھلنے کی کڑکڑاہٹ کمرے میں گونج کر رہ گئی۔

"نہیں نہیں....!" بوڑھا ہذیانی انداز میں چیخا۔

"پہلے دونوں کان کاٹ دو۔" عمران نے ہانک لگائی۔

"ٹھہرو.... ٹھہرو....!" بوڑھا گھگھیانے لگا۔ "مجھے مت مارو.... میں بتا دوں گا تم جو کچھ پوچھو گے۔"

"اب کچھ نہیں ہو سکتا۔" جوزف غرایا۔

"ارے بچاؤ.... بچاؤ....!"

جوزف نے چاقو کی نوک گردن پر رکھ دی تھی۔

"ارے بتا دوں گا.... بتا دوں گا....!" وہ بُری طرح بلبلانے لگا تھا۔

"جوزف چھوڑ دے....!" عمران نے کہا۔

"مشکل ہے باس۔ اب میرے سر پر خون سوار ہو چکا ہے.... شکار کے لئے چھوڑا ہوا باز شکار کئے بغیر واپس نہیں آتا۔"

"ارے خدا کے لئے مجھے بچاؤ....!" بوڑھا حلق پھاڑ کر چیخا۔

عمران نے جوزف کی گردن دبوچی اور اُسے اس پر سے اٹھا دیا۔

"بب.... باس....!"

"پیچھے ہٹو....!" عمران نے اُسے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

بوڑھا اٹھ بیٹھا تھا اور دونوں ہاتھوں سے کمر دبائے کراہ رہا تھا۔ عمران اُس کی طرف مڑ کر خاموشی سے دیکھتا رہا جیسے ہی بوڑھے نے سر اٹھایا اس نے پوچھا۔ "کل نو بجے والی فلائٹ کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

"سب کچھ.... ارے سب کچھ بتا دوں گا.... پانی.... حلق میں کانٹے پڑ گئے ہیں۔"

"پانی....!" عمران نے جوزف سے کہا۔

"ارے نہیں.... اس کے ہاتھ کا پانی ہرگز نہ پیوں گا۔ زہر ڈال دے گا۔"

"باسٹرڈ....!" جوزف غرایا۔ "ویسے ہی تیری گردن مروڑ سکتا ہوں.... سفید مور۔"

"کسی اور سے پانی لانے کو کہو۔" عمران نے کہا۔

بوڑھا دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد پانی کا گلاس آیا جسے وہ ایک ہی سانس میں خالی کر گیا۔ پھر کچھ دیر بعد تھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "پوچھو.... کیا پوچھنا چاہتے ہو۔"

"نو بجے والی فلائٹ کے بارے میں بتاؤ۔"

"کربی فوسٹر نامی کوئی آدمی ہے.... ہم سے کہا گیا تھا کہ تمہیں اُسی وقت تک الجھائے رکھا جائے جب تک وہ یہاں سے چلا نہ جائے۔ مقصد کا علم کسی کو بھی نہیں۔"

"داور کہاں مل سکے گا۔"

"میں نہیں جانتا کوئی بھی نہ جانتا ہو گا۔"

"تم اُس کے لئے کیا کرتے ہو؟"

"تحقیقی کام....!"

"کیا مطلب....؟"

"آج کل مغل آرٹ پر ریسرچ کر رہا ہوں۔"

"ہوں!" عمران اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "اور یہ لڑکی۔"

"مجھے مدد دیتی ہے۔ میری لڑکی نہیں ہے۔"

"لیکن تم نے داور کا آلہ کار بننا کیوں پسند کیا؟ میرا خیال ہے کہ تم اپنے ملک کے ہائی کمیشن

کے توسط سے یہاں آئے تھے۔"

"داور میرا دوست ہے۔"

"کتنی پرانی دوستی ہے۔"

"بہت پرانی....!"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہارا ہم قوم ہے؟"

"ہونہہ.... وہ چینی ہے۔ دنیا کی کئی زبانوں پر اس طرح قادر ہے کہ اہل زبان کا دھوکا ہوتا ہے۔ اگر وہ تمہاری زبان بولنا شروع کرے تو تم قطعی یہی سمجھو گے کہ وہ تمہارے ہی ملک کا باشندہ ہے۔ چینی خدوخال تمہیں محض اتفاق معلوم ہوں گے۔"

"اس کا ذریعہ معاش کیا ہے۔"

"میں نے کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی۔ ضرورت بھی کیا ہے.... ویسے وہ ایک علم دوست آدمی ہے فنکاروں کی ہر طرح مدد کرتا ہے۔ اس مالی امداد ہی کی بناء پر میں اپنا کام چلا رہا ہوں۔"

"لیکن اس کی جائے رہائش سے واقف نہیں ہو۔"

"نہیں۔"

"اس کربی فوسٹر کے متعلق بھی کچھ بتاؤ۔"

"میرے لئے صرف یہ ایک نام ہے.... میں اس کی شخصیت سے واقف نہیں ہوں۔ اُس کا پتہ بھی نہیں جانتا۔"

عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی.... اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے پھر جولیا کی آواز آئی۔ "عمران یہ لوگ تشدد کی دھمکی دے رہے ہیں۔"

"کون لوگ....؟"

"جنہوں نے مجھے....!"

"اچھا اچھا! ٹھیک ہے۔ لیکن اس تبادلے کی صورت کیا ہو گی۔"

"وہ چاہتے ہیں کہ تم ان کے قیدیوں کو ایک بتائی ہوئی جگہ پر پہنچا دو۔ میں بھی تم کو وہیں مل جاؤں گی۔"

"ملویانہ ملو کیا میں تمہارا اچار ڈالوں گا۔ اُن سے جگہ کے متعلق پوچھ کر مجھے بتاؤ.... اور سنو اگر اس فون کا نمبر بھی مجھے بتا سکو تو؟"

”ہولڈ آن کرو....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ عمران ریسیور کان سے لگائے پلکیں جھپکاتا رہا۔ دفعتاً اُس نے جولیا کی چیخ سنی.... اور سلسلہ دوسری طرف سے منقطع ہوگیا۔ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

✿

اُسے یقین تھا کہ اس کی ہدایت پر جولیا نے جھک کر فون کا نمبر دیکھنے کی کوشش کی ہوگی اور کسی نے اس کی گردن دبوچ کر پیچھے کھینچ لیا ہوگا۔ یہ چیخ کچھ اسی قسم کی تھی۔ اُس نے بوڑھے غیر ملکی کی طرف دیکھا جو دونوں ہاتھوں سے سر تھامے فرش پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔

”اسے لے جاؤ....!“ عمران نے جوزف سے کہا۔ ”اب لڑکی کو لاؤ۔“

جوزف اُسے کسی بھیڑیا بکری کی طرح کمرے سے ہانک لے گیا اور تھوڑی دیر بعد لڑکی سمیت دوبارہ اندر داخل ہوا۔ لڑکی نے چھوٹتے ہی عمران پر برسنا شروع کردیا۔ خوب خوب چیخی اور عمران اس طرح سر جھکائے سنتا رہا جیسے کوئی زن مرید شوہر خونخوار قسم کی بیوی کی حضور میں ”سر تسلیم خم ہے“ کی تفسیر بن کر رہ گیا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی پھر بجی۔ عمران نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف صفدر تھا۔ اس نے کہا کہ اُس کے پاس نو بجے والی فلائٹ کے مسافروں کی فہرست اور اُن کے پتے موجود ہیں۔

”تم صرف کربی فوسٹر کے متعلق بتاؤ....!“ عمران نے کہا۔

”کربی فوسٹر.... جی ہاں اُس کا نام موجود ہے.... برازیل کے سفارتخانے کا پریس اتاشی ہے.... وہ برازیل واپس جارہا ہے.... خیال کیا جاتا ہے کہ وہ زبردستی بھیجا جارہا ہے۔ لیکن اس میں ہماری حکومت کا ہاتھ نہیں یہ زبردستی سفارتخانے ہی کی طرف سے کی جارہی ہے۔“

”کہاں رہتا ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

”سفارت خانے ہی سے ملحقہ ایک عمارت میں۔“

”میرا خیال ہے کہ کچھ نامعلوم آدمی اس عمارت کی نگرانی کررہے ہوں گے۔“

”آس پاس پانچ آدمی نظر آئے تھے۔ لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اُس کے نگران ہی ہوں گے۔“

”دوبارہ چھان بین کرکے تصدیق کرسکتے ہو.... یہی کرو اور مجھے اطلاع دو۔“

ریٹا اُسے رحم طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

”ہام.... اب تم بتاؤ۔“ عمران اُس کی طرف مڑا۔

”مم.... میں کچھ نہیں جانتی۔“ وہ ہکلائی۔

”اس کی بیٹی ہو....؟“

”سس.... سیکریٹری....!“ لڑکی روہانسی آواز میں بولی۔ ”اس نے مجھ سے جو کچھ کہا تھا کرتی رہی تھی۔“

”مقصد....!“

”یقین کرو.... مجھے مقصد نہیں معلوم ہوسکا۔ میں کچھ نہیں جانتی۔“

”تمہارے ذمہ کون سے کام ہیں۔“

”تحقیقی کاموں میں مدد دینا۔“

”داور کیسا آدمی ہے.... اُس کا حلیہ بتاؤ۔“

”میں نے کبھی دیکھا نہیں صرف نام سنتی ہوں۔“

”کیا وہ حقیقتاً چینی ہے۔“

”نہیں میں اس کی قومیت کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتی۔“

”پہلے تو تم نے کچھ اس قسم کا بیان دیا تھا جیسے داور سے اچھی طرح واقف ہو۔“

”صرف اس حد تک کہ وہ بوڑھے کا دوست ہے.... اور بوڑھا اکثر اس کا تذکرہ کرتا رہتا ہے۔ اُسی نے مجھ سے بتایا تھا کہ یہ داور کا کام ہے۔“

”تمہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ مجھے الجھائے رکھنا چاہتا ہے۔“

”نہیں.... یقین کرو.... میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں۔“

”جوزف اسے واپس لے جاؤ۔“

”نہیں مجھے چھوڑ دو.... جانے دو.... خدا کے لئے۔“ وہ رو پڑی۔

”ابھی نہیں....!“ عمران نے تلخ لہجے میں کہا۔ ”جوزف اسے لے جاؤ۔“

اس کے جانے کے بعد عمران اپنی پیشانی تھپتھپاتا ہوا بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ عمران نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے صفدر بول رہا تھا

”آپ کا خیال درست ہے۔ وہ پانچوں آدمی اب بھی عمارت کے آس پاس موجود ہیں۔“

”ٹھیک ہے.... اُسے وہاں سے کسی طرح نکالنا ہے۔“

"میں نہیں سمجھا...!"

"نو بجے والی فلائٹ سے روانہ ہو جانے کی بجائے اُسے ہمارے قبضے میں ہونا چاہئے۔"

"کوئی تدبیر ہے آپ کے ذہن میں۔"

"ہے...!" عمران نے کہا۔ "تم سب اس عمارت کے آس پاس میرے منتظر رہو.... اور جیسے ہی میری طرف سے کوئی صوتی اشارہ ملے ان پانچوں کو الجھالو پھر میں سب دیکھ لوں گا۔"

"اشارے کی نوعیت...!"

"ریڈیو کار سے ہوٹر بجاؤں گا۔"

"لیکن ان پانچوں کو الجھایا کیسے جائے گا...!"

"اب سب کچھ میں ہی بتاؤں؟"

"خیر میں دیکھوں گا کہ کیا کر سکتا ہوں.... آپ کتنی دیر میں پہنچ رہے ہیں؟"

دفعتاً عمران کو جولیا یاد آئی اور اس نے جلدی سے کہا۔ "ٹھہرو.... آدھے گھنٹے بعد مجھے پھر رنگ کرنا۔ تب بتاؤں گا۔"

وہ سوچ رہا تھا کہ اس سے پہلے جولیا ہاتھ آنی چاہئے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ جھنجھلا کر اُسے ختم ہی کر دیں۔ لیکن جولیا کی رہائی کا انحصار ان دونوں قیدیوں کی رہائی پر تھا اور ان کی رہائی کے بعد اس پراسرار آدمی داور کو یقینی طور پر علم ہو جائے گا کہ کربی فوسٹر کا راز فاش ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس پر ہاتھ ڈالنا بھی مشکل ہو جائے گا۔

پھر کیا کیا جائے۔ وہ سوچتا رہا اور پھر اب وہ جولیا کی رہائی کے متعلق اُن سے کس طرح رابطہ قائم کرے گا۔

اس نے سوچا کیوں نہ بوڑھے کو ہلایا جلایا جائے۔ آخر اُسے بھی تو کبھی نہ کبھی خود ہی داور سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ایسے ٹیلی فون نمبر سے واقف ہو۔

بوڑھے کو طلب کرنے کے لئے جوزف کو بلوانے جا ہی رہا تھا کہ ایک نئے خیال نے ذہن میں سر ابھارا.... ہو سکتا ہے بوڑھا اُسے کوئی فون نمبر بتا ہی دے لیکن اُسے استعمال کرنا خطرے سے خالی نہ ہو گا کیونکہ بوڑھا جب اُسے داور کے فون نمبر بتا سکتا ہے تو پھر یہ بھی بتا سکتا ہے کہ اس گھیر اگھاری کا مقصد کیا تھا.... ہو سکتا ہے جولیا کو پکڑے جانے کا مقصد یہی ہو! داور معلوم کرنا چاہتا ہو کہ بوڑھے نے گرفتاری کے بعد کچھ اگل تو نہیں دیا۔

لیکن پھر کیا کیا جائے۔ اگر جولیا کی رہائی سے پہلے کربی فوسٹر کے سلسلے میں کچھ کیا گیا تو وہ بے

کی زندگی یقینی طور پر خطرے میں پڑ جائے گی۔

وہ اٹھ کر ٹرانسمیٹر والے کمرے میں آیا اور بلیک زیرو سے رابطہ قائم کر کے اُسے ہدایت دی کہ کربی فوسٹر والی عمارت کی نگرانی اس وقت تک جاری رکھی جائے جب تک وہ ایئرپورٹ کی طرف نہ روانہ ہو جائے۔ اُس نے اُسے بتایا کہ وہ اس سلسلے میں صفدر سے رابطہ قائم کر سکتا ہے۔

وہ پھر گہری سوچ میں ڈوب گیا.... ایک ہی کارڈ تھا ہاتھ میں.... اور وہ تھا بوڑھا غیر ملکی۔

اس بار عمران خود ہی تہہ خانے میں آیا.... ریٹا گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی بوڑھا ایک آرام کرسی پر لیٹا اونگھ رہا تھا اور تیسرا قیدی ٹہل رہا تھا۔ عمران کو دیکھ کر رک گیا لیکن کچھ بولا نہیں۔ لڑکی کھڑی ہو گئی۔ بوڑھا بدستور اونگھتا رہا۔

"تمہیں مجھ پر رحم نہیں آتا۔" ریٹا نے روہانسی آواز میں کہا۔

"میں نابالغ لڑکیوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتا...!"

"میں بالغ ہوں.... خدا کی قسم بالغ ہوں۔" ریٹا نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پھر بھی تم سے کیا بات کی جائے.... والدین کا پتہ بتاؤ۔"

وہ رونے لگی.... بوڑھا اُس کے رونے کی آواز سن کر بھی نہ اٹھا حالانکہ انداز سے لگتا تھا کہ وہ جاگ ہی رہا ہے.... عمران نے اس کا شانہ پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "یہ رات سونے کے لئے نہیں ہے۔"

بوڑھا جھلائے ہوئے انداز میں اٹھ بیٹھا اور حلق پھاڑ کر دھاڑا۔ "مار ڈالو.... مجھے مار ڈالو۔"

"نہیں پیارے۔" عمران اُس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "میں تو تمہیں تل کر کھاؤں گا۔ فی الحال تم میرے ساتھ چلو.... ہو سکتا ہے یہ سلسلہ تمہاری رہائی پر ختم ہو....!"

"میرا کیا ہو گا...!" تیسرا قیدی جلدی سے بولا۔

"تم دو ایک دن یہیں آرام کرو گے۔"

"میں.... میں.... تنہا یہاں نہیں رہوں گا۔"

"یہ بھی تو ہے۔" عمران نے ریٹا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہرگز نہیں۔ یہ میری بیوی کی بددعائیں ہیں، جنہوں نے اس حال کو پہنچایا ہے۔ مجھے کسی دوسری جگہ رکھئے۔"

عمران کوئی جواب دیئے بغیر بوڑھے کو کھینچتا ہوا تہہ خانے کے دروازے تک آیا۔

"چھوڑ دو.... میں چل رہا ہوں۔" بوڑھا ہانپتا ہوا بولا۔

وہ اسے ڈرائننگ روم میں لایا۔

"اب بتاؤ!" عمران اُسے صوفے میں دھکیلتا ہوا بولا۔ "مجھے اُس عمارت کا پتہ چاہئے جہاں داور کے ملنے کے امکانات ہوں۔"

"میں نہیں جانتا۔ پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔"

"تم غلط کہتے ہو۔" عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "وہ حبشی بہت خونخوار ہے۔ تم نے دیکھا تھا کہ کسطرح خود مجھ سے الجھ پڑا تھا جب میں نے تمہیں اُسکے پنجے سے رہائی دلوائی تھی۔"

"نہیں.... نہیں....!" بوڑھا خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "نہیں اُسے مت بلاؤ... وہ جہنم کا فرشتہ ہے۔"

"تو پھر بتادو مجھے! تمہاری حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔ حالانکہ تم نے ایک غیر قانونی کام میں اُسے مدد دی تھی لیکن پھر بھی میں تمہیں بچانے کی کوشش کروں گا۔"

"تم کون ہو.... کیا تمہارا تعلق پولیس سے ہے۔"

"یہی سمجھ لو.... یہ ایک قتل کا معاملہ ہے۔"

"قتل....!" بوڑھا اچھل پڑا۔

"ہاں تمہیں یاد ہے یا نہیں۔ اُس رات تمہارے ہاں کوئی مادام نشی کا آئی تھی۔"

"مادام نشی کا.... ہاں آئی تو تھی.... میں نہیں جانتا کون تھی۔ وہ بھی داور ہی کے ترتیب دیئے ہوئے ڈرامے کی ایک اداکارہ تھی۔"

"اُسی دوپہر کو اُس عورت کی لاش ایک آدمی کی گاڑی میں پائی گئی تھی۔"

"اُسی کی لاش۔" وہ پھر اچھل پڑا۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ چند لمحے وہ سکتے کے سے عالم میں رہا پھر ہونٹ ہلے اور مدہم سی آواز سنائی دی۔ "نہیں.... میں اس کے لئے ہرگز تیار نہیں.... میں بتادوں گا.... داور نے مجھے دھوکا دیا۔ نہیں نہیں۔ میں ایک باعزت آدمی ہوں۔"

عمران نے طویل سانس لی۔

۞

پھر بوڑھا خاموش ہو گیا۔ لیکن اُس کی پیشانی کی سلوٹیں اور بھنوؤں کا تیکھا پن کہہ رہا تھا جیسے وہ غصے کی آگ میں جھلسا جا رہا ہو۔

کچھ دیر بعد اُس نے سر اٹھا کر کہا۔ "شائد وہ تمہیں ففٹیتھ اسٹریٹ کی گیارھویں عمارت میں مل جائے۔"

"شاید یا یقین کے ساتھ۔"

"اکثر وہ اُس عمارت کا حوالہ دیتا رہا ہے۔ خود میں وہاں کبھی نہیں گیا۔"

"اچھا دیکھو۔ تم اپنی سیکریٹری کو نہیں بتاؤ گے کہ تم مجھے کچھ بتا چکے ہو۔"

بوڑھا کچھ نہ بولا۔ اُس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور آنکھیں غیر متحرک سی ہو کر رہ گئی تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ بڑبڑایا۔ "مجھے یہ بھی بتا دینا چاہئے۔ قطعی طور پر بتا دینا چاہئے بہت ضروری ہے۔"

"ہاں.... ہاں کہو.... کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"وہ لڑکی ریٹا داور کے متعلق مجھ سے زیادہ جانتی ہے کیونکہ اکثر اُس کے ساتھ باہر جاتی رہی ہے اور میری دانست میں اُن دونوں کے تعلقات غیر معمولی ہیں یہ سب کتیائیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔"

"بے شک بے شک....!" عمران سر ہلا کر سنجیدگی سے بولا۔

"اُس کے باپ کا رول ادا کرنے میں میرا کلیجہ خون ہو گیا....!"

"ہونا چاہئے.... ہونا چاہئے۔"

"اچھا تو پھر میں کس راستے سے باہر جاؤں؟"

"فی الحال یہیں آرام کرو تو بہتر ہے۔"

بوڑھا مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی.... عمران نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو....!"

"ہیلو....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کون عمران۔ میں جولیا ہوں تم کیا کر رہے ہو۔"

"کیا بتاؤں کیا کر رہا ہوں.... ویسے تم ان لوگوں سے کہہ سکتی ہو کہ مجھے تمہاری رہائی کے سلسلے میں ساری شرائط منظور ہیں.... تبادلے کے لئے کس جگہ کا تعین کیا جائے۔"

"اوہ.... شکریہ۔ میں بہت پریشان ہوں عمران....!"

"جلدی کرو....!" عمران نے کہا۔

"میں ابھی بات کر کے دوبارہ فون کروں گی۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد عمران بوڑھے سے بولا۔ "تم دونوں جلدی رہا ہو جاؤ گے۔"

پھر اُس نے اُسے بتایا کہ رہائی کی بنیاد تبادلے پر ہوگی۔

"اور دیکھو دوست تم ان سے یہی کہو گے کہ تم نے مجھے ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا ورنہ زندہ نہ رہ سکو گے۔"

"میں تو یہی کہوں گا۔ لیکن وہ.... ریٹا.... تم کئی بار مجھ سے تنہائی میں گفتگو کر چکے ہو۔"

"اس کی فکر مت کرو تم اپنی بات پر اڑے رہنا۔"

بوڑھا کچھ نہ بولا۔ اُس کی آنکھیں بدستور گہری سوچ میں ڈوبی رہیں۔

"اور یہ تو کہنا ہی بیکار ہے کہ کسی تیسرے قیدی کے متعلق انہیں نہ بتانا۔ کیونکہ وہ تو جانتی ہی ہے۔" عمران نے کہا۔

بوڑھا پھر بھی خاموش رہا.... کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی پھر بجی۔ عمران نے ریسیور اٹھالیا.... دوسری طرف سے جولیا کی آواز آئی۔ "ہیلو عمران.... اچھا دیکھو! ففٹیتھ اسٹریٹ کی گیارہویں عمارت میں۔ میں وہاں تنہا ہوں گی تم اُن کے آدمیوں کو وہاں پہنچا کر وہیں سے مجھے لے جاسکو گے.... کہا گیا ہے کہ اگر اس سلسلے میں کوئی شرارت ہوئی تو ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچے گا۔"

"فکر نہ کرو....!" عمران نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر اُس نے بوڑھے کو بتایا کہ یہ تبادلہ اُس کی بتائی ہوئی عمارت میں ہوگا۔

"پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے۔" بوڑھا بڑبڑایا۔ "کس مصیبت میں پھنس گیا۔"

عمران نے جوزف کو طلب کیا اور اُسے الگ لے جاکر سمجھانے لگا کہ اُسے اس سلسلے میں کیا کرنا ہے۔

تھوڑی دیر بعد ایک اسٹیشن ویگن رانا پیلس کے پھاٹک سے باہر آئی جسے خود عمران ڈرائیو کر رہا تھا۔ لیکن اس وقت شائد ہی کوئی اسے عمران کی حیثیت سے پہچان سکتا۔ جسم پر ڈرائیوروں کی سی خاکی وردی تھی اور چہرہ پلاسٹک میک اپ کی وجہ سے خاصا ڈراؤنا بن گیا تھا۔

پچھلی نشستوں پر بوڑھا، ریٹا، تیسرا قیدی اور جوزف تھے۔ چلنے سے پہلے جوزف کو چوتھائی بوتل مل گئی تھی۔ اس لئے وہ بہت زیادہ چاق و چوبند نظر آرہا تھا۔

عمران نے ہارن دیا اور دفعتاً ایک کمرے کی کھڑکیاں روشن ہوگئیں۔

ایک دروازہ کھلا اور کوئی کھانستا کھکارتا ہوا گاڑی تک آیا۔ پھر ایک ٹارچ روشن ہوئی اور روشنی کا دائرہ گاڑی کے اندر چکرانے لگا۔

"ٹھیک ہے....!" بھرائی ہوئی آواز میں کہا گیا۔ "اندر آؤ۔"

ٹارچ کی روشنی میں جائزہ لینے والا عمارت میں داخل ہوگیا۔ لیکن دروازہ کھلا ہی رہا۔

جوزف کے علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم تھا کہ عمران ہی انہیں یہاں تک لایا ہے۔

جوزف ان سبھوں کو عمارت کے اندر ہانک لے گیا۔ ذرا ہی سی دیر بعد سامنے سے عمران کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی پڑی اور وہ چندھیا کر کسی گھٹیا سے آدمی کے سے انداز میں گندی گالیاں بکنے لگا۔ پھر اس طرح جلدی سے نیچے اترنے کی کوشش کی جیسے روشنی ڈالنے والے کا قیمہ ہی تو کر کے رکھ دے گا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں روشنی غائب ہوگئی۔

کچھ دیر بعد جوزف جولیا سمیت برآمد ہوا۔ اور وہ دونوں چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئے۔

عمران نے ایکسیلیٹر پر دباؤ ڈالا اور گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

وہ سیدھے رانا پیلس میں آئے۔ جولیا کا چہرہ کملایا ہوا تھا۔ اس نے جوزف سے پوچھا۔ "عمران کہاں ہے۔"

"پتہ نہیں....!" جوزف نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

عمران بحیثیت ڈرائیور قریب ہی کھڑا تھا۔

"لیکن اتنا جانتا ہوں....!" جوزف کچھ دیر بعد بولا۔ "تم باس سے پوچھے بغیر اس عمارت سے باہر نہیں نکلو گی۔"

"وہ کہاں ہے؟" جولیا نے مضطربانہ انداز میں پھر پوچھا۔

"میں نہیں جانتا۔"

عمران محسوس کر رہا تھا کہ جولیا کچھ بتانے کے لئے بے چین ہے۔

"مجھے نیند آنے لگی ہے۔" جولیا نے کہا۔ "وہ جب بھی آئے اُسے بتادینا کہ اُن لوگوں میں وہ دبلا پتلا چینی تھا جس نے کاؤ چن کا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی تھی۔"

"بتادوں گا....!" جوزف نے کہا اور بھاڑ سا منہ پھیلا کر جماہی لینے لگا۔

پھر جولیا اندر چلی گئی.... اور وہ دونوں وہیں کھڑے رہے۔

"غالباً تم نے سن ہی لیا ہوگا باس!" جوزف نے کہا اور پھر جماہی لی۔ شائد اس کا نشہ اکھڑ رہا تھا۔

"ہوں....!" عمران نے کہا اور دوسری طرف اندھیرے میں گھورنے لگا۔

اب کربی فوسٹر کا مسئلہ سامنے تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ جوزف کو ہوشیار رہنے کی ہدایت کرتا ہوا اندر آیا۔ ٹرانسمیٹر کے ذریعے بلیک زیرو سے رابطہ قائم کیا۔

"لیس سر....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "عمارت کی نگرانی جاری ہے۔ وہ دونوں سر—

نامعلوم آدمی بھی موجود ہیں جو پہلے سے نگرانی کر رہے تھے۔“

”برازیل کے سفارت خانے کے ڈرائیوروں کی لسٹ مہیا کر کے چھان بین کرو کہ ان میں سے کون اُسے ایئر پورٹ لے جائے گا؟ اور یہ بھی معلوم کرو کہ مسافر کے ساتھ گاڑی میں اور کون ہوگا.... جلدی کرو۔“

”او کے چیف....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”اُوور اینڈ آل....!“ عمران نے کہا اور سوئچ آف کر دیا۔

جولیا شائد سچ مچ سو گئی تھی ورنہ کسی نہ کسی جگہ یقینی طور پر ملاقات ہوتی۔

وہ پھر ڈرائینگ روم میں آبیٹھا.... اب اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا کہ وہ بلیک زیرو کے جواب کا انتظار کرتا رہے۔

گھڑی ڈھائی بجا رہی تھی۔ اُس نے طویل انگڑائی لی اور صوفے کی پشت سے ٹک گیا اور پھر انتہائی کوشش کے باوجود بھی اپنے اونگھتے ہوئے ذہن پر قابو نہ پاسکا۔ پلکیں نیند کے دباؤ سے جھکتی چلی گئیں.... اور وہ بے خبر سو گیا۔

دوبارہ آنکھ کسی کے آواز دینے پر کھلی تھی۔ بڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ سامنے بلیک زیرو نظر آیا۔

”کیا وقت ہوا ہے....!“ عمران نے بوکھلا کر پوچھا۔

”چار بجے ہیں۔“

”اوہو.... ہوں.... لیکن تم یہاں کیسے!“

”بڑی دیر تک پکارتا رہا.... جب کوئی جواب نہ ملا تو آنا ہی پڑا۔“

”کسی اور کو بھیج سکتے تھے۔ تمہیں دانش منزل ہی میں موجود رہنا چاہئے تھا۔ ہو سکتا ہے کہ نگرانی کرنے والے کسی اشد ضرورت کے تحت تم سے رابطہ قائم کرنا چاہیں۔“

”غلطی ہوئی چیف....!“

”خیر کوئی بات نہیں! ہاں اب بتاؤ کیا کر آئے ہو۔“

”کربی فوسٹر کے پاس اُس کی گاڑی ہے خود ڈرائیو کرتا ہے۔“

”اور وہ اُسے ایئر پورٹ پر کسی بھکاری کے حوالے کر کے خود یہاں سے واپس چلا جائے گا۔“

”ڈرائیور بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کل وہی اُسے لے جائے۔“

”یقینی طور پر وہی لے جائے گا۔ یا اُس کے ساتھ جائے گا۔ خیر.... ڈرائیور کے متعلق کیا معلوم کیا.... مختصر بتاؤ.... وقت کم ہے۔“

”وہ بھی اسی عمارت کی کمپاؤنڈ میں سرونٹس کوارٹر میں رہتا ہے۔“

”اس وقت کہاں ہے؟“

”یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ کہاں ہوگا....؟“

”یہ بہت ضروری ہے۔!“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”خیر.... اب تم دانش منزل واپس جاؤ۔“

”بہت بہتر جناب....!“ وہ اٹھتا ہوا بولا۔ ”ڈرائیور کا نام جعفر ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس وقت پکسیز بار میں ہو.... بآسانی پہچانا جا سکے گا.... بائیں کان کی لو کٹی ہوئی ہے۔“

”اور سردی بھی خاصی ہے۔ اگر اُس نے کانوں پر مفلر لپیٹ رکھا ہو تو....!“

”شراب سے کان گرم ہو جاتے ہیں....!“

”مجھے تجربہ نہیں.... خیر اب تم دفع ہو جاؤ.... میں دیکھوں گا۔“

بلیک زیرو چلا گیا۔ عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اٹھا۔ گیراج سے شیورلٹ نکالی اور ڈرائیور ہی کے حلئے میں پکسیز بار کی طرف روانہ ہو گیا۔ کم قیمت اور گھٹیا شراب کے لئے یہ خاص طور پر مشہور تھا اور یہاں نچلے طبقے کے لوگ ہی نظر آتے تھے۔

بار میں داخل ہو کر اُس نے چاروں طرف نظر دوڑائی.... تین میزوں کے علاوہ اور ساری میزیں خالی تھیں۔ پہلی ہی نظر میں عمران کو یقین ہو گیا کہ جسکی تلاش میں آیا تھا وہ یہاں موجود ہے۔

☼

کان کی کٹی ہوئی لو پر نگاہ ٹھہری رہی۔ وہ نشے میں تھا لیکن عمران کو اپنی طرف اس طرح متوجہ دیکھ کر خود بھی اُسے گھورنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد عمران کی آنکھوں میں ایک تحیر آمیز چمک سی پیدا ہوئی۔ ہونٹ مسکراہٹ کے سے انداز میں تھوڑے سے کھلے اور وہ تیزی سے اس کی میز کی طرف جھپٹا۔

میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر جھکتا ہوا آہستہ سے بولا۔ ”تم جعفر ہی ہو نا۔“

”ہاں.... ہاں.... کیوں؟“

”نہیں پہچانا مجھے!“ عمران اُس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

”اوں.... ہوں....!“ جعفر نے نفی میں سر کو جنبش دی۔

”ارے واہ یار.... میں شفیق ہوں.... شفیق [illegible]....!“

ایسا محسوس ہوا جیسے وہ یادداشت پر زور دے رہا ہو۔ پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلانے لگا۔۔۔ آخر بولا۔ "ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ یاد نہیں پڑتا کہاں تم سے ملاقات ہوئی تھی بیٹھو۔۔۔ بیٹھو۔۔۔ منگاؤں۔۔۔!"

"نہیں میں اتنی رات گئے نہیں پیتا۔۔۔ لو سگریٹ پیئو۔۔۔!" عمران نے اسے بلیک اینڈ وہائٹ کی اسپیشل پیکنگ والے سگریٹ پیش کئے۔

"آج کل کہاں ہو۔۔۔!" جعفر نے سگریٹوں کو گھورتے ہوئے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"خاص سفیر کا ڈرائیور ہوں۔۔۔!"

"کس سفارت خانے میں۔۔۔!"

"سعودی عرب۔۔۔!"

"تب تو شراب نہ ملتی ہوگی۔"

"لاحول ولا قوۃ بلکہ استغفراللہ۔۔۔!" عمران نے کہا اور جعفر ہنسنے لگا پھر عمران نے پوچھا۔

"تم کہاں ہو۔"

"برازیل کے سفارت خانے میں! پریس اتاشی کا ڈرائیور ہوں۔۔۔!"

"اوہو۔ تب تو تمہارے مزے ہوں گے۔ تم بھی سفارت ہی میں ہو۔ کیسا ہے تمہارا باس۔۔!"

"حرامی نمبر ون۔۔۔!" جعفر نے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔ "سالے کے لئے ہر رات نئی لڑکی تلاش کرنی پڑتی ہے۔"

"تم کرتے ہو۔۔۔!"

"ہاں۔۔۔ تبھی تو اپنے بھی عیش ہیں۔۔۔!" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "مگر اب دیکھو نوکری رہتی ہے یا دھکے کھانے پڑتے ہیں۔"

"کیوں۔۔۔ کیوں۔۔۔؟"

"صبح واپس جا رہا ہے اپنے ملک۔ اب کبھی واپس نہ آئے گا۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"بس اپنے حرامی پن کی وجہ سے سفیر کو معلوم ہو گیا تھا۔ بڑی بدنامی ہو رہی تھی۔"

وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر بے ساختہ ہنس پڑا۔۔۔ ہنستا رہا۔ جب خاموش ہوا تو عمران نے اس طرح ہنسنے کی وجہ پوچھی تھی۔

"آج شام وہ بہت اداس تھا۔ مجھ سے کہہ گیا آخری بار کوئی انتظام [illegible] میں نے کہا [illegible] اور اس وقت سے اب تک یہاں بیٹھا جھک مار رہا ہوں۔"

"چچ چچ۔۔۔!" عمران نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "میرا دل کڑھ رہا ہے بیچارے کیلئے۔"

"بچہ ہے سالا۔۔۔ عورتوں کے معاملے میں بالکل بچہ ہے۔" جعفر نے ہنس کر کہا۔ "کئی بار ایسا ہوا ہے تلاش میں نکلا ہوں کوئی نہیں ملی ہے۔ واپس آکر بتایا ہے اور وہ کسی ایسے بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رویا ہے جو کھلونے کے انتظار میں رات گئے تک جاگتا رہا ہو، لیکن پاپا خالی ہاتھ واپس آئے ہوں۔"

"یار واقعی دل کڑھ رہا ہے۔" عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اچھا تو پھر کروں انتظام۔"

"اوہ۔۔۔ اگر کر سکو تو اچھا ہے۔"

"تم یہیں ٹھہرو۔۔۔ میں ذرا فون کر کے معلوم کروں۔ وہ گھر پر موجود بھی ہے یا نہیں۔"

"کون۔۔۔؟"

"ایک یوروپین لڑکی ہے۔ زیادہ بڑے آدمیوں سے بزنس کرتی ہے۔"

"ضرور دیکھو بھائی صاحب۔۔۔ شکریہ شکریہ۔"

عمران اٹھ کر باہر آیا اور سوچنے لگا کہ آس پاس کوئی ٹیلی فون بوتھ بھی ہے یا نہیں۔ پھر گاڑی میں بیٹھ کر اگلے چوراہے تک آیا۔ ٹیلی فون بوتھ یہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔

فون پر جوزف کو طلب کر کے جولیا سے متعلق چند ہدایات دیں اور کہا کہ وہ اُسے پلسیز بار تک پہنچا کر واپس چلا جائے۔

کچھ دیر بعد پلسیز بار میں واپس آکر اس نے جعفر کو اطلاع دی کہ کام ہو گیا ہے وہ جلد ہی وہاں پہنچ جائے گی۔

"یار تم بڑے پیارے آدمی ہو! میں بڑا بدنصیب ہوں کہ اب تک تمہیں نہیں پہچان سکا۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں تو تمہیں پہچانتا ہوں۔" عمران اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھی بات ہے میں باہر اس کا انتظار کروں۔۔۔!"

"میں بھی چلوں۔۔۔؟"

"نہیں تم بیٹھو۔۔۔!"

عمران باہر آگیا۔ آدھے گھنٹے تک جولیا کا انتظار کرنا پڑا۔

وہ آئی اور جب اُسے مقصد معلوم ہوا تو چراغ پا ہو گئی۔ بڑی مشکل سے قابو میں آئی۔ عمران نے اُسے سمجھایا کہ اپنے ساتھ جو سفوف لائی ہے اُسے شراب میں ڈال کر فوسٹر کو پلانا ہو گا۔ وہ بیہوش ہو جائے گا بقیہ معاملات وہ خود دیکھے گا۔

ہدایات کے مطابق جولیا میک اپ میں آئی تھی۔ جعفر نے اُسے دیکھا اور اچھل پڑا۔

"تو پھر لے جاؤں۔" اس نے عمران سے پوچھا۔

"کمال کر دیا یار۔ میرے بغیر وہ کہاں جائے گی۔ مجھے بہر حال ساتھ چلنا پڑے گا اور میں ہی اسے واپس لے جاؤں گا۔"

جعفر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "چلو خیر کوئی بات نہیں۔"

اپنی شیورلٹ تو عمران نے پہلے ہی جوزف کے حوالے کر دی تھی کیونکہ یہاں کربی فوسٹر کی گاڑی موجود تھی۔ وہ تینوں کربی کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔

جولیا پچھلی سیٹ پر تھی....!

جعفر نے عمران سے پوچھا۔ "اردو جانتی ہے۔"

"نہیں....!"

"یار۔ کیوں نہ ہم بھی۔!" جعفر نے کہا۔ "مجھے بہت پسند آئی ہے۔"

"بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے تو اپنے باس کو خوش کرنے کی سوچو۔"

"وہ سالا تو ہمیشہ خوش ہوتا ہی رہتا ہے۔"

"پھر بھی فی الحال خاموش ہی رہو۔"

کوٹھی کے پھاٹک پر پہنچ کر جعفر نے ہارن دیا۔ اندر سے کسی نے پھاٹک کھولا اور گاڑی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئی۔

بر آمدے میں روشنی تھی لیکن یہ بر آمدہ ایسے رخ پر تھا کہ سڑک سے نہیں نظر آ سکتا تھا۔

بر آمدے میں ایک سفید فام آدمی دکھائی دیا جو بڑی بے چینی سے گاڑی کی طرف لپکا تھا۔

ادھیڑ عمر کا ایک وجیہہ آدمی تھا۔ بال کھچڑی اور گھونگھریالے تھے۔ جعفر گاڑی سے اتر کر اسے الگ لے گیا اور آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگا۔

اور عمران نے جولیا سے کہا۔ "جب وہ بیہوش ہو جائے تو ایک گلاس ڈرائیور کیلئے بنا لانا۔"

"پتہ نہیں تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔" جولیا منمنائی۔

عمران کچھ نہ بولا۔ جولیا نے کربی فوسٹر کو اندر جاتے دیکھا۔ جعفر ان کی طرف آ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے....!" جعفر نے عمران سے کہا۔ "اب یہ اس عورت کی ہوشیاری پر منحصر ہے کہ وہ اس سے کتنا اینٹھ لیتی ہے۔"

"اتنا تو اینٹھ ہی لے گی کہ ہمیں ہمارا معقول کمیشن مل سکے۔"

"یہی مطلب تھا۔" جعفر اس کے شانے پر ہاتھ مار کر ہنسا۔

"اور ہم دونوں کہاں بیٹھیں گے.... میں قریب ہی رہنا چاہتا ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو آئندہ وہ میرے ساتھ کہیں نہ جائے گی۔"

"ارے برابر ہی کے کمرے میں بیٹھ لیں گے....!" جعفر بولا۔

پھر وہ دونوں ایک کمرے میں آ بیٹھے.... دونوں ہی خاموش تھے۔ احمقانہ انداز میں ایک دوسرے کی شکل دیکھتے رہے۔

کلاک کی ٹک ٹک سناٹے میں گونج رہی تھی.... دونوں کی نظریں ملتیں اور جعفر کھسیانے انداز میں دانت نکال کر دوسری طرف دیکھنے لگتا۔ کچھ دیر بعد جولیا کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھوں میں دو گلاس تھے۔ ایک اس نے جعفر کی طرف بڑھا دیا اور دوسرا عمران کی طرف۔ عمران نے خاموشی سے گلاس لے لیا۔ جب واپس چلی گئی تو جعفر نے کہا۔ "ایسی تو آج تک نہیں آئی تھی جس نے میرا خیال بھی رکھا ہو۔"

"پیو دوست یہ سالا ہمیشہ عمدہ قسم کی شرابیں رکھتا ہے۔"

عمران گلاس ہاتھ میں لئے بیٹھا رہا اور جعفر چسکیاں لینے لگا۔ لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے اپنے پچھلے کارنامے بھی دہراتا جا رہا تھا۔

عمران نے اپنا گلاس کرسی کے پہلو میں فرش پر رکھ دیا.... جعفر کی زبان کی لڑکھڑاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ عمران کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سارے معاملات سے لاتعلق ہو۔

اب جعفر نے گلاس خالی کر کے رکھ دیا تھا اور آنکھیں بند کئے آگے پیچھے جھول رہا تھا۔ پھر یک بیک آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کہنے لگا.... "ہائیں.... اتنی گہری نیند.... اچھا یار.... تو پھر چلتے وقت مجھے جگا دینا"

وہ کرسی سے فرش پر پھسل آیا.... اور عمران نے پھر اسے سر اٹھاتے نہیں دیکھا۔ اس نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور خود اٹھ گیا۔

دوسرے کمرے کے دروازے کے شیشے سے جھانک کر دیکھا.... وہاں کربی فوسٹر صوفے پر لیٹا نظر آیا.... جولیا دور کھڑی اُسے گھور رہی تھی۔ عمران نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور جولیا کو چونکتے دیکھا۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف آئی۔

"وہ بیہوش ہو گیا ہے۔" اس نے دروازہ کھولتے ہوئے سرگوشی کی۔

"بر آمدے کی روشنی گل کر آؤ۔" عمران نے کہا۔

جولیا نکلی چلی گئی۔ عمران نے اندر آکر کربی فوسٹر کو ہلایا جلایا۔ لیکن وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ پھر وہ اُسے پیٹھ پر لاد کر خود بھی باہر آیا.... جولیا نے اس کے اشارے پر بیرونی کمرے میں بھی اندھیرا کر دیا تھا۔

کربی فوسٹر کی گاڑی برآمدے کے سامنے ہی کھڑی تھی۔ عمران نے اُسے پچھلی نشست پر ڈال دیا۔ جولیا اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ عمران ایک بار پھر اندر آیا کیونکہ کنجی ڈیش بورڈ پر نہیں دکھائی دی تھی۔ جعفر کی جیبوں کی تلاشی لینے پر کنجی بھی مل گئی۔ کچھ دیر بعد وہ گاڑی کو اسٹارٹ کر کے پھاٹک کی طرف لے جا رہا تھا۔ چوکیدار نے پھاٹک کھول دیا اور گاڑی باہر نکل چلی گئی۔

عمران کی ہدایت کے مطابق جولیا راستے بھر دیکھتی آئی تھی کہ تعاقب تو نہیں کیا جا رہا۔ جب اطمینان ہو گیا کہ ایسا نہیں ہے تو عمران نے گاڑی کا رخ دانش منزل کی طرف موڑ دیا۔ وہ جانتا تھا کہ رانا پیلس مجرموں کی نظروں میں آچکا ہے لہٰذا اس واقعہ کا علم ہوتے ہی وہ اپنی پوری قوت سے رانا پیلس پر دھاوا بول دیں گے۔

کچھ دیر بعد بیہوش کربی فوسٹر دانش منزل کے ساؤنڈ پروف کمرے میں نظر آیا۔ ابھی تک بیہوش تھا۔

"یہ کون ہے؟" جولیا نے پوچھا۔

"کوئی بہت ہی اہم آدمی....!"

"کس سلسلے میں....!"

"نشی کا قتل اتنی جلدی بول گئیں۔"

"اوہ.... تو یہ سب کچھ....!"

"ہوں.... لیکن پہلے یہ بتاؤ وہ لوگ تمہیں کس طرح لے گئے تھے۔"

"ریوالور دکھا کر.... گاڑی میں بٹھایا تھا لیکن پھر گاڑی میں بیٹھتے ہی میں نے چیخنا شروع کر دیا۔"

"تعجب ہے کہ تمہارے پڑوسیوں نے بھی مدد نہ کی۔"

"ہو سکتا ہے انہوں نے چیخیں سنی ہوں لیکن معاملے کی نوعیت نہ سمجھ سکے ہوں۔"

"حالانکہ پڑوسیوں ہی نے صفدر کو اس کی اطلاع دی تھی....!"

"آخر یہ لوگ کون ہیں کیا چاہتے ہیں۔"

"جلد ہی معلوم ہو جائیگا.... میں خود بھی نہیں جانتا کہ یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں"

"اوہ.... دیکھو شاید.... ہوش میں آ رہا ہے....!" جولیا نے کہا۔

"تم باہر چلی جاؤ....!" عمران نے سوچتے ہوئے کہا۔ "نہیں ٹھہرو۔ تم نے اچھا کیا کہ ابھی تک اسی میک اپ میں ہو....!"

جولیا نے اُسے استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

"میں اس الماری کے پیچھے چھپنے جا رہا ہوں تم یہیں رک کر اسکے ہوش میں آنے کا انتظار کرو۔"

جولیا کچھ نہ بولی۔ عمران الماری کے پیچھے چھپ گیا۔

تھوڑی دیر بعد کربی فوسٹر کے حلق سے لایعنی سی آوازیں نکلیں پھر وہ کراہتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ تھوڑی دیر تک اس طرح آنکھیں پھاڑ تا رہا جیسے اندھیرے میں کچھ دیکھ لینے کی کوشش کر رہا ہو.... پھر دونوں ہاتھ آنکھوں پر آئے جنہیں وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں ملنے لگا۔

جولیا خاموش بیٹھی رہی۔ اب وہ اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا جولیا نہ کچھ بولی اور نہ اپنی جگہ سے حرکت کی۔

"تم.... تم.... لیکن میں.... میں کہاں ہوں۔" وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

جولیا کچھ نہ بولی۔ وہ صوفے سے اٹھ گیا اور جولیا کو غصیلی نظروں سے گھورتا ہوا غرایا۔

"بتاؤ نا.... میں کہاں ہوں۔"

"میں کیا بتاؤں؟" جولیا نے بھی جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ "تمہاری شراب میں پتہ نہیں کیا تھا۔ پیتے ہی نیند آگئی.... آنکھ کھلی تو یہاں....!"

وہ چاروں طرف نظر دوڑاتی ہوئی خاموش ہو گئی۔ وہ دروازے کی طرف جھپٹا اور ہینڈل پر زور آزمائی کرنے لگا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

"بتاؤ....!" وہ جولیا کی طرف مڑ کر چیخا۔ "ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گا....!"

"ارے.... نہیں.... نہیں.... ایسا نہ کرنا۔" عمران بوکھلائے ہوئے انداز میں الماری کے پیچھے سے نکلتا ہوا بولا۔

وہ چند لمحے عمران کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "تم کون ہو۔"

"مجھ کو غیر ضروری کہتے ہیں۔" عمران نے بڑے ادب سے کہا۔ "یہ لڑکی میری سرپرست ہے۔"

"یہاں مجھے کون لایا ہے؟"

"یہی خادم....!"

"کیوں؟"

"مادام نشی کا....!" عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کربی

فوسٹر کے جسم میں جھٹکا سا لگا ہو۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ چند لمحے اس کی حالت غیر رہی پھر سنبھالا لے کر بولا۔ "پتہ نہیں تم کیا بک رہے ہو۔"

"مادام نشی کا کا قاتل کون ہے۔" عمران بدستور اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا اچھکارا۔

"مم.... میں کچھ نہیں جانتا۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ رات کا اندھیرا تمہارے گناہوں کو چھپا لیتا ہے۔"

"پپ.... پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"تم اُس کے قتل کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"مم.... میں کچھ نہیں جانتا۔"

پھر دفعتاً کربی فوسٹر کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اُس نے بے تحاشہ عمران پر چھلانگ لگائی۔

عمران نے اُسے ہاتھوں پر روک کر ٹانگ ماری اور وہ اپنے داہنے پہلو کے بل بھد سے گر پڑا۔

پھر وہ تیزی سے جھکا اور اس کا کالر پکڑ کر اٹھاتے ہوئے ٹھوڑی پر ایک گھونسہ رسید کر دیا۔ کربی سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا.... اور دیوار سے ٹکا ہوا ہانپتا رہ گیا۔ ویسے وہ اب بھی عمران کو خونخوار نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔

"آؤ....!" عمران نے اُسے دوبارہ للکارا۔

لیکن وہ اسی طرح دیوار سے ٹکا ہانپتا رہا۔

"تم کون ہو۔" وہ کچھ دیر بعد غرایا۔ "اور میں تمہیں کیوں بتاؤں؟"

"نہ بتاؤ....!" عمران نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "اس کی لاش تو پولیس کو مل گئی تھی۔ لیکن تمہاری ہڈیوں کا بھی سراغ نہ ملے گا۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔ میں کمزور نہیں ہوں؟"

"تو آؤ.... پھر....؟"

لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں۔ عمران تھوڑی دیر تک اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "اچھا یہی بتادو کہ اچانک تم واپس کیوں جا رہے ہو۔"

"تم کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو۔"

"دیکھو....!" عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "وقت نہ ضائع کرو.... ورنہ...."

"میں کچھ نہیں جانتا۔"

"گرا کر ذبح کر دو.... نہیں بتائے گا۔" جولیا بول پڑی۔

کربی نے اُسے گھور کر دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

"اب یہی کرنا پڑے گا۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "تم باہر چلی جاؤ....!"

جولیا اٹھ کر جانے لگی اس کے ساتھ ہی کربی بھی دروازے کی طرف جھپٹا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں عمران نے اس کی گردن دبوچ لی.... وہ کسی زخمی سانپ کی طرح پلٹا یہ اور بات ہے کہ حملہ کرنے کی حسرت دل ہی میں رہ گئی ہو۔ کیونکہ عمران کا ایک ہی گھونسہ اسے کمرے کے دوسرے سرے پر لے گیا تھا۔

جولیا باہر نکل گئی.... خود کار دروازہ دوبارہ مقفل ہو چکا تھا۔ کربی اس بار وحشیانہ انداز میں عمران پر جھپٹا.... دونوں گتھے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گئے۔

"تم نشی کا کے قتل کے بارے میں کیا جانتے ہو۔" عمران نے اس کی ناک کو پوری قوت سے دباتے ہوئے پوچھا اور وہ کسی زخمی بھینسے کی طرح ڈکرانے لگا۔ ناک پر دباؤ بتدریج بڑھتا ہی رہا۔

"بتاتا ہوں.... بتاتا ہوں....!" بالآخر وہ چیخا۔

ناک پر دباؤ کم ہو گیا.... لیکن وہ عمران کی گرفت ہی میں رہا۔

کربی فوسٹر خاموش ہو گیا تھا اور اُس کا سینہ کسی لوہار کی دھونکنی کی طرح پھول پچک رہا تھا۔

پھر عمران اُسے چھوڑ کر ہٹ گیا لیکن وہ اسی طرح چت لیٹا ہوا چھت کو گھورتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ "مجھے شراب دو۔ برانڈی۔"

"مل جائے گی۔" عمران نے کہا اور گھریلو فون کا سوئچ دبا کر ماؤتھ پیس میں کسی کو مخاطب کیا۔ "برانڈی.... ہائی بال.... جولیا لائے گی۔"

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور جولیا گلاس لئے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

کربی اسے بھوکی نظروں سے دیکھتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ گلاس لے کر دو تین گھونٹ لئے اور پھر ایک شیطانی سی مسکراہٹ اسکے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر جولیا کیطرف دیکھے جا رہا تھا۔

دفعتاً اس نے عمران سے کہا۔ "تم باہر چلے جاؤ.... میں اسے بتادوں گا۔"

"اچھا" عمران نے خوش ہو کر کہا۔ "مگر بیٹے یہ میری خالہ ہے اسطرح تمہاری دادی ہوئی۔"

جولیا عمران کو بُرا بھلا کہتی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔

"اب تو ہرگز نہیں بتاؤں گا۔" کربی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"مت بتاؤ۔" عمران نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "جہاز تمہارا انتظار نہیں کرے گا۔"

پھر عمران کے ساتھ ہی اس نے بھی کمرے سے باہر نکلنا چاہا.... لیکن عمران جو پہلے ہی سے

محتاط تھا اُسے دھکا دے کر خود باہر نکل گیا۔ خود کار دروازہ بند ہو چکا تھا۔ عمران نے اُسے باہر سے مقفل کر دیا۔

آپریشن روم میں کئی خبریں اس کی منتظر تھیں.... خود کار آلات نے انہیں سلولائڈ کے فیتے پر محفوظ کر لیا تھا۔

سوئچ آن کرتے ہی ٹیپ ریکارڈر سے بلیک زیرو کی آواز آئی۔ "جواب نہیں ملتا۔ چیف آپ کہاں ہیں.... رانا پیلس پر نامعلوم آدمیوں نے دھاوا بول دیا ہے۔"

پھر صفدر کی آواز سنائی دی۔ "ہم عمارت کی نگرانی کر رہے ہیں.... ابھی ایک کار اندر گئی تھی کچھ دیر بعد پھر واپس گئی.... اس میں ایک لڑکی تھی۔"

عمران نے سوئچ آف کر دیا۔ وہ ابھی تک ڈرائیور ہی کے میک اپ میں تھا۔ جولیا کو یہیں ٹھہرنے کی ہدایت دیتا ہوا وہ باہر آ گیا.... گیراج سے موٹر سائیکل نکالی اور رانا پیلس کی طرف روانہ ہو گیا۔

رانا پیلس پر دھاوے کا یہی مطلب تھا کہ انہیں کربی فوسٹر کے اغوا کا علم ہو چکا ہے۔

✡

چاروں طرف سناٹا تھا۔ ہوا میں اجالے کی مہک محسوس ہو رہی تھی۔ ہو سکتا ہے دوسروں کے لئے اجالے کی مہک مضحکہ خیز رہی ہو.... لیکن عمران ڈھلتی ہوئی رات کی ہوا میں اجالے کی مہک محسوس کرنے لگتا تھا۔

رانا پیلس سکوت اور ملگجے اندھیرے میں لپٹا کھڑا تھا۔ پھاٹک پر موٹر سائیکل روک کر عمران نے پے در پے کئی بار ہارن بجایا لیکن پھاٹک نہ کھلا۔

موٹر سائیکل کھڑی کر کے وہ پھاٹک کی طرف بڑھا اور قریب پہنچ کر چند منٹ دم سادھے کھڑا رہا پھر پھاٹک کو دھکا دیا جو بہ آسانی کھلتا چلا گیا۔

کمپاؤنڈ میں سناٹا تھا.... لیکن عمارت کی کھڑکیوں کے شیشے روشن نظر آ رہے تھے.... وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔

آخر چوکیدار کہاں غائب ہو گئے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ کیا یہ دھاوا ایسا ہی تھا کہ انہوں نے [illegible] خون سے بھی دریغ نہ کیا۔ کیسا عجیب سناٹا ہے؟ اور پھر اس کی چھٹی حس بیدار ہو گئی۔ کوئی خاص

میں چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ آگے مت بڑھو۔ آگے مت بڑھو۔

وہ رک گیا.... دفعتاً کسی نے اُسے پیچھے سے دھکا دیا اور وہ سنبھلنے کی کوشش کے باوجود بھی منہ کے بل نیچے چلا آیا.... پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی چیز جسم سے لپٹ گئی ہو.... پھر وہ اسی چیز میں لپٹا ہوا گھسٹنے لگا۔ شاید یہ جال تھا۔ گھسٹتا رہا.... حتیٰ کہ برآمدے کے زینوں پر بھی اسی طرح گھسٹنا پڑا اور اگر اندازے کی ذرا سی بھی غلطی ہوئی ہوتی تو کسی زینے سے ٹکرا کر اُس کا سر پاش پاش ہو گیا ہوتا....

پھر ڈرائینگ روم کی روشنی ہی میں وہ دیکھ سکا کہ اس جال کو کئی آدمی گھسیٹتے ہوئے اندر لائے تھے۔

"اسے اٹھاؤ۔" ایک جانی پہچانی سی آواز کانوں میں گونجی جسے وہ اس دوران میں ایک آدھ بار پہلے بھی سن چکا تھا۔

انہوں نے اُسے نکال کر سیدھا کھڑا کر دیا اور عمران اس طرح پلکیں جھپکانے لگا جیسے سوتے سے جاگا ہو۔ اور پھر اس کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ سامنے ایک جانی پہچانی سی صورت نظر آئی۔ یہ ایک دبلا پتلا لمبا سا چینی تھا۔

عمران نے بوکھلا کر اپنی آنکھیں ملیں اور اس طرح اسے گھورنے لگا جیسے بصارت پر یقین نہ ہو۔

"کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم بھوت ہو۔"

چینی شرارت آمیز انداز میں مسکرایا لیکن کچھ بولا نہیں۔

"بولو.... تم بولتے کیوں نہیں....!" عمران نے پھر کہا۔

"تم غلط نہیں سمجھے بھتیجے۔" چینی نے مسکرا کر کہا۔ "سنگ ہی آسانی سے مر جانے کیلئے پیدا نہیں ہوا۔"

"بڑی خوشی ہوئی....!" عمران مصافحہ کرنے کے لئے جھپٹا۔

"خبر دار جہاں ہو وہیں ٹھہرو....!" سنگ کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا۔ اس کے ہاتھ میں اعشاریہ چار پانچ کا ریوالور تھا۔

"کیوں چچا....!" عمران نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ "اب اتنے دنوں بعد ملے ہو تو کیا بغل گیر بھی نہ ہونے دو گے۔"

"ہو سکتا ہے تم اصلاً حرامی نہ ہو لیکن معنوی اعتبار سے میں تمہیں خود سے کم حرامی نہیں سمجھتا۔"

"میں تمہیں دیکھ کر خوش بھی ہوں اور متحیر بھی۔" عمران نے کہا۔

"ہاں عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ میں تاریک وادی [1] میں شعلوں میں بھسم ہو گیا تھا۔

---

[1] تاریک وادی کی داستان جاسوسی دنیا کے شماروں "خونی بگولے" اور "زمین کے بادل" میں ملاحظہ فرمائیں۔

لیکن کسے معلوم کہ اُس آگ اگلتے ہوئے غار میں چھلانگ لگاتے وقت میری جسم پر فائر پروف لباس تھا اور چہرے پر گیس ماسک۔"

"اوہو! سمجھا تو اب تم زیرو لینڈ کے لئے کام کر رہے ہو۔"

"میں صرف اپنے لئے کام کرنے کا قائل ہوں۔" وہ بائیں آنکھ دبا کر بولا۔

"ظاہر ہے کہ تم انہیں لوگوں کے ہتھے چڑھے ہو گے۔"

"پھر اس سے کیا۔ ایک بہت بڑا دھوکا ہی میری تخلیق کا باعث بنا تھا۔ دھوکا میری سرشت میں ہے۔ میں کسی کو بھی نہایت آسانی سے دھوکا دے سکتا ہوں۔"

"زیرو لینڈ کہاں ہے۔"

جواب میں سنگ ہی نے جو کچھ بھی کہا اُس سے اُس کی ماں کی روح ضرور شرمندہ ہوئی ہو گی اور عمران ہنس کر بولا تھا۔ "ناممکن۔"

"بکواس بند کرو۔ کربی فوسٹر کہاں ہے۔"

"وہ بھی وہیں ہو گا جہاں زیرو لینڈ ہے۔" عمران نے مسکرا کر کہا۔

"میں تمہاری بوٹیاں اڑادوں گا سمجھے۔"

"بہت دنوں سے مجھے جانتے ہو؟" عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ سنگ ہی اُسے گھورتا رہا.... پھر اپنے آدمیوں سے بولا۔ "تم لوگ باہر جاؤ۔"

لیکن وہ جس نے ریوالور سنبھال رکھا تھا وہیں جما رہا۔

"تم بھی جاؤ....!" سنگ ہی نے اس سے کہا۔

اس کے جانے کے بعد اس نے عمران سے کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

"بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ چچا کھڑا رہے اور بھتیجا بیٹھ جائے۔"

سنگ ہی چچا اور بھتیجے دونوں کو گالیاں دیتا ہوا بیٹھ گیا۔

عمران استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"تم ابھی تک اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے۔" سنگ ہی نے کہا۔ "ہر معاملے میں ٹانگ اڑانے سے تمہیں کیا فائدہ؟"

"میری ایک دوست بھی نتھی ہو گئی ہے، اس معاملے میں....!"

"وہ سوئیس لڑکی....؟"

"ہاں....!"

"کیا وہ اس پر قتل کا الزام عائد کر رہے ہیں۔"

"میں نہیں جانتا۔ لیکن پولیس اُسے بھی پریشان کر رہی ہے۔"

"میں کیا کر سکتا تھا۔ جب کہ وہ خود ہی اس کھیل میں آکودی تھی۔"

"کس کھیل میں....!"

"میں کاؤیوچن کی گاڑی میں لاش رکھنا چاہتا تھا۔"

"کیوں رکھنا چاہتے تھے؟"

"تمہیں اس سے کیا سروکار.... میں پوچھ رہا تھا کربی فوسٹر کہاں ہے؟"

"کیا میں کسی کربی فوسٹر کو جانتا ہوں۔"

"عمران میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

"مجھے سوچنے دو....!" عمران خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچنے کی ایکٹنگ کرتا رہا پھر بولا۔

"ارے یہاں کے لوگوں کا کیا بنا۔"

"سب خیریت سے ہیں۔ صرف وہ نیگرو بہت مشکل سے قابو میں آیا تھا۔"

"وہ کہاں ہیں۔"

"تہہ خانے میں....!"

"اوہ تو اُس بوڑھے نے تمہیں سب کچھ بتا دیا۔"

"حتیٰ کہ یہ بھی کہ وہ تمہیں کربی فوسٹر کے متعلق بھی بتا چکا ہے۔"

"ہوں....؟" عمران نے طویل سانس لی اور اُس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا....

"میں ابھی تک کھلاتا رہا ہوں، لیکن اب تشدد پر اتر آؤں گا سمجھے۔" سنگ ہی نے غصیلی آواز میں کہا۔

عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکراتا رہا۔

"بتاؤ کربی کہاں ہے۔" اُس نے پھر سخت لہجے میں پوچھا۔

"ہو سکتا ہے؟"

"کیا ہو سکتا ہے۔"

"یہی کہ میں کربی کا پتہ بتا دوں....؟"

"جلدی کرو وقت کم ہے۔" سنگ ہی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"لیکن اس سے پہلے ناممکن ہے، جب تک کہ میں اپنی دوست کی پوزیشن صاف نہ کر دوں۔"

"کاڈیوچن کے علاوہ اور کوئی اس کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔"

"اس کے باوجود بھی کہ کربی میری گرفت میں آ گیا ہے۔" عمران اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"کیا وہ تمہیں کچھ بتا چکا ہے۔"

"میں اس سلسلے میں کسی قسم کی گفتگو پسند نہیں کرتا۔" دفعتاً عمران کا لہجہ بھی ناخوشگوار ہو گیا۔

"اچھی بات ہے اب مجھے وہی کرنا پڑے گا جس سے ابھی تک احتراز کر تا رہا ہوں۔"

"اچھا تو کیا تم یہاں سے بچ کر نکل سکو گے۔"

"تمہیں بھی ساتھ لے جاؤں گا بھتیجے۔" سنگ ہی نے زہریلے لہجے میں کہا۔

اتنے میں باہر سے دھینگا مشتی کی آواز آئی اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ لوگ بلیک زیرو کو بھی کشاں کشاں اندر لائے۔ شائد وہ دریافت حال کے لئے اندر آیا تھا۔

"ابھی اور کتنے ہیں....؟" سنگ ہی نے مضحکانہ انداز میں پوچھا۔

عمران بلیک زیرو کو گھورتا رہا۔

"کیوں تم کون ہو۔" اُس نے اُس سے پوچھا۔ "اتنی رات گئے یہاں کیوں آئے تھے؟"

"جی مجھے زمرد خان چوکیدار کو اطلاع دینی تھی کہ اُس کی بیوی کی حالت بہت خراب ہے۔"

بلیک زیرو نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "میں چور نہیں ہوں.... زمرد خان کو بلوائیے.... وہ مجھے پہچان لے گا۔ میں اس کا پڑوسی ہوں۔"

"اچھا ہم اُسے اطلاع دے دیں گے۔" عمران نے سر ہلا کر کہا۔ "وہ ایک ضروری کام سے باہر گیا ہے۔"

"بہت بہتر جناب۔" بلیک زیرو نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔

سنگ ہی اپنے آدمیوں سے بولا۔ "جانے دو....!"

بلیک زیرو چلا گیا۔ عمران اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ باہر نکل کر کیا کرے گا۔

"اب اسے باندھ لے چلو۔" سنگ ہی نے عمران کی طرف اشارہ کر کے اپنے آدمیوں سے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔" عمران بولا۔ "لیکن اس سے پہلے میں اپنے نیگرو ملازم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"اُسے لے آؤ۔" سنگ ہی نے اپنے آدمیوں میں ایک کو مخاطب کیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد جوزف اُسی طرح دھکیلا جاتا ہوا اندر لایا گیا جیسے وہ کوئی زخمی بھیڑیا ہو اور

اگر دھکیلنے والے ذرا بھی چوکے تو پلٹ کر پھاڑ کھائے گا۔ انہوں نے اس کے ہاتھ پشت پر باندھ رکھے تھے۔

عمران نے اُس سے بے تکی باتیں شروع کر دیں اور وہ آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا۔

دفعتاً سنگ ہی بولا۔ "کیا تمہیں توقع ہے کہ کوئی تمہاری مدد کے لئے یہاں پہنچ سکے گا۔"

"نہیں انکل سنگ....!" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ "میں اسے یاد کرانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ہر آدمی اپنا جوڑا لے کر پیدا نہیں ہوتا۔"

دفعتاً باہر سے فائر کی آوازیں آئیں اور کسی نے مائیکروفون پر چیخ کر کہا۔ "عمارت گھیرے میں لی جا چکی ہے۔ اگر کسی نے بھی کوئی غلط قدم اٹھایا تو جسم چھلنی ہو کر رہ جائے گا۔"

سنگ ہی عمران کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔ "اچھا تو وہ تمہارا ہی کوئی آدمی تھا۔ میں تمہاری صلاحیتوں کا قائل ہوں بھتیجے.... لیکن....!"

"لیکن کیا....!"

"کچھ نہیں۔" سنگ ہی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی پھر بولا۔ "ٹھیک ہے انہوں نے عمارت گھیر لی ہے۔ لیکن اُس وقت تک عمارت میں داخل نہ ہو سکیں گے جب تک کہ میں نہ چاہوں۔"

اس نے اپنے آدمی کے ہاتھ سے ریوالور لیتے ہوئے داخلے کے دروازے کی طرف دیکھا پھر عمران سے بولا۔ "تم بھی اُسی طرح ختم کئے جا سکتے تھے جیسے فوہی اور نشی کا کا باڈی گارڈ موت کی آغوش میں جا سوئے تھے۔"

"مجھے اعتراف ہے کہ وہ بیچارے کیوں مارے گئے۔"

"ان کے ذریعہ تم کربی نوسٹر تک جا پہنچے۔" سنگ ہی متفکرانہ لہجے میں بولا۔ "ریٹا کی حماقت سے کھیل بگڑ گیا۔ اُسے صرف تمہاری اُس کمین گاہ کا پتہ لگانا چاہئے تھا جہاں تم نے پناہ لی تھی.... تمہارے ساتھ وہاں جانا نہیں چاہئے تھا.... میں پھر کہتا ہوں کہ کربی نوسٹر کو میرے حوالے کر دو ورنہ پچھتاؤ گے۔"

باہر سے کسی نے مائیکروفون پر کہا۔ "اپنے ریوالور زمین پر ڈال دو۔"

"کون ہے یہ!" سنگ ہی نے پیشانی پر بل ڈال کر کہا۔ "کیا اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم کربی فوسٹر سے کچھ معلوم نہ کر سکو گے۔ میرا دعویٰ ہے۔"

"کیا نہ معلوم کر سکوں گا....؟"

"بکو مت....!" سنگ ہی نے بزرگانہ انداز میں جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے عمارت کے گھیرے جانے کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہو۔

دفعتاً پوری عمارت کی روشنی غائب ہو گئی اور باہر سے مائیکروفون چیخنے لگا۔ "خبردار... خبردار...!"

عمران جہاں تھا دم سادھے بیٹھا رہ گیا.... کمرہ تاریکی اور سکوت میں ڈوبا ہوا تھا۔ عمران اچھی طرح جانتا تھا کہ سنگ اور اُس کے ساتھی نکل گئے ہوں گے۔ دفعتاً روشنی غائب ہو جانے کا مطلب یہی تھا کہ پہلے ہی سے اُس کا کوئی آدمی مین سوئچ کے قریب موجود رہا ہو گا۔ کئی منٹ گذر گئے۔ مائیکروفون سے باہر سے دھمکیاں سنائی دیتی رہیں لیکن کمرے میں زندگی کے آثار مفقود تھے۔

عمران نے جوزف کو آواز دی.... بھرائی ہوئی آواز میں جواب بھی مل گیا۔ لیکن کوئی تیسری آواز نہ سنائی دی۔ مائیکروفون سے اب بھی دھمکیاں نشر ہو رہی تھیں.... عمران سمجھ گیا کہ بلیک زیرو تنہا ہے؟ اور اپنی ریڈیو کار کا مائیک استعمال کر رہا ہے۔

عمران اٹھا اور ٹٹولتا ہوا داخلے کے دروازے تک آیا... وہ سوچ رہا تھا کہ کچھ بھی ہو بلیک زیرو نے عقل مندی سے کام لیا ہے....؟ سنگ اور اُس کے ساتھی کسی بڑے خطرے کے مغالطے میں پڑ کر بھاگ نکلے تھے۔

برآمدے میں پہنچ کر وہ پھر رک گیا۔ باہر کافی اجالا تھا۔ لیکن اتنا زیادہ بھی نہیں کہ مہندی کی باڑھوں کی اوٹ میں چھپ چھپا کر چلنے والے واضح طور پر نظر آ سکتے۔

"ایک بار مائیکروفون خاموش ہوا ہی تھا کہ عمران نے چیخ کر کہا۔ "اب ختم بھی کرو یہ حماقت۔"

"کیوں کیا ہوا....؟" مائیکروفون سے آواز آئی۔

"یہاں آؤ....!" عمران نے بلند آواز میں کہا۔

بلیک زیرو کی ریڈیو کار فراٹے بھرتی ہوئی پورچ میں آرکی۔

"وہ نکل گئے۔" عمران نے کہا۔ "جا کر مین سوئچ آن کرو۔ ان کا کوئی آدمی پہلے سے وہاں موجود تھا۔"

بلیک زیرو گاڑی سے اتر کر عمارت میں داخل ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد کھڑکیوں میں روشنی نظر آنے لگی۔

عمران اندر گیا۔ جوزف فرش پر اوندھا پڑا دانت پیس رہا تھا۔ بلیک زیرو نے اس کے ہاتھ کھولے اور وہ غراتا ہوا اٹھ بیٹھا "باس انہوں نے بے خبری میں پیچھے سے حملہ کیا تھا۔"

"کوئی بات نہیں۔" عمران نے کہا۔ "اب جا کر سو جاؤ۔"

"وہ کون تھے باس مجھے بتاؤ۔"

"میں کہہ رہا ہوں سو جاؤ جا کر۔"

جوزف چپ چاپ چلا گیا.... عمران خاموش کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور اس نے ریسیور اٹھا لیا.... اُس کی "ہیلو" پر دوسری طرف سے آواز آئی۔ "مظلوم چچا...."

"تمہارے وہ آدمی جو کربی فوسٹر کے بنگلے کی نگرانی کر رہے تھے چار دیواری کے ساتھ بے ہوش پڑے پائے جا سکیں گے۔"

عمران نے کچھ کہنا چاہا لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

"کربی فوسٹر کے بنگلے کی چار دیواری کے قریب وہ گدھے بیہوش پڑے ہیں۔" عمران نے بلیک زیرو سے کہا۔ "انہیں دیکھو۔"

"اوہ.... تبھی تو.... جواب نہیں ملا تھا۔" بلیک زیرو نے سر ہلا کر کہا۔ "میں نے اُن میں سے کسی کو متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی... اگر ایک بھی مل گیا ہوتا تو اس وقت حالات دوسرے ہوتے۔"

"بجا ارشاد فرمایا....!" عمران کے لہجے میں طنز تھا۔

بلیک زیرو کے چلے جانے کے بعد بھی وہ خیالات میں ڈوبا رہا.... سنگ ہی؟ اُس نے طویل سانس لی.... میک اپ میں ہونے کے باوجود بھی عمران اُس کی عقابی نظروں سے نہیں چھپ سکا۔

پھر اب کیا ہو گا۔ کوئی نہیں جانتا کہ سنگ ہی نہ صرف زندہ ہے بلکہ یہاں موجود بھی ہے۔

اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ ٹھیک ہے یہاں اس کی موجودگی راز ہی رہنی چاہئے.... ورنہ خواہ مخواہ ہراس پھیلے گا اور وہ تو تھا ہی اس قسم کا آدمی..... ہراس پھیلا کر اطمینان سے شکار کھیلنا اُس کا محبوب مشغلہ تھا۔ لیکن اب وہ کہاں مل سکے گا۔

اب اس عمارت سے نکلے ہوئے ہر آدمی کی نگرانی کی جائے گی۔ ہو سکتا ہے اس وقت بھی بلیک زیرو کا تعاقب کیا گیا ہو۔ اس کے سارے آدمی سنگ ہی کی نظروں میں آ چکے ہیں پھر دانش منزل تک پہنچنے کی کیا صورت ہو گی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ دانش منزل بھی ان کی نظروں میں آجائے.... وہ تیزی سے اس کمرے کی طرف بڑھا جہاں ٹرانسمیٹر تھا۔

ٹرانسمیٹر پر بلیک زیرو کو متوجہ کیا جس کار میں بلیک زیرو یہاں سے گیا تھا ٹرانسمیٹر بھی رکھتی تھی۔

"دیکھو....!" اس نے اُسے کوڈ ورڈ میں مخاطب کیا۔ "انہیں دانش منزل کی طرف نہ جانے دینا اور تم بھی مت جانا۔ ان سے کہنا کہ وہ اپنی قیام گاہوں پر جائیں اور تم سیدھے یہیں چلے

آنا۔ اوور اینڈ آل....!"

تہہ خانے میں دوسرے ملازمین بھی جکڑے پڑے تھے۔ جنہیں ایک ایک کر کے جوزف رہا کر رہا تھا۔ اُن کے بیانات کے مطابق وہ سبھی بے خبری میں مارے گئے تھے۔

عمران انہیں تسلیاں دیتا ہوا پھر ڈرائینگ روم میں آ بیٹھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہیئے۔ کربی فوسٹر تک کس طرح پہنچے۔ یقیناً وہ کوئی ایسی بات جانتا تھا جو نشی کا کے قتل پر پوری طرح روشنی ڈال سکتی۔

اُس نے فون پر دانش منزل کے نمبر ڈائیل کیئے۔ دوسری طرف سے جولیا کی آواز آئی اور عمران نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "تم دانش منزل ہی میں ٹھہرنا۔ کھیل بگڑ گیا ہے۔ میں فی الحال دانش منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیا تم کربی فوسٹر سے نشی کا کے قتل کے متعلق کچھ نہیں معلوم کر سکو گی۔"

"وہ درندہ ہے۔ میں ساؤنڈ پروف کمرے میں تنہا ہرگز نہیں جاؤں گی۔"

"مناسب یہی ہے کہ اب تم کسی شریف آدمی کا گھر بساؤ۔" عمران نے ناخوش گوار لہجے میں کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد مشرقی افق میں چمکیلی سرخیاں لہرانے لگیں.... اور اجالا پھیل گیا.... عمران مضطربانہ انداز میں ٹہل رہا تھا۔

کچھ دیر بعد بلیک زیرو کمرے میں داخل ہوا اور اس نے اطلاع دی کہ بے ہوش ماتحت اپنے گھروں کو جا چکے ہیں۔

"ان کے سروں پر زخم ہیں۔" بلیک زیرو نے کہا۔ "بے خبری میں حملہ کر کے بیہوش کیئے گئے تھے۔ وہ مختلف جگہوں سے عمارت کی نگرانی کر رہے تھے اس لئے ایک دوسرے کے حشر سے واقف نہ ہو سکے۔"

"لیکن اب میں جو حشر کروں گا ان کا اس سے وہ بخوبی واقف ہو جائیں گے۔" عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔ بلیک زیرو کچھ نہ بولا۔

عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "گیراج سے چھوٹی سیاہ وین نکالو اور اُسے پورچ میں روک کر یہاں واپس آؤ۔"

اُسکے جانے کے بعد عمران نے جوزف کو بلا کر ایک بڑا تھیلا لانے کو کہا۔ وہ تھیلا تو لایا لیکن اُس کے سلسلے میں دوسرا حکم ماننے سے قطعی طور پر انکار کر دیا۔ عمران اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ اسے تھیلے میں ٹھونس کر اُس کا منہ رسی سے باندھ دے اور تھیلے کو وین میں رکھنے کے بعد اس کا منہ کھول دے۔

بمشکل تمام تیار ہوا.... چونکہ نشے میں نہیں تھا اسلیئے بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

وین کا پچھلا دروازہ بند کر کے وہ بڑبڑاتا ہوا عمارت میں واپس چلا گیا۔

عمران نے لیٹے ہی لیٹے بلیک زیرو سے کہا۔ "کسی طرف بھی چل پڑو.... اور اس حصے کا شیڈ بھی گرا دو....!"

بلیک زیرو نے شیڈ گرا دیا اور گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی کمپاؤنڈ سے باہر نکل گئی عمران تھیلے سے باہر نکل چکا تھا پچھلے دروازے کے قفل کے سوراخ سے داہنی آنکھ جا لگی۔ اجالا پھیل گیا تھا لیکن ابھی کرنیں نہیں پھوٹی تھیں۔ سڑکوں پر ٹریفک کی زیادتی بھی نہیں تھی۔

غالباً بلیک زیرو اس بھاگ دوڑ کا مقصد سمجھ گیا تھا اس لئے گاڑی زیادہ تر ایسی ہی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی جن پر ٹریفک کی زیادتی نہیں رہتی۔ کئی بار تو اس نے بالکل سنسان گلیوں میں گاڑی موڑی تھی اور عمران کا اندازہ قطعی درست نکلا تھا۔ ایک موٹر سائیکل برابر اُن کا تعاقب کرتی رہی تھی۔

عمران نے مڑ کر ڈرائیور کی سیٹ کی طرف والا شیڈ تھوڑا سا اٹھایا اور بلیک زیرو سے بولا

"اب گاڑی ویرانے کی طرف نکال لے چلو....!"

موٹر سائیکل برابر تعاقب کرتی رہی۔ عمران کو یقین ہو گیا تھا کہ اس موٹر سائیکل کے علاوہ اور کوئی دوسری گاڑی ان کا تعاقب نہیں کر رہی ہے۔ وین شہری آبادی سے بہت دور نکل آئی تھی اور اب دھوپ بھی پھیلنے لگی تھی۔ دفعتاً عمران نے مڑ کر بلیک زیرو سے کہا۔ "اب گاڑی روک کر نیچے اترو اور اس طرح بونٹ اٹھا کر جھک پڑو جیسے انجن میں کوئی خرابی واقع ہو گئی ہو۔"

بلیک زیرو نے بغیر حیل وحجت تعمیل کی۔

دوسرے ہی لمحے میں موٹر سائیکل بھی ٹھیک اُسی کے پاس آ کر رک گئی۔

"کیا میں کوئی مدد کر سکتا ہوں۔" موٹر سائیکل سوار نے بلیک زیرو سے کہا۔ یہ ایک وجیہہ نوجوان تھا.... صورت اچھی تھی اور اس نے شکاریوں کا سا لباس پہن رکھا تھا۔ کاندھے سے ایک دونالی بندوق بھی لٹک رہی تھی۔

"آپ کیا کر سکیں گے....؟" بلیک زیرو نے مایوسانہ لہجے میں پوچھا۔

"شائد کچھ کر سکوں.... ریڈیو مکینک ہوں۔"

"اوہ.... شکریہ....!" بلیک زیرو خوش ہو کر بولا۔

اتنی دیر میں عمران پچھلا دروازہ کھول کر وین سے نیچے اتر چکا تھا۔

پھر موٹر سائیکل سوار کی کن پٹی پر ایک ایسا ہی جچا تلا ہاتھ پڑا کہ وہ کسی قسم کی آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔ بلیک زیرو نے اُسے دوبارہ اٹھتے نہیں دیکھا۔

وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

پھر اُن دونوں نے اُسے اٹھا کر وین کے پچھلے حصے میں ڈال دیا۔ عمران نے بلیک زیرو سے کہا کہ وہ اُسے رانا پیلس لے جائے اور خود اس کی موٹر سائیکل سنبھال لی۔ پٹرول کی پوزیشن معلوم کر لینے کے بعد وہ دانش منزل کی طرف چل پڑا۔ ایسے راستے اختیار کئے کہ کسی سے مڈ بھیڑ ہو جانے کے امکانات نہ رہیں۔ ویسے وہ اب بھی موٹر ڈرائیور ہی کے میک اپ میں تھا۔

دانش منزل پہنچ کر معلوم ہوا کہ جولیا بے خبر سو رہی ہے.... وہ ساؤنڈ پروف کمرے میں آیا کربی فوسٹر بھی بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ عمران کو دیکھ کر کسی خونخوار درندے کی طرح اسکی طرف جھپٹا۔ عمران نے دونوں ہاتھ جوڑ کر مکے بنائے اور اُسکے سینے پر رسید کر دیئے وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا۔

"ہوش میں آؤ دوست....!" اُس نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "اگر تم نے اب بھی زبان نہ کھولی تو ہم تمہیں اس طرح پالنے سے رہے.... تمہیں چھوڑ بھی نہ سکیں گے۔ تم سے پیچھا چھڑانے کا بس یہی طریقہ ہو گا کہ ختم کر کے یہیں دفن کر دیں۔"

کربی فوسٹر خاموشی سے ہانپتا اور اُسے گھورتا رہا۔

"جلدی کرو.... وقت کم ہے؟"

"تم کیا جاننا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ تم نشی کا کے قتل کے بارے میں کیا جانتے ہو۔"

"تم کون ہو اور کیوں جاننا چاہتے ہو۔"

"اپنی حکومت کا نمائندہ جو حکومت کی نیک نامی برقرار رکھنے کے لئے کام کرتا ہے...."

"نشی کا کو خود اُس کے شوہر آنریبل سفیر نے میری موجودگی میں قتل کیا تھا۔"

"تمہاری موجودگی میں۔"

"ہاں....!" وہ آنکھیں بند کر کے مسکرایا۔ "دنیا کی ہر حسین عورت پر میرا حق ہے.... دوسرے مجھ سے میرا یہ حق چھین لینا چاہتے ہیں.... ہم دونوں اس وقت تنہا تھے۔ وہ کسی بھوکے ہوئے خبیث کی طرح کمرے میں گھس آیا تھا.... اس کے ساتھ کچھ آدمی اور بھی تھے.... اس

نے بڑی بے دردی سے اپنی بیوی نشی کا کو ذبح کر دیا تھا.... میں سمجھا تھا شائد میرا بھی یہی حشر ہو گا۔ شائد مجھے اس لئے قتل نہیں کیا گیا تھا کہ کچھ لوگ جانتے تھے کہ میں اس وقت کہاں ہوں۔ خود میرا سفیر جانتا تھا۔ کیونکہ میرے ہی توسط سے وہ اس تک بھی پہنچنے والی تھی۔ آہ! کیا عورت تھی۔ کتنی رحم دل.... اُس نے کبھی کسی خارش زدہ کتے کا بھی دل نہیں توڑا۔ ہاں تو پھر میں اُسی کے آدمیوں کی نگرانی میں گھر پہنچا دیا گیا۔ مجھے دھمکی دی گئی کہ اگر میں نے گھر سے باہر قدم نکالا تو میں قتل کر دیا جاؤں گا۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد مجھے اپنے سفیر کا پیغام بھی ملا کہ میں خود کو اپنی کوٹھی تک محدود کر لوں.... دوسرے دن باقاعدہ طور پر مجھے اپنے سفارت خانے سے اطلاع مل گئی کہ مجھے یہاں سے واپس جانا ہے.... اُف فوہ.... کیا عورت تھی۔ میں ساری زندگی اس کے لئے مغموم رہوں گا۔ سپردگی میں کتنی ماماتا ہوتی تھی۔"

"ایسے کچھ اور لوگوں کے نام بھی بتا سکو گے جو اس سے قریب تھے؟" عمران بولا۔

"ہاں کئی آدمیوں کو جانتا ہوں.... میرا خیال ہے کہ ان میں سے ایک آدمی پولیس کی حراست میں بھی ہے جس کی کار میں اُس کی لاش پائی گئی تھی۔"

"کاؤیو چن....؟" عمران نے پوچھا۔

"ہاں۔ وہ بے ہنگم چینی.... تم خود سوچو کیا وہ اس قابل ہے کہ نشی کا جیسی کلچرڈ عورت اُسے لفٹ دیتی.... لیکن اس نے اسے بھی مایوس نہیں کیا تھا.... اوہ.... اوہ.... عجیب عورت تھی۔ حد ہو گئی کہ اُس کے چاہنے والوں نے کبھی ایک دوسرے کی رقابت محسوس نہیں کی۔ لاش کاؤیو چن کی گاڑی میں ڈلوا دی گئی تاکہ وہ.... وہ.... قتل کا مجرم گردانا جائے۔"

عمران نے اُس سے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کا بیان وزارت خارجہ کے سکریٹری اور برازیل کے سفارت خانے کے کسی ذمہ دار آفیسر کے سامنے ریکارڈ کیا جانا چاہئے۔

کربی فوسٹر کو شراب میں پھر بیہوشی کی دوا دی گئی۔ عمران جانتا تھا کہ ہوش و حواس میں وہ دشواریاں پیدا کرے گا۔

بے ہوشی ہی کی حالت میں وہ اُسے سر سلطان کے دفتر تک لے گیا۔ فون پر پہلے ہی انہیں اطلاع دے چکا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ برازیل کے سفارت خانے سے جسے مناسب سمجھیں بلوالیں وہاں سفارت خانے کے دو ذمہ دار آفیسر نظر آئے۔ کربی فوسٹر نے ہوش میں آنے کے بعد ہنگامہ برپا کرنا چاہا لیکن اُس کے سفارت خانے کے آفیسر جو بے حد سنجیدہ نظر آ رہے تھے مانع ہوئے اور اُسے اپنا بیان باقاعدہ طور پر ریکارڈ کرانا پڑا۔ اس کے بعد عمران نے اس

سے ان لوگوں کے متعلق پوچھا جو قتل کے سلسلے میں نشی کا کے شوہر کے معاون بنے تھے اور اس نتیجے پر پہنچا کہ سنگ ہی جائے واردات پر موجود تھا۔ لیکن اس نے گفتگو میں ایک بار بھی سنگ ہی کا نام نہیں لیا۔ وہ یہاں اس کی موجودگی کا علم فی الحال اپنی ہی ذات تک محدود رکھنا چاہتا تھا۔

ضروری کارروائی کے بعد کربی فوسٹر کو اپنے آدمیوں کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی گئی۔ اب عمران اور سر سلطان کمرے میں تنہا تھے۔

"تم نے بڑا کام کیا؟" انہوں نے طویل سانس لے کر کہا۔ "مگر بڑی دشواریاں ہیں۔ یہ واقعہ منظر عام پر نہیں لایا جاسکے گا۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" عمران سر ہلا کر بولا۔

"لہٰذا اب اسے بھول جاؤ۔"

"اُس کی رہائی کی بھی تدبیر ہو جائے گی اور بظاہر ہماری حکومت اصل قاتل کا پتہ لگانے میں ناکام ہو جائے گی۔"

ٹھیک اُسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ سر سلطان نے ریسیور اٹھایا اور پیشانی پر شکنیں ڈالے سنتے رہے۔ کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا جیسے خود بھی کچھ کہنا چاہتے ہوں لیکن پھر جلدی سے سر ہلاتے ہوئے "ہاں ہاں" کرنے لگتے۔ آخرکار وہ ریسیور رکھ کر عمران کی طرف مڑے۔

"تم نے دیکھا۔ یہ نشی کا کا قاتل بول رہا تھا۔ اسے معلوم ہو چکا ہے کہ کربی فوسٹر یہاں تھا.... وہ کہہ رہا تھا کہ اس معاملے کی پبلسٹی نہ کی جائے۔ بہت ہی رازدارانہ طور پر اس کی حکومت کو اطلاع دی جائے ورنہ اگر اُس کے ملک میں اصل قاتل کی پبلسٹی ہوگئی تو ہو سکتا ہے کہ حکومت ہی بدل جائے.... کیا سمجھے اس کی حکومت بھی اصل قاتل کا نام ظاہر نہ ہونے دے گی.... نشی کا اپنے ملک میں بہت مشہور تھی۔ بے حد مقبول۔ تم اس کی مقبولیت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"مجھے ضرورت بھی کیا ہے تصور کرنے کی۔" عمران نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ حکومتوں سے سرزد ہونے والے جرائم جرائم نہیں حکمت عملی کہلاتے ہیں۔ جرم تو صرف وہ ہے جو انفرادی حیثیت سے کیا جائے؟" پھر وہ اٹھ گیا۔

سر سلطان نے کہا۔ "بیٹھو.... بیٹھو....!"

"نہیں شکریہ! موڈ خراب ہو گیا ہے۔"

وہ باہر آیا.... لیکن سوچ رہا تھا کہ اب راتوں کی نیند حرام ہو جائے گی۔ یہ قصہ تو کسی نہ کسی طرح ختم ہوا لیکن سنگ ہی۔

اس سے نپٹنا آسان کام نہ ہوگا.... اور پھر اب یہ ٹکراؤ نجی حیثیت کا ہوگا۔ وہ اپنے ماتحتوں سے بھی مدد لے سکے گا یا نہیں۔ اُس نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور سوچنے لگا کہ سر سلطان کے دم نکل آئے تو کیسی رہے۔

وہ رانا پیلس آیا۔ یہاں بلیک زیرو اُس موٹر سائیکل سوار سمیت موجود تھا عمران نے موٹر سائیکل اسکے حوالے کی اور اسکی غضب ناکی کو نظرانداز کر کے بائیں آنکھ دباتا ہوا بولا۔ "شوق سے پولیس اسٹیشن پر رپورٹ درج کرادو۔ میرا نام علی عمران ایم۔ایس۔سی۔ڈی۔ایس۔سی آکسن ہے۔"

وہ اسے دھمکیاں دیتا ہوا چلا گیا.... پھر کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی عمران نے ریسیور اٹھایا اور دوسری طرف سے آواز آئی۔ "اب بہت محتاط ہو کر گھر سے قدم باہر نکالنا....؟"

اُس کی آواز بے حد خوفناک تھی۔ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد ہی عمران نے ریسیور رکھا اور سامنے والی دیوار کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

تیسرے دن.... اخبارات میں ایک خبر تھی جسکے مطابق کاؤ یوچن بے گناہ ثابت ہوا تھا۔ کسی نے اُسے پھنسانے کی کوشش کی تھی۔ ملک کے بہترین سراغ رساں بڑی سرگرمی سے قاتل کی تلاش میں تھے۔ سرکاری طور پر توقع ظاہر کی گئی تھی کہ عنقریب وہ کامیاب ہو جائیں گے۔

عمران نے خبر پڑھ کر مسکراتے ہوئے جولیا کو آنکھ ماری تھی اور جولیا پیپر ویٹ اٹھا کر اُس پر چڑھ دوڑی تھی۔

اور پھر کچھ دیر بعد جولیا نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ "تم آج کل اتنے محتاط کیوں نظر آتے ہو۔"

"مقدرات....!" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "ایک بہت ہی خطرناک آدمی سے ٹکراؤ ہو گیا ہے۔"

"وہ کون ہے! تم بتاتے کیوں نہیں؟"

"جونک....!"

"کیا مطلب....!"

"اسے قریب سے جاننے والے اسی نام سے یاد کرتے ہیں۔" عمران بولا۔ "وہ تقریباً بڑے سے بڑے جرم کا مرتکب ہو جاتا ہے اور اسی طرح شہر کی سڑکوں پر آزادانہ پھرتا ہے جیسے اسے کسی کی بھی پرواہ نہ ہو۔"

"کیا یہاں ایسا کوئی آدمی موجود ہے....؟"

عمران نے کچھ سوچتے ہوئے سر کو اثبات میں جنبش دی.... تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔

”وہ مجھے بہت آسانی سے قتل کرا سکتا تھا لیکن میرے احساس بے بسی سے محظوظ ہونے کے لئے ایسا نہیں کیا؟“

”اوہ.... پھر کیا ہوا۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔ ”وہ کامیاب کب ہوا تھا.... تم کتنی آسانی سے کربی فوسٹر کو نکال لائے تھے۔“

”ہوں.... مگر کیا ہوا.... ؟ لاحاصل.... وہ ہمارے کس کام آیا.... ؟“

”میں یقین نہیں کر سکتی؟ میرا دعویٰ ہے کہ کوئی چیز چھپائی گئی ہے.... مجھے یقین ہے کہ کربی فوسٹر نے اصل قاتل پر روشنی ڈالی تھی۔“

”اور یہ اخبارات جھک مار رہے ہیں؟ کیوں؟“ وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

”ایک سفارت خانے کا معاملہ تھا۔“ جولیا نے بے اعتباری کے لہجے میں کہا۔

”ارے تو میرے کان کیوں چاٹ رہی ہو۔ پوچھو اپنے چیف سے۔ میں تو کمیشن ایجنٹ ہوں۔“

”خیر یہی بتادو کیا اُس دن کاؤ یوچن دیدہ دانستہ میرے پیچھے لگا تھا۔“

”نہیں! وہ تمہارے نام تک سے واقف نہیں تھا.... اسی دوران میں.... انہیں اس کی گاڑی میں لاش رکھ دینے کا موقع مل گیا تھا اور وہ دوسرا چینی یاد ہے نا تمہیں... کیا خیال ہے اسکے متعلق۔“

”اتنا لمبا چینی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔“

”جونک.... !“

”اوہ تو کیا وہی تھا.... ؟“ جولیا نے حیرت سے کہا۔

”ہوں.... وہی!“

”تم اُسے کب سے جانتے ہو۔“

”بہت دنوں سے... یہاں اُس کی موجودگی کسی بہت بڑے ہنگامے کا پیش خیمہ بھی بن سکتی ہے۔“

”پھر اب تم کیا کرو گے۔“

”اردو ادب کا کوئی نامور نقاد بن کر جاسوسی ناول نویسوں کو گالیاں دیتا پھروں گا۔“

”چل پڑا چرخہ.... !“ جولیا بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

عمران چیونگم کا پیکٹ پھاڑ رہا تھا۔

(ختم شد)

عمران سیریز نمبر 36

زہریلی تصویر

ابن صفی

دوسرا ضخیم ناول

پیشرس

"جونک کی واپسی" کے بعد "زہریلی تصویر" ملاحظہ فرمائیے.... اور مجھے مطلع کیجئے کہ عمران اور سنگ ہی کے مابین خاطر خواہ "مجادلہ" ہوا ہے یا نہیں۔ اب اُسے کیا کہئے کہ سنگ ہی کو عمران کے اندازے کے برخلاف پہلے ہی ہوش آ گیا تھا.... خیر جانے دیجئے.... پھر سہی.... انہیں جس چیز کی تلاش تھی مل گئی.... لیکن بھلا کس کا ہوا؟ یہ کہانی بتائے گی۔ سنگ ہی نے تو وہاں بھی چوٹ دینے کی کوشش کی تھی۔

اگر آپ اس کہانی کو نامکمل کہیں تو یہ زیادتی ہوگی۔ قصہ شروع ہوا تھا پروفیسر کی موت سے.... اور اسی کے گرد کہانی گھومتی رہی۔ وہ کیوں قتل کیا گیا تھا کس نے قتل کیا تھا؟ ان دونوں باتوں کا جواب آپ کو اس کہانی میں مل جائے گا۔ "رہی انجمن بیباکاں" کی بات تو اس کے متعلق تفصیلات "بیباکوں کی تلاش" میں ملاحظہ فرمائیے گا۔ ساجدہ کا کردار اس میں اور زیادہ اُبھر کر سامنے آئے گا۔

اِدھر کچھ خطوط کے ذریعے شکایت موصول ہوئی ہے کہ میری کتابوں میں کتابت کی غلطیوں کی طرف دھیان نہیں دیا جاتا۔ عرض ہے کہ عطف واضافت کی غلطیاں اکثر بغور دیکھنے کے باوجود بھی رہ جاتی ہیں۔ ویسے پوری پوری کوشش کی جاتی ہے کہ ایسا نہ ہونے پائے.... پھر جناب کاتب حضرات تو ہاتھ سے لکھتے ہیں دماغ سے نہیں اور یہ بھی اچھا ہی ہے کہ دماغ نہیں استعمال کرتے.... اگر کبھی دماغ بھی استعمال کر جاتے ہیں تو پھر مصنف کے لئے ملک الموت ہی ثابت ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ عرض ہے.... کسی اچھے لکھنے والے نے شہرہ آفاق مصور پکاسو پر ایک مضمون کی سرخی بھی "پکاسو" ہی رکھی.... کاتب صاحب لکھتے وقت چونکے سرخی کو آنکھیں پھاڑ کر گھورا۔ پھر مسکرائے اور سر ہلا کر زیرلب بولے "اچھا لکھنا بھول گئے......!"

لٰہذا انہوں نے از راہ چشم پوشی ایڈیٹر سے بھی کچھ نہ کہا اور سرخی جما دی "پکاسور....!"

پھر پورے مضمون میں جہاں بھی "پکاسو" کا نام آیا "ر" کا اضافہ کرتے چلے گئے....! پروف ریڈر عموماً فرض کر لیتے ہیں کہ کاتب نے سب ٹھیک ہی لکھا ہوگا۔ بھلا نقل کے لئے عقل کی کیا ضرورت.... لٰہذا رسالے میں "پکاسور" پر ایک مبسوط مقالہ شائع ہو گیا۔ اب ایڈیٹر صاحب اپنی میز پر سر کے بل کھڑے یہ سوچتے رہ گئے کہ آئندہ پڑھے لکھے لوگوں کو کیسے منہ دکھائیں گے۔

اکثر کتابت کی غلطیاں لطیفہ بھی بن جاتی ہیں۔ ایک بڑے مشہور ماہنامہ کے غلط نامے میں ایک جگہ یہ تحریر نظر آئی "صفحہ فلاں کے پہلے کالم کی فلاں سطر میں بھینس کی بجائے جینیس (Genius) پڑھا جائے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے جینیس کی جگہ بھینس لکھ گئے تھے۔ قبلہ کاتب صاحب! ہو سکتا ہے کہ کوئی جینیس صوری اعتبار سے بھینس سے بھی بدتر ہو لیکن اس کے

افعال و اقوال پر "بھینسیانہ پن" کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ پھر بھلا بتایئے.... کاتب صاحب کو جینیس پر بھینس کا دھوکہ کیوں کر ہوا۔

بس جناب یہ حضرات صرف ہاتھ سے لکھیں تب بھی مصیبت اور خدا نخواستہ دماغ لڑا بیٹھیں تو پکاسو جیسے مصور کی مٹی پلید کر دیں لہٰذا اکثر سوچتا ہوں کہ کہیں کاتب کا دماغ اللہ میاں کا کوئی تجریدی کارنامہ تو نہیں۔ آپ بھی اس پر غور فرمایئے اور اس کتاب میں بھی کہیں کتابت کی کوئی غلطی نظر آ جائے تو اس کے علاوہ اور کچھ نہ سوچئے گا کہ ہمارے کاتب صاحب بھی.... وہ.... یعنی کہ.... خیر....

۲۹ر جنوری ۱۹۶۶

۞

استاد محبوب نرالے عالم جان کو آ گئے تھے۔ گھنٹی بجائے بغیر فلیٹ میں داخل ہوتے! "السلام علیکم" کا دھماکہ ہوتا.... اور وہ باری باری سے اس انداز میں حاضرین سے مصافحہ کرتے جیسے قرض مع سود وصول کر رہے ہوں۔

عمران جیسا آدمی بھی اُن کے مصافحوں سے بور ہو گیا تھا۔ حاضرین میں سے کسی کو بھی نہ بخشتے طوعاً و کرہاً جوزف کو بھی مصافحہ کرنا پڑتا۔ ویسے وہ کئی بار عمران سے کہہ چکا تھا۔ "باس اگر کہو تو کسی دن اسے اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دوں۔"

سلیمان البتہ انہیں ہاتھوں ہاتھ لیتا تھا۔ اکثر کہتا مجھے بھی شاعر بنا دو.... اور اُستاد گردن اکڑا کر کہتے "میاں یہ ساحری ہے.... سکھائی نہیں جاتی.... ایک چیز ہوتی ہے تخیل صرف ادیفوں (ادیبوں) کو نصیب ہوتی ہے۔ ساحری نہ سیکھی جا سکتی ہے اور نہ ہی سکھائی جا سکتی ہے۔"

آج بھی وہ اسی انداز میں آ دھمکے تھے۔ جولیا۔ صفدر۔ جوزف اور سلیمان سبھی نشست کے کمرے میں کسی اتفاق کے تحت اکٹھا تھے۔

اُستاد نے سب سے مصافحہ کیا لیکن جولیا کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ عمران نے بائیں آنکھ دبا

کر آہستہ سے کہا۔ "اور اُن سے؟"

"ارے.... ہی ہی ہی۔!" اُستاد نے کنکھیوں سے جولیا کی طرف دیکھتے ہوئے دانت نکال دیئے۔ پھر سنبھل کر بولے۔ "عمران صاحب.... غضب ہو گیا؟"

"خیریت....!"

"اُردو کے بہت بڑے ادیف حضرت گلدم آشیانوی کا انتقال ہو گیا۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔"

"ارے ایسا نہ کہئے۔ بہت بڑی خدمت کی ہے اردو کی.... اب اخبارات میرا بیان بھی مانگ رہے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا بیان دوں....!"

صفدر نے اُسے گھور کر دیکھا اور بُرا سا منہ بناتے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"بیان....!" عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں کوشش کروں؟"

"ارے واہ! وا.... ضرور ضرور.... میرا دماغ آج کل بالکل ٹھس ہو کر رہ گیا ہے۔"

"اچھا تو سنو.... بلکہ سن کر زبانی یاد بھی کر لو.... مرحوم اردو کے بہت بڑے ادیب تھے.... آپ نے اردو ادب میں ایک قسم کا ڈیری فارم کھول رکھا تھا۔ لہٰذا زندگی بھر خالص مکھن فروخت کرتے رہے.... حکومت کو چاہئے کہ مرحوم کے پسماندگان کی اچھی طرح خبر لے۔"

"پسماندگان کیا....؟" استاد نے ناک بھوں پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔

"پسماندگان.... یعنی پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ۔" عمران بولا۔

"اچھا اچھا سمجھ گیا.... فارسا میں اُسے پسومد نگلیان کہتے ہیں۔"

"ہو جائے اسی بات پر فارسی میں کچھ....؟" عمران نے کہا۔

"کیا ہم لوگ چلے جائیں؟" صفدر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

لیکن عمران اُس کی طرف توجہ دیئے بغیر اُستاد سے مخاطب رہا۔ "ہاں.... گلبدنی کے بعد کیا کہا تھا استاد....!"

"قُلبدنی.... فارسا میں.... جب سے جوش صاحب نے میری گلبدنی چرائی ہے.... میں ایسی چیزیں فارسا میں کہنے لگا ہوں.... مالم ہے جوش صاحب کا قصہ.... بڑی زوردار جھڑپ ہوئی تھی۔ لگے چیخنے چلانے.... میں نے کہا جوش صاحب میں ہاتھا پائی میں آپ سے نہیں جیت سکوں گا علمی بحث کیجئے۔"

صفدر پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔ لیکن عمران کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا تھا۔

"ہاں.... ہاں۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "اب شروع ہو جاؤ۔"

استاد نے کھکار کر چھت کی طرف منہ اٹھایا اور ناک بھوں پر زور دینے لگے۔ پھر عمران سے بولے۔ "ملاحظہ فرمایئے۔"

وِزرث زناخ چرخم چرغاز غازبوں
فریاد زنان مونگ پھلیم گوں گوں
گوں گوں چہ کٹار باندھم چوں چوں
قُلبدنی.... قلبدنی.... قلبدنی....

اتنے میں کسی نے باہر سے گھنٹی بجائی اور سلیمان دروازے کی طرف جھپٹا۔

"قلبدنی" جہاں تہاں رہ گئی۔ استاد نے دوسرا بند عطا کرنے کی کوشش شروع ہی کی تھی کہ جوزف ہاتھ اٹھا کر غرایا۔ "باس....!"

استاد نے سہم کر عمران کی طرف دیکھا لیکن وہ سلیمان کا لایا ہوا وزیٹنگ کارڈ دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ سر اٹھا کر سلیمان سے بولا۔ "میں نہیں جانتا یہ کون آدمی ہے؟"

"تو پھر اس میں میرا کیا قصور....؟" سلیمان نے تیوری چڑھا کر کہا۔

"کیوں نہ میں اس سے بالکنی ہی سے مل کر رخصت کر دوں....!"

"میں ساتھ چلوں؟" استاد نے بہت سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

"تم آگے چلو....!" عمران سر ہلا کر بولا۔

استاد مجاہدانہ انداز میں اٹھے اور جھپٹ کر دروازے تک پہنچے۔ مٹھیا گھما کر دروازہ کھولا اور پھر احمقوں کی طرح منہ کھول کر کھڑے ہو گئے۔

عمران جہاں تھا وہیں رہا.... دفعتاً استاد نے دروازہ بند کیا اور پلٹ آئے ان کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔

"ارے.... وہ تو.... وہ تو لیٹے ہوئے ہیں۔" انہوں نے رک رک کر کہا۔

"کہاں لیٹے ہوئے ہیں۔" عمران نے پوچھا۔

"فرش پر....!"

"جوزف.... دیکھو....!" عمران نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

جوزف نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور وہ بھی استاد ہی کے سے انداز میں کھڑا رہا۔

"اوہ.... کیا ہے؟" عمران نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

جوزف مڑ کر بولا۔ "میرا خیال ہے باس کہ یہ مر چکا ہے۔"

"کیا بکواس ہے۔" عمران خود بھی آگے بڑھا۔ سنگ ہی سے ٹکراؤ کے بعد سے وہ بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔ دروازے کے سامنے ہی ایک آدمی چت پڑا نظر آیا.... لباس سے خاصے رکھ رکھاؤ والا معلوم ہوتا تھا۔ عمر چالیس سے زیادہ نہ رہی ہو گی.... عمران دروازے ہی میں کھڑا دیکھتا رہا.... ویسے ایک ہی نظر میں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ مر چکا ہے۔

"کوئی اُس وقت تک باہر نہیں نکلے گا جب تک کہ پولیس نہ آجائے۔" اس نے مڑ کر کہا۔ وہ سبھی اُس کے قریب کھڑے تھے۔

"کک.... کیوں....!" استاد ہکلائے۔

"وہ مر چکا ہے۔"

"ارے باپ رے اب کیا ہو گا۔" استاد بدحواس ہو گئے۔

"سلیمان! ان لوگوں کے لئے کافی بناؤ۔" عمران نے فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ فون پر کیپٹن فیاض کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے جلد ہی جواب ملا۔

"عمران۔" اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "میرے فلیٹ کی بالکنی میں ایک لاش تمہاری منتظر ہے۔ حلقے کے تھانے میں بھی فون کر رہا ہوں۔ ضرورت سمجھو تو آجاؤ.... نہیں پیارے مذاق نہیں کر رہا.... او کے۔"

اُس نے سلسلہ منقطع کر کے حلقہ کے تھانے کے نمبر ڈائیل کئے اور وہاں بھی اس لاش کی اطلاع دے کر اس طرح مطمئن نظر آنے لگا تھا جیسے کسی درخت میں لگے ہوئے پھلوں کے پک جانے کی اطلاع دی ہو۔

"کیا تم اسے نہیں جانتے۔" جولیا نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"میرے لئے قطعی اجنبی تھا۔" عمران نے جواب دیا.... اور جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکال کر پھاڑنے لگا۔

"عم.... عمران صاحب...." اُستاد تھوک نگل کر بولے۔ "مجھے تو جانے ہی دیجئے۔"

"عربا نہیں سناؤ گے؟"

"ارے کیا۔ خدا کے لئے مجھے جانے دیجئے.... تھانے والے مجھے پہچانتے ہیں۔"

"یہ تو اور اچھی بات ہے! تم انہیں مطمئن کر سکو گے کہ میں ایک شریف آدمی ہوں۔"

"نہیں جانے دیجئے.... خدا کے لئے۔" استاد روہانسے ہو گئے۔

"اچھا تو وہی سناؤ۔ کیا تھا۔ زلفوں کو تکئے کے نیچے سمیٹ کر سو گئے۔"

"اس کے وزیٹنگ کارڈ پر اُس کا پتہ تو ہو گا ہی۔" جولیا نے پوچھا۔

عمران نے وزیٹنگ کارڈ اُس کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے بہ آواز بلند وزیٹنگ کارڈ کی تحریر پڑھی۔

"کے۔ ایچ۔ راشد۔ ماہر ارضیات، ۴۳ عالمگیر روڈ....!"

اتنے میں حلقے کے تھانے کا انسپکٹر چند کانسٹیبلوں سمیت وہاں پہنچ گیا۔ عمران نے اُسے بتایا کہ وہ محکمہ سراغ رسانی کے سپرنٹنڈنٹ کو بھی مطلع کر چکا ہے اگر وہ مناسب سمجھے تو اُس کے آنے سے قبل کوئی کارروائی نہ کرے۔

"ابھی ان کا فون آیا تھا۔" انسپکٹر بولا۔ "اب میں آپ کے فون پر انہیں اطلاع دوں گا کہ سچ مچ یہاں ایک لاش موجود ہے۔"

اس کے بعد اُس نے کانسٹیبلوں کو حکم دیا کہ وہ کسی کو بالکنی میں نہ آنے دیں اور پھر فون پر کیپٹن فیاض کو لاش کے متعلق اطلاع دی۔

"وہ آ رہے ہیں۔" اُس نے ریسیور رکھتے ہوئے عمران سے کہا۔

"سلیمان....!" عمران نے ہانک لگائی۔ "ابے کیا تو نے کافی کی کاشت شروع کر دی ہے۔ او بدبخت اتنی دیر۔"

سلیمان نے باورچی خانے ہی سے چیخ کر کچھ کہا تھا۔ مفہوم کسی کی بھی سمجھ میں نہ آسکا۔

کیپٹن فیاض نے وہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔

کچھ دیر تک وہ لاش کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر عمران کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھ کر دوسرے کمرے میں چلنے کا اشارہ کیا۔

عمران نے اُسے بتایا کہ انہوں نے لاش کیسے دیکھی تھی۔

"تو یہ تمہارے لئے قطعی اجنبی تھا۔" فیاض نے پوچھا

"بالکل....!"

"سلیمان کو بلاؤ.... تمہارے بیان کے مطابق اُس نے اُسے زندہ دیکھا تھا....؟"

عمران نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سلیمان کو آواز دی۔

وہ کافی کا ڈبہ تھامے ہوئے دوڑا چلا آیا۔

"اُس نے تم سے کیا کہا تھا۔" فیاض نے پوچھا۔

"جی کچھ بھی نہیں۔ بس کارڈ دے دیا تھا۔"

"یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کس سے ملنا چاہتا تھا۔"

"جی نہیں....!"

"کیوں....؟"

"میں باورچی ہوں جناب....!" سلیمان نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "ان کاموں کے لئے الگ چپراسی رکھنا چاہئے۔"

"نہایت معقول جواب ہے۔" عمران نے سر ہلا کر کہا اور تحیر آمیز نظروں سے سلیمان کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا وہ صورت سے بیمار معلوم ہوتا تھا....!" فیاض غرایا۔

سلیمان نے بُرا سا منہ بنایا اور جواب دینے کی بجائے عمران کو گھورنے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ اس نامعقول نے اِس پر غور نہ کیا ہوگا۔" عمران بولا۔ "بولے گا بھی کمبخت تو یہی کہے گا کہ باورچی کبھی اچھے ڈاکٹر نہیں بن سکتے.... ویسے ڈیئر فیاض! یہ ہارٹ فیلیور کا کیس معلوم ہوتا ہے۔"

"جوزف کو بلاؤ....!" فیاض نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"کافی کریم والی یا دودھ والی چلے گی؟" سلیمان نے عمران سے پوچھا۔

"کریم....!" عمران نے کہا اور جوزف کو آواز دی۔ سلیمان چلا گیا۔

جوزف آیا اور "اٹینشن" ہو گیا۔

فیاض چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر پوچھا۔ "کیا وہ اس وقت تڑپ رہا تھا جب تم نے اُسے دیکھا تھا۔"

"مر چکا تھا....؟"

"ہلا جلا کر دیکھا تھا۔"

"نہیں....!"

"پھر کیسے اندازہ ہوا کہ وہ مر چکا ہے۔"

"بس ہو گیا تھا۔ میں اس مسئلے پر بحث نہیں کر سکتا۔"

"پہلے اسے کہاں دیکھا تھا۔"

"کہیں بھی نہیں۔"

"جھگڑے کو کتنے دن گزرے۔"

"کیسا جھگڑا....!" جوزف نے پوچھا۔ اب وہ کیپٹن فیاض کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"تم لوگوں سے اس کا جھگڑا کب ہوا تھا....؟"

"میں کہتا ہوں نا کہ میرے لئے وہ اجنبی تھا۔"

پھر فیاض نے اُسے بھی رخصت کر دیا۔ جولیا اور صفدر سے پوچھ گچھ شروع کی! اس کے بعد استاد کی باری آئی جو اس دوران میں طرح طرح کے پوز بنا کر خود کو "ادیف" ثابت کرتے رہے تھے۔

"آپ کون ہیں۔" فیاض نے انہیں مخاطب کیا۔

"مم.... میں ہوں....!"

"کیا مطلب....؟"

"یہ بہت بڑے شاعر ہیں۔" عمران بول پڑا۔ "محبوب نرالے عالم.... چنے بیچتے ہیں۔"

"کیا آپ اُس مرنے والے کو پہچانتے ہیں۔"

"جی نہیں۔"

"بالکل....!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "بھلا مرد کی لاش کیوں پہچاننے لگے۔ عورت ہوتی تو تڑ سے کہتے ہاں.... میں جانتا ہوں۔ فلاں جگہ رہتی تھی اُس سے پہلے فلاں فلاں جگہ بھی رہ چکی ہے۔ ارے کئی بار مجھ سے چنے لے کر کھا چکی ہے....!"

"اے کیا عمران بھائی۔" استاد نے دانت نکال دیئے۔ پھر موقع کی نزاکت کا احساس کر کے سختی سے ہونٹ بھینچتے ہوئے کیپٹن فیاض کی طرف دیکھا۔

کچھ دیر بعد فیاض لاش کا جائزہ لے رہا تھا.... جیبوں سے کچھ کاغذات برآمد ہوئے۔ ایک چھوٹی سی ڈائری ملی جسے وہ الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ دفعتاً اُس کی آنکھیں ایک صفحے پر جم سی گئیں۔ عمران بغور اُس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا.... اُس نے محسوس کیا کہ فیاض نے اُس میں کوئی خاص چیز دیکھی ہے۔

اب فیاض ڈائری کو جیب میں ڈالتا ہوا عمران کو عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔ عمران منتظر رہا کہ وہ کچھ بولے لیکن فیاض اُس سے مخاطب ہوئے بغیر اُن فوٹوگرافروں کی طرف متوجہ ہو گیا جو لاش کی تصویریں لے رہے تھے۔

سلیمان نے کافی کی ٹرے میز پر رکھ دی تھی۔ وہ لوگ جو وہاں پہلے سے موجود تھے کافی پی رہے تھے۔ عمران نے پولیس آفیسروں کو مدعو نہیں کیا۔

کچھ دیر بعد لاش اٹھوادی گئی۔ فیاض کمرے میں آبیٹھا۔

"کیا آپ کافی پینا پسند فرمائیں گے کپتان صاحب۔" عمران نے بڑے ادب سے پوچھا۔

"نہیں....!" فیاض نے جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ چند لمحے عمران کو گھورتا رہا پھر بولا۔

"تم کسی طرح بھی مجھے یقین نہ دلا سکو گے کہ تم اُسے پہلے سے نہیں جانتے تھے۔"

"یہ تو بڑی بُری بات ہوئی کپتان صاحب! پھر.... ایسی صورت میں آپ کیا کریں گے۔"

"مناسب یہی ہے کہ سچی بات بتادو۔" اُس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بلکہ بہتر یہ ہوگا کہ میرے ساتھ چلو۔"

"میں تیار ہوں کپتان صاحب۔" عمران اٹھتا ہوا بولا۔

استاد نے جلدی سے کہا۔ "اگر عتیق بھائی کی طرف سے گزرنا ہو تو مجھے بھی لیتے چلیۓ۔"

"نہیں اُدھر نہیں جائیں گے۔" عمران نے کہا اور فیاض کو چلنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

کچھ دیر بعد فیاض کی گاڑی ٹریفک کی بھیڑ میں راستے بنا رہی تھی۔ عمران اگلی ہی سیٹ پر تھا۔

فیاض نے جیب سے مرنے والے کی ڈائری نکالی اور عمران کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "اسے دیکھو۔ یہ اس کی ڈائری ہے۔ آج کی تاریخ نکالو....!"

عمران اُس کی ورق گردانی کرتا رہا پھر آج کی تاریخ کے اندراج پر نظر ٹھہری۔ لکھا تھا۔

"آج میں اپنے دشمن سے ملنے جارہا ہوں۔ جو بے حد پُر اسرار ہے۔ توقع نہیں کہ زندہ واپس آؤں۔ لیکن پھر بھی اُس سے دودو باتیں تو کرنی ہی ہیں۔ اگر میں مرجاؤں تو...."

آگے کچھ بھی نہیں لکھا تھا.... عمران نے اُسے پڑھا اور ٹھنڈی سانس لے کر دوبارہ ڈائری کی ورق گردانی کرنے لگا۔

❖

عمران اُس تحریر کو کئی بار بہ نظرِ غائر دیکھ کر سر کھجاتا ہوا فیاض سے بولا۔ "آخر آگے کیا لکھنا چاہتا تھا اور کیوں نہ لکھ سکا؟"

"تم اعتراف کیوں نہیں کرلیتے کہ اُسے پہلے سے جانتے تھے۔"

"سوپر فیاض! یہ تحریر بہت اہم ہے۔" عمران اس کی بات کو نظر انداز کرتے بولا۔

"کیا مطلب....!"

"کن وجوہات کی بناء پر وہ جملہ پورا نہ کرسکا۔ غالباً وہ اپنی موت کے ذمہ دار کی نشاندہی کرنا چاہتا تھا۔"

"یہ کوئی ایسی دور کی بات نہیں ہے جو میری سمجھ میں نہ آتی۔"

"بالکل بالکل...!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "تمہاری عقل کو بڑے سے بڑا گدھا بھی نہیں پہنچ سکتا۔"

"بکواس مت کرو۔ مجھے افسوس ہے کہ آج ایک ناگوار فرض انجام دینا پڑے گا۔"

"بیوی کی پٹائی کرو گے۔" عمران نے بڑے بھولے پن سے پوچھا۔

"نہیں تمہیں بند کروں گا۔ تاکہ وہ ضمانت کے لئے سامنے آئے جس کے لئے تم نے اتنی گھٹیا حرکت کی ہے۔"

"یعنی ملاقات کئے بغیر ہی اُسے مرجانے دیا۔ کیوں....؟"

فیاض کچھ نہ بولا۔ اُس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا اور آنکھیں ونڈ شیلڈ پر تھیں۔

"ہم اُس کے وزیٹنگ کارڈ والے پتہ پر چل رہے ہیں۔" اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔

"اردو کی ٹانگ مت توڑا کرو۔"

"حوالات میں دیکھوں گا کہ تم کتنے زندہ دل اور باحوصلہ آدمی ہو....!"

"پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ملنے سے پہلے ہی مجھے بند کرادو گے؟" عمران نے دردناک لہجے میں پوچھا اور فیاض نے اُسے خونخوار نظروں سے دیکھنے کے لئے گردن گھمائی۔

"سامنے دیکھو! ڈیئر سامنے۔ ورنہ گاڑی اگر کسی جنت نگاہ سے ٹکرا گئی تو....!"

"میں اناڑی نہیں ہوں۔" فیاض غرایا۔

"چست لباس والی لڑکیوں کو میں جنت نگاہ کہتا ہوں.... ٹیڈی واہیات لفظ ہے۔"

"تم اب تک بکواس کرکے یہ جتانا چاہتے ہو کہ تمہیں اپنے خراب حالات کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر میں نہ پہنچ گیا ہوتا تو حلقے کے تھانے کا انچارج تمہیں ہر حال میں تھانے لے جاتا۔"

"اسی لئے میں نے اُس نامعقول کو کافی نہیں پلائی تھی۔"

"کیا تم سنجیدگی سے گفتگو نہیں کرو گے۔"

"سوپر فیاض.... تم غلط راستے پر جارہے ہو۔ گاڑی موڑ کر بائیں ہاتھ والی سڑک پر چلو۔"

"اوہو.... تمہیں اُس کا پتہ زبانی یاد ہے۔" فیاض نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مجھ سے ہی تو ملنے آیا تھا۔" عمران نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔

”خواہ مخواہ الجھائے رکھنے سے کیا فائدہ۔ تم بتا کیوں نہیں دیتے۔“

”چلو..... چلو..... اُس کے گھر بھی ہو آئیں۔ پھر کچھ بتا سکیں گے۔“

عالمگیر روڈ پہنچ کر ۳۴ نمبر کی کوٹھی تلاش کرنے میں دشواری پیش نہیں آئی۔ لیکن وہ سب سے الگ تھلگ تھی۔ دوسری عمارتوں سے تقریباً دو تین فرلانگ کے فاصلے پر درمیانی جگہ پر بے ترتیب باغات پھیلے ہوئے تھے..... گاڑی کوٹھی کی کمپاؤنڈ کے پھاٹک پر رکی جو بند تھا۔ عمارت پرانی اور مرمت طلب تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سالہا سال سے دیواروں پر سفیدی بھی نہ کی گئی ہو۔

فیاض نے گاڑی سے اتر کر پھاٹک کو دھکا دیا..... وہ اندر سے مقفل نہیں تھا۔ کھلتا چلا گیا۔ اندر چاروں طرف ویرانی نظر آئی..... بے ترتیب روئیدگی نے کمپاؤنڈ کو جنگل بنا رکھا تھا۔

عمران گاڑی ہی میں بیٹھا ہوا تھا۔ فیاض نے مڑ کر اُسے اترنے کا اشارہ کیا۔

وہ ایک ناہموار روش سے گزرتے ہوئے پورچ تک آئے..... چند لمحے وہاں رک کر ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہے پھر فیاض نے برآمدے میں جا کر کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ اندر سے گھنٹی کی آواز آئی۔ آدھے منٹ کے انتظار کے بعد بھی دروازہ نہ کھلا۔

”میرا خیال ہے کہ اندر کوئی نہیں ہے۔“ عمران نے کہا۔

فیاض نے دروازے پر دباؤ ڈالا..... لیکن وہ اندر سے بند تھا۔

”یہ کیسے ممکن ہے جب کہ دروازہ اندر ہی سے بند ہے۔“

عمران خاموش کھڑا اِدھر اُدھر نظر دوڑا تا رہا..... پھر دفعتاً بولا۔ ”وہ دیکھو! ایک پش سوئچ اور بھی تو ہے۔ ممکن ہے تم نے غلط بٹن دبایا ہو۔“

”کیا تم نے گھنٹی کی آواز نہیں سنی تھی۔“ فیاض نے جھنجھلا کر کہا۔

”پھر بھی اُسے آزما دیکھنے میں کیا حرج ہے۔“ عمران نے کہا اور پش بٹن پر انگلی رکھ دی..... لیکن اس بار گھنٹی کی آواز نہ آئی۔

”کیوں خواہ مخواہ عقلمندی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔“ فیاض بڑبڑایا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اندر سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اندر کا بولٹ آواز کے ساتھ گرا اور دروازہ کھل گیا۔

سامنے ایک دحشت زدہ سا بوڑھا نظر آیا..... جو انہیں استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

عمران نے اُس کے اس طرح دیکھنے کے انداز میں کوئی خاص بات محسوس کی۔

”کیا راشد صاحب یہیں رہتے ہیں۔ ماہر ارضیات۔“ فیاض نے اُس سے پوچھا۔

لیکن وہ جواب دینے کی بجائے اُنہیں حیران آنکھوں سے دیکھتا رہا۔

”کیا تم نے سنا نہیں؟“ فیاض نے جھنجھلا کر کہا۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”پولیس کپتان ٹھہرے..... گونگے کو بھی بولنے پر مجبور کر دو گے۔“

”کیا مطلب.....!“

”صورت ہی سے گونگا معلوم ہوتا ہے۔ غالباً اسی کے لئے دوسرا پش سوئچ لگایا گیا ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس کے سلسلے کا اختتام کسی گھنٹی پر نہ ہوا ہوگا۔“

”کیوں.....!“

”اس لئے کہ وہ آواز نہیں سن سکتا.....!“

”پھر.....!“

”میری دانست میں وہ کوئی رنگین بلب ہوگا۔ ہو سکتا ہے اُس کمرے میں جہاں یہ رہتا ہوگا۔“

”اونہہ..... کہاں کے قصے چھیڑ دیئے۔“ فیاض بڑبڑاتا ہوا بوڑھے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”تم نے ابھی تک جواب نہیں دیا۔“ اُس نے اونچی آواز میں کہا۔

اور جواب میں جو کچھ سنا وہ عمران کے خیال کی تصدیق کرتا تھا..... بوڑھے کے حلق سے بے ہنگم سی آوازیں نکلی تھیں اور اُس نے کچھ اس انداز میں ہاتھ ہلائے تھے جیسے جاننا چاہتا ہو کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔

عمران نے آنکھوں پر انگلیوں اور انگوٹھوں کی مدد سے چشمہ سا بنایا اور پھر ہاتھ کی جنبش سے استفسار کیا کہ چشمے والا کہاں ہے۔

اُس کے فلیٹ کی بالکنی میں پائی جانے والی لاش کی آنکھوں پر چشمہ بھی تھا۔

بوڑھے نے ہاتھ کی جنبش سے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے جھٹکے کے ساتھ دروازہ بند کر دیا۔

فیاض جھلا کر دروازے پر ہاتھ مارنے ہی والا تھا کہ عمران اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ اس کے علاوہ اس گھر میں اور کوئی نہیں رہتا اور خصوصیت سے اس کے لئے پش سوئچ کی ضرورت نہ ہوتی۔“

فیاض کچھ دیر خاموش کھڑا سوچتا رہا پھر پورچ کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ ”اگر وہ یہاں تنہا ہی رہتا تھا تو سرچ وارنٹ نکلوانا پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ میں قریب ہی کی کسی عمارت سے فون کر سکوں گا۔“

”اچھی بات ہے..... جاؤ کوشش کرو۔ میں یہیں ملوں گا۔“

"ہرگز نہیں.... تم میرے ساتھ چلو گے۔"

"چلئے کپتان صاحب....!" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "آج صبح آنکھ کھلتے ہی اخبار پر نظر پڑی تھی.... اور پڑی بھی کہاں تھی.... جہاں فلم اسٹار ڈھکن بائی کی تصویر تھی۔"

پھر وہ گاڑی میں آبیٹھے اور فیاض ٹیلی فون کے کھمبوں پر نظر ڈالتا ہوا اسٹیئرنگ کر رہا تھا۔ آخر ایک عمارت کے سامنے اُس نے گاڑی روکی اور خود نیچے اتر کر پھاٹک کی طرف بڑھ گیا۔

عمران نے جیب سے چیونگم نکالی اور اُسے آہستہ آہستہ کچلتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ ڈائری کی تحریر اُس کے ذہن میں گونج رہی تھی۔

کچھ دیر بعد فیاض واپس آیا اور گاڑی میں بیٹھ کر اُس کا رخ پھر ماہر ارضیات کی کوٹھی کی طرف موڑ دیا۔

"میں بے حد بور ہو رہا ہوں کپتان صاحب۔" عمران بولا۔

"خاموش بیٹھے رہو۔"

"خاموشی کے علاوہ اور چارہ ہی کیا ہے۔ اگر کوئی شریف آدمی ہوتا تو دو چار گالیاں ہی دے کر پیچھا چھڑا لیتا۔"

"ہوں....!" فیاض غرایا "اور یہ تو بتاؤ کہ اُس کے وہاں پہنچنے سے کتنی دیر پہلے تم اپنے فلیٹ میں پہنچے تھے۔"

"میں صبح سے فلیٹ ہی میں رہا ہوں کپتان صاحب۔"

"میں تسلیم نہیں کر سکتا۔"

"تمہاری مرضی....!"

گاڑی پھر اُس سال خوردہ عمارت کے سامنے رک گئی۔ لیکن اس بار وہ گاڑی سے نہیں اترے تھے۔ فیاض سگریٹ سلگا رہا تھا اور عمران کنکھیوں سے اُسے دیکھے جا رہا تھا۔ جب وہ سگریٹ سلگا چکا تو اُس نے پوچھا۔ "کیا اُس عمارت کے لوگ اس شخص سے واقف تھے۔"

"کس عمارت کے لوگ....؟"

"جہاں سے تم نے فون کیا تھا۔"

"ہاں.... لیکن بس جاننے ہی کی حد تک جانتے تھے۔ بہر حال یہ بات انہوں نے یقین سے ساتھ بتائی ہے کہ وہ اُس گونگے ملازم کے ساتھ تنہا یہاں رہتا تھا۔"

"ہوں....!" عمران کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے پوچھا۔ "ذریعہ معاش کیا تھا؟"

"معلوم ہو ہی جائے گا۔" فیاض نے بیزاری سے کہا۔

عمران پھاٹک کی طرف دیکھنے لگا جو کھلا ہی ہوا تھا.... پورچ تک صاف دکھائی دے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فیاض نے کہا۔ "تمہیں بھی ضد سی ہو جاتی ہے.... آخر کار ساری باتیں سامنے آہی جاتی ہیں۔ لیکن تم مجھے تاریکی ہی میں رکھنے کی کوشش کرتے ہو۔"

"کچھ سیکھنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں۔" عمران کا لہجہ مربیانہ تھا۔

"تم اتنے مغرور کیوں ہو گئے ہو۔"

"اور تم آج اس قدر زنانہ لہجہ میں کیوں گفتگو کر رہے ہو۔"

فیاض نے اُسے گھور کر دیکھا اور ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگانے لگا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہاں ایک پولیس وین پہنچی جس میں فیاض کا ایک ماتحت انسپکٹر اور تین باوردی کانسٹیبل موجود تھے۔ وہ سب اُتر کر برآمدے میں آئے۔ اُس پش سوئچ کا بٹن دبا دیا گیا جس کے دبانے پر بوڑھے نے دروازہ کھولا تھا۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ اُسی بوڑھے کا چہرہ نظر آیا لیکن اس بار وہ خوفزدہ نظر آرہا تھا۔ شاید باوردی پولیس والوں کو دیکھ کر بدحواس ہو گیا تھا۔ فیاض نے اشاروں سے اُسے سمجھایا کہ وہ مکان کی تلاشی لینا چاہتا ہے۔ بوڑھا ایک طرف ہٹ گیا۔ لیکن اُس کی آنکھوں میں احتجاج تھا۔

دروازے سے وہ ایک طویل راہداری میں داخل ہوئے جسکے دونوں اطراف میں کمرے تھے۔

ایک ایک کمرے کو دیکھا جانے لگا.... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ہفتوں صاف نہ کئے جاتے رہے ہوں۔ ہر چیز پر گرد کی تہیں نظر آئیں۔

بالآخر وہ ایک بڑے کمرے میں پہنچے جہاں بے شمار چھوٹے چھوٹے اسٹول نظر آئے جن پر مختلف قسم کے پتھروں کے نمونے رکھے ہوئے تھے۔

اور پھر ایک ایسی چیز بھی نظر آئی جس پر فیاض اور عمران دونوں ہی متحیر رہ گئے۔ یہ عمران کی ایک قد آدم تصویر تھی.... آئیل پینٹنگ.... اور اُس کے قریب ہی اسٹول پر کسی قسم کے پتھر کے نمونے کی بجائے ایک پھٹا پرانا جوتا رکھا ہوا تھا۔

"آج ساری محنت وصول ہو گئی۔" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

فیاض اُسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔

"کیا مطلب ہے اس کا؟" اُس نے تصویر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"صاف ظاہر ہے۔"

”بوڑھے کو بلالاؤ.... !“ فیاض نے ایک کانسٹیبل سے کہا۔ وہ باہر چلا گیا اور فیاض عمران کو گھورتا رہا۔

کچھ دیر بعد بوڑھا کمرے میں داخل ہوا.... وہ پہلے سے بھی زیادہ پریشان نظر آرہا تھا۔ فیاض نے تصویر اور جوتے کی طرف اشارہ کر کے معلوم کرنا چاہا کہ اُس کا کیا مطلب ہے۔

بوڑھے نے لاعلمی ظاہر کی اور ہاتھ کے اشاروں سے جو کچھ سمجھانے کی کوشش کی اُس کا مفہوم یہی ہو سکتا تھا کہ وہ اس کمرے میں کبھی نہیں آیا۔ فیاض نے عمران کو اُس کے سامنے کر کے پوچھا کہ وہ وہاں پہلے بھی کبھی آیا تھا۔ بوڑھا کبھی تصویر کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی عمران کی طرف.... بالآخر اُس نے نفی میں سر ہلا کر غالباً یہی ظاہر کیا تھا کہ وہ وہاں کبھی نہیں آیا۔

فیاض کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ آخر کچھ دیر بعد بولا۔ ”ایسی دشمنی کہ تصویر پر جوتے مار کر تسکین حاصل کی جائے۔“

”میں بھی یہی سوچ رہا تھا کپتان صاحب۔“

”اب کیا جواب ہے تمہارے پاس۔“

”میری دانست میں تو پہلے تم پوری طرح تلاشی لے لو... پھر کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کرنا۔“

”مشورے کا شکریہ۔“ فیاض نے زہریلے لہجے میں کہا اور پھر کمرے کی دوسری چیزوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

عمران بھی اِدھر اُدھر نظر ڈالتا پھر رہا تھا۔ دفعتاً ایک سٹول کے قریب رک گیا۔ جس پر جھانوے کی شکل کا ایک نیلگوں پتھر رکھا ہوا تھا۔

”سوپر فیاض“ دفعتاً عمران نے اونچی آواز میں کہا۔ ”اُسے دیکھو.... !“

فیاض تیزی سے اُس کی طرف آیا۔

”اس کے اندر سے ہیرے بھی برآمد ہو سکتے ہیں۔“ عمران نے پتھر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”ہوں تو پھر.... !“

”کچھ بھی نہیں.... میں نے کہا تمہاری معلومات میں تھوڑا سا اضافہ ہو جائے۔“

فیاض پتھر کو اٹھا کر ہاتھ پر تولنے لگا تھا۔ قریب کھڑے ہوئے انسپکٹر نے کہا۔

”توڑ کر دیکھیں جناب! میرا خیال ہے عمران صاحب نے کسی حد تک ٹھیک کہا ہے۔“

”پڑھے لکھے آدمی معلوم ہوتے ہو۔“ عمران خوش ہو کر بولا۔

فیاض نے وہ پتھر انسپکٹر کی طرف بڑھا دیا اور وہ اُسے ہاتھ پر تول رہا تھا۔ اُسی کمرے میں اسے

اوزار بھی مل گئے جو غالباً پتھر توڑنے ہی کے کام آتے رہے ہوں گے۔

انسپکٹر نے ان میں سے کچھ اوزار منتخب کئے۔

”اُسے ضائع نہ کر دینا۔“ فیاض نے کہا۔

”کسی زمانے میں پروسپکٹنگ میری ہابی رہی ہے۔“ انسپکٹر نے کہا اور اُس پتھر کو توڑنے کے لئے کوئی مناسب سی جگہ تلاش کرنے لگا۔

عمران اور فیاض پھر دوسری چیزوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ فیاض ایک میز کی دراز کھول کر اُس میں سے کاغذات نکال رہا تھا اور عمران پر نظر ڈالتا ہوا انہیں ایک طرف رکھتا جا رہا تھا کہ دفعتاً ایک زوردار دھماکہ ہوا.... اور کریہہ سی چیخ سنائی دی۔ دونوں ہی بوکھلا کر مڑے۔ انسپکٹر فرش پر پڑا تڑپ رہا تھا اس کا چہرہ لہولہان تھا۔

کمرے میں دھوئیں کا ایک کثیف بادل اپنا حجم بڑھا رہا تھا۔

☆

فیاض مضطربانہ انداز میں زخمی کی طرف جھپٹا۔ لیکن عمران وہیں کھڑا رہا۔ معمولی اعصاب کا آدمی تو بوکھلا کر نہ جانے کس حال کو پہنچ گیا ہوتا۔ پتھر توڑنے کا مشورہ اُسی نے تو دیا تھا۔

دفعتاً فیاض ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ ”فون کرو.... ایمبولینس کے لئے۔“

انہوں نے لائبریری میں فون دیکھا تھا۔ عمران لائبریری میں آیا اور سول ہسپتال کے نمبر ڈائیل کئے.... پھر مڑ کر دیکھا ایک کانسٹیبل اُس کے پیچھے پیچھے ہی آیا تھا.... اور دروازے پر اس طرح جم گیا تھا جیسے خدشہ ہو کہ عمران نکل بھاگے گا۔

عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر دوسری طرف سے بولنے والے کو محکمہ سراغ رسانی کی طرف سے پیغام پہنچایا اور کوٹھی کا پتہ بتا کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ لائبریری کے وسط میں کھڑا سوچ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔

دفعتاً وہ کتابوں کی الماری کی طرف مڑا.... پھر شاید کوئی کتاب نکالنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ کانسٹیبل نے کھکار کر کہا۔ ”نہیں جناب! آپ کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگا سکیں گے۔“

”اوہ۔ شکریہ۔ میں بھول گیا۔“ عمران مڑ کر مسکرایا اور سیدھا کانسٹیبل کی طرف چلا آیا۔

”آدمی تو معقول معلوم ہوتے ہو۔“ اُس نے کہا۔

کانسٹیبل اٹینشن ہو کر سامنے دیکھتا رہا۔ خاصا مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔

"میں باہر جانا چاہتا ہوں....!" عمران نے آہستہ سے کہا۔

"آپ عمارت سے باہر نہیں جاسکیں گے۔"

"کپتان صاحب نے کیا فرمایا ہے۔"

"یہی کہ آپ کو باہر نہ جانے دیا جائے۔"

"معقول بات ہے۔ اچھی بات ہے تو پھر ہم وہیں واپس چلتے ہیں...."

عمران لائبریری سے نکل کر پھر اُسی کمرے میں آیا جہاں زخمی کو چھوڑا تھا۔ یہاں قبرستان کا سا سناٹا طاری تھا۔

زخمی بے حس و حرکت نظر آیا... فیاض جو اُس کے قریب ہی کھڑا تھا جھپٹ کر عمران کے قریب آیا اور کوٹ کا کالر پکڑ کر جھٹکا دیتا ہوا بولا۔ "وہ مر گیا.... مر گیا۔"

"اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ....!"

"بتاؤ.... تم نے یہ حرکت کیوں کی تھی۔" فیاض نے کالر کو دوبارہ جھٹکا دیا اور عمران اُس کا ہاتھ پکڑ کر پوری قوت سے دباتا ہوا بولا۔ "ہوش میں رہو...."

کالر پر فیاض کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور عمران نے بہ آسانی اُس کا ہاتھ ہٹا دیا۔ اب وہ بھی بے حد سنجیدہ نظر آرہا تھا۔

"تم اُس کی موت کے ذمہ دار ہو۔" فیاض چیخا۔

"بالکل احمقانہ خیال ہے۔ میں نے اُس پتھر کے سلسلے میں صرف اپنا خیال ظاہر کیا تھا۔ اُس سے یہ ہرگز نہیں کہا تھا کہ وہ اسے توڑنا ہی شروع کردے اور پھر یہ تو سوچو کہ تم اسے بکواس سمجھتے تھے لیکن وہ سنجیدہ تھا۔ اُس نے خود ہی کہا تھا کہ وہ پروسپکٹنگ کا تجربہ رکھتا ہے... اُس نے پتھر کی ہیئت سے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ کیا ہے.... ورنہ شاید وہ بھی تمہاری ہی طرح اُسے بکواس سمجھتا۔"

"لیکن اُس کے اندر آتش گیر مادہ تھا....؟" فیاض غرایا۔

"پھر میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں؟" عمران نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"یہاں تمہاری تصویر کا کیا مطلب ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"تم غلط کہتے ہو کہ وہ تمہارے لئے اجنبی تھا۔"

"گونگے نوکر سے تصدیق کر چکے ہو۔"

"ہو سکتا ہے کہ تم یہاں کبھی نہ آئے ہو۔ باہر ملاقاتیں ہوتی رہی ہوں۔"

"غالباً تم اُس بوڑھے آدمی کے متعلق گفتگو کر رہے ہو۔" عمران نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں.... ہاں.... تو پھر....!"

"کچھ نہیں.... باہر کی ملاقاتوں کے تذکرے پر کچھ شبہ ہوا تھا....!" عمران چاروں طرف دیکھتا ہوا لاپروائی سے بولا۔

فیاض اُسے گھورتا ہوا کمرے سے چلا گیا؟ غالباً وہ اپنے محکمے کے ماہرین کو فون کرنے کے لئے گیا تھا۔

کانسٹیبل دروازے پر آجمے.... عمران جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکال رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فیاض پھر واپس آگیا اور عمران نے اُس سے کہا کہ وہ بھی ایک کال کرنا چاہتا ہے۔

"کسے کی جائے گی....!" فیاض نے بے رخی سے پوچھا۔

"پچھلے ہفتے والی محبوبہ کو....!"

"نہیں تمہیں اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔"

"فیاض....!"

"میں مجبور ہوں۔"

"خیر....!" عمران ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ ویسے موقع کا منتظر رہا اور آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا۔

پھر اُسے لائبریری تک پہنچنے سے کون روک سکتا۔ تیزی سے لائبریری میں داخل ہو کر دروازہ بولٹ کر دیا... ساتھ ہی فیاض کی چیخ بھی سنی۔ "دوسری طرف جاؤ۔ نکل کر جانے نہ پائے۔" پھر دوڑتے ہوئے بھاری قدموں کی آوازیں سنیں۔

عمران جانتا تھا کہ لائبریری میں نکاسی کا دروازہ بھی موجود ہے جو غالباً عقبی پارک میں کھلتا ہوگا۔ لیکن اُسے اُس سے کیا سروکار۔

وہ سیدھا فون کی طرف گیا بلیک زیرو کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "عمران اسپیکنگ۔ سر سلطان سے کہو میرے لئے ضمانت قبل از گرفتاری کی ضرورت ہے۔ دو لاشوں کے سلسلے میں مجھ پر کسی قسم کا شبہ کیا جارہا ہے۔ یہ کام آدھے گھنٹے کے اندر ہونا چاہئے۔ ضمانت نامہ وہ اپنے اسٹینو سے بھجوائیں۔ پتہ ہے نمبر ۳۳ عالمگیر روڈ۔ جلدی کرو۔"

سلسلہ منقطع کرکے وہ دروازے کے قریب آیا جس پر شاید زور صرف کیا جارہا تھا۔

”کپتان صاحب۔“ عمران نے مغموم لہجے میں کہا۔ ”میں کہیں بھاگا نہیں ہوں۔ وارنٹ کے بغیر تم مجھے گرفتار نہ کر سکو گے۔ اگر میں نے سلیمان کو اطلاع دے دی کہ شاید میں رات کا کھانا گھر پر نہ کھا سکوں تو اس میں کون سی مصیبت آ گئی۔“

”دروازہ کھولو.... ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔“ فیاض باہر سے غرایا۔

”یہ لو....!“ عمران نے بولٹ گرا دیا اور اگر پھرتی سے ایک طرف ہٹ نہ گیا ہوتا تو وہ دونوں کانسٹیبل اُسی پر آ گرتے جو باہر سے دروازے پر زور آزمائی کرتے رہے تھے۔

دونوں ایک دوسرے پر ڈھیر ہو گئے تھے.... اگر فیاض موجود نہ ہوتا تو وہ اس ”حادثے“ کے بعد عمران کی ہڈیاں ہی توڑ دینے کی کوشش کرتے.... بہرحال وہ اسے خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے اٹھ گئے۔

”تم نے کس کو فون کیا تھا۔“

”سلیمان کو....!“ عمران بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ ”لیکن تم یقین نہ کرنا.... اچھا۔“

”کمرے میں واپس چلو....!“ وہ لاش والے کمرے کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”میں نے انکار کب کیا ہے۔ کپتان صاحب۔“ عمران نے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

یہاں آ کر اُس نے ایک اسٹول سے پتھر اٹھا کر فرش پر ڈال دیا اور خود اس پر بیٹھ کر اونگھنے لگا۔

فیاض نے مزید کچھ نہیں کہا.... تھوڑی دیر بعد ایمبولینس گاڑی پہنچ گئی۔ لیکن اُسے واپس کر دیا گیا۔ فیاض اپنے محکمے کے آدمیوں کا منتظر تھا۔

زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ وہ آ گئے۔ تکنیکی کارروائیاں شروع ہو گئیں.... دھماکے کے ساتھ پھٹنے والے پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جمع کئے گئے۔ لاش کی تصویریں لی گئیں.... اور دوسری تفصیلات لکھی جاتی رہیں۔

عمران کانسٹیبلوں کے لئے اجنبی رہا ہو گا لیکن فیاض کے محکمے والوں کے لئے نہیں تھا اور یہاں اُس کی موجودگی بھی اُن کے لئے باعث حیرت نہیں تھی۔ کیونکہ قریب قریب سبھی جانتے تھے کہ بعض الجھاوے فیاض کو عمران ہی کے پاس لے جاتے ہیں۔

جب ساری کارروائیاں ختم ہو چکیں تو عمران نے کہا۔ ”کپتان صاحب کچھ میرے کہنے سے بھی ہو جائے۔“

”کیا مطلب....!“

”میری تصویر کے فریم پر انگلیوں کے نشانات کی تلاش اس مرض کے لئے مفید ثابت

ہو گی.... اور اُس اسٹول پر بھی جس پر جوتا رکھا ہوا ہے۔“

اُس کے محکمے کے لوگ اب تصویر اور جوتے کی طرف متوجہ ہوئے پھر حیرت سے عمران کو دیکھنے لگے۔

”ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

فیاض تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر تصویر کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

”ٹھیک ہے۔“

فریم اور اسٹول پر پاؤڈر چھڑک کر تصویریں لی گئیں۔

عمران سوچ رہا تھا۔ ابھی تک سر سلطان کا اسٹینو نہیں آیا.... اگر یہاں سے سیدھے محکمہ سراغرسانی کے دفاتر تک جانا پڑا تو بڑی دشواری کا سامنا ہو گا۔ لہٰذا فیاض کو کچھ دیر تک اور الجھائے رکھنا چاہئے۔

”اوہو.... اُس گونگے کو تو قطعی طور پر نظرانداز کر دیا گیا۔“ اُس نے فیاض سے کہا۔

”کیوں؟ اُس کے لئے کیا کرنا ہے۔“

”میرا دعویٰ ہے کہ وہ گونگا نہیں ہے۔“

”کچھ دیر پہلے تم ہی تو تھے جس نے اُس کے گونگے ہونے کے امکانات کی طرف اشارہ کیا تھا؟“

”ڈھونگ معلوم ہوتا ہے۔ ذرا اُسے پھر بلواؤ۔“

فیاض نے ایک کانسٹیبل کو اشارہ کیا.... اور خود پھر عمران کو گھورنے لگا۔ عمران کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ تھی۔

گونگا وہاں پھر لایا گیا۔ عمران نے فیاض سے کہا۔ ”ذرا ایک محدب شیشہ تو دینا....“ ماتحتوں میں سے ایک نے محدب شیشہ اُس کی طرف بڑھایا جسے لے کر وہ گونگے کے قریب آیا اور اشارے سے کہا کہ وہ اپنی زبان باہر نکالے....

تھوڑی دیر تک محدب شیشے کی مدد سے اُس کی زبان کا جائزہ لیتا رہا پھر اُسی سے بولا۔ ”اے جاؤ۔ کیوں اُلو بناتے ہو۔ اچھا یہی بتاؤ کہ کس عمر میں گونگے ہوئے تھے۔“

وہ کسی ہونق کی طرح منہ اٹھائے کھڑا رہا۔

”دیکھو دوست....!“ اُس نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”یہ کیپٹن فیاض ہیں گدھوں کو بھی رینگنے پر مجبور کر دیتے ہیں.... تم تو خیر آدمی۔“

”کیا بکواس شروع کر دی....!“ فیاض بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"پوری پچویشن سمجھ رہا ہوں....!"

"وقت برباد کر رہے ہو ہمارا....!"

"لوگوں نے زندگیاں برباد کر لی ہیں اس چکر میں۔ تم وقت کی بات کر رہے ہو۔ بے زبان لوگ عموماً بے حد زبان دراز ثابت ہوتے ہیں.... ایک صاحبہ کی شادی سے قبل سنا تھا کہ بہت بے زبان واقع ہوئی ہیں لیکن اُن کے شوہر کا یہ عالم ہے کہ کانوں میں روئی ٹھونسے پھرتے ہیں۔"

"فضول باتیں مت کرو۔ تم ہمارے ساتھ چل رہے ہو۔"

"تمہارے ساتھ نہیں تو کیا پیدل جاؤں گا۔ یہاں ٹیکسی بھی نہ ملے گی۔"

"میرے دفتر چل رہے ہو تم....!"

"کوئی مضائقہ نہیں وہاں تو ٹیکسیاں مل جاتی ہیں۔"

فیاض نے کچھ کہے بغیر بوڑھے کو اشاروں سے سمجھانا شروع کیا کہ اُس کا مالک مر چکا ہے....

بوڑھا تھوڑی دیر تک متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا رہا پھر دہاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

فیاض نے تینوں کانسٹیبلوں سے کہا تاوقتیکہ دوسرے کانسٹیبل وہاں نہ پہنچیں انہیں وہیں ٹھہرنا پڑے گا۔ کسی کو بھی اندر نہ آنے دیں اور بوڑھے پر بھی نظر رکھیں۔

عمران سوچ ہی رہا تھا اب جانا ہی پڑے گا اُس کے دفتر تک۔ خیر دیکھا جائے گا۔

وہ برآمدے تک آئے۔ پھر زینے طے کر کے پورچ میں پہنچے ہی تھے کہ ایک کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ سر سلطان کی گاڑی تھی۔ عمران پہچانتا تھا.... پھر سر سلطان کے اسٹینو کی شکل بھی دکھائی دی۔ وہ خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔

اُس نے گاڑی سے اُتر کر ضمانت نامہ عمران کو تھماتے ہوئے کہا۔ "صاحب نے کہا ہے ادھر ہی لانا....!"

عمران نے ضمانت نامہ فیاض کی طرف بڑھا دیا۔ فیاص نے اُس پر نظر ڈالتے ہی اتنی سختی سے دانت بھینچے کہ جبڑوں کی وردیدیں تک ابھر آئیں۔

"ہوں تو اسی لئے فون کیا تھا۔" وہ عمران کو گھورتا ہوا بولا۔ چند لمحے گھورتا رہا پھر شانوں کو لاپروائی سے جنبش دے کر بولا۔ "خیر....!"

اور دوسری طرف مڑ گیا۔

"لیکن میں چیوں گا تمہارے ہی ساتھ۔" عمران مسکرایا۔

"صاحب نے....!" سر سلطان کا اسٹینو جملہ پورا نہ کر سکا کیونکہ عمران جلدی سے ہاتھ اٹھا کر

بولا تھا۔

"ہاں.... ہاں.... ٹھیک ہے۔ میں کچھ دیر بعد وہیں پہنچوں گا۔"

سر سلطان کا اسٹینو چلا گیا۔

اور عمران فیاض کی گاڑی میں آ بیٹھا.... فیاض خاموش تھا۔ بھنویں تنی ہوئی تھیں اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اسٹیئرنگ سنبھال کر اُس نے گاڑی سڑک پر ڈال دی۔

عمران نے کچھ دیر بعد کہا۔ "پوسٹ مارٹم ہونے سے پہلے ہی لاش کی انگلیوں کے نشانات حاصل کرنا مت بھولنا.... اور گونگے کی انگلیوں کے نشانات بھی۔ فائدے میں رہو گے اور اگر اسی طرح کمسن محبوباؤں کی طرح اینٹھتے رہے تو مستقبل تاریک ہو جائے گا.... سمجھے جان پدر۔"

"بکواس مت کرو....!" فیاض غرایا۔

"فارسی میں مینڈک کو کیا کہتے ہیں؟"

دفعتاً فیاض نے گاڑی روک دی اور جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "اُترو۔ اُتر جاؤ نیچے۔"

"اس عمر میں فارسی کے نام پر غصہ آنا ہی چاہئے۔" عمران نے سر ہلا کر کہا۔

اتنے میں قریب سے ایک مونگ پھلی والا گزرا اور عمران نے ہاتھ باہر نکال کر ہانک لگائی۔

"اے چھٹانک بھر مونگ پھلی تو دیتے جانا۔"

"تم نہیں اترو گے؟" فیاض آپے سے باہر ہو گیا۔

"ایک چھٹانک انہیں بھی دینا....!" عمران نے اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر کہا۔

مونگ پھلی والا قریب آ کر ترازو سنبھالنے لگا۔ اُسی وقت فیاض نے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی زائیں سے آگے بڑھ گئی۔

جو کچھ اُس کے منہ میں آ رہا تھا بکے جا رہا تھا اور عمران اس طرح خاموش تھا جیسے سچ مچ کوئی بہت بڑا جرم کر بیٹھا ہو.... آخر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "وہ مونگ پھلی والا مجھےنہیں اس سے زیادہ گندی گندی گالیاں دے رہا ہو گا.... لہٰذا میرا بولنا ہی بیکار ہے.... اللہ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔"

"خاموش رہو۔" فیاض حلق کے بل چیخا اور اُسے کھانسی آنے لگی۔

"جانِ من.... اسٹیئرنگ پر دھیان رکھو....!" عمران جلدی سے بولا۔

"ضمانت ہو جانے کے باوجود بھی میں تمہیں چوبیس گھنٹے تک بند رکھ سکتا ہوں سمجھے۔"

فیاض کھانسیوں پر قابو پانے کے بعد بولا۔

"کوشش کرو....!" عمران نے کہا اور چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔

”مجھے یہیں اتار دو۔“

فیاض نے گاڑی روک دی اور جب وہ دروازہ کھول کر اترنے لگا تو بولا۔ ”ضمانت اپنی جگہ پر لیکن میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں کہ اس کیس کے سلسلے میں تمہیں ہر وقت ہیڈ کوارٹر طلب کیا جا سکتا ہے لہٰذا اپنے فلیٹ تک ہی محدود رہنا۔“

”لکھ کر بھیج دینا....!“ عمران نے لاپروائی سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ بے دھیانی میں کسی سے ٹکرایا.... نظر اٹھائی تو ایک لحیم شحیم آدمی کو گھورتے پایا اور کوئی چیز بائیں پہلو میں چبھتی محسوس کی۔

فیاض کی گاڑی آگے بڑھ گئی۔ قد آور آدمی نے کہا۔ ”یہ ریوالور ہے۔“

”اچھا۔!“ عمران خوش ہو کر بولا۔ ”میں نے آج تک نہیں دیکھا ذرا دکھانا تو....!“

پہلو میں چبھنے والی چیز کا دباؤ بڑھ گیا اور وہ آدمی بولا۔ ”چپ چاپ میرے ساتھ چلتے رہو۔“

❂

اب عمران کو خیال آیا کہ ایک موٹر سائیکل برابر فیاض کی کار کے پیچھے نظر آتی رہی تھی۔

”گلی میں مڑ چلو....!“ وہ آدمی آہستہ سے بولا۔

عمران سوکھا سہا ہوا اُس کے احکامات کی تعمیل کرتا رہا.... بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ڈر کے مارے جان نکل رہی ہو۔

”تیز چلو....!“ وہ پھر آہستہ سے غرایا اور ساتھ ہی ریوالور کی نال کا دباؤ بھی کچھ اور بڑھ گیا۔

اُس کی رفتار کے ساتھ ہی عمران کی رفتار بھی تیز ہو گئی۔ وہ دوسری پتلی سی گلی میں مڑے۔ حد نظر تک سنسان تھی۔ دفعتاً عمران لڑکھڑایا.... لڑکھڑایا کیا بس ایک قدم پیچھے ہو کر چھلتی لگائی تھی اور یہ اتنی تیزی سے ہوا کہ وہ آدمی اُسے لڑکھڑاہٹ ہی سمجھا۔ لیکن عمران کی ٹانگ اپنا کام کر گئی تھی۔ اچھل کر منہ کے بل ڈھیر ہو گیا.... یہی نہیں بلکہ اب اُس کا وزنی ریوالور بھی عمران کے ہاتھ میں تھا.... اور اس کے دستے کو زمین سے ایک فٹ اونچے اٹھے ہوئے سر پر اس طرح مار رہا تھا جیسے کوئی لوہار نہائی پر گھن چلاتا ہے۔

پھر شاید اسے کراہنے اور چیخنے کا بھی ہوش نہیں رہا تھا۔ پیشانی زمین سے لگی تو پھر نہ اٹھ سکی۔

عمران نے بڑی پھرتی سے اُسے سیدھا کیا اور جامہ تلاشی لینے لگا۔ صرف تین چار وزیٹنگ

کارڈ نکلے جو ایک ہی نام کے تھے۔ اُس نے کھڑے ہو کر جلدی سے سنسان سڑک کا جائزہ لیا اور جیب سے قلم نکال کر ایک وزیٹنگ کارڈ کی پشت پر لکھنے لگا۔

”چچا کے لئے بھتیجے کا تحفہ.... پچھلی بار لاعلمی میں مارا گیا تھا۔“

پھر صرف وہی کارڈ اُس کے کوٹ کی اندرونی جیب میں احتیاط سے رکھ دیا اور بقیہ کارڈ اپنی جیب میں ڈالتا ہوا تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ گلی کے اختتام پر پہنچ کر اُس نے ایک بار مڑ کر دیکھا۔ وہ اب بھی اُسی طرح بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

سامنے کشادہ سڑک تھی اُس نے ایک ٹیکسی رکوائی اور ڈرائیور کو پتہ بتانے کی بجائے کہا۔ ”سیدھے چلو....!“

کچھ دیر بعد اُس نے اُسے رکنے کو کہا اور بولا۔ ”میں ذرا سامنے والے بوتھ سے ایک کال کروں گا۔ انتظار کرو۔“

ٹیکسی سے اتر کر وہ ٹیلی فون بوتھ میں آیا اور دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دی۔ فون پر سکہ ڈال کر بلیک زیرو کے نمبر ڈائیل کئے اور دوسری طرف سے جواب ملنے پر ماؤتھ پیس میں بولا۔ ”ایکس ٹو....“ اور پھر اپنے تازہ شکار کی جیب سے نکالے ہوئے وزیٹنگ کارڈ پر نظر جما کر بولا۔ ”ایبک روڈ پر کیفے تھری اسٹار ہے جس کے اوپر والے فلیٹ پر کوئی پی ایچ درانی رہتا ہے.... فلیٹ کی نگرانی کرو اور اس پی ایچ درانی پر نظر رکھو۔ اس کی تصویر بھی حاصل کر سکو تو بہتر ہے۔“

سلسلہ منقطع کرنے کے بعد اُس نے سوچا کہ اُس بے ہوش آدمی کے لئے بھی کچھ کرنا چاہئے۔ فون کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن پھر رک گیا۔ ضروری نہیں کہ وہ اب بھی وہیں پڑا ہوا ملے۔ ہو سکتا ہے اُسے ہوش آ گیا ہو اُس پر کسی راہگیر کی نظر پڑی ہو اور اُس نے بحالت بے ہوشی اُسے کسی ہسپتال میں پہنچا دیا ہو۔

وہ بوتھ کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ چند لمحوں بعد پھر ٹیکسی میں تھا اور ٹیکسی نامعلوم منزل کی طرف اڑی جا رہی تھی۔

اُس نے سوچا سر سلطان کو بھی نپٹاتے چلو۔ فی الحال وہ ایک نجی معاملہ تھا لیکن پھر بھی اگر سر سلطان کے علم میں آ جاتا تو اچھا ہی ہوتا۔ اُس نے ڈرائیور کو سر سلطان کے آفس کا پتہ بتایا اور ٹیکسی کچھ دور چل کر دوسری سڑک پر مڑ گئی۔

سر سلطان اپنے کمرے میں تنہا تھے۔ اس لئے عمران کو اُن تک پہنچنے میں دیر نہ لگی۔

”کیا قصہ تھا۔“ سر سلطان نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کمبل....!" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ "اگر میں کمبل کو چھوڑ بھی دوں تو کمبل مجھے کہاں چھوڑتا ہے۔"

اور پھر اُس نے داستان شروع کردی.... سر سلطان بغور سنتے رہے عمران کے خاموش ہوتے ہی بولے۔

"یہ سارے حالات تو یہی ثابت کرتے ہیں کہ اُس کے وہ دشمن تم ہی ہو سکتے تھے۔"

"ظاہر ہے کہ یہ سارا سٹ اَپ یہی ثابت کرنے کے لئے تھا۔" عمران نے کہا۔ "ویسے صرف ایک چیز الجھن میں ڈالے ہوئے ہے.... ڈائری والا جملہ نامکمل کیوں رہ گیا تھا۔"

"تم ہمیشہ غیر ضروری چیزوں کے پیچھے لٹھ لئے گھومتے ہو۔" سر سلطان نے کسی قدر جھنجھلاہٹ کے ساتھ کہا۔ "تم پر دو آدمیوں کی جانیں لینے کا الزام عائد ہو رہا ہے اور انسپکٹر کی موت تو بڑی دشواری میں مبتلا کردے گی۔"

"ہوں.... اُوں! اپنی گردن بچانا ہی فی الحال پہلا مقصد ہے۔ آپ صرف اتنا کیجئے کہ فیاض سے معلومات حاصل ہو سکیں....!"

"کیسی معلومات....؟"

"فریم اور جوتے والے اسٹول پر پائے جانے والے انگلیوں کے نشانات کے متعلق۔!"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں نے فیاض سے کہا تھا کہ لاش اور گونگے ملازم کی انگلیوں کے نشانات لے کر اُن کا فریم اور اسٹول پر پائے جانے والے نشانات سے موازنہ کیا جائے۔ لیکن وہ مجھے اُس کے نتیجے سے ہرگز آگاہ نہیں کرے گا۔"

"میں دیکھوں گا۔" سر سلطان کچھ سوچتے ہوئے بولے۔ تھوڑی دیر خاموش رہے پھر عمران کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا اس دوران میں کسی سے دشمنی مول لے بیٹھے ہو۔"

"دشمنی.... جی ہاں.... سلسلہ مادام نشی کاوالے کیس سے شروع ہوا ہے؟"

"کیا مطلب....!"

"وہ جس نے مادام نشی کا کی لاش کاؤیوچن کی گاڑی میں ڈالی تھی اور مجھے کئی دنوں تک محض اس لئے چکر دیتا رہا تھا کہ قتل کے عینی شاہد تک نہ پہنچ سکوں.... وہ جس نے جیمسن کی [illegible] تختہ الٹنے کی کوشش کی تھی....!"

"کیا بکواس کرنے لگے....!" سر سلطان نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"مراد ہے سنگ ہی....!"

"بیکار دماغ نہ چاٹو....!"

"میں نے محض اس خیال سے اُس کا نام نہیں لیا تھا کہ سراسیمگی پھیلے گی۔ ویسے آپ یقین کیجئے کہ وہ یہیں موجود ہے اور اُسی نے نشی کا کی لاش کاؤیوچن کی کار میں ڈالی تھی۔"

"مگر اُس کے متعلق تو اطلاعات تھیں کہ وہ مر چکا ہے۔"

"جی ہاں تھیں۔ لیکن غلط ثابت ہوئیں۔ میرا اُس سے براہِ راست ٹکراؤ ہو چکا ہے۔"

"اگر تم صحیح کہہ رہے ہو تو....!" سر سلطان کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

"میں اُس کے طریق کار سے بخوبی واقف ہوں۔" عمران بولا۔

"اگر یہ حقیقت ہے تو تم سے زبردست غلطی سرزد ہوئی ہے....!"

"میں سمجھتا ہوں.... آپ یہی کہنا چاہتے ہیں کہ مجھے باقاعدہ طور پر اُس کی رپورٹ کرنی چاہئے تھی۔"

"بالکل....!"

"لیکن میں ایسا نہیں کرسکا۔ میں جانتا ہوں کہ سراسیمگی پھیلا کر شکار کھیلنا اُس کا محبوب مشغلہ ہے۔"

"پھر.... پھر اب تم کیا کرو گے۔" سر سلطان نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا....؟ سنگ کے متعلق اندازہ کرنا دشوار ہے کہ اُس کا اگلا قدم کیا ہوگا۔ اس وقت اس نے کوشش کی تھی کہ میری ضمانت کرادے۔"

"وہ کیسے....؟"

عمران نے انہیں اُس آدمی کے متعلق بتایا جس نے اُسے ریوالور کے زور سے اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی تھی۔

"اور تم اُسے وہیں چھوڑ آئے۔" سر سلطان نے حیرت سے کہا۔

"میں سنگ کا مقابلہ اُسی کی سطح سے کرنا چاہتا ہوں....!"

"بچپنے کی باتیں مت کرو۔ تم نے کسی جاسوسی ناول کے کردار سی حرکت کی ہے۔"

"سب چلتا ہے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔

"تم مجھ سے گفتگو کر رہے ہو....!" سر سلطان کا لہجہ مربیانہ دھونس کا غماز تھا۔

"براہِ کرم فیاض والا معاملہ ذہن میں رکھئے گا۔" عمران اٹھتا ہوا بولا۔

"بیٹھو.... بیٹھو....!" سر سلطان مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر بولے۔ "تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے.... سنگ ہی بین الاقوامی سازشوں کی علامت ہے۔ میں پھر کہوں گا کہ تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ غافل رہا ہوں۔" عمران بیٹھتا ہوا بولا۔ "میری رپورٹ میں آپ کو داور کا ایک آدمی بھی نظر آیا ہوگا۔ یہ سنگ ہی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا.... فی الحال اُس کے ایک ٹھکانے سے میں واقف ہوں جسے اب وہ خیر باد کہہ چکا ہے۔"

"سوال تو یہ ہے کہ ہمارے ملک میں اُس کی موجودگی کا کیا مقصد ہو سکتا ہے.... عمران.... عمران.... تم غلطی کر رہے ہو.... اگر وہ زندہ ہے تو ساری دنیا کو اس کا علم ہونا چاہئے۔"

"عنقریب ہو جائے گا۔ بہت جلد....!"

"تم مجھے الجھنوں میں مبتلا کر رہے ہو....!"

"میں پھر عرض کروں گا کہ ان معاملات کو مجھ پر چھوڑ دیجئے.... اس وقت یہاں میرے اور آپ کے علاوہ اور کوئی اُس کی موجودگی کا علم نہیں رکھتا۔"

"یہ بُرا ہے.... بہت بُرا....؟"

"اچھا چلئے... آپ ساری دنیا کو اُس کے زندہ ہونے کا ثبوت کس طرح بہم پہنچائیں گے۔"

"اوہ....!" وہ بے بسی سے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔

"ہنسی اڑوانے سے کیا فائدہ۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "قبل اس کے کہ وہ پوری طرح گرفت میں نہ آ جائے.... ہمیں اُس کا نام ہی نہ لینا چاہئے۔"

"ہوں.... اُوں....!" سر سلطان نے طویل سانس لی۔ "جیسا مناسب سمجھو کرو.... لیکن تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ موجودہ حالات کا تعلق اُسی کی ذات سے ہوگا۔"

"اس قسم کے شعبدے دوسرے کے بس کا روگ نہیں۔"

"میں انسپکٹر کی موت کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ تمہاری پوزیشن آکورڈ ہو گئی ہے۔"

"اللہ مسبب الاسباب ہے۔" عمران پھر اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا اب اجازت دیجئے۔"

سر سلطان نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں محکمہ سراغ رسانی سے رابطہ قائم رکھوں گا۔ تم مطمئن رہو۔"

باہر آکر عمران ٹیکسی کا منتظر رہا۔ حالانکہ کئی ٹیکسیاں سامنے سے گزر گئیں.... اس بار وہ کسی جال میں پھنسنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

تقریباً دس یا پندرہ منٹ بعد اُس نے ایک ٹیکسی رکوائی اور اپنے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گیا.... شام ہو رہی تھی.... سارا دن بھاگ دوڑ میں گزرا تھا اور بڑی شدت سے گرما گرم کافی کے ایک کپ کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔

فلیٹ میں جولیا اور صفدر موجود ملے.... ایسے حالات میں عمران فلیٹ سے رخصت ہوا تھا کہ وہ بعد کے حالات معلوم کئے بغیر وہاں سے جا ہی نہیں سکتے تھے۔

"کیا رہا....؟" جولیا نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"بہت کچھ....!" عمران آرام کرسی میں ڈھیر ہوتا ہوا بولا۔ پھر ہانک لگائی۔

"ابے سلیمان.... کافی۔"

"کیا قصہ تھا باس....!" جوزف قریب آکر بولا.... وہ بہت زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"تمہیں پھر بتاؤں گا.... باہر ٹھہرو.... مطلب یہ کہ تمہیں اب سنجیدگی سے باڈی گارڈ کے فرائض انجام دینے ہوں گے۔"

"میں سمجھ گیا باس....!" جوزف نے ایڑیاں بجائیں اور باہر نکل گیا۔

عمران نے آہستہ آہستہ انہیں بتایا کہ اُس پر کیا گزری تھی۔

"اور تم اُس آدمی کو وہیں گلی میں چھوڑ آئے....!" جولیا نے حیرت سے کہا۔

"پھر کیا کرتا.... متبنّٰی کر لیتا اُسے....!"

"اُس کے ذریعے تم اصل سازشی تک پہنچ سکتے تھے۔"

"اوہ بڑی بھول ہوئی۔" عمران پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ "یہ سامنے کی بات تو میری سمجھ ہی میں نہیں آئی تھی۔"

صفدر ہنسنے لگا.... اور جولیا چڑ گئی۔

"انہیں عقلمند بنانے سے کیا فائدہ....!" صفدر بولا۔

"کبھی اس بُری طرح گردن پھنسے گی کہ سب بھول جاؤ گے۔" جولیا نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

عمران کچھ نہ بولا.... تھوڑی دیر بعد سلیمان نے کافی میز پر لگا دی۔

"تم جاؤ....!" عمران نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "یہ محترمہ جانتی ہیں کہ کافی کیسے بنائی جاتی ہے۔"

جولیا تھوڑی بہت اردو سمجھ لیتی تھی اُٹھتی ہوئی صفدر سے بولی۔ "تم چل رہے ہو یا بیٹھو گے۔"

"بہتر ہے تم جاؤ.... میں آج عمران صاحب کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔"

"کافی....!" عمران نے میز کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"شکریہ.....!" جولیا کا لہجہ تلخ تھا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

صفدر اٹھ کر کافی بنانے لگا تھا اُس نے کہا۔ "انسپکٹر والا حادثہ آپ کے لئے الجھن کا باعث بن سکتا ہے۔"

"میری پیدائش کا حادثہ آج تک میرے لئے الجھن کا باعث بنا ہوا ہے۔" عمران نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی.... اور ہاتھ بڑھا کر فون پر بلیک زیرو کے نمبر ڈائیل کئے اور دوسری طرف سے جواب ملنے پر ماؤتھ پیس میں بولا۔ "ہیلو.... کیا رہا۔"

"فلیٹ کی نگرانی جاری ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "چھ بجے ایک لمبا تڑنگا آدمی فلیٹ میں داخل ہوا ہے۔ زخمی معلوم ہوتا ہے۔ سر پر پٹیاں بندھی ہوئی ہیں اور کپڑوں پر خون کے دھبے بھی دیکھے گئے ہیں۔"

"فلیٹ پر نیم پلیٹ بھی ہے یا نہیں۔"

"جی ہاں۔ نیم پلیٹ پر پی۔ ایچ درانی تحریر ہے۔"

"گڈ.... اُسے کسی وقت بھی نظر سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے۔"

ریسیور رکھ کر عمران نے صفدر کی طرف دیکھے بغیر کافی کی پیالی اٹھائی اور ہلکی سی چسکی لے کر پھر رکھ دی۔

"کون تھا.....!" صفدر نے پوچھا۔

"ہے ایک آدمی جو اکثر میرے لئے کام کرتا رہتا ہے۔" عمران نے لاپروائی سے کہا۔

"ہمارے لائق کوئی خدمت.....!" صفدر مسکرایا۔

"شکریہ۔ یہ فی الحال میرا نجی معاملہ ہے۔ تم لوگ سرکاری آدمی ہو۔ تمہارا چیف شاید اسے پسند نہ کرے۔"

"ہمارا چیف.....!" صفدر نے طویل سانس لی۔ "آپ اُس کیلئے کیا کچھ نہیں کرتے رہتے۔"

"مفت تو نہیں کرتا۔ معقول رقم ملتی ہے۔"

"بہرحال آپ بُری طرح پھنس گئے ہیں.....!"

"عرصہ سے کسی خاص قسم کی تفریح کا موقع نہیں ملا تھا.... وقت اچھا گزرے گا۔"

"لیکن ایک بات آج تک میری سمجھ میں نہ آسکی.....؟"

"کون سی بات.....!"

"یہی کہ عام طور پر آپ کے نجی معاملات آخر کار سیکرٹ سروس ہی کے کیس بن جاتے ہیں۔"

"اکثر میں نے بھی حالات کی ان ستم ظریفیوں پر غور کیا ہے، لیکن کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔"

"پھر اب کیا ارادہ ہے؟"

"فی الحال صبر کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں۔" عمران نے طویل سانس لے کر کہا۔

"آپ کی قد آدم تصویر اور پھٹے پرانے جوتے کے تصور ہی سے ہنسی آتی ہے۔ کسی ایسے ہی آدمی کی حرکت معلوم ہوتی ہے جو آپ سے بہت زیادہ جلا ہوا ہو۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ دفعتاً فون کی گھنٹی بجی.... اُس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا دوسری طرف سے سر سلطان کی آواز آئی۔

"تم گھر پر موجود ہو عمران۔"

"جی ہاں.....!"

"فیاض کی رپورٹ کے مطابق فریم اور اسٹول پر واضح قسم کے نشانات ملے ہیں۔ لیکن وہ مرنے والے یا گونگے ملازم کی انگلیوں کے نشانات سے مماثلت نہیں رکھتے۔"

"مجھے یقین تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

"لیکن دھماکے کے ساتھ پھٹنے والے پتھر کے ٹکڑوں کا کیمیاوی تجزیہ انہیں پتھر نہیں ثابت کر سکا۔ وہ ٹکڑا بعض کیمیکلز سے تیار کیا گیا تھا۔ بہت محتاط رہو! خصوصیت سے اس کا خیال رکھو کہ تمہاری ضمانت دینے والے کو کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔" سر سلطان نے اُس کے جواب کا انتظار کئے بغیر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

❂

ریسیور رکھ کر عمران آرام کرسی کی پشت سے ٹک گیا.... صفدر استفہامیہ انداز میں اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا میں کسی کام نہ آسکوں گا۔" اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "میں ایک ماہ کی چھٹی لینے کا ارادہ کر رہا تھا۔ اگر یہ چھٹیاں آپ کے کام آسکیں تو مجھے خوشی ہوگی۔"

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ چھٹی مل ہی جائے گی۔" عمران نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تین سال سے میں نے کوئی چھٹی نہیں لی۔"

"ہوں....؟" عمران اونگھنے لگا تھا۔

دفعتاً جوزف نے کمرے میں آ کر ایڑیاں بجائیں اور ایک وزیٹنگ کارڈ عمران کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کہو تو واپس کر دوں باس....!"

"نہیں آنے دو....!" عمران نے کارڈ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا جس پر "ایم۔ ساجد انسپکٹر سی۔ آئی۔ بی۔" تحریر تھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک طویل قامت اور معمولی جسامت رکھنے والا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ کاسنی سرکی پتلون اور گرم چیک کے کوٹ میں ملبوس تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی.... ہاتھ میں آفس بیگ تھا۔

عمران کے کہنے سے پہلے ہی اُسے عقابی نظروں سے گھورتا ہوا سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"علی عمران....؟" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"فرمائیے....!" عمران نے ایسے انداز میں پوچھا جیسے اب بھی اونگھ ہی رہا ہو۔ صورت اُس کے لئے نئی تھی۔ شاید حال ہی میں کسی دوسری جگہ سے آیا تھا۔

"آپ ہی ہیں....!"

"اُن سے پوچھ لیجئے....!" عمران نے صفدر کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

"اوہ ٹھیک ہے.... مجھے یقین ہے۔" انسپکٹر خشک سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"میں انسپکٹر اور ماہر ارضیات کی اموات کے سلسلے میں تفتیش کر رہا ہوں...."

"اوہ.... اچھا....!" عمران نے بوکھلائے ہوئے انداز میں مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ مصافحہ ہوا.... لیکن دفعتاً انسپکٹر کے چہرے پر خفت کے آثار نظر آنے لگے۔

"آپ ماہر ارضیات کو کب سے جانتے تھے۔"

"اُس کی موت کے بعد سے....!"

"لیکن اس قسم کے شواہد موجود ہیں کہ آپ دونوں نہ صرف ایک دوسرے سے واقف تھے بلکہ آپس میں خط و کتابت بھی رکھتے تھے۔"

"وہ کسی ترکی کا معاملہ ہوگا.... بھلا کسی ماہر ارضیات سے خط و کتابت رکھنے سے کیا فائدہ۔"

"عمران صاحب سنجیدگی سے گفتگو کیجئے....!"

"توجہ دلانے کا شکریہ.... میں اب بالکل سنجیدہ ہوں فرمائیے۔"

"انسپکٹر سعدی سے کب سے جان پہچان تھی۔"

"کون انسپکٹر سعدی....!"

"وہی جو آپ کی ترغیب پر دھماکے کا شکار ہو گیا تھا۔"

"آپ مجھے دشواریوں میں مبتلا کر رہے ہیں انسپکٹر۔" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کیا مطلب....؟"

"اتفاقاً موت کے بعد ہی اُس سے جان پہچان ہوئی تھی۔"

"آپ اُس پتھر کی نوعیت سے واقف تھے۔"

"اُسی حد تک کہ اُس سے ہیرے برآمد ہوتے۔"

"میں تسلیم نہیں کر سکتا۔"

"ظاہر ہے؟" عمران سر ہلا کر بولا۔ "آپ اس پر مجبور تو نہیں ہیں۔"

"فضول باتیں ہیں آپ اُس کی اصلیت سے واقف تھے۔"

"چلئے تسلیم.... فرض کئے لیتے ہیں.... لیکن یہ تو فرمائیے.... آپ یہ پیپر ویٹ دیکھ رہے ہیں؟"

"ہوں پھر....!"

"میں کہتا ہوں کہ اگر یہ توڑا جائے تو اس میں سے بیر بہوٹی کے بچے برآمد ہوں گے.... تو پھر کیا آپ اسے توڑنے بیٹھ جائیں گے۔"

وہ کچھ بولے بغیر اُسے گھورتا رہا.... عمران چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔

"اس پتھر کے متعلق اُس کا بھی وہی خیال تھا جو میں نے ظاہر کیا تھا....؟"

"قطعی....!" انسپکٹر نے کسی قدر جوش کے ساتھ کہا۔ "وہ اسی لئے وہاں رکھا گیا تھا کہ وہ ہو سکتا ہے موت کے گھاٹ اتر جائے.... میں جانتا ہوں کہ اُسے پروسپکٹنگ سے دلچسپی تھی۔ مخصوص قسم کا پتھر دیکھ کر اُس کا متوجہ ہو جانا یقینی تھا....؟"

"غلط.... توجہ تو میں نے دلائی تھی۔" عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تاکہ میری گردن باقاعدہ طور پر پھنس جائے۔"

انسپکٹر کچھ نہ بولا۔ لاجواب سا ہو کر رہ گیا تھا اور چہرے پر کچھ ایسے آثار تھے جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ دوسری بار گفتگو کس طرح شروع کی جائے۔

کچھ دیر بعد کھنکار کر اس نے آواز میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "ماہر ارضیات کی کوٹھی سے کچھ خطوط برآمد ہوئے ہیں۔ جنکے متعلق یقین کیا جا سکتا ہے کہ وہ آپ ہی نے بھیجے ہوں گے۔"

"یقین کیا جاسکتا ہے۔" عمران نے حیرت سے دہرایا پھر مسکرا کر بولا۔ "یعنی ابھی یقین کیا نہیں گیا۔ بھلا کس بناء پر وہ میرے خطوط ہو سکتے ہیں۔"

"خود.... دیکھ لیجئے....!" اُس نے اپنی ڈائری سے چند لفافے نکال کر میز پر ڈال دیئے عمران نے ہاتھ لگائے بغیر لفافوں پر نظر ڈالی.... اور میز کی دراز کھینچ کر اُس میں کچھ ٹٹولنے لگا۔

انسپکٹر ساجد اُسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے کوئی شکاری ایسے شکار کو دیکھتا ہے جو خود بخود اس کی زد پر آرہا ہو۔

عمران نے میز کی دراز سے ربر کے دستانے نکالے اور انہیں ہاتھوں میں پہننے لگا۔ دفعتاً انسپکٹر ساجد کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ صفدر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

دستانے پہن چکنے کے بعد عمران نے لفافوں کی طرف ہاتھ بڑھایا.... لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے اب انسپکٹر ساجد کو اس معاملے سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہ رہ گئی ہو۔ اس کے چہرے پر بیزاری کے آثار تھے۔

عمران نے ایک لفافہ اٹھا کر اُس سے خط نکالا۔ انگریزی میں ٹائپ کیا ہوا مضمون تھا۔

"پروفیسر راشد! میں آخری بار تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ اگر تم نے وہ نقشہ تین دن کے اندر اندر میرے حوالے نہ کر دیا تو بھگتو گے۔

میں ایسے لوگوں کو زندہ دیکھنا پسند نہیں کرتا جو میری خواہشات کی راہ میں دیوار بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اے۔ آئی۔"

"بلاشبہ....!" عمران سر اٹھا کر بولا۔ "اے۔ آئی سے مراد علی عمران ہی ہو سکتی ہے۔"

انسپکٹر ساجد اُس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

"لیکن....!" عمران نے طویل سانس لے کر کہا۔ "یہ خط ٹائپ کیا ہوا ہے.... کہیں بھی قلم کی تحریر نہیں ہے۔ پھر آپ کیسے ثابت کر سکیں گے کہ یہ میں نے اُسے بھیجے ہوں گے۔"

"میرا نام ساجد ہے سمجھے جناب۔" دفعتاً اُس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"یاد دہانی کا شکریہ۔" عمران آہستہ سے بولا۔ "اب آپ جاسکتے ہیں۔ کیونکہ تھوڑی دیر بعد یہاں مشاعرہ شروع ہو جائے گا۔"

انسپکٹر ساجد لفافے سمیٹتا ہوا غرایا۔ "بعض لوگ اپنے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں دیکھوں گا....!"

"کیپٹن فیاض کے البم میں میری تصویر بھی موجود ہے۔ آپ دونوں سر جوڑ کر دیکھتے رہیے

گا.... اور بس۔ ٹاٹا۔"

انسپکٹر غصے سے بھرا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ صفدر نے قہقہہ لگایا اور عمران آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

"برخوردار اُن لفافوں پر آپ کی انگلیوں کے نشانات حاصل کرنے آئے تھے۔" صفدر بولا۔

"دیکھتے جاؤ۔" عمران نے کہا اور آرام کرسی کی پشت گاہ سے ٹکنے جا ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو....!" اُس نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"کون ہے؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کس کی تلاش ہے؟"

"اوہ.... عمران....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "بھتیجے کا تحفہ چچا کے لئے موصول ہوا.... اور اب اپنے اس آدمی کو ایک روڈ کی گلی نمبر چار سے اٹھوا لو جو اس تحفے کی نگرانی کر رہا تھا.... اُس کے ساتھ بھی وہی برتاؤ ہوا ہے جو تم نے تحفے کے ساتھ کیا تھا۔ ویسے میں تم سے بے حد خوش ہوں کہ تم نے یہاں میری موجودگی کا چرچا نہیں کیا۔"

"تو تم نشی کا والے کیس کا بدلہ لے رہے ہو۔"

"ہرگز نہیں۔ بدلہ برابر والوں سے لیا جاتا ہے.... اور بچوں کی گوشمالی کی جاتی ہے۔ لیکن فی الحال اس کا بھی ارادہ نہیں تھا.... بس تم خواہ مخواہ بیچ میں آکودے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ میں آکودا....؟" عمران نے پلکیں جھپکائیں۔

"پتہ نہیں وہ تمہارے پاس کیوں گیا تھا....؟"

"شوق سے آتا مگر سوال یہ ہے کہ مر کیوں گیا....؟"

"میں نے سوچا موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ ادھر وہ مرا اور اُدھر میں نے اس کے مکان میں کچھ ایسی چیزیں رکھوا دیں جو تمہیں الجھا سکیں۔"

"کیا تمہیں یقین تھا کہ وہ پتھر توڑا ہی جائے گا....!"

"بھتیجے میں اس پتھر کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔"

"لیکن اتنی جلدی میری قد آدم تصویر کہاں سے مہیا کر بیٹھے تھے۔"

"چچا کے لئے کچھ بھی ناممکن نہیں بھتیجے.... اور ہاں یہ بھی سنو۔ تم اس فون کا نمبر ٹریس کر کے بھی میرا سراغ نہ پا سکو گے.... کیونکہ میں ایک پبلک [illegible] سے [illegible] رہا ہوں۔"

عمران کچھ کہنا چاہتا تھا کہ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

صفدر اُسے گھور رہا تھا۔ عمران نے ریسیور رکھ کر طویل سانس لی اور صفدر سے بولا۔ ''خواہ مخواہ اپنے ذہن کو مت تھکاؤ۔''

''کون آپ سے نشی کا والے کیس کا بدلہ لے رہا ہے۔''

''کچھ نہیں! مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔'' عمران نے کہا اور پھر فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ بلیک زیرو کے نمبر ڈائیل کئے۔ جواب ملنے پر ماؤتھ پیس میں بولا۔

''ایک روڈ والے کی نگرانی کون کر رہا تھا۔۔۔؟''

''تنویر۔۔۔!'' دوسری طرف سے بلیک زیرو کی آواز آئی۔

''کیا صرف وہی۔۔۔!''

''جی ہاں۔''

''وہ اس وقت ایک روڈ کی گلی نمبر ۴ میں بے ہوش پڑا ہوا ملے گا۔۔۔ دیکھو اگر وہ ابھی تک وہیں ہو تو کسی ڈیوٹی کانسٹیبل کو اس طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرو۔ تمہارے کسی آدمی کو سامنے آنے کی ضرورت نہیں۔ اُسے بذریعہ پولیس ہی ہسپتال پہنچنا چاہئے۔''

''میں سمجھ گیا۔۔۔ ایسا ہی ہوگا۔''

''اُوور اینڈ آل۔۔۔!'' عمران نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

صفدر کچھ دیر تک عمران کو گھورتا رہا پھر بولا۔ ''آپ نے مجھے الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔''

''کافی پیو گے۔۔۔!''

''خیر نہیں بتانا چاہتے تو جانے دیجئے؟'' صفدر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''سلیمان کافی۔۔۔!'' عمران نے ہانک لگائی۔

''سلیمان ہانڈی۔۔۔!'' باورچی خانہ سے جواب ملا۔

''اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' عمران نے ٹھنڈی سانس لی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''اُس عمارت میں کوئی ایسا چور دروازہ بھی ہے جس سے دن دہاڑے بھی داخلہ اس طرح ممکن ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔۔۔!''

''ہو سکتا ہے۔۔۔؟''

''میں یہ اس بناء پر کہہ رہا ہوں کہ مجھے پھنسوانے کے لئے جو سامان وہاں پہنچایا گیا تھا وہ رنسیات کی موت کے بعد ہی پہنچایا گیا تھا؟''

''آپ کو یقین ہے!''

''قطعی طور پر۔۔۔!''

صفدر کچھ نہ بولا۔ عمران بھی کچھ سوچنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔

''مجھے اپنے طور پر بھی اُس عمارت کی تلاشی لینی پڑے گی۔ لیکن میں خود یہ کام نہیں کرنا چاہتا۔۔۔ کیا تم اس کیس میں میری آنکھیں بن سکو گے۔ جان و جگر بننے کو نہیں کہہ رہا۔''

''مجھے کیا کرنا پڑے گا۔''

''آج رات کو چور دروازہ تلاش کرو۔''

''آپ ساتھ نہ ہوں گے۔''

''نہیں۔۔۔ مجھ پر دو طرفہ وار ہو رہے ہیں۔ فیاض کی حرکت تو تم ابھی دیکھ ہی چکے ہو۔''

''انتہائی درجے کا احسان فراموش آدمی ہے۔۔۔ مجھے ایسی امید نہ تھی۔'' صفدر نے کہا۔

''اسسٹنٹ ڈائریکٹر بننے کی فکر میں ہے۔''

پھر بات آگے نہیں بڑھی تھی۔

دس بجے رات کو عمران نے صفدر کے حلیے میں کسی قدر تبدیلی کی۔۔۔ اور عقبی زینوں سے اُسے عمارت کی پشت پر اتار دیا۔۔۔ صفدر کا چہرہ اوور کوٹ کے اٹھے ہوئے کالر اور فلٹ ہیٹ کے جھکے ہوئے گوشے میں چھپ گیا تھا۔

عمران کی ہدایت کے مطابق وہ چند لمحے سڑک پر رکا اور پھر ایک جانب چل پڑا۔

گلی کے تاریک حصوں سے دو آدمی نکل کر اُس کے پیچھے لگ گئے تھے۔ عمران نے طویل سانس لی۔ وہ جانتا تھا کہ عمارت کی نگرانی ہو رہی ہوگی اور نگرانی کرنے والوں میں فیاض کے آدمی بھی ہوں گے اور سنگ ہی کے بھی۔

جب میدان صاف ہو گیا تو وہ بھی گلی میں نظر آیا۔۔۔ کچھ دور چلنے کے بعد مڑ کر دیکھا۔ دور دور تک کسی کا پتہ نہیں تھا۔

صفدر کو اُس نے سمجھا دیا تھا کہ وہ بارہ بجے سے قبل عمارت میں داخل ہونے کی کوشش نہ کرے۔ ویسے صفدر کو رات تک روکے رکھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ نگرانی کرنے والوں کے تعاقب سے بچا رہ سکے۔ اسکیم کامیاب ہوئی تھی اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ صفدر کو کیسے حالات سے دوچار ہونے کے امکانات ہو سکتے ہیں۔ فیاض کے آدمیوں کے ہتھے چڑھ گیا تو وہ اُسے بند ہی کرا دیں گے البتہ سنگ ہی اُسے غیر اہم سمجھ کر نظر انداز بھی کر سکتا تھا۔

وہ خیالات میں الجھا ہوا دانش منزل تک آیا۔ یہاں سے ایک موٹر سائیکل نکالی اور خود بھی

عالمگیر روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔ شانے سے لٹکے ہوئے سفری بیگ میں چھوٹا سا مائیکروفون تھا۔ ویسا ہی جیسا ٹریفک کنٹرول کے کام میں آتا ہے۔

عالمگیر روڈ پر پہنچ کر اُس نے رفتار تیز کر دی اور ماہر ارضیات کی کوٹھی کو بھی پیچھے چھوڑتا ہوا نکلا چلا گیا۔ موٹر سائیکل واٹر کول انجن والی اور بے آواز تھی۔

کچھ دور جانے کے بعد اُس نے موٹر سائیکل روکی اور اُسے وہیں سڑک کے کنارے چھوڑ کر خود پیدل واپس ہوا۔

کوٹھی کی پشت پر ویرانہ تھا.... اُس نے ایک جگہ رک کر تھیلے سے مائیکروفون نکالا اور اُسے بیٹری سے اٹیچ کر کے ایکس ٹو کی بھرائی ہوئی آواز میں چیخا۔

"واپس جاؤ.... کسی کے مشورے پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں.... فوراً واپس جاؤ۔"

دو تین بار جلدی جلدی اُس نے یہی جملے دہرائے اور مائیکروفون کو پھر تھیلے میں رکھ لیا۔

ٹھیک اُسی وقت اُس نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی سنیں اور خود بڑی احتیاط سے نشیب میں اترتا چلا گیا۔

موٹر سائیکل وہیں چھوڑ دی تھی... اگر کسی کے ہاتھ بھی آ جاتی تو کوئی خاص بات نہ تھی... کیونکہ سیکرٹ سروس والے اپنی گاڑیوں میں مختلف مواقع پر مختلف نمبر استعمال کرتے تھے۔

وہ ابھی سطح زمین تک نہیں پہنچا تھا کہ دفعتاً کوئی اس پر آ کودا۔ نہ صرف آ گرا بلکہ اُس سمیت نشیب میں لڑھکتا چلا گیا۔

عمران نے گرتے گرتے کوشش کی تھی کہ حملہ آور کے دونوں ہاتھ اُس کی گرفت میں آ جائیں ایسا ہوا بھی۔ لیکن بوکھلاہٹ میں عمران کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ کیونکہ وہ کسی مرد کا جسم نہیں تھا۔

وہ لڑھکتے ہوئے سطح زمین پر پہنچے.... حملہ آور نے اٹھ کر بھاگنا چاہا لیکن اُس کے بال عمران کی گرفت میں آ گئے۔

"اوہ.... چ...." وہ کراہ کر چیخی اور عمران کے بازو پر جھٹکے مارنے لگی۔

"بس.... بس.... شاباش اچھے بچے ضد نہیں کیا کرتے۔" عمران آہستہ سے بولا لیکن اس

کے بال نہیں چھوڑے۔

"تت.... تم.... کون ہو....!" اُس نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

"پولیس....!" عمران آہستہ سے غرایا۔

اور پھر اُس نے ایسا محسوس کیا جیسے حملہ آور نے ہاتھ پیر ڈال دیئے ہوں۔ لیکن عمران اب بھی اُس کے بال مٹھی میں جکڑے ہوئے تھا۔

کچھ دیر بعد وہ منمنائی۔ "خدا کیلئے مجھے جانے دو۔ چوری کی نیت نہیں تھی شرط کا معاملہ تھا۔"

"اچھا خاموش رہو....!" عمران نے سخت لہجے میں کہا۔

"مگر اب کیا ہوگا....؟" وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔

"میں کہتا ہوں.... خاموش رہو۔"

دونوں زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

"مجھے اٹھنے تو دو....!" وہ پھر منمنائی۔

"کیا مجھے تمہارا گلا ہی گھونٹنا پڑے گا۔ خاموش رہو۔"

وہ پھر نہیں بولی۔ عمران خاموش پڑا مختلف قسم کی آوازیں سنتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد فضا میں سرچ لائٹ کی شعاعیں دکھائی دیں۔

عمران نے سوچا اب گئی ہاتھ سے موٹر سائیکل بھی.... ایسے میں پولیس کے علاوہ اور کون سرچ لائٹ استعمال کرے گا۔

وہ دم سادھے پڑا رہا۔ کچھ دیر بعد سرچ لائٹ کی شعاعیں غائب ہو گئیں وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ لوگ نشیب کی طرف آنے کی ہمت نہیں کریں گے۔ پھر بھی وہ محتاط رہنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ نئی بلا ؟ جس کے بال اس نے پکڑ رکھے تھے۔ اس کا کیا کیا جائے....؟ وہ سوچتا رہا۔

اوہ وہ بلا تو اب اس طرح خاموش پڑی تھی جیسے گہری نیند سو رہی ہو۔

عمران نے اُس کے بالوں پر گرفت مضبوط کر کے جھٹکا دیا اور وہ پھر کراہی۔

"مطلب یہ کہ سو نہ جانا۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"چھوڑو.... مجھے چھوڑ دو....!" یک بیک وہ زور آزمائی پر آمادہ نظر آنے لگی۔

"سارے بال اکھڑ کر مٹھی میں آ جائیں گے۔" عمران غرایا۔

"میں شور مچاؤں گی۔"

"تب پھر شاید گلا ہی گھونٹنا پڑے۔"

دفعتاً اوپر سے آوازیں آئیں۔ کئی لوگ بیک وقت بول رہے تھے۔ عمران سمجھ گیا کہ موٹر سائیکل اُن کے ہاتھ لگ گئی ہے۔ اب کچھ تعجب نہیں کہ اُن میں سے کوئی ادھر بھی آ نکلے۔۔۔۔ سرچ لائٹ تو تھی ہی اُن کے پاس۔ اُس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر تاریکی کچھ زیادہ گہری معلوم ہوئی۔ غالباً یہ کسی قسم کی جھاڑیاں تھیں۔

"چلو۔۔۔ کھسکو۔۔۔ اُدھر چلو۔۔۔!" عمران نے جھاڑیوں کی طرف اشارہ کر کے آہستہ سے کہا۔

"کیوں۔۔۔؟"

"کیا تم آوازیں نہیں سن رہیں۔۔۔۔ وہ ادھر ہی آ رہے ہیں۔"

"کون۔۔۔؟"

"پولیس۔۔۔!"

"اور تم کون ہو۔۔۔؟"

"احمقوں کا ہمدرد۔۔۔۔ چلو جلدی کرو۔"

"ہرگز نہیں۔۔۔ پولیس کے ہاتھوں میں پڑنا گوارا ہے۔۔۔۔ مگر تم؟"

"اجالے میں مجھے دیکھ کر نہال ہو جاؤ گی۔۔۔۔ شاباش کھسکو۔۔۔!"

دفعتاً وہ اٹھ کر پھرتی سے جھکا اور اُسے دونوں ہاتھوں سے اٹھالیا۔ اب وہ جھکا ہوا جھاڑیوں کی طرف دوڑ رہا تھا اور وہ عورت اُس کی گرفت سے نکل جانے کے لئے مچل رہی تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں وہ شور مچا دینے والی دھمکی کو عملی شکل نہ دے سکی۔

جھاڑیوں کی پشت پر پہنچ کر عمران نے اسے کسی وزنی بوجھ کی طرح زمین پر پٹخ دیا۔

"درندے۔۔۔۔ مردود۔۔۔!" وہ روہانسی آواز میں بولی۔

"میں عورتوں کی بات کا بُرا نہیں مانتا۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

"تم کون ہو۔۔۔!"

"یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتا ہوں۔"

"میں کیوں بتاؤں۔"

"یہی جواب میرا بھی ہو سکتا ہے۔ چیونگم پیش کروں۔۔۔!"

"مجھے جانے دو۔۔۔!"

"عورت! بتائے بغیر نہیں جانے دوں گا۔ چاہے ساری رات یہیں گزر جائے۔"

"اچھی بات ہے۔۔۔ تو یہ لو۔۔۔!"

"لاؤ۔۔۔!" عمران نے پھرتی سے اُس کے ہاتھ سے پستول جھپٹ لیا۔۔۔ اُسے یقین تھا کہ وہ غیر مسلح نہ ہو گی۔۔۔۔ جیسے ہی اُس نے پستول کی جھلک دیکھی تیزی سے ہاتھ مارا اور دوسرے ہی لمحے میں پستول اُسکے ہاتھ میں تھا اور ساتھ ہی اُسکے بال پھر اُس کی مٹھی میں جکڑ کر رہ گئے تھے۔

"اعشاریہ دو پانچ کے کھلونے مجھے پسند ہیں۔" عمران ہنس کر بولا۔ "میرے ذخیرے میں چوبیسویں کا اضافہ ہوا۔"

وہ کچھ نہ بولی حالانکہ بالوں پر عمران کی گرفت میں بتدریج سختی آتی جا رہی تھی۔

اُس نے پستول کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "یہ بہت بُری بات ہے کہ تمہیں چیونگم پسند نہیں۔"

"تم کیا چاہتے ہو۔"

"ایڈونچر۔۔۔!"

"اوہ۔۔۔ تو یہ کہو کہ۔۔۔۔ تم ہماری تنظیم کی کسی شاخ سے تعلق رکھتے ہو۔"

"بہت دیر میں سمجھی۔۔۔!" عمران نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بال چھوڑو میرے۔۔۔!"

"یہ لو۔۔۔!"

وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔۔۔ اور چند لمحے بعد بولی۔ "میرا پستول۔۔۔!"

عمران نے جیب میں ہاتھ ڈالے ہی ڈالے پستول خالی کر دیا اور پھر بولا۔ "اب پستول پر قبضہ کر لینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔۔۔ یہ لو۔۔۔!"

"ایڈونچر اور تنظیم۔۔۔ یہ دو الفاظ اس اچانک تبدیلی کا باعث بنے تھے اور عمران انہیں کے متعلق سوچ رہا تھا۔"

لڑکی نے اس کے ہاتھ سے پستول لے لیا اور بولی۔ "آپ کس شاخ سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"شاخ آہو سے۔۔۔۔ بلکہ پنج شاخہ سمجھ لو۔"

"نہیں بتانا چاہتے۔"

"چیونگم۔۔۔!" عمران نے چیونگم کا پیکٹ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

اس بار اُس نے چپ چاپ پیکٹ لے لیا اور بولی۔ "ہم کب تک یہاں بیٹھے رہیں گے

اُس آواز نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔۔۔ ورنہ میں تو اس جگہ تک پہنچ چکی تھی۔"

"ہاں۔۔۔ وہ آواز۔"

"آپ کس لئے آئے تھے۔"

"متعدد معاملات تھے۔"

"خیر.... ہوگا.... میں یہاں سے زیادہ دور نہیں رہتی۔"

"احتیاطاً ہمیں کچھ دیر اور یہیں رکنا چاہئے.... چھپے ہوئے لوگ بھی حرکت میں آگئے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"کچھ تو باوردی ہیں جو کھلے عام پہرہ دے رہے تھے اور کچھ سی۔ آئی۔ ڈی والے.... جو اِدھر اُدھر چھپ کر عمارت کی نگرانی کر رہے تھے۔ اچھا ہی ہوا کہ تم نے اندر گھسنے کی کوشش نہیں کی۔"

"میں سچ کہتی ہوں۔ اُس اچانک آواز نے بوکھلا دیا تھا.... ورنہ میں اس طرح اندر پہنچتی کہ سی۔ آئی۔ ڈی بھی جھک مار کر رہ جاتی۔"

"چور دروازہ....!"

"ہاں میرے علاوہ اور کسی کو اس کا علم نہیں۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب ماہر ارضیات کے متعلق بھی کچھ معلوم ہو سکے۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تم یہیں ٹھہرو میں دیکھوں کہ اب سڑک کی پوزیشن کیا ہے۔"

"میں تنہا یہاں نہیں رکوں گی۔"

"خیر.... چلو....!" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

وہ دونوں جھکے جھکے چڑھائی پر چڑھنے لگے۔ کچھ دور چلنے کے بعد عمران نے اُسے پیچھے ہی روک دیا اور خود سینے کے بل کھسکتا ہوا اوپر پہنچ گیا۔

کچھ دور سامنے ایک دھبہ سا نظر آرہا تھا.... تھوڑی دیر آنکھیں پھاڑتے رہنے کے بعد وہ اندازہ کر سکا کہ موٹر سائیکل اب بھی وہیں موجود ہے جہاں اُس نے چھوڑی تھی۔

وہ چپ چاپ پلٹ پڑا....

"کیا بات ہے....!" اُس نے پوچھا۔

"چال.... واپس چلو....!"

وہ اُس کا ہاتھ پکڑے نشیب میں اترتا چلا گیا.... اس بار وہ جھاڑیوں کے قریب رکنے کی بجائے آگے ہی بڑھتے رہے۔

"اب ہم کہاں جارہے ہیں۔" اُس نے پوچھا۔

"تم عالمگیر روڈ ہی پر رہتی ہو نا....!"

"ہاں....!"

"مکان نمبر....!"

"بائیس....!"

"بہت دور چلنا پڑے گا۔"

"اوہ.... تو پیدل....!"

"آئی کیسے تھیں....؟"

"رکشے سے۔"

"میری موٹر سائیکل اب بھی اُدھر موجود ہے۔" عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"تو پھر اُسے ہی کیوں نہ لے لیں۔"

"میں بہت بے وقوف آدمی ہوں اس لئے مجھ سے ایسی عقلمندی سرزد نہیں ہو سکتی۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"وہ لوگ یقینی طور پر میری گاڑی تک آئے تھے اُن کے پاس سرچ لائٹ بھی تھی لیکن انہوں نے میری گاڑی وہاں سے ہٹائی نہیں۔ ان کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اِدھر اُدھر چھپے ہوئے گاڑی کے مالک کے منتظر ہوں گے۔"

"گہرے معلوم ہوتے ہو۔" وہ ہنس کر بولی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ "لیکن گاڑی کے نمبر سے وہ تم تک پہنچ جائیں گے۔"

"جو نمبر اس وقت گاڑی میں موجود ہے وہ دنیا کے کسی رجسٹر میں نہیں مل سکیں گے۔"

"جعلی نمبر....؟"

"ایسی مہمات میں.... اصلی نمبر کبھی استعمال نہیں کئے جاتے۔"

"واقعی بہت گہرے ہو۔ لیکن اتنی دور پیدل.... بڑا چکر پڑے گا۔"

"ایڈونچر....!" عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

پھر وہ کچھ نہیں بولی۔ عالمگیر روڈ کی عمارات بہت پیچھے رہ گئی تھیں وہ لمبا چکر لے رہے تھے۔

عمران اندازہ کر چکا تھا کہ یہاں سے مڑ کر وہ سیدھے بائیسویں عمارت تک پہنچیں گے۔ لیکن دفعتاً انہیں پھر ایک دشواری کا سامنا کرنا پڑا.... سرچ لائٹ کی شعاعیں میدان میں دور دور تک چکرانے لگی تھیں.... ایک بار وہ روشنی کی زد میں آئے اور پھر سرچ لائٹ کی روشنی ان کے

ساتھ ہی ساتھ حرکت کرتی رہی۔

"یہ کیا ہوا....!" وہ بوکھلا کر بولی۔

"پرواہ مت کرو.... تمہارا نام کیا ہے؟"

"ساجدہ حبیب۔"

"حبیب.... شوہر ہیں۔"

"نہیں والد۔"

"گڈ.... تو تم فی الحال ساجدہ درانی ہو اور میں کرنل نادر درانی ہوں۔"

"کک.... کیوں....؟"

"تمہارے گھر پر اور کون ہے۔"

"کوئی بھی نہیں۔ میں تنہا رہتی ہوں؟"

"یہ اور بھی اچھا ہے اور دیکھو.... دو باوردی پولیس والے ہماری طرف آرہے ہیں۔"

سرچ لائٹ کی شعاعیں اب بھی ان کے ساتھ ہی حرکت کر رہی تھیں اور وہ پوری طرح روشنی میں تھے.... اب عمران نے اُسے دیکھا۔ خاصی قبول صورت لڑکی تھی۔ عمر زیادہ سے زیادہ چوبیس سال رہی ہوگی۔ سیاہ پتلون اور سیاہ جیکٹ میں ملبوس تھی۔

"اپنے کپڑے جھاڑ ڈالو....!" عمران نے کہا اور اُس کا ریڈی میڈ میک اپ جیب سے نکل کر چہرے سے جالگا۔ طوطے کی چونچ کی طرح جھکی ہوئی پلاسٹک کی ناک اور اُسی سے منسلکہ نقلی مونچھیں۔ اور پھر اُس نے اوور کوٹ کا کالر بھی گرا دیا.... بہر حال لڑکی اُس کا چہرہ میک اپ میں ہی دیکھ سکی تھی۔

دفعتاً ان کی طرف آنے والوں میں سے کسی نے گرج کر کہا۔ "ہالٹ ہو کمس دیئر....!"

"فرینڈز....!" عمران نے جواب دیا اور رک گیا۔

وہ تیر کی طرح قریب آئے.... اور عمران نے بارعب لہجے میں پوچھا۔ "کیا بات ہے۔"

"آپ لوگ اس وقت یہاں....!"

"اونہہ....!" عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔ "کیا یہ کوئی ممنوعہ علاقہ ہے۔ ہم چہل قدمی کر رہے ہیں۔"

"آپ کون ہیں۔"

"کرنل نادر درانی آف سیکنڈ بٹالین بابر رجمنٹ۔"

"کیا آپ اپنے کاغذات دکھا سکیں گے۔"

"کیا....!" عمران بدلی ہوئی آواز میں حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "میں کاغذات ہر وقت جیب میں لئے گھومتا رہتا ہوں۔"

"معاف کیجئے گا کرنل صاحب۔" دوسرے نے کسی قدر مرعوب ہو کر کہا۔

"یہاں ایک قتل ہو گیا ہے۔"

"تو پھر ہم کیا کریں۔" عمران آگے بڑھتا ہوا بولا۔ "جو کچھ پوچھنا ہو بائیس عالمگیر روڈ میں آکر پوچھنا۔"

لڑکی اُس کا بازو پکڑے اُس کے ساتھ گھسٹتی رہی۔ وہ خوفزدہ تھی۔

☆

کچھ دیر بعد وہ پھر اندھیرے میں تھے۔ سرچ لائٹ نے اُن کا پیچھا چھوڑ دیا تھا۔

"ذرا آہستہ چلو....!" لڑکی بولی۔

"اب اگر اُن سے کسی بڑے آفیسر سے ملاقات ہو گئی تو تم جانو.... یہ تو لونڈے تھے.... مرعوب ہو گئے۔"

"کمال کر دیا تم نے تو....!" لڑکی ہنس پڑی۔ "کیا نادر شاہ درانی کی ناک بھی ایسی ہی تھی۔"

"مضحکہ نہ اڑاؤ میرا۔" عمران دردناک لہجے میں بولا۔ "اگر ناک ایسی نہ ہوتی تو شاعر ہوتا۔"

"کیا بات ہوئی۔"

"بہت بڑی بات۔ شاعری شروع کی تھی۔ ایک مشاعرے میں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ غزل پڑھ رہا تو کسی گوشے سے آواز آئی.... واہ مٹھو بیٹھے تم نے تو کمال کر دیا۔"

لڑکی ہنس پڑی اور عمران نے کراہ کر کہا۔ "اس کے بعد میں نے سوچا کہ یہ ناک شاعروں کے لئے موزوں نہیں ہے۔"

وہ آبادی کے قریب پہنچ گئے تھے.... عالمگیر روڈ کی بائیسویں عمارت بھی دوسری عمارتوں سے الگ تھلگ ثابت ہوئی۔

"تم نے انہیں صحیح پتہ بتا کر اچھا نہیں کیا۔" لڑکی پُر تشویش لہجے میں بولی۔ "یقین کرو کہ ان میں سے کوئی بھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا.... انہیں تو صرف ایک آدمی کو کسی نہ کسی طرح اس میں پھانسنا ہے۔"

”کسے....!“

”جس کے فلیٹ میں پروفیسر کی لاش ملی تھی۔“

”عمران....؟“لڑکی نے پوچھا۔

”کیا تم اُسے جانتی ہو۔“

”اکثر ہماری میٹنگز میں اُس کا نام آیا ہے۔“

”آہم.... تو یہاں پھاٹک پر کیوں رک گئی ہو.... اندر چلو....!“

”آؤ....!“وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

عمارت کافی بڑی معلوم ہوتی تھی۔ کہیں بھی روشنی نہ دکھائی دی۔ ان سے گذر کر وہ برآمدے میں آئے۔ سوئچ آن کرنے کی آواز سنائی دی اور برآمدہ روشن ہو گیا۔

”اتنی بڑی عمارت میں تنہا رہتی ہو۔“عمران نے پوچھا۔

”صرف دو کمرے میرے ہیں۔ بقیہ انجمن کے قبضے میں ہیں۔“

عمارت سنسان پڑی تھی۔ وہ مختلف راہداریوں سے گذرتی ہوئی بلب روشن کرتی جارہی تھی۔ بالآخر ایک کمرے میں داخل ہوئے۔

نشست کا کمرہ تھا اور سلیقہ سے سجایا گیا تھا۔

”بیٹھو....!“لڑکی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”اوہم....!“عمران نے بیٹھ کر چاروں طرف نظر دوڑائی۔

”چائے پیو گے یا کافی۔“

”کچھ بھی نہیں۔“

”ٹھنڈک آج بڑھ گئی ہے.... میں تو ضرورت محسوس کر رہی ہوں۔“

”میں تو زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکوں گا۔ جو کچھ کرنا ہے آج ہی کرنا ہے۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ تم چور دروازے سے واقف ہو....!“

”آخر تم کہاں سے آئے ہو۔“

”عادل آباد سے۔“

”کیا پروفیسر کی موت کی خبر آج ہی وہاں پہنچی تھی۔“

”صرف دو گھنٹے کے بعد۔“

”تو پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو۔“

”کوٹھی میں داخل ہونا بے حد ضروری ہے۔“

”کیوں....؟“وہ اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

”کاغذات....!“عمران نے اندھیرے میں تیر پھینکا۔

”ہم بے خبر تو نہیں ہیں۔ آخر عادل آباد والے کیوں اس طرح جھپٹ پڑے۔ وہاں کا سربراہ کون ہے۔“

”میں....!“عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔”اب جلدی سے چور دروازے کی نشاندہی کرو اور یہ بھی بتاؤ کہ کاغذات کہاں ملیں گے۔“

”میں نائب صدر کی اجازت حاصل کیے بغیر ایسا نہیں کر سکتی۔“

”جلدی حاصل کرو۔“عمران نے فون کی طرف اشارہ کیا۔

لڑکی کے چہرے سے تذبذب ظاہر ہو رہا تھا۔

”اوہ.... اتنی دیر....! تم حالات کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتیں۔“

”کیسے حالات....؟“

”اب بحث بھی کرو گی۔“عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

لڑکی نے قہقہہ لگایا اُس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ دوسرے ہی لمحے میں اُس کے ہاتھ میں پستول نظر آیا رخ عمران ہی کی طرف تھا۔ عمران نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

”ایک بے باک دوسرے بے باک سے ایسے لہجے میں کبھی گفتگو نہیں کرتا۔“وہ پستول سے اس کے دل کا نشانہ لیتی ہوئی بولی۔

”لیکن میری لاش کا کیا بنے گا۔“عمران نے اُس کی طرف دیکھے بغیر لاپروائی سے پوچھا۔

”میری بات کا جواب دو! تم کون ہو؟“لڑکی نے سخت لہجے میں پوچھا۔

”کرنل نادر درانی۔“

”بکواس مت کرو۔“

”آخاہ.... شامت آئی ہے کیا.... بی مینڈکی۔“

”میرے ہاتھ میں پستول ہے۔“

”اوہ.... اچھا۔“عمران چونک کر اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا اور لڑکی کے ہونٹوں پر فاتحانہ سی مسکراہٹ نظر آئی۔

"ہاں پستول تو ہے پھر....!"

"پھر یہ کہ تم اس کا نشانہ بھی بن سکتے ہو۔"

"لیکن اس سے فرق کیا پڑے گا۔"

"میں پوچھتی ہوں تم کون ہو۔"

"لڑکی بہتری اسی میں ہے کہ چور دروازے کا پتہ بتاؤ.... اور یہ بھی بتاؤ کہ کاغذات کہاں رکھے ہیں۔"

"مگر تم سی۔ آئی۔ ڈی کے آدمی ہو تو یہاں سے زندہ نہیں جاسکو گے۔" لڑکی کے چہرے پر درشتی نظر آنے لگی تھی۔

"لہٰذا میں زندہ ہی جاؤں گا کیونکہ سی۔ آئی۔ ڈی کا آدمی نہیں ہوں۔ میرا ذاتی کاروبار ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"بلیک میلر ہوں۔"

"اوہ....!"

"جی ہاں....!" عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"تب تو.... یہ لو....!" لڑکی نے دانت بھینچ کر ٹریگر دبادیا۔

"اور.... میں .... مر بھی گیا۔" عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بدستور مسکراتا رہا۔ لڑکی نے متحیرانہ انداز میں پستول کی طرف دیکھا اور اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھ جاؤ....!" عمران نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

لڑکی کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا.... وہ اسے خوفزدہ نظروں سے دیکھتی ہوئی بیٹھ گئی۔

"اس کے کارتوس میری جیب میں ہیں۔" عمران نے لہجہ نرم کئے بغیر کہا۔ "اب تم میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

"نہیں میں نہیں جاؤں گی۔"

"زبردستی لے جاؤں گا۔"

عمران جھپٹ کر اٹھا اور اس کی کنپٹی پر ہلکی سی تھپکی دی۔ لڑکی نے سر پیچھے ہٹایا جو آواز کے ساتھ دیوار سے ٹکرا کر پھر آگے جھک آیا۔ اُس کی آنکھیں بند ہوتی جارہی تھیں۔ اگر عمران سنبھال نہ لیتا تو منہ کے بل فرش پر آئی ہوتی۔ اس نے اسے بہ آہستگی فرش ہی پر ڈال دیا۔ پھر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

پھر خواب گاہ میں آیا اور جس توقع پر آیا تھا وہ پوری بھی ہوئی اُس نے آگے بڑھ کر بلیک زیرو کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے ریسیور اٹھنے کی آواز آئی اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "بلیک زیرو....!"

"میں بول رہا ہوں.... عالمگیر روڈ کی کوٹھی نمبر بائیس کے پھاٹک پر ایک کار چاہئے.... جلدی کرو.... میں منتظر ہوں۔"

ریسیور رکھ کر وہ کمرے کی تلاشی لینے لگا۔ لیکن کوئی کار آمد چیز ہاتھ نہ لگی....

وہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ کوئی آہی جاتا۔ پھر مزید دشواریاں پیش آتیں.... یہ بھی ممکن تھا کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا.... وہ کسی تنظیم سے تعلق رکھتی تھی.... ہو سکتا ہے کہ اُس تنظیم کا سربراہ سنگ ہی ہو۔ ممکن ہے کہ پروفیسر راشد بھی سنگ ہی کے ساتھیوں میں سے رہا ہو۔ کوئی ایسا جس نے سنگ ہی کا رستہ کاٹنے کی کوشش کی ہو اور اپنے انجام کو پہنچا ہو اور اب سنگ اس فکر میں ہو کہ پروفیسر کے کاغذات اس کی کوٹھی سے نکلوائے۔

لڑکی نے خود ہی بتایا تھا کہ صرف وہ چور دروازے سے واقف تھی اور اُسے وہ مقام بھی معلوم تھا جہاں کاغذات رکھے تھے۔ ہو سکتا تھا کہ وہ پروفیسر سے بہت زیادہ قریب رہی ہو۔

اُس نے فیصلہ کیا کہ گاڑی کا انتظار عمارت کے اندر ٹھہر کر نہ کرنا چاہئے کیونکہ پوری عمارت اُس کی دیکھی ہوئی نہیں تھی۔

اُس نے بے ہوش لڑکی کو کاندھے پر اٹھایا اور اپنے عقب کی روشنیاں گل کرتا ہوا باہر چلا آیا۔ پائیں باغ میں بھی اندھیرا تھا.... اُس نے لڑکی کو پتھر کی بنچ پر ڈال دیا اور خود چہار دیواری کی جھجھریوں سے باہر دیکھنے لگا۔

اندازے کے مطابق بلیک زیرو ٹھیک وقت پر پہنچا تھا اور گاڑی پھاٹک پر روک دی تھی۔ دونوں کے درمیان مخصوص قسم کے صوتی اشارے ہوئے اور اطمینان کر لینے کے بعد عمران نے بے ہوش لڑکی کو گاڑی کی پچھلی نشست پر ڈال دیا۔ کچھ دیر بعد بلیک زیرو کار ڈرائیو کر رہا تھا اور وہ دانش منزل کی طرف جارہے تھے۔

"یہ آپ کس چکر میں پھنس گئے ہیں۔" بلیک زیرو نے عمران سے پوچھا۔

"ابھی تک میں خود بھی نہیں سمجھ سکا۔"

"یہ لڑکی کون ہے۔"

"یہی معلوم کرنے کے لئے ہیڈ کوارٹر لے جارہا ہوں۔"

بلیک زیرو خاموش ہو گیا.... کچھ دیر خاموش ہی رہا لیکن پھر شاید کسی دوسرے جواب طلب مسئلے نے بے چین کیا اور وہ خود مضطربانہ انداز میں بولا۔ "انسپکٹر کی موت نے آپ کی پوزیشن خراب کر دی ہے۔"

"بس ختم کرو.... ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا.... آج کئی بار یہ جملہ سن چکا ہوں۔" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کیا میں غلط کہہ رہا ہوں....؟"

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ ضمانت قبل از گرفتاری کی وجہ سے فی الحال گردن بچ گئی ہے۔"

کار کی رفتار تیز تھی.... اس لئے دانش منزل تک پہنچنے میں دیر نہیں لگی۔

✡

وہ ساؤنڈ پروف کمرے سے باہر نکل کر ملبوسات کے کمرے میں آیا اور اپنا لباس تبدیل کرنے لگا.... پلاسٹک کی مصنوعی ناک بھی چہرے سے الگ کر دی۔

اب وہ ایسے لباس میں تھا کہ دیکھنے والے اُسے کوئی گھریلو خانساماں ہی سمجھتے۔

لڑکی کو ساؤنڈ پروف کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ عمران محسوس کر رہا تھا کہ اب وہ جلد ہی ہوش میں آجائے گی۔

وہ پھر ساؤنڈ پروف کمرے میں واپس آیا.... لڑکی ہوش میں آچکی تھی اور متحیرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

عمران کی آمد پر چونکی اور کچھ بولے بغیر اُسے گھورتی رہی۔ عمران کے چہرے پر حماقت کی بدلیاں چھائی ہوئی تھیں۔

"تم کون ہو....!" اُس نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

"ب.... باورچی مس صاحب۔" عمران نے بوکھلا کر جواب دیا۔

"میں کہاں ہوں....؟"

"جج جی.... آپ یہاں ہیں۔" احمقانہ انداز میں جواب دیا گیا۔

"شٹ اپ.... مجھے یہاں کون لایا۔"

"آپ کے کزن.... مس صاحب۔"

"میرا کوئی کزن نہیں ہے۔" وہ غرائی۔

"مم.... میں معافی چاہتا ہوں۔" عمران ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"کس بات کی معافی۔"

"مجھے جب بھی کسی کے ساتھ کوئی نئی لڑکی نظر آتی ہے تو میں اُسے اسکی کزن ہی سمجھتا ہوں۔"

"کیا بکواس ہے.... بتاؤ مجھے یہاں کون لایا ہے۔"

"جج.... جی.... کرنل صاحب....!"

"کون کرنل........!"

"جن کا یہ مکان ہے۔"

"کیا نام ہے....؟"

"کرنل نادر درانی....!"

"کون کرنل نادر درانی۔"

"یہ بتانا تو بہت دشوار ہے جناب.... میں ان کے علاوہ اور کسی نادر درانی کو نہیں جانتا۔"

"وہ کہاں ہے؟"

"ڈرائینگ روم میں بیٹھے رائفل چلا رہے ہیں۔"

"کیا بکتا ہے....؟"

"صاحب آپ یہ بتائیے کہ میں آپ کے لئے کیا لاؤں....؟"

لڑکی کچھ سوچنے لگی۔ پھر مسکرا کر بولی۔ "یہاں آؤ....؟"

"جی....!" وہ متحیرانہ انداز میں آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"یہاں.... بیٹھو....!" وہ صوفے کے کنارے کی طرف کھسکتی ہوئی بولی۔

ن.... نہیں.... جناب.... میں باورچی ہوں جناب....!"

"ہوا کرو....!" لڑکی نے لاپرواہی سے کہا۔ "مجھے تو اچھے لگتے ہو۔"

"ارے باپ رے؟" عمران تھوک نگل کر پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"آؤ.... آؤ....!"

عمران نے پلٹ کر خوفزدہ انداز میں دروازے کی طرف دیکھا اور پھر لڑکی کو دیکھنے لگا۔

"کیوں یہ بات ہے....!" لڑکی نے پوچھا۔

"گگ.... گولی.... مم.... مار دیں گے۔" عمران اس طرح بولا جیسے شدید سردی کی وجہ

سے دانت بجنے لگے ہوں۔

"اوہ.... ڈرپورک۔" لڑکی ہنسنے لگی۔ "آؤ.... آؤ.... ورنہ میں گھسیٹ کر بٹھادوں گی۔"

"ارے نہیں.... خدا کے لئے رحم کیجئے مجھ پر....!" عمران روہانسی آواز میں بولا۔

"چلو....!" اُس نے اٹھ کر اُس کا ہاتھ پکڑلیا.... اور صوفے کے قریب گھسیٹ لائی۔

عمران اس طرح ہانپ رہا تھا جیسے بہت دور سے دوڑتا ہوا یہاں تک آیا ہو۔

چہرے پر کچھ ایسے تاثرات تھے جیسے جانکنی میں مبتلا ہو۔ لڑکی اُسے دلچسپی سے دیکھتی رہی۔

"کیوں مرے جارہے ہو....!" اس نے ہنس کر پوچھا۔

"پپ.... پا....!" عمران منہ پھیلا کر رہ گیا۔

"کیا....؟"

"پانی.... پانی....!" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "میرا دم گھٹ رہا ہے۔"

"میں کہاں سے لاؤں پانی....!"

"آپ باہر نہیں جاسکتیں.... بڑے خونخوار کتے ہیں۔ چیر پھاڑ ڈالیں گے۔"

"تو پھر تم ہی دوڑ کر پی آؤ۔"

"جی بہت اچھا....!" عمران اٹھ کر دروازے کی طرف جھپٹا.... لیکن لڑکی نے ہاتھ پکڑلیا۔

"اگر واپس نہ آئے تو....!" اُس نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"گگ.... گولی ماردیجئے گا۔" عمران نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"جاؤ....!" اُس نے ہاتھ چھوڑدیا۔

اور عمران دروازہ کھول کر باہر چلا گیا.... لڑکی بھی دروازے کے قریب آئی جو عمران کے باہر نکلتے ہی بند ہو گیا تھا.... ہینڈل پر زور صرف کرتی رہی لیکن اُسے گھما نہ سکی۔

واپس آکر پھر صوفے پر گر گئی۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور عمران اندر داخل ہو کر احمقانہ انداز میں بولا۔

"جی.... پی آیا۔"

"آؤ....!" اُس نے بائیں جانب صوفے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"تو یہیں سے بتادیجئے نا....!"

وہ پھر ہنس پڑی اور بولی۔ "اتنا ڈرتے کیوں ہو۔"

وہ پھر اٹھ کر اُس کے قریب آئی۔ چند لمحے خاموش کھڑی اُس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی

پھر اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "میں اونچ نیچ کا خیال نہیں کرتی۔ تم اگر باورچی ہو تو اس سے کیا۔ میری ہی طرح آدمی ہو.... اور صورت سے شریف بھی معلوم ہوتے ہو۔ پھر ہمارے درمیان دوری کیسی؟"

"وہ تو.... وہ تو ٹھیک ہے.... لل.... لیکن....!"

"کیا لیکن لیکن لگا رکھی ہے۔" وہ کسی قدر جھنجھلا کر بولی۔

"کک.... کرنل صاحب۔"

"جہنم میں جھونکو اسے....!"

"وہ.... آپ کے کزن ہیں۔"

"بکتا ہے۔ میرا کوئی نہیں.... زبردستی اٹھالایا ہے۔"

"ارے باپ رے۔"

"تمہیں مجھ سے ہمدردی ہونی چاہئے کیونکہ میں خود کو تم سے برتر نہیں سمجھتی۔"

"جی ہاں.... بالکل بالکل....!" عمران سر ہلا کر بولا۔

"تو پھر مجھے اس جنجال سے بچاؤ.... باہر نکال دو۔"

"ہاں.... ہوسکتا ہے۔" عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کرنل صاحب بھی سو رہے ہیں.... بہت زیادہ پی جانے کے بعد وہ ہمیشہ سو جاتے ہیں.... لیکن.... لیکن.... مصیبت تو یہ ہے کہ کتے۔"

"تم تو ساتھ ہو گے۔"

"بالکل.... لیکن وہ تو کرنل صاحب کے ساتھ آنے والوں پر بھی جھپٹ پڑتے ہیں۔ کرنل صاحب خود کتنا ہی چیخیں چلائیں ایک نہیں سنتے پچھلی رات ایک صاحبہ کی ساڑھی پھاڑ ڈالی تھی.... جی ہاں.... ٹانگ پر منہ مار دیا تھا۔ تب یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ ساڑھی فائدہ مند پہناوا ہے.... شلوار ہوتی تو ٹانگ ہی منہ میں آتی.... کیوں....؟"

"تم انہیں پہلے سے باندھ آؤ....!"

"میں....!" عمران کے چہرے سے تحیر آمیز خوف ظاہر ہو رہا تھا۔

"ہاں بھئی تم ہی....!"

"ارے صاحب۔ میرے والد صاحب بھی اس کی ہمت نہیں کر سکتے۔ خود کرنل صاحب ہی انہیں کھولتے باندھتے ہیں۔"

"پھر آخر میں کس طرح باہر جاؤں گی۔" اُس نے جھنجھلا کر کہا۔

"برانڈی پلادوں کم بختوں کو۔" عمران نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا.... اور وہ ہنس پڑی۔

پوچھنے کا انداز ہی ایسا تھا کہ بے ساختہ ہنسی آجاتی۔

"اس سے کیا فائدہ ہوگا۔" لڑکی نے پوچھا۔ لیکن عمران کچھ نہ بولا۔ چہرے پر فکر مندی اور مایوسی کے آثار تھے۔

"کیوں چپ ہوگئے....!" لڑکی نے اُس کا شانہ پکڑ کر ہلایا۔

"فضول ہے۔" عمران سر ہلا کر مردہ سی آواز میں بولا۔ "برانڈی سے بھی کچھ نہ ہوگا.... ایک بار بڑی مصیبت میں پھنس چکا ہوں۔"

"کیوں.... کیا ہوا تھا۔"

"کرنل صاحب کے ساتھ کچھ عورتیں آئی تھیں۔ کتے بھونک رہے تھے۔ نہ جانے کیوں انہیں مجھ پر غصہ آگیا۔ کہنے لگے چپ کراؤ انہیں.... ورنہ گولی ماردوں گا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح چپ کراؤں.... بوکھلاہٹ میں دودھ میں برانڈی ملائی اور پلادی.... کچھ دیر کے لئے خاموش ہوگئے.... لیکن پھر جو منہ اٹھا اٹھا کر رونا شروع کیا ہے تو کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی میں تو باہر بھاگ گیا تھا۔"

"لیکن وہ آج تو نہیں بھونک رہے۔"

"پتہ نہیں.... مجھے بھی حیرت ہے۔"

"تو پھر کیا اب میں یہیں قید رہوں گی....!" لڑکی اُس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ "آخر وہ مجھے یہاں کیوں لایا ہے۔"

"اللہ آپ کے حال پر رحم کرے۔" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کیوں....؟ کیوں....؟"

"کرنل صاحب کسی خاص قسم کے پاگل پن میں مبتلا ہیں۔"

"پاگل پن....!" لڑکی نے خوفزدہ سی آواز میں دہرایا۔

"جی ہاں.... میں اسے پاگل پن ہی کہوں گا۔ وہ لڑکیوں کو لاتے ہیں۔ کھلاتے پلاتے ہیں اور پھر زبردستی ان کے سر مونڈھ دیتے ہیں۔ روشنائی سے ڈاڑھی مونچھیں بناتے ہیں.... اور پتہ نہیں کیا کیا۔"

"اوہ....!"

"جی ہاں۔ میرا دل کڑھتا ہے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "لیکن کیا کر سکتا ہوں۔ نوکری ہی

ٹھہری....!"

"خدا کے لئے مجھے کسی طرح رہائی دلاؤ۔"

"یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب میں بھی یہاں سے چلا جاؤں۔"

"تو تم بھی چلو....!"

"اور پھر بھوکوں مروں.... کیوں....!" عمران غصیلی آواز میں بولا۔

"میں ذمہ لیتی ہوں میں تمہیں ملازمت دلاؤں گی۔"

"اس شہر میں تو ممکن نہیں.... وہ مجھے ڈھونڈ کر گولی ماردے گا۔"

"کہیں اور چلتے ہیں۔"

"کہاں....!"

لڑکی کسی سوچ میں پڑگئی۔ پھر بولی۔ "ہم یہاں سے سیدھے عادل آباد چلیں گے۔ وہاں تمہاری ملازمت کا انتظام کر کے میں واپس آجاؤں گی۔!"

"دھوکا تو نہیں ہوگا۔"

"ہرگز نہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ میں کتوں کو بند کرنے کی کوشش کروں گا۔" وہ دروازے کی جانب بڑھتا ہوا بولا۔

پھر باہر آکر کچھ دیر خاموش کھڑا رہا۔

لائبریری کے کلاک نے دو بجائے.... اور وہ پھر ساؤنڈ پروف کمرے کی طرف پلٹ آیا.... اور اندر داخل ہوتے ہی اسی طرح ہانپنے لگا جیسے اس وقفے میں صرف دوڑ دھوپ کرتا رہا ہو۔

"کیا ہوا....؟" لڑکی نے پوچھا۔

"بند کر آیا ہوں۔" عمران نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

"تو پھر چلوں....!"

"ٹھہریئے....!" عمران ہاتھ اٹھا کر بولا اور گم سم کھڑا رہا۔

"کیا بات ہے؟"

"آپ گاڑی ڈرائیو کر سکیں گی۔"

"بہت آسانی سے۔"

"بہت اچھا۔ تو یہ لیجئے.... اسے آنکھوں پر چڑھا لیجئے۔" عمران نے چمڑے کا ایک خول اُس

کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب.... یہ کیا ہے۔"

"حفاظتی پٹی کہلاتی ہے یہاں.... جو لوگ یہاں کے عجائبات سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں آنکھیں بند رکھتے ہیں.... میں آپ کی رہنمائی کروں گا۔"

"آخر کیوں....؟"

"وقت نہ ضائع کیجئے.... میں نہیں چاہتا کہ آپ کسی منظر پر بے ساختہ چیخ پڑیں اور بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔"

"میں کچھ نہیں سمجھ سکتی۔"

"کچھ نہ سمجھ سکنے والے زیادہ عرصہ تک زندہ رہتے ہیں۔ کچھ نہ سمجھ سکنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔"

لڑکی نے اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور بولی۔ "کیا تم پڑھے لکھے آدمی ہو۔"

"لایعنی اور اُوٹ پٹانگ باتوں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔" عمران نے سر ہلا کر کہا۔

لڑکی اُسے گھورتی رہی۔

"تھوڑا وقت اور گزر جانے کے بعد میں کچھ نہ کر سکونگا۔" عمران نے جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"اچھا....!" لڑکی نے مردہ سی آواز میں کہا اور عمران نے وہ چرمی خول اس کے سر پر اس طرح منڈھ دیا کہ آنکھیں بند ہو کر رہ گئیں۔

"آپ میرا ہاتھ پکڑیئے اور چپ چاپ چلتی رہیئے۔"

لڑکی کچھ بولے بغیر اُس کی ہدایات پر عمل کرتی رہی.... غالباً پندرہ منٹ تک اُسے اسی طرح چلنا پڑا.... دانش منزل سے نکل کر وہ بائیں جانب والی سڑک پر چل رہے تھے۔

عمران ایک جگہ رک گیا۔ قریب ہی چھوٹی سی کار کھڑی تھی۔

"اب یہ ٹوپی اتار دیجئے....!" عمران نے کہا۔

"ہم عمارت کے باہر ہیں....!" عمران بولا۔

"کس عمارت کے باہر....!"

"چلئے چلئے....!" عمران نے اُسے گاڑی کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

لڑکی نے اسٹیئرنگ تو سنبھال لیا لیکن عمران کی طرف منہ کئے بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔

"چلئے....!" عمران بولا۔

"کہاں چلوں.... میں نہیں جانتی کہ شہر کے کس حصے میں ہوں....!"

"اگلے چوراہے سے بائیں جانب موڑ لیجئے گا.... شاید راستہ آپ کے سمجھ میں آسکے۔"

انجن اسٹارٹ ہوا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔ پھر عمران کی ہدایت کے مطابق اگلے چوراہے پر بائیں جانب موڑ دی گئی۔

"وہاں ہرگز نہ چلئے گا جہاں سے کرنل آپ کو لایا تھا۔" عمران نے کہا۔

"کیوں....؟"

"آنکھ کھلتے ہی وہیں چڑھ دوڑے گا اور آنکھ جلد ہی کھلے گی کیونکہ کتوں کو اسی کی خواب گاہ میں ہانک آیا ہوں.... انہیں تھوڑی سی پلا بھی دی تھی۔"

"تو پھر میں کہاں چلوں.... کوئی ایسی جگہ میرے علم میں نہیں.... البتہ عادل آباد۔"

"لمبا سفر ہے۔ دھر لئے جائیں گے۔"

لڑکی کچھ نہ بولی عمران نے کچھ دیر بعد چونک کر اپنی جیبیں ٹٹولنی شروع کیں اور لمبی سانس لے کر بولا۔ "اوہو.... کام بن گیا....!"

"یعنی....!"

"فی الحال چھپنے کے لئے ایک جگہ چلتے ہیں پھر اطمینان سے دیکھیں گے۔ کرنل کی شکار گاہ میں جو عمارت ہے اس کی کنجی میرے پاس ہی ہے۔"

"کتنی دور ہے۔"

"شہر سے بیس بائیس میل کے فاصلے پر....!"

"ٹھیک ہے.... وہیں چلو....!"

"تو یہیں سے داہنی جانب موڑ لیجئے۔"

زیادہ تر راستہ خاموشی ہی سے طے ہو رہا تھا۔ اب وہ شہر سے باہر نکل آئے تھے۔

آخری تاریخوں کا چاند افق میں ابھر رہا تھا۔ فضا ہلکی زرد روشنی سے معمور ہو گئی تھی۔ سناٹے میں گاڑی کے انجن کا ہلکا سا شور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے رات ہولے ہولے کراہتی ہوئی شرقی افق کی جانب بھاگی جا رہی ہو۔

"کرنل کو آپ کب سے جانتی ہیں۔" عمران نے پوچھا۔

"آج سے پہلے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی نے کہا۔ "تم مجھ سے آپ جناب کر کے باتیں نہ کرو۔ میں تمہارے ہی طبقے سے تعلق رکھتی ہوں۔"

"تم.... میرے طبقے سے۔" عمران نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں.... میرا باپ آج کل بھی تانگہ ہانکتا ہے اور میرے بھائی گودی پر مزدوری کرتے ہیں۔"

"آپ مذاق کر رہی ہیں۔" عمران ہنس پڑا۔

"یقین کرو.... اور یہ بھی سنو کہ میں گریجویٹ ہوں۔ میرے باپ نے مجھے بڑے چاؤ سے پڑھایا تھا۔ بھائیوں کو بھی پڑھانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ نہ پڑھ سکے۔ آج کل تعلیم نسواں کا ہر طبقے میں بڑا زور و شور ہے۔ بہنیں گریجویٹ ہو جاتی ہیں اور بھائی گدھے گاڑی ہانکتے رہتے ہیں۔ ملوں میں مزدوری کرتے ہیں۔ گودیوں میں سامان ڈھوتے ہیں اور یہ بہنیں جو گریجویٹ ہو جاتی ہیں نہ اپنے طبقے میں کھپ سکتی ہیں اور نہ اپنے سے اونچے طبقے میں.... اپنے طبقے کے مزدور سے متنفر ہوتی ہیں اونچے طبقے میں تانگے والوں کی اولادیں سمجھی جاتی ہیں۔ وہ اس طبقے کی دل بستگی کا سامان تو بن سکتی ہیں لیکن کوئی انہیں مستقل طور پر اپنانے کے لئے تیار نہیں ہوتا.... پھر بتاؤ ایسی صورت میں کیا ہوگا.... کیا اس طرح ہمارا معاشرہ متوازن رہ سکے گا۔ میں نے ایک فرم میں ملازمت کی.... سیٹھ کا لڑکا جو میری برانچ کا انچارج تھا میری طرف جھکنے لگا.... بڑا روشن خیال آدمی تھا۔ مجھے بھی اُس سے اُنس ہو گیا۔ محبت کے مراحل تیزی سے طے ہونے لگے۔ جب میں نے محسوس کیا کہ محبت کا انجام منظر عام پر بھی آسکتا ہے تو اس سے شادی کی تجویز پیش کی۔ اُس نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم تانگے والے کی لڑکی ہو لہٰذا میرے گھر والے اس پر تیار نہ ہوں گے۔ سنتے ہی آگ لگ گئی۔ دھان پان سا نزاکت مآب آدمی تھا۔ میں نے اٹھا کر پٹخ دیا.... اور ہر اُس چیز سے اسے مارتی رہی جو ہاتھ آتی.... نتیجہ ہوا کہ اس کی دو پسلیاں ٹوٹ گئیں.... ہونٹ پھٹ گئے اور وہ بے ہوش ہو گیا.... یہ سب کچھ آفس ہی میں ہوا تھا.... دوسرے کلرک کمرے میں گھس آئے۔ لیکن اُن میں سے کسی کو بھی دخل اندازی کی جرأت نہ ہوئی۔ ظاہر ہے اس کے بعد تھانہ پولیس کی نوبت آئی ہوگی۔ میرا غریب باپ ضمانت کے لئے اِدھر اُدھر گڑگڑاتا پھرا لیکن کوئی بھی اُس پر تیار نہ ہوا۔ پھر ایک دن کسی نامعلوم آدمی نے ضمانت کے لئے کاغذات داخل کئے اور مجھے حوالات سے نجات ملی۔ ضامن سامنے آیا.... یہ مشہور ماہر ارضیات.... پروفیسر راشد تھا۔ کیا تم کچھ پڑھے لکھے ہو۔"

"مڈل فیل....!" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

☼

عمران سوچ رہا تھا کہ یہاں تک تو خود بخود ہی سب کچھ اگلتی چلی آئی ہے۔ اب مزید معلومات کیلئے کس زاویئے سے حملہ کیا جائے۔ کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ "تو تمہاری نوکری چھوٹ گئی ہوگی۔"

"نوکری....!" لڑکی نے حیرت سے کہا۔ "اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی تم نوکری ہی کو لئے بیٹھے ہو۔"

"پیٹ ہر حال میں بھرنا چاہئے۔ کسی شاعر نے کہا ہے.... پیٹ بڑا بدکار ہے بابا.... یہ آدمی کو اُس کے مسلک سے ہٹا دیتا ہے۔"

"ہائیں.... ہائیں.... ایک بات میں بڑی دیر سے محسوس کر رہی ہوں۔ کبھی احمقوں کی سی باتیں کرتے ہو اور کبھی افلاطون معلوم ہوتے ہو۔"

"سب کچھ پیٹ کیلئے ہے محترمہ.... میں یہ پوچھ رہا تھا کہ فی الحال آپ کہیں ملازم ہیں یا نہیں۔"

"تم فکر نہ کرو.... بہت دنوں تک تمہارا پیٹ بھر سکوں گی۔"

"ب.... بس اب بائیں جانب والے کچے راستے پر موڑ لیجئے....!"

"مگر سوال تو یہ ہے کہ ہم کب تک اس طرح چھپتے پھریں گے۔"

"ہو گیا ستیاناس....!" عمران رو دینے والی آواز میں بولا۔

"کیوں.... کیوں....؟"

"معلوم ہوتا ہے بھوکے ہی مرنا پڑے گا۔ لگے لگائے دھندے سے بھی گیا۔"

"غلط نہ سمجھو.... میں نہیں جانتی کہ کرنل کون ہے.... اُس کے ذرائع کیسے ہیں۔ وہ ہمارے خلاف کیا کر سکے گا۔ اس کا اندازہ کر لینے کے بعد ہی کچھ کیا جا سکے گا۔"

"اور میں دیر سے سوچ رہا ہوں کہ اگر آپ کسی تانگے والے کی لڑکی ہیں تو وہ آپ کو کیوں لایا تھا۔"

"کیا مطلب.... میں نہیں سمجھی۔"

"اُس عمارت میں اب تک صرف اونچے طبقے کی عورتیں دیکھی گئی ہیں۔ بڑے بڑے سرمایہ داروں کی بیویاں اور لڑکیاں....!"

"کک....کیوں....!"

"اس لئے کہ کرنل کا بزنس یہی ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"وہ....وہ....کیا کہتے ہیں....اُسے....میل بلیکر....!"

"بلیک میلر....!"

"وہی....وہی....!" عمران خوش ہو کر بولا۔ "وہ عورتیں جو اُس کے مطالبات پورے نہیں کرتیں....اُن کی بُری گت کرتا ہے۔ سر مونڈ دیتا ہے اُن کے....!"

"تب تو....تب تو وہ مجھے تلاش کرنے کی بجائے تمہارے لئے کنوؤں میں بانس ڈلوادے گا....تم جو اُس کے رازوں سے واقف ہو۔"

"بالکل....بالکل....!" عمران سر ہلا کر بولا۔

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "مجھے افسوس ہے کہ تمہیں میری وجہ سے۔"

"بب....بالکل نہیں۔" عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھے بڑی نفرت تھی اُس سے۔ اب تم کہتی ہو کہ دوسری نوکری کا انتظام ہو جائے گا تو پھر....کیا پرواہ ہے۔"

"خیر....!" وہ خاموش ہو گئی۔ گاڑی ناہموار زمین پر ہچکولے لے رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "میں تو اُسے مناسب نہیں سمجھتی....؟"

"بالکل....؟"

"کیا....؟"

"پتہ نہیں....!"

"کیا تم سو رہے ہو۔"

"نن نہیں تو....!" عمران سر جھٹکتا ہوا بولا۔

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ ایسی صورت میں اس کی کسی عمارت میں پناہ لینا مناسب نہ ہو گا۔"

"تو پھر کہیں اور چلئے....!"

"اور یہ گاڑی بھی اُسی کی ہو گی....وہ اس کی گمشدگی کی رپورٹ ضرور درج کرائے گا اور ہم مزید دشواریوں میں پڑ جائیں گے۔"

"یہ بھی پکی بات ہے۔"

"تو پھر کچھ بتاؤ نا....!" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"رات جنگل میں بسر کی جائے۔" عمران نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"یہی بہتر ہو گا۔"

"ٹھیک ہے۔ تو پھر ہم یہیں کیوں نہ رک جائیں....کنارے کر لیجئے گاڑی کو۔"

گاڑی رک گئی....وہ تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ پھر لڑکی چونک کر بولی۔ "کیا حماقت ہے؟"

"جی....!"

"ہم جائیں گے کہاں....نہیں یہ حماقت ہے۔ ہمیں شہر ہی واپس چلنا چاہئے۔ گاڑی وہیں کہیں چھوڑ دیں گے۔ صبح ہونے سے پہلے ہی گاڑی سے بھی چھٹکارا پانا ضروری ہے۔ ورنہ گاڑی سمیت دھر لئے جائیں گے تو کیا ہو گا۔"

"واقعی آپ بہت عقل مند ہیں۔" عمران بے حد خوش ہو کر بولا۔

گاڑی کا انجن پھر جاگا....اور کچھ دیر بعد وہ پھر شہر کی طرف واپس جا رہی تھی۔

عمران نے کہا۔ "میرے خیال سے انہیں صاحب کے پاس چلئے جنہوں نے آپ کی ضمانت دی تھی۔"

"کاش وہ زندہ ہوتے۔" لڑکی نے ٹھنڈی سانس لی۔

"ہائیں تو کیا مر گئے۔"

"انہیں کسی نے مار ڈالا۔ صبح کی بات ہے۔"

"تب پھر ان کے پاس چلنا مناسب نہیں ہے۔" عمران نے احمقانہ انداز میں کہا۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "آپ مجھے بتائیے کہ کرنل آپ کو کیوں پکڑ لایا تھا۔ ہو سکتا ہے اُس شریف آدمی کو اُسی نے مار ڈالا ہو۔"

"میں کیا بتاؤں....میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔"

"شاید میری سمجھ میں آ جائے۔ کیونکہ میں کرنل کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر میں آپ کی مدد کرنے پر کیوں تیار ہو گیا۔ اب تک نہ جانے کتنی آئیں۔ اُس کمرے میں بند ہوئیں۔ مجھ سے التجائیں کیں کہ انہیں کرنل کی زیادتیوں سے بچاؤں لیکن میں کبھی پسیجا....؟ آج کیا ہو گیا تھا مجھے۔ میرے خدا میرا کیا حشر ہونے والا ہے۔ بالکل درست ہے کہ کرنل میرے لئے ملک کا گوشہ گوشہ چھان مارے گا۔ میں اس کا راز دار ہوں۔ میں کیا کروں۔ کیا کروں۔" وہ خاموش ہو کر اس طرح ہانپنے لگا جیسے پہاڑی پر چڑھا ہو۔

لڑکی خاموش رہی۔ کار کی رفتار خاصی تیز تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

"اب تمہیں خوف محسوس ہو رہا ہے۔"

"ہونا ہی چاہئے۔"

"کیا تمہیں اُن عورتوں پر کبھی رحم نہیں آیا، جو اُس کے ہاتھوں بلیک میل ہوتی رہیں۔"

"چھوڑیئے ان باتوں کو۔ خدارا جلد از جلد یہ بتایئے کہ آپ کرنل تک کیسے پہنچی تھیں یا وہ آپ تک کیسے پہنچا تھا۔"

"پوری بات سننے کے لئے تمہیں پوری طرح کہانی شروع سے سننی پڑے گی۔"

"ضرور سنوں گا۔"

"ضمانت پر رہا ہونے کے بعد پھر میں اپنے گھر نہیں گئی تھی بلکہ ضامن مجھے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ میری مراد پروفیسر راشد سے ہے.... وہ انجمن بیباکاں کے صدر تھے۔"

"بیباکاں....!" عمران نے حیرت سے دہرایا۔ "میں نے اس انجمن کا نام پہلی بار سنا ہے۔"

"یہ ایک پوشیدہ تنظیم ہے جس کا مقصد ہے گرے ہوئے لوگوں کو اٹھانا۔ وہ مجھ جیسے بے سہارا لوگوں کو کام کا آدمی بناتی ہے۔ انہیں جینا سکھاتی ہے۔"

"اوہ.... اب تو میں بھی بے سہارا ہو گیا ہوں۔" عمران بولا۔ لیکن لڑکی اس ریمارک کو نظر انداز کر کے کہتی رہی۔ "پروفیسر نے مجھے انجمن میں شامل کر لیا اور اب میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ مجھ میں پہلے سے کئی گنا زیادہ خود اعتمادی بڑھ گئی ہے....!"

لڑکی خاموش ہو گئی۔ عمران بھی کچھ نہیں بولا۔

"اوہ.... یہ تو بتاؤ....!" لڑکی یک بیک چونک کر بولی۔ "کرنل کے کسی ایسے ملنے والے کو بھی جانتے ہو جس کا نام علی عمران ہو۔"

"میں اُس کے کسی ملنے والے کا نام نہیں جانتا۔"

"خیر.... وہ.... پروفیسر اُسی عمران کے فلیٹ کی بالکنی میں مردہ پائے گئے تھے۔ انہوں نے اُس سے ملنا چاہا تھا۔ جتنی دیر میں اس کا ملازم کارڈ لے کر اندر جاتا اور پھر واپس آ کر انہیں اندر لے جاتا تو وہ مر گئے.... پولیس لاش لے گئی تھی۔ پتہ نہیں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں کیا ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ کسی نے انہیں زہر دیا تھا۔"

"لیکن پروفیسر اُس آدمی عمران سے کیوں ملنا چاہا تھا۔ کیا وہ اُسے پہلے سے جانتے تھے۔"

"پتہ نہیں۔ میرا خیال ہے کہ پروفیسر نے صرف یہی ایک بات مجھ سے چھپائی تھی۔ وہ آج

کل اپنے کسی دشمن کی فکر میں تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ عمران بھی اُن کے اُس دشمن کے بارے میں کچھ جانتا ہے۔ لیکن انہوں نے مجھے اُس دشمن کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ حتیٰ کہ نام بتانے سے بھی گریز کیا تھا۔"

"تو پھر وہ آدمی.... یعنی عمران تو دھر لیا گیا ہو گا۔"

"سنا ہے.... گرفتاری سے قبل ہی اُس کی ضمانت دے دی گئی تھی....؟"

"آپ نے نہیں دیکھا اُسے۔"

"نہیں.... اکثر اُس کا نام انجمن کی نشستوں میں آتا رہا ہے۔"

"کس سلسلے میں....!"

"یہی کہ وہ پولیس انفار مر ہے۔"

"اچھا تو پھر....!"

"عمران سے ملنا پڑے گا لیکن اب سوچتی ہوں کہ کہیں پروفیسر کا وہ دشمن کرنل درانی ہی نہ ہو!"

"یہ کیسے کہہ سکتی ہیں آپ....!"

"وہ مجھے آج رات پروفیسر کی کوٹھی کے قریب ملا تھا.... ہو سکتا ہے جس لئے میں وہاں گئی تھی وہ بھی اُسی لئے وہاں آیا ہو۔"

"آپ کس لئے گئی تھیں۔"

"مجھے پروفیسر کی کوٹھی سے کچھ کاغذات نکالنے تھے ہم نہیں چاہتے کہ وہ پولیس کے ہاتھ لگیں۔ صرف مجھے ہی معلوم ہے کہ وہ کہاں ہیں اور دروازے کا علم بھی صرف مجھے ہی ہے۔"

"تب تو ہو سکتا ہے وہ اسی چکر میں وہاں گیا ہو.... کاغذات ہی اُس کے بزنس کی بنیاد ہیں۔ ہو سکتا ہے اُن میں کسی کے خلاف بلیک میلنگ کا مواد موجود ہو۔"

"تم ذہین بھی معلوم ہوتے ہو۔ یہی بات ہو سکتی ہے۔" لڑکی نے کہا اور پھر اسے بتاتی رہی کہ کس طرح کرنل درانی سے مڈبھیڑ ہوئی تھی۔

پوری روداد سن کر عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور سر ہلا کر بولا۔ "کرنل خطرناک آدمی ہے۔"

لڑکی خاموش ہو گئی تھی۔ کچھ دیر تک عمران بھی خاموش رہا پھر بولا۔ "اب آپ کیا کریں گی۔"

"اب سے پہلے میں نے کاغذات نکال [illegible]۔"

"ٹھیک ہے۔ اب مجھے اپنی انجمن کے بارے میں بھی کچھ بتایئے....!"

عمران نے محسوس کیا جیسے وہ اسے کنکھیوں سے دیکھ رہی ہو۔ اس نے فوری طور پر کوئی

جواب بھی نہیں دیا تھا۔ اس کے بعد عمران کے انداز سے بھی ایسا ہی لگنے لگا جیسے اُس نے کچھ پوچھا ہی نہ ہو۔

تھوڑی دیر بعد وہ خود ہی بولی۔ "یقین نہیں آتا کہ تم صرف باورچی ہو۔"

"تھوڑا بہت گانا بجانا بھی آتا ہے۔" عمران نے بڑے خلوص سے کہا۔ "پہلے کوشش کی تھی کہ فلم کمپنی میں نوکری مل جائے۔"

"اوہ تو تم بھی فلمی بخار میں مبتلا ہو۔"

"اب نہیں ہوں....!" عمران نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ "لیکن اب آپ مجھے کہاں لے جائیں گی۔"

"ابھی تک اس کا فیصلہ نہیں کر سکی....!"

"اگر میں بھی آپ کی انجمن کا ممبر بن جاؤں تو کیا انجمن مجھے کرنل سے بچا لے گی۔"

"یہ کوئی سیاسی جماعت نہیں ہے کہ پچیس پیسے کی رسید کٹوا کر ممبر بن گئے۔"

"پھر کیسی جماعت ہے۔ کیا کرتی ہے۔"

"بیباکوں کی انجمن ہے اور بیباکی اُس کا نصب العین ہے۔"

"میں بھی کافی بیباک واقع ہوا ہوں۔"

"ابھی تک تو کوئی بیباکی نظر نہیں آئی۔" لڑکی بولی۔

"خدا غارت کرے۔" عمران جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "کرنل کے پنجوں سے شکار جھپٹ لینا بیباکی نہیں ہے.... کیوں....؟"

"وہ تو میری حکمت عملی تھی۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ گاڑی پھر شہر کی حدود میں داخل ہو رہی تھی۔ عمران اس طرح "ہوں ہوں" کرنے لگا جیسے اپنے کسی خیال کی بہ آواز بلند تائید کر رہا ہو۔ پھر چٹکی بجا کر بولا۔ "ٹھیک ہے....!"

"کیا ٹھیک ہے....!" لڑکی نے پوچھا۔

"معلوم کرنا چاہتے کہ کرنل اس وقت کیا کر رہا ہے۔ اپنی کوٹھی ہی میں موجود ہے یا ہماری تلاش میں نکل کھڑا ہوا ہے۔"

"کیسے معلوم کرو گے؟"

"کسی پبلک بوتھ سے فون کروں گا.... اگر جواب مل گیا تو....!"

"میں اس کی اجازت نہیں دے سکتی۔"

"ارے واہ.... حکم چلاؤ گی مجھ پر.... بی اے پاس ہو گی اپنے گھر کی! جس مرد کی تم نے پٹائی کی تھی او نچے طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ میں تمہارے ہی طبقے کا آدمی ہوں مار مار کر بھس بھر دوں گا۔"

"ہوش میں ہو یا نہیں....!"

دفعتاً گاڑی ایک بے ہنگم شور کے ساتھ رک گئی۔

"یہ کیا ہوا....!" عمران نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"پپ.... پٹرول.... ختم ہو گیا۔"

"چلو اچھا ہی ہوا۔"

"کیا اچھا ہوا....!" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"گاڑی یہیں چھوڑ کر کہیں نکلے چلتے ہیں۔"

لڑکی نیچے اتر آئی۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ عمران نے گھڑی دیکھی ساڑھے چار بجے تھے۔ سردی شباب پر تھی۔

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "میں تمہیں نائب صدر کے بنگلے پر لیجا رہی ہوں۔"

"تم مجھے جہنم میں بھی لے چلو تو انکار نہ ہوگا کیونکہ اب کرنل کے ہتھے نہیں چڑھنا چاہتا۔"

وہ کچھ دور چل کر ایک گلی میں مڑ گئے جو انہیں دوسری سڑک تک لے آئی۔ یہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔ لڑکی نے ایک عمارت کی کمپاؤنڈ کے پھاٹک کو دھکا دیا جو اندر سے بند نہیں تھا۔

کمپاؤنڈ میں داخل ہو کر وہ برآمدے میں آئے اور لڑکی نے کال بل کا بٹن دبا دیا۔ اندر سے گھنٹی کی تیز آواز آئی اور پھر سناٹا چھا گیا.... دفعتاً بائیں جانب سے آواز آئی۔ "کون ہے؟"

عمران چونک کر مڑا.... لیکن آواز کی سمت اندھیرا تھا۔

"ساجدہ حبیب۔" لڑکی بولی اور عمران آہستہ سے بڑبڑایا۔ "نہیں ساجدہ عجیب۔"

"تم خاموش رہو۔" لڑکی نے سرگوشی کی۔

دوسرے ہی لمحے میں روشندان کے شیشوں میں روشنی دکھائی دی اور ایک دروازہ کھلا.... وہ نشست کا کمرہ تھا.... لیکن وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ ساجدہ نے عمران کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

عمران کی چھٹی حس بیدار ہو چکی تھی کہ کوئی چپ چاپ اسے دیکھ رہا ہے۔

دفعتاً ایک دراز قد آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور ریوالور کی نال عمران کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

عمران نے کسی روشنی دیدہ اُلو کی طرح پلکیں جھپکائیں اور پھر خلاء میں گھورتا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سچ مچ بینائی سے محروم ہو گیا ہو۔

❂

ریوالور والے نے عمران پر نظر جمائے ہوئے ساجدہ سے پوچھا۔ "یہ کون ہے؟"

"دو لفظوں میں بتانا مشکل ہے اور یہ ریوالور.....!"

"ہوں! فکر نہ کرو۔" وہ عمران پر سے نظر ہٹائے بغیر بولا۔ "کیا کوئی کہانی ہے؟"

"جی ہاں.....!"

"شروع ہو جاؤ۔" اُس نے کہا لیکن نظر اب بھی عمران ہی پر تھی اور عمران تو شاید اُسے دیکھ ہی نہیں رہا تھا..... خلاء میں گھورتی ہوئی آنکھوں نے اُس کے چہرے پر ویرانی سی پھیلا دی تھی۔

ساجدہ نے اپنی کہانی شروع کر دی..... وہ عمران پر نظر جمائے ہوئے سنتا رہا۔ اُس کے خاموش ہونے پر بولا۔ "تو اب تم کیا چاہتی ہو۔"

"ظاہر ہے کہ اب یہ اُس آدمی کرنل درانی کے پاس واپس نہیں جا سکتا۔ وہ اسے زندہ نہ چھوڑے گا۔"

"ہوں..... اُس عمارت کا محل وقوع بتاؤ۔ جہاں سے اس نے تمہیں رہائی دلائی تھی۔"

"مم..... محل وقوع.....!" وہ ہکلا کر رہ گئی۔ پھر عمران کو متوجہ کر کے بولی۔ "تم بتاؤ نا۔"

"ڈکشنری دیکھے بغیر نہیں بتا سکوں گا۔" عمران نے مردہ سی آواز میں کہا۔

"فضول باتیں نہ کرو۔" وہ جھنجھلا گئی۔

"نہیں جانتا۔" عمران نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "محل وقوع کے معنی نہیں جانتا۔"

"ساجدہ وقت نہ ضائع کرو۔" دفعتاً ریوالور والا غرایا۔ "یہ باور چی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے اس آدمی کا باس ہو جس نے کرنل کا رول ادا کیا تھا۔"

"کیا مطلب.....!" ساجدہ چونک پڑی۔

"تمہیں کسی آدمی کی تلاش تھی؟"

"میں اب بھی نہیں سمجھی.....!" ساجدہ کے لہجے میں کسی قدر جھنجھلاہٹ شامل تھی۔

"یہ عمران ہے..... علی عمران..... جس کے فلیٹ کے سامنے پروفیسر نے دم توڑا تھا۔"

"نہیں.....!" ساجدہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

وہ اس طرح آنکھیں پھاڑے عمران کو گھور رہی تھی جیسے پہلی بار دیکھا ہو۔

"اب.....!" ریوالور والا سرد لہجے میں بولا۔ "مسٹر علی عمران..... تم بتاؤ..... اس سارے سیٹ اپ کا کیا مطلب ہے؟"

"شادی کرنا چاہتا تھا.....!" عمران نے دردناک آواز میں کہا۔

"ساجدہ کو کب سے جانتے ہو۔"

"مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ساری زندگی انہی کے ساتھ گزری ہو۔"

"شٹ اپ.....!" ساجدہ غرائی۔

"پروفیسر کو کب سے جانتے تھے۔"

"مر جانے کے بعد سے.....!"

"وہ تمہارے پاس کیوں گئے تھے.....؟"

"یہی تو معلوم کرنا ہے۔"

"تم نہیں جانتے۔"

"نہیں.....!"

ریوالور والے نے ساجدہ کی طرف دیکھا..... جواب بھی حیرت سے آنکھیں پھاڑے عمران کو گھورے جا رہی تھی۔

"تمہارے سینے سے جو پتھر توڑا گیا تھا وہاں کس نے رکھا تھا.....؟" ریوالور والے نے عمران سے پوچھا۔

"یار کیوں کان کھا رہے ہو..... میں کچھ نہیں جانتا۔"

"تم ساجدہ پر کیوں ڈورے ڈال رہے تھے۔"

"میں ڈورے ڈال رہا تھا یا انہوں نے رسی ڈالی ہے مجھ پر.....!"

"تم اس وقت یہاں کیا کر رہے تھے۔"

"اب میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔"

"تم نے اسے اپنے متعلق کیا بتایا ہے۔" ریوالور والے نے ساجدہ سے پوچھا۔

"اپنے متعلق....." [illegible]

"تم یہاں کیوں آئی ہو.....؟"

"اسلئے کہ اسے کرنل درانی کی دست برد سے محفوظ رکھا جاسکے۔" وہ کسی قدر تلخ لہجے میں بولی۔

"ہونہہ....!" اُس کے ہونٹوں پر پھر طنزیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے عمران سے پوچھا۔ "کرنل درانی کا رول کس نے ادا کیا تھا۔"

"خود میں نے....؟" عمران نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"تم نے.... تم نے....!" لڑکی انگلی اٹھا کر بولی اور عمران نے مسکراتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دی۔

"کیوں....؟ کس لئے....؟"

"کرنل کو تم ہرگز کچھ نہ بتاتیں۔"

"ہوں! تو کچھ بتایا ہے تم نے... کیوں ساجدہ...!" ریوالور والا اسکی طرف دیکھے بغیر غرایا۔

"یقیناً بتایا ہے کہ میں کس طرح انجمن بیباکاں تک پہنچی تھی۔"

"اوہ....!"

"کیوں نہ بتاتی جب کہ انجمن بیباکاں کسی غیر قانونی حرکت کی مرتکب نہیں ہوتی۔"

"اور رجسٹرڈ بھی ہے۔" عمران شریر سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"شاید یہ تمہارا آخری سفر ثابت ہو۔" ریوالور والے نے عمران سے کہا۔

"میں کچھ نہیں سمجھ سکتی۔" ساجدہ اپنی پیشانی رگڑتی ہوئی بولی۔

"تم اندر جاؤ....!" ریوالور والے نے سخت لہجے میں کہا۔

ساجدہ خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے میں رک کر پھر مڑی۔ عمران کی طرف دیکھا اور اندر چلی گئی۔

"اب ہم آزادی سے گفتگو کر سکیں گے۔" ریوالور والے نے طویل سانس لے کر کہا۔

عمران کچھ نہ بولا۔ اب وہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے مقابل کے ہاتھ میں ریوالور کی بجائے کوئی کھلونا ہو۔

"ادھر دیکھو....!" دفعتاً ریوالور والا غرا کر بولا۔

عمران نے بڑے معصومانہ انداز میں اس کی جانب نظر اٹھائی۔

"یہ ریوالور خالی نہیں ہے۔"

"اچھا....!" عمران خوش ہو کر بولا۔ "دیکھوں....!"

اس نے ایسے ہی انداز میں ہاتھ بڑھایا تھا جیسے وہ سچ مچ ریوالور اسے دے ہی تو دے گا۔

"سیدھے بیٹھو....!"

"اوہ.... اچھا....؟"

"پروفیسر تمہارے یہاں کیوں گیا تھا....؟"

"اگر اسی طرح دھمکاتے رہے تو اُسی سے پوچھ کر بتانا پڑے گا۔"

"سنجیدگی اختیار کرو۔"

"خیر وہ تو کروں گا ہی... لیکن تم یہ بتاؤ کہ ایسی خطرناک مہم پر اس بیچاری کو کیوں بھیجا تھا۔"

"اس کے علاوہ اور کسی کو بھی چور دروازے کا علم نہیں۔"

"اس سے معلوم کرلیا ہوتا۔"

"پروفیسر کے عقیدت مندوں میں سے ہے۔ لہٰذا وہ بات جو پروفیسر نے کسی کو نہیں بتائی تھی وہ کیسے بتا سکتی ہے۔"

"دیکھو دوست....!" عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ریوالور جیب میں رکھ لو.... میں خود بھی بڑی مشکلات میں پڑ گیا ہوں... ایک طرف میرا اور پروفیسر کا نامعلوم دشمن ہے اور دوسری طرف پولیس ہے....!"

"کیا وہ دشمن تمہارے لئے بھی نامعلوم ہے۔"

"جب تک سامنے نہ آجائے اُسے نامعلوم ہی کہیں گے۔"

"میں یقین نہیں کر سکتا۔"

"اگر کر بھی لو تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔" عمران نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے؟"

"صبح ہو رہی ہے۔" عمران نے کراہ کر انگڑائی لی۔

"تم یہاں سے جا نہیں سکو گے۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔" عمران خوش ہو کر بولا۔ "فی الحال پولیس ہی سے نجات مل جائے گی۔"

"یہ میں نہیں جانتا کہ تم پولیس سے مخبر ہو....!"

"اس کے باوجود بھی ضمانت قبل از گرفتاری کے بل بوتے پر دندناتا پھر رہا ہوں۔"

"یہ [illegible] چاہتی ہوں۔"

"ممکن ہے۔" عمران نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور اٹھ کر دروازے کی طرف

سے قدموں کی آواز آئی۔ ریوالور والے نے ادھر گردن موڑی ہی تھی کہ عمران جھپٹ پڑا۔

ریوالور اس طرح اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا جیسے وہ اس کی گرفت میں ہونے کی بجائے خلاء میں جھولتا رہا ہو۔

عمران اس کی چھاتی پر سوار تھا.... دفعتاً وہ چیخا۔ "لیظو.... ریوالور....؟"

کمرے میں داخل ہونے والا پہلے تو ٹھٹکا تھا لیکن گرنے والے کی للکار پر ریوالور کی طرف جھپٹا.... اور پھر قبل اس کے عمران اس کیلئے بھی کوئی تدبیر کرتا وہ ریوالور پر قابض ہو چکا تھا۔

"ہٹ جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا....!" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا کہ عمران اپنے شکار کو چھوڑ کر ہٹ جاتا۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ....!" دوسرا آدمی غرایا۔

عمران کے ہاتھ اٹھ گئے۔ پہلا آدمی اس کے قریب ہی کھڑا ہانپ رہا تھا۔ چند لمحے وہ دانت پر دانت جمائے عمران کو گھورتا رہا پھر دوسرے آدمی سے بولا۔ "اسے اندر لے چلو۔"

عمران کو دروازے کی طرف مڑنا پڑا کیونکہ وہ دونوں ہی اب بہت زیادہ محتاط نظر آ رہے تھے۔ فی الحال انہیں ڈوج دینا محال ہی ہوتا۔

تیسرے کمرے میں ساجدہ نظر آئی۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

"ٹھہر جاؤ....!" عمران کے پیچھے چلنے والوں میں سے ایک نے کہا۔ عمران رک گیا لیکن ان کی طرف نہیں مڑا۔ اس کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھے ہوئے تھے۔

"اب اپنے دونوں ہاتھ پشت پر لاؤ....!" دوسرے نے کہا۔

عمران پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ اسے باندھ لینے کی کوشش کریں گے۔ لہٰذا وہ چپ چاپ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے لایا.... اور منتظر رہا کہ کوئی ان میں آگے بڑھے۔

وہ جس پر عمران نے حملہ کیا تھا ڈریسنگ الماری کی طرف بڑھا اور اس میں سے دو نائیاں نکالیں۔

ساجدہ خاموشی سے بیٹھی انہیں دیکھتی رہی۔

نائیاں لئے ہوئے وہ عمران کے قریب پہنچا اور جیسے ہی اس کے ہاتھ باندھنے کے لئے [illegible] قدر [illegible] عمران کسی جڑ سے اکھڑے ہوئے تناور درخت کی طرح اس پر [illegible]

اس آدمی کو بھی سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا [illegible] ہاتھ میں ریوالور تھا [illegible]

[illegible]

[illegible] پشت [illegible]

دونوں گتھے ہوئے فرش پر آ رہے...... پہلا آدمی اٹھ کھڑا ہوا تھا لیکن اپنی ہی جگہ پر اس طرح اچھل کود کر رہا تھا جیسے یہ لایعنی حرکت حالات کو اس کی اپنی مرضی کے مطابق کوئی شکل دے دے گی۔

دفعتاً ریوالور چل گیا.... دوسرے آدمی کے حلق سے ایک بے ساختہ قسم کی چیخ نکلی اور وہ اپنی بائیں ران دبائے ہوئے پھر ڈھیر ہو گیا۔

عمران ریوالور والے ہاتھ پر پوری قوت صرف کر رہا تھا.... بالآخر وہ اُسے اس کے ہاتھ سے نکال دینے میں کامیاب ہو گیا۔

ریوالور فرش پر پھسلتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا۔

"ساجدہ ریوالور....!" دوسرا آدمی چیخا۔

لیکن ساجدہ بت بنی ہوئی کھڑی رہی.... عمران اپنے مقابل کو رگڑے دے رہا تھا۔ پہلا آدمی اُسی طرح کراہتا اور چیختا رہا.... وہ بائیں کہنی فرش پر ٹیک کر اٹھنا چاہتا اور پھر ڈھیر ہو جاتا.... اس کی ران سے خون اُبل اُبل کر فرش پر پھیل رہا تھا۔

اب عمران کے دونوں ہاتھ اپنے دوسرے شکار کی گردن پر تھے اور وہ مخصوص اسٹائل میں اپنی گرفت بتدریج تنگ کرتا جا رہا تھا آخر کار اُس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے اور وہ بے حس و حرکت ہو گیا۔

"مار ڈالا.... تم نے اُسے مار ڈالا....!" ساجدہ بوکھلا کر آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

"ایسی قسمت کہاں کہ کوئی میرے ہاتھوں مر سکے....!" عمران نے اُسے چھوڑ کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "صرف بے ہوش ہو گیا ہے۔"

"اور.... وہ.... اور وہ....!" ساجدہ زخمی کی طرف انگلی اٹھا کر بولی۔

"وہ میرا کارنامہ نہیں ہے.... یہ اپنے ساتھی کے ہاتھوں زخمی ہوا ہے۔ اس لئے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"اور اب کیا ہوگا....؟" وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔

"مجبوری ہے کہ اب تم میرے ساتھ چلو....!"

[illegible] زخمی کی آواز خفیف ہوتی جا رہی تھی۔ پھر وہ خاموش ہو گیا۔ شاید بے ہوش بھی ہو گیا تھا۔

"[illegible] خون بہا ہے۔ کہیں یہ مر نہ جائے۔" ساجدہ نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

"نکلو یہاں سے...!" عمران اُسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

❂

وہ باہر آئے... پو پھوٹ رہی تھی۔

"اب کیا ہوگا...!" وہ پھر بڑبڑائی۔

"تم بس خاموشی سے چلتی رہو۔"

لڑکی نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور سہم گئی... کیونکہ اس بار وہ پھر کرنل کے روپ میں نظر آیا تھا... ریڈی میڈ میک اپ جیب سے نکل کر چہرے تک آنے میں کتنی دیر لگتی۔

"یہ... یہ...!" وہ رک گئی۔

"چلتی رہو... فکر نہ کرو۔ یہ پولیس سے بچنے کے لئے ہے۔ میری نگرانی ہو رہی ہے۔"

کچھ دور چلنے کے بعد ایک ٹیکسی مل گئی۔ عمران نے اُسے رکنے کا اشارہ کیا۔

"ہم کہاں جائیں گے۔"

"ارے اب چپ بھی رہو... افلاطون کی خالہ...!" عمران دانت پیس کر کلکلایا... انداز دقیانوسی بوڑھیوں کا سا تھا۔

وہ ٹیکسی میں بیٹھ گئے... عمران نے ڈرائیور کو رانا پیلس کا پتہ دیا حالانکہ یہ عمارت سنگ ہی کے علم میں آچکی تھی۔ لیکن عمران نہ جانے کیا سوچ کر اسے وہاں لے جا رہا تھا۔

راستہ خاموشی سے طے ہوا... ٹیکسی پھاٹک کے باہر ہی چھوڑ دی گئی۔ پھاٹک بند تھا عمران نے دستک دی۔

"کون ہے...؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"رانا تہور علی صندوقی...!" عمران نے پُر وقار لہجے میں جواب دیا اور پھاٹک کھل گیا۔

لیکن چوکیدار نے اسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ کیونکہ وہ میک اپ میں تھا۔

"یہ دیکھو... نالائق...!" عمران نے مصنوعی ناک چہرے سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

"[illegible]...!" چوکیدار [illegible] جاتا [illegible]۔

وہ آگے بڑھے... ساجدہ حیرت سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

"تم یہاں رہتے ہو۔" اُس نے پوچھا۔

"ہوں...!"

"لیکن اخبار میں تو کسی فلیٹ کا تذکرہ تھا۔"

"ارے تم پھر بحث کرنے لگیں۔"

"میں تو نہیں جاؤں گی۔"

"ہر چند کہ تمہاری انجمن کوئی غیر قانونی کام نہیں کرتی لیکن... اب وہ لوگ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

وہ خاموش کھڑی رہی۔

عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا... اور اس کی پلکیں جھک گئیں۔

دفعتاً پھاٹک کی جانب سے شور کی آواز آئی... اور عمران چونک کر مڑا... چوکیدار پھاٹک کو بند رکھنے کے لئے اس پر پلا پڑ رہا تھا... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دوسری طرف سے بھی پھاٹک پر زور صرف کیا جا رہا ہو۔

عمران نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں... چوکیدار کا رویہ غیر معمولی تھا۔

"کیا بات ہے... کون ہے...!" عمران نے اُسے آواز دی۔

"وہ زبردستی اندر گھسنا چاہتے ہیں جناب...!" چوکیدار کی ہانپتی ہوئی سی آواز آئی۔

"میری طاقت جواب دے رہی ہے۔"

"اوہ...!" ساجدہ عمران کا بازو پکڑتی ہوئی بولی۔ "کہیں وہی نہ ہوں۔"

عمران کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف جھپٹا اور خود بھی چوکیدار کے ساتھ پھاٹک کو دبائے رکھنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ پھر سوچا کیا حماقت ہے؟ خود بھی سوچے سمجھے بغیر لگ پڑے۔

"کون ہے...!" اُس نے غرائی ہوئی سی بلند آواز میں پوچھا۔

"اللہ کے نام پہ بابا...!" باہر سے آواز آئی۔

"بہت تیرے کی...!" عمران ڈھیلا پڑ گیا... اور چوکیدار کو اس طرح گھور کر دیکھا جیسے کچا چبا جائے گا۔

پھاٹک کھلا اور دو دونوں اندر گھس آئے... دو لحیم شحیم فقیر جن کے سر مونڈے ہوئے تھے اور جسم پر گیروی رنگ کی لنگوٹیاں تھیں [illegible] تک [illegible] تھے۔

انہوں نے عمران کے سامنے [illegible]

ایک خاص لے اور سر میں گاتے جا رہے تھے۔

"دم دمادم.... راج کرے گا.... چٹکی چنگل.... مٹھی دے دے دم دمادم....!"

"پلیز.... پلیز....!" عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"نکال کچھ....!" ان میں سے ایک نے کڑک کر کہا۔

اور دوسرے ہی لمحے میں عمران کی جیب سے ریوالور نکل آیا۔

ان دونوں نے ہلنا بند کر دیا اور ریوالور کو گھورتے رہے۔

"کیوں فقیروں کے ساتھ مذاق کرتا ہے بابا....!" کچھ دیر کے بعد انہوں نے کہا۔

ساجدہ بھی قریب آگئی تھی۔

"تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے۔" عمران نے خشمگین لہجے میں پوچھا۔

"پیدا کرنے والے نے....!" جواب ملا۔

"کیا تم اسی طرح پھاٹکوں پر زور آزمائی کرتے پھرتے ہو۔"

"کیوں نہ کریں۔"

"اچھا....!" عمران نے آنکھیں نکالیں۔

"ہم اکڑو شاہ کے مرید ہیں.... اکڑ کر مانگتے ہیں۔"

عمران ایک طرف ہٹ کر ریوالور سے اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "اندر چلو.... ناشتے کی میز تیار ملے گی۔"

"چل بالکے....!" ایک نے دوسرے سے کہا۔

ساجدہ کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ وہ دونوں آگے چل رہے تھے اور عمران ان کے پیچھے تھا دفعتاً ان میں سے ایک اس طرح مڑا کہ اس کا ڈنڈا عمران کے ریوالور والے ہاتھ پر پڑا اور دوسرے لمحے میں وہ خود بھی کسی پہاڑ کی طرح اس پر آرہا.... ریوالور عمران کی گرفت سے نکل گیا تھا۔

ٹھیک اسی وقت اس نے ساجدہ کی چیخ بھی سنی.... لیکن خود اُسے سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا.... وہ اُس پہلوان نما فقیر کے نیچے دبا ہوا اُسے اچھال پھینکنے کی کوشش کر رہا تھا.... اور فقیر کے دونوں ہاتھ اس کی گردن پر تھے۔ لیکن ابھی تک وہ اس پر دباؤ ڈالنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا.... عمران نے اس کی کلائیاں پکڑ رکھی تھیں اور نیچے سے زور لگا رہا تھا۔

پھر اسے ساجدہ کی آوازیں پھاٹک کی جانب سے آتی محسوس ہوئیں لیکن وہ [illegible]

[illegible] رہا۔

چوکیدار کی کراہ بھی سنی.... شاید وہ بھی بے بس کر دیا گیا تھا۔ فقیر اس پر چھایا ہوا تھا

اور وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اس وقت یہاں اس ایک چوکیدار کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں۔

حملہ آور کی کلائی پر اس کی گرفت کا دباؤ بتدریج بڑھتا رہا.... اور پھر اس نے محسوس کیا کہ اس کی گردن پر اس کی انگلیاں ڈھیلی پڑتی جا رہی ہیں۔

دفعتاً اُس نے اپنا داہنا گھٹنا جھٹکے کے ساتھ اٹھایا.... حملہ آور کے لبوں سے ایک ہلکی سی کراہ آزاد ہوئی اور پھر عمران نے اُسے اچھال پھینکا۔

پھر یہ دیکھے بغیر کہ اُس کا کیا حشر ہوا، اٹھ کر بے تحاشا پھاٹک کی جانب دوڑا۔ چوکیدار پھاٹک کے قریب منہ کے بل پڑا تھا اُسے بھی نظر انداز کرتا ہوا سڑک پر نکل آیا۔

بائیں جانب ایک تیز رفتار جیپ نظر آئی جو لحظہ بہ لحظہ دور ہوتی جا رہی تھی۔ وہ پھر دوڑتا ہوا پھاٹک میں داخل ہوا۔ حملہ آور پر نظر پڑی جو عقبی پارک کی سمت بھاگا جا رہا تھا۔

اب عمران اُس کے پیچھے دوڑ پڑا.... دھوپ پھیلنے لگی تھی۔ رات بھر کا جاگا ہوا ذہن جھنجھلاہٹ کی آماجگاہ بن کر رہ گیا تھا.... دیکھتے ہی دیکھتے اس نے حملہ آور کو جا لیا ایسی ٹانگ ماری کہ وہ اچھل کر ڈھیر ہو گیا.... اور عمران نے اُس پر چھلانگ لگائی۔ کمر پر سواری گانٹھ کر گدی پر ایسا دوہتھڑ مارا کہ اس نے کسی زخمی چوپائے کی طرح ڈکرا کر گردن ڈال دی۔

اتنے میں کچھ اور لوگ بھی نظر آئے جو دوڑتے ہوئے اسی طرف آرہے تھے یہ رانا پیلس کے دوسرے ملازمین تھے۔

عمران حملہ آور کو چھوڑ کر ہٹ گیا کیونکہ گدی پر پڑنے والی ضرب نے اُس کے ذہن کو اندھیروں میں دھکیل دیا تھا اور اس کا سارا جسم بے حس و حرکت ہو کر رہ گیا۔

"کیوں....؟ تم سب کہاں مر گئے تھے۔" عمران ملازمین کو گھورتا ہوا غرایا۔

کسی نے جواب نہ دیا.... بس وہ اسے دیکھتے اور ہانپتے رہے۔

"دن چڑھے تک سونے والوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ اچھا دوڑو.... دوڑ لگاؤ.... پارک کے سو چکر....!"

"صص.... صاحب....!" ایک نے کچھ کہنا چاہا۔

"صاحب کے بچے.... دوڑ لگاؤ...." [illegible]

"چلاؤ...." [illegible]

"ایک لائن میں....!" عمران نے پھر ہانک لگائی اور ان کی بے ترتیبی نے قطار کی شکل اختیار کی.... وہ دوڑتے رہے۔

عمران حملہ آور کی طرف متوجہ ہوا۔ جو کہنیوں کے بل اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا اور ساتھ ہی سر کو اس طرح جھٹکے بھی دیتا جا رہا تھا جیسے آنکھوں کے سامنے چھائی ہوئی دھند سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہو۔ عمران نے دونوں ہاتھوں سے اس کا سر تھام کر اُسے چت کر دیا.... اور اس نے اپنے ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے۔

"ناشتہ یہیں کرو گے...... یا ڈائننگ روم میں لے چلوں......؟" عمران نے بڑے خلوص سے پوچھا۔

لیکن وہ آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹائے بغیر گہری گہری سانسیں لیتا رہا۔

ملازمین پارک کے چکر لگا رہے تھے۔

"ہالٹ....!" عمران سر اٹھا کر دہاڑا.... وہ سب رک گئے۔

"فال ان....!" وہ پھر چیخا اور وہ سب دوڑتے ہوئے اس کے قریب آئے اور لائن میں کھڑے ہو گئے۔

اب عمران نے حملہ آور کے ٹھوکر رسید کر کے کہا۔ "تم بھی اٹھو....ورنہ ہڈیاں سرمہ کر دوں گا۔"

وہ ہانپتا کانپتا ہوا اٹھا اور احمقانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"میں نے پوچھا تھا یہیں ناشتہ منگواؤں....؟" عمران نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"مجھے جانے دو....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اب تمہیں بھی جانے دوں تو میرا جی کیسے بہلے گا۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔"

"ان قلندر صاحب کو لے چلو....!" عمران نے ملازموں سے کہا۔ "لیکن پہلے ان کی کمر سے گھنٹہ الگ کر دو۔"

کمر سے رسی کھول کر گھنٹہ الگ کر دیا گیا اور پھر وہ اسے دھکیلتے ہوئے عمارت کی طرف لے چلے۔

"مار دو اگر یہ کسی طرح نہ چلے۔" عمران نے ملازموں سے کہا۔

"میں چل رہا ہوں۔" حملہ آور غرایا۔

وہ ناشتے کے کمرے میں آئے اور عمران نے اسے ایک کرسی پر دھکیل دیا۔ "ناشتہ.... فوراً۔" وہ ملازموں کی طرف مڑ کر بولا۔

ان کے چلے جانے کے بعد حملہ آور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں بے قصور ہوں۔"

"مجھے یقین ہے۔" عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور خاموش ہو گیا۔

وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے.... کئی منٹ اسی طرح گذر گئے۔ آخر کار بیروی کفنی والا پہلوان پھر ہکلایا۔ "آپ یقین کک کیجئے۔"

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے...." عمران سر ہلا کر بولا۔

"میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"یقیناً ایسا ہی ہو گا۔"

"تت.... تو پھر مجھے کیوں روک رکھا ہے۔"

"ناشتہ.... ناشتہ....!"

"نہیں میں جانا چاہتا ہوں۔"

"ایسا بھی کیا....؟" عمران اٹھ کر فون کے قریب آیا اور بلیک زیرو کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

"کک.... کیا.... آپ پولیس کو اطلاع دے رہے ہیں۔" پہلوان نے پوچھا۔

"ارے نہیں۔ یہ آپ کیا فرما رہے ہیں...." عمران نے جواب دیا اور ماؤتھ پیس میں بولا۔

"ہاں.... میں ہوں.... دیکھو.... وکٹوریہ روڈ کے چوراہے والے نیلی فون بوتھ کے قریب اپنی ایک گاڑی کھڑی ہے.... اس میں پٹرول نہیں ہے اسے وہاں سے منگوالو۔"

ریسیور رکھ کر وہ پہلوان کی طرف مڑا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرانے لگا۔ پھر بولا۔ "بھوک تو نہیں لگی۔ ناشتہ جلد ہی تیار ہو جائے گا۔"

پہلوان ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ اب عمران صفدر کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔ دوسری طرف سے جواب ملنے پر بولا۔ "کہو.... رات کیسی رہی۔"

"میں مجبور تھا عمران صاحب۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ایکس ٹو باخبر تھا.... اس نے پچھلی رات مجھے آواز دی تھی اور کہا تھا کہ وہاں سے چلا جاؤں۔"

"ہونہہ....!" عمران نے مضحکانہ انداز میں کہا۔ "کیا میں پہلے ہی نہیں کہہ رہا تھا کہ تم میرے لئے کچھ بھی نہ کر سکو گے۔"

"آپ اس سلسلے میں ایکس ٹو سے کیوں نہیں گفتگو کرتے۔"

"دیکھا جائے گا۔" عمران نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ اتنے میں ایک ملازم نے کمرے میں داخل ہو کر ناشتے کی تیاری کی اطلاع دی۔

"چلئے سرکار....!" عمران اٹھتا ہوا بولا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

”ناشتہ سمجھے بغیر کیا جاتا ہے۔“

لیکن پہلوان نہ اٹھا.... عمران نے ملازم سے کہا۔ ”دوسروں کو بھی بلاؤ۔“

”مم.... میں چل رہا ہوں....!“ پہلوان اٹھتا ہوا بولا۔

عمران نے دونوں ہاتھ پھیلا کر عقبی دروازے کی طرف اشارہ کیا....

وہ ڈائننگ روم میں آئے۔ تازہ کافی کی بھاپ اور تلے ہوئے انڈوں کی ملی جلی خوشبو فضا میں اٹھکیلیاں کر رہی تھی۔

”ادھر تشریف لائیے.... جناب....!“ عمران نے جھک کر ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا اور اُسکے ساتھ بیٹھ جانے کے بعد بولا۔ ”کافی کریم کے ساتھ پسند فرماتے ہیں یا دودھ کے ساتھ۔“

وہ کہنیاں میز پر ٹیکے اور ہتھیلیوں سے کنپٹیاں دبائے بیٹھا رہا.... پھر عمران بھی اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر بیٹھ کر سینڈوچ بنانے لگا.... سینڈوچ بنا کر پلیٹ اس کی طرف کھسکائی۔

”شروع کیجئے جناب عالی....!“ اس نے بڑے ادب سے کہا۔ پہلوان کے چہرے پر عجیب سے آثار تھے کبھی تو ایسا لگتا جیسے بے تحاشہ ہنس پڑے گا اور کبھی ایسا معلوم ہونے لگتا جیسے اب دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دے گا۔

بمشکل تمام اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک سینڈوچ اٹھایا اور بہت احتیاط سے کھانے لگا۔

”جی ہاں.... بھلا جلدی میں اور کیا خدمت کر سکتا تھا۔“ عمران منہ چلاتا ہوا بولا۔ ”اسے حاتم کا خیمہ سمجھئے۔“

پہلوان خاموشی سے کھاتا رہا.... پھر عمران نے اس کے لئے کافی انڈیلی اور شکر کی مقدار کے بارے میں پوچھا۔

”جی تین چمچے.... یہ ذرا کڑوی ہوتی ہے۔“ پہلوان بولا۔

”بے شک بے شک....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”لیکن خدا کے لئے اب جلدی بتا دیجئے کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔“ پہلوان نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

”دوپہر کا کھانا آپ کو تیار کرنا پڑے گا.... کیونکہ گھر والی کو تو آپکے پیر بھائی اٹھا لے گئے۔“

”مگر.... وہ.... لیکن.... لیکن.... وہ آپ کی بیگم تھیں۔“

”بد شگن کہئے....!“ عمران نے سر ہلا کر کہا اور چمچے سے شکر گھولتا رہا۔

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر یہ سب کیا چکر ہے۔“ پہلوان بڑبڑایا۔

”رہا ہوگا کچھ....!“ عمران نے گردن جھٹک کر کہا۔ ”لیجئے.... کافی لیجئے۔“

”نہیں صاحب اب مجھے الجھن ہو رہی ہے۔“

”خیر....!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”اگر آپ کچھ بتانا ہی چاہتے ہیں تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے.... کافی پیجئے نا.... ٹھنڈی ہو رہی ہے۔“

”ایک ماہ پہلے کی بات ہے ایک صاحب ہم لوگوں سے ملے تھے۔ جی ہم لوگ میٹرو شاہ کے تکیہ میں رہتے ہیں۔ جی تو پھر وہ صاحب بولے کہ میں خفیہ پولیس کا افسر ہوں تم لوگوں سے ایک کام لینا چاہتا ہوں.... ہم سمجھ گئے کہ ہماری ہی ٹوہ میں آیا ہے.... وہ سمجھتے ہیں کہ تکئے سے چرس اور افیون کا کاروبار چلتا ہے، لیکن ہمیں آپ کی کوٹھی دکھانے اپنے ساتھ لائے کہنے لگے اس کوٹھی کی نگرانی کرو ہمیں شبہ ہے کہ یہاں لڑکیوں کا کاروبار ہوتا ہے.... لہٰذا آئے گئے پر نظر رکھو! پھر خوب دھونس دیا.... کہا اگر یہ کام نہیں کرو گے تو تکئے سے چرس برآمد کر کے بند کرا دوں گا.... سبھی ڈرتے ہیں پولیس والوں سے صاحب۔ ہم نے حامی بھر لی اور آس پاس منڈلاتے پھرے۔ سڑک کی دوسری طرف پیپل کے درخت کے نیچے ایک ٹوٹی پھوٹی کٹیا جو عرصہ سے خالی پڑی تھی ہمارا ٹھکانا بن گئی۔ ہم جانتے تھے کہ وہاں اکثر ادھر اُدھر کے لوگ آکر ڈیرہ جما لیتے ہیں۔ اس لئے ہم پر کسی کو شبہ نہ ہو سکے گا۔ آج آپ کے آنے سے کچھ دیر پہلے ایک آدمی نے ہمیں اطلاع دی کہ یہاں ایک لڑکی لائی جا رہی ہے۔ اب ہمارا کام یہ ہوگا کہ ہم اُس لڑکی کو اٹھا کر آگے کھڑی ہوئی گاڑی میں ڈال دیں.... بس صاحب اتنی سی بات ہے.... اب سوچتا ہوں اگر وہ کوئی ایسی ویسی بات تھی تو آپ اتنی دلیری سے لڑنے مرنے پر کیوں آمادہ ہو گئے۔“

”تو تمہارا ساتھی.... لڑکی کے ساتھ گیا ہوگا۔“

”یہ نہیں صاحب.... آپ چلیں میرے ساتھ اگر وہ گاڑی پر نہ گیا ہوگا تکئے ہی میں ملے گا.... گیا تو چھوڑ دی ہوگی۔“

”کیا اُس آدمی کا حلیہ بتا سکو گے جس نے تمہیں اس حرکت پر مجبور کیا تھا۔“

”جی.... بہت دبلا پتلا لمبا آدمی تھا.... ناک چپٹی تھی اور آنکھیں چھوٹی چھوٹی جیسی چینیوں لوگوں کی ہوتی ہیں۔“

”ہوں....!“ عمران نے طویل سانس لی۔ پہلے وہ سمجھا تھا شاید کیپٹن فیاض ہی کے محکمے کے کسی آدمی نے انہیں اس راہ پر لگایا ہوگا۔

”کیا اُس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اگر تم اُس سے ملنا چاہو تو وہ کہاں ملے گا۔“

"نہیں صاحب۔"

"اچھا....!" عمران اٹھتا ہوا بولا۔ "غالباً تم کافی ختم کر چکے ہو۔"

"جی صاحب....!" وہ بھی اٹھ گیا۔

"اب ہم میٹرو شاہ کے تکئے میں چل کر دیکھیں گے کہ تمہارا ساتھی وہاں موجود ہے یا نہیں۔"

"چلئے صاحب....!"

٭

میٹرو شاہ کا تکیہ سنسان پڑا تھا.... وہ دونوں ایک بڑی سی جھونپڑی کی طرف بڑھتے رہے۔ گاڑی سڑک ہی پر چھوڑ دی گئی تھی۔

عمران اپنے ساتھ کسی اور کو نہیں لایا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے پہلوان پر اعتماد ہو۔

جھونپڑی کے قریب پہنچ کر پہلوان نے کسی کو آواز دی اور ایک چھوٹے قد کا دبلا پتلا آدمی باہر آیا۔

"بندو شاہ کہاں ہے؟" پہلوان نے اُس سے پوچھا۔

اُس نے اُس کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے آہستہ سے جواب دیا۔ "اندر.... کسی نے اُس کا سر پھاڑ دیا ہے کچھ بتاتا نہیں۔"

پہلوان اُسے ایک طرف ہٹا کر جھونپڑی میں داخل ہوا۔ عمران اُس کے پیچھے تھا۔

سامنے وہی آدمی چٹائی پر لیٹا نظر آیا جو پہلوان کے ساتھ رانا پیلس میں داخل ہوا تھا اور ساجدہ کو لے بھاگا تھا۔ اُس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

عمران کو اُس نے خونخوار نظروں سے دیکھا اور اٹھنے کی کوشش کی۔

"لیٹا رہ بے....!" پہلوان نے سخت لہجے میں کہا۔ "ہمیں دھوکا دیا گیا تھا۔ وہ خفیہ والے نہیں تھے۔"

وہ کچھ نہ بولا اور آنکھیں بند کر لیں۔

"مگر یہ کیا ہوا.... تیرے سر میں....!" پہلوان نے پوچھا۔

اب وہ اٹھ بیٹھا.... چند لمحے خاموش رہا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ہاں وہ خفیہ والے نہیں ہو سکتے۔ میں نے موٹر میں ظفر و پٹیل کو دیکھا تھا۔"

"ظفر و پٹیل....!" پہلوان نے خوفزدہ لہجے میں دہرایا۔

"ہاں ظفر و پٹیل.... پھر جب میں بھی موٹر میں بیٹھنے کی کوشش کر رہا تھا تو اُس نے مجھے دھکا دے دیا تھا.... اور میں چاروں خانے چت گرا تھا۔"

"وہیں....!" عمران نے پوچھا۔

"جی ہاں....!"

"لیکن تم سڑک پر تو نہیں نظر آئے تھے۔"

"جی میں نیچے رینگ کر جھاڑیوں میں چھپ گیا تھا.... اور موٹر چلی گئی تھی۔"

"کیا وہ آدمی ظفر و پٹیل بھی تمہیں جانتا ہے۔" عمران نے پوچھا۔

"نہیں صاحب.... وہ حرامی جانتا ہوتا تو مار ہی نہ ڈالتا....!" زخمی نے جواب دیا اور مدہم سروں میں ظفر و پٹیل کی خاندان بھر کی خواتین سے اپنے رشتے کا اعلان کرتا رہا۔

"بس....!" عمران اٹھا کر بولا۔ "بہت خون بہا ہوگا تمہارے سر سے اب کہیں مر ہی نہ جانا۔"

"جی....!" زخمی نے بُرا سا منہ بنا کر آنکھیں نکالیں۔

اور پہلوان ہنسنے لگا۔ عمران نے ان دونوں کو مخاطب کر کے کہا۔ "تم نے بہت بُرا کیا ہے.... ہونا تو یہی چاہئے کہ میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں۔ لیکن اپنے معاملات خود ہی نپٹانے کا عادی ہوں۔ اب تم لوگ مجھ سے وعدہ کرو کہ اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کرو گے۔ کیونکہ یہ میری عزت کا معاملہ ہے۔ اور میں ظفر و پٹیل سے نپٹ لوں گا اور یہ بھی کسی کو نہ معلوم ہونا چاہئے کہ تم نے ظفر و پٹیل کو پہچان لیا ہے۔"

انہوں نے بڑے مخلصانہ انداز میں عمران کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ ایسا ہی ہوگا۔

یہ نام عمران کے لئے نیا نہیں تھا۔ پورے شہر میں ایک ہی ظفر و پٹیل تھا۔ کیفے تھری اسٹارز کا مالک.... ایک روڈ والا کیفے تھری اسٹارز اور اسی کیفے تھری اسٹارز کے اوپر والے فلیٹ میں وہ آدمی پی۔ ایچ درانی رہتا تھا جس نے پچھلے دن عمران کو زبردستی کہیں لے جانے کی کوشش کی تھی۔

ظفر و پٹیل نیک آدمی نہیں تھا.... کیفے تھری اسٹارز تو محض دکھاوے کا بزنس تھا.... ورنہ اصل بزنس تو وہ غیر قانونی جوئے خانے تھے جن کا سراغ ابھی تک مقامی پولیس کو نہیں مل سکا تھا۔ بعض آفیسر اُس سے عناد بھی رکھتے تھے۔ لیکن ابھی تک انہیں اُس کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں ملا تھا۔ ویسے مشہور ہونے کو تو اس کے متعلق بہت کچھ مشہور تھا۔ یہاں تک کہا جاتا تھا۔ وہ معقول معاوضے پر قتل بھی کرا دیتا ہے۔

عمران تکئے سے نکل کر گاڑی میں آ بیٹھا۔ ظفر و پٹیل تک راستہ صاف تھا۔ لیکن یہ یقینی

نہیں تھا کہ ساجدہ اب بھی اسی کے قبضے میں ہوتی۔ عمران سنگ ہی کے طریق کار سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ کبھی کوئی مستقل گروہ نہیں رکھتا تھا۔ وقتی ضروریات کے تحت کام کے آدمی تلاش کرتا۔ اُن سے کام لیتا اور پھر اُن سے بے تعلق ہو جاتا۔ تو پھر کیا ظفر و پنیل اُسکی نشاندہی کر سکے گا۔

دوسری طرف یہ بھی ممکن تھا کہ ظفر و پنیل اُس گروہ سے تعلق رکھتا ہو جو پروفیسر راشد کے لئے کام کر رہا تھا۔ جس کی ایک ممبر خود ساجدہ بھی تھی.... اور یہ تو کھلی ہوئی بات تھی کہ پروفیسر راشد کی موت کا ذمہ دار سنگ ہی تھا۔

بہر حال وہ وقتی طور پر کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا.... ساجدہ کو لے جانے والے انجمن بیباکاں والے بھی ہو سکتے تھے اور سنگ ہی کے آدمی بھی۔ پہلوانوں کے بیان کے مطابق وہ پچھلے ایک ماہ سے رانا پیلس کی نگرانی کر رہے تھے اور یہ سنگ ہی سے ٹکراؤ کے بعد ہی کا زمانہ تھا۔

لیکن دوسری طرف شاید پروفیسر راشد بھی جانتا تھا کہ وہ سنگ ہی سے دوچار ہو چکا ہے لہٰذا وہ اُسی کی تصدیق کے لئے اُس کے آس پاس آیا ہو۔ پتہ نہیں کن مصالح کی بنا پر سنگ ہی نے اُسے مناسب نہ سمجھا کہ وہ اُس سے مل سکے۔ اور ٹھیک اُس کے دروازے پر ہی اُسے ختم کرا دیا اس کے بعد ہی فون پر اُس نے عمران کو آگاہ کر دیا تھا کہ وہ اُسی کا کارنامہ ہے۔

"ہونہہ....!" اُس نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔ اب وہ پھر رانا پیلس کی طرف واپس جا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد فون پر بلیک زیرو کو اطلاع دی کہ وہ کیفے تھری اسٹارز میں جا رہا ہے.... سیکرٹ سروس کے ممبر کیفے کے آس پاس موجود رہیں اور انہیں میک اپ میں ہونا چاہئے۔

"کیا آپ کو فوٹو گرافروں کی موت کی اطلاع مل چکی ہے۔" بلیک زیرو نے پوچھا۔

"کن فوٹو گرافروں کی بات کر رہے ہو۔"

"جنہوں نے کل آپ کی تصویر کے فریم پر انگلیوں کے نشانات تلاش کئے تھے اور ان کی تصویریں لی تھیں۔"

"کیا وہ کئی تھے۔"

"دو تھے....!"

"دونوں مر گئے...."

"جی ہاں.... اور دونوں کی موت کا سبب ایک ہی ہے۔"

"ہوں.... وہ کیا؟"

"زہر.... یا زہریلی بھاپ جس نے پھیپھڑوں کو متاثر کر کے آہستہ آہستہ انہیں ان کے فعل سے روک دیا۔"

"کیا یہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہے۔"

"جی ہاں۔"

"تشویشناک.... وہ تصویر اب کہاں ہے۔"

"کیپٹن فیاض کی تحویل میں۔"

عمران نے ریسیور رکھ کر طویل سانس لی اُس کی پیشانی پر شکنیں تھیں اور آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

اب اس نے فیاض کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف فیاض ہی تھا جواب ملنے پر عمران نے آواز بدل کر کہا۔ "کیوں شامت آئی ہے۔ تصویر سے دور رہو جو پروفیسر راشد کی کوٹھی سے ملی تھی۔ ہو سکے تو اُس میں لگے ہوئے رنگوں کا کیمیاوی تجزیہ کراؤ.... لیکن بہت احتیاط سے.... تجزیہ کرنے والوں کے چہروں پر سیفٹی ماسک ہونے چاہئیں۔"

"آپ کون ہیں....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"پہلے پوری بات سنو۔"

"ذرا ایک منٹ ٹھہریئے....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

اور عمران نے فوری طور پر سلسلہ منقطع کر دیا۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فیاض نے ایک منٹ ٹھہرنے کی استدعا کیوں کی ہے۔ وہ دوسری لائن پر ایکس چینج سے رابطہ کر کے فون نمبر معلوم کرنے کی کوشش کرتا۔

کچھ دیر بعد وہ کیفے تھری اسٹارز کی طرف جا رہا تھا اور اس وقت بھی وہ کرنل درانی ہی والے میک اپ میں تھا۔ لیکن جسم پر وردی نہیں تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس کے ماتحت اب تک وہاں پہنچ چکے ہوں گے۔

کیفے کے صدر دروازے پر کھڑے ہو کر اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ بھاتی لینے کے بہانے ہاتھوں کو مخصوص قسم کی جنبش دی اور کیفے میں داخل ہو گیا۔ کئی میزیں خالی پڑی تھیں۔

کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا آدمی بے تعلقی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ ایک ویٹر عمران کی میز کی طرف جھپٹا۔

"کافی اور چکن سینڈوچ" [illegible]

ویٹر کے چلے جانے کے بعد کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر خلاء میں گھورتا رہا تھا وہ جانتا تھا کہ

صرف یہ ہال ہی نہیں ہے بلکہ عمارت کے کچھ اور بھی حصے ظفرو پٹیل کے قبضے میں ہیں۔

کچھ دیر بعد ویٹر کافی اور سینڈوچ لایا۔

"اور کوئی خدمت جناب.....!"

"نہیں.....!"

پھر وہ سینڈوچ کھاتا رہا..... ویٹر دوسری طرف چلا گیا تھا۔

کچھ دیر بعد عمران میز پر ہاتھ مار کر دہاڑا۔ "یہ کیا ہے؟" اور آدھا کھایا ہوا سینڈوچ پلیٹ میں ڈال دیا۔ کاؤنٹر کلرک چونک کر اُسے گھورنے لگا تھا۔ دوسرے لوگ بھی متوجہ ہو گئے تھے اور میز سرو کرنے والا ویٹر تیزی سے اُس کی طرف چلا آ رہا تھا۔

"فف..... فرمایئے جناب۔"

عمران نے کھڑے ہو کر پلیٹ اُس کی آنکھوں کے قریب لے جاتے ہوئے کہا۔ "یہ دیکھو۔"

"صص..... صاحب.....!" ویٹر ہکلایا۔

"صاحب کے بچے..... مکھیاں کھلاتے ہو۔" عمران کی آواز پہلے سے زیادہ بلند تھی۔

کلرک بھی کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل آیا۔

"غلطی ہو جاتی ہے صاحب..... اکثر.....!" اس نے آہستہ سے کہا اور ویٹر سے بولا۔

"دوسری پلیٹ لاؤ۔"

"غلطی نہیں ہو جاتی۔" عمران ہاتھ لہرا کر چیخا۔ "تم لوگوں کے کاروبار ہی ایسے ہیں۔ دکھاوے کی صفائی ہوتی ہے لیکن باورچی خانوں میں کتے لوٹتے ہیں۔"

"مم..... میں دوسری پلیٹ.....!" ویٹر ہکلایا۔

"تم خاموش رہو۔" عمران دہاڑا۔ "مجھے ان سے بات کرنے دو۔ نہیں بلکہ مالک کو بلاؤ..... کون ہے..... اس گندے اور جراثیم کے اکھاڑے کیفے کا مالک۔"

دفعتاً سامنے والے دروازے کا پردہ ہٹا اور ایک گٹھیلے جسم کا دراز قدم آدمی نظر آیا جو عمران کو متحیرانہ نظروں سے گھورے جا رہا تھا..... پھر اس تحیر کی جگہ نفرت اور حقارت نے لے لی۔

عمران بالکل ایسے ہی انداز میں چیخے جا رہا تھا جیسے سارے شہر میں اعلان کرتا پھر رہا ہو کہ اس سڑے ہوئے کیفے میں گندگیوں کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

"کہاں ہے اس کیفے کا مالک.....!" وہ پھر دہاڑا..... اور دراز قد آدمی دروازے سے گزر کر نپے تلے قدم رکھتا ہوا اس کے قریب آ پہنچا۔

"فرمایئے.....؟" اس نے بے حد نرم لہجے میں پوچھا۔

"مکھیاں کھلاتے ہو۔" عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

"مجھے افسوس ہے؟ ایک منٹ کے لئے دفتر میں تشریف لے چلئے۔" اس نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"چلئے..... چلئے..... آخر کیا مذاق ہے.....!" عمران دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

ویسے وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ دفتر میں وہ اُس کے آگے ہاتھ جوڑ کر نہیں کھڑا ہو جائے گا۔

ظفرو پٹیل خطرناک آدمی تھا۔

وہ اس کے بعد کمرے میں داخل ہوا تھا اور مڑ کر جلدی سے دروازہ بند کرتے ہوئے چٹخنی چڑھا دی تھی۔

"کک..... کیا مطلب.....!" عمران نے پلٹ کر بوکھلاہٹ کی ایکٹنگ کی۔

"مزید مکھیاں کھلاؤں گا۔" سرد لہجے میں جواب ملا۔

"یعنی..... یعنی..... سینہ زوری بھی۔" عمران اس طرح بولا جیسے غصے کی زیادتی کی وجہ سے موزوں الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

ظفرو نے جھلا کر اُسے دھکا دیا اور اپنے زور میں خود ہی سامنے والی میز پر جا پڑا۔ کیونکہ عمران تو بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا تھا۔

پھر اُس نے اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا..... وہ سیدھا ہو کر مڑنے ہی والا تھا کہ عمران نے پیچھے سے کوٹ کا کالر پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا اور وہ چاروں شانے چت فرش پر آ رہا..... پھر اُس نے عمران کی جیب سے اعشاریہ چار پانچ کا لمبی نال والا ریوالور نکلتے دیکھا۔

"لڑکی کہاں ہے۔؟" عمران سانپ کی طرح پھپھکارا۔

"اوہ.....!" ظفرو کے ہونٹوں کی جنبش اس کے علاوہ اور کوئی لفظ نہ پیدا کر سکی وہ آنکھیں پھاڑے ریوالور کو گھورے جا رہا تھا۔

"جلدی کرو.....!"

"کس لڑکی کی بات کر رہے ہو.....!"

"ظفرو میں قتل کر کے آج تک پشیمان نہیں ہوا۔"

"تم کون ہو۔"

"یہ تمہارے موجودہ باس نے تمہیں نہیں بتایا۔"

"اوہ.....!"

"لڑکی کہاں ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"وہ سچ مچ نہیں جانتا۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی کسی کا ہاتھ عمران کے ریوالور والے ہاتھ پر پڑا اور ریوالور اُس کے ہاتھ سے نکل بھی گیا۔

عمران نے مڑ کر دیکھنا فضول ہی سمجھا کیونکہ سنگ ہی کی آواز اُس کے لئے نئی نہیں تھی۔

اب وہ اپنے ریوالور کی نوک کا دباؤ اپنی ہی پشت پر محسوس کر رہا تھا۔

ظفرو اٹھ کر اس کی طرف جھپٹا۔

"ٹھہرو.....!" سنگ ہی کی آواز پھر کمرے میں گونجی اور ظفرو رک گیا۔

"اس ملاقات کی خوشی کس طرح منائی جائے بھتیجے۔" سنگ ہی نے کہا۔

عمران نے طویل سانس لی اور چھت کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"تم خاموش کیوں ہو گئے۔" سنگ ہی پھر بولا۔

"سوچ رہا ہوں کہ تم میرا جام صحت تجویز کرو گے یا میں تمہارا۔"

"فی الحال بیٹھ جاؤ.....!" سنگ ہی نے اُسے ریوالور کی نال سے کرسی کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا اور عمران کرسی سمیت فرش پر لڑھک گیا۔

گرتے گرتے اُس نے کرسی اپنی ٹانگوں میں الجھائی۔ سنگ ہی کے ہونٹوں پر ایسی ہی مسکراہٹ تھی جیسے کوئی نادان بچہ خود ہی اپنی سزا کو پہنچ گیا ہو۔

ظفرو چپ چاپ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

سنگ ہی نے ریوالور کی نال عمران کی طرف جھکاتے ہوئے کہا۔ "اب بتاؤ۔"

"کچھ پوچھ کر دیکھو..... کیسا بتاتا ہوں۔" عمران نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"لڑکی نے تمہیں کیا بتایا ہے۔"

"کچھ بتاتی ہی تو نہیں ہیں یہ کم بخت لڑکیاں۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

"میں بہت بری طرح پیش آؤں گا بھتیجے۔"

عمران سوچ رہا تھا شاید سنگ ہی بھی ساجدہ سے کچھ نہیں معلوم کر سکا۔ آخر وہ کیا باتی ہے [illegible]

[illegible]

تو وہ نہیں [illegible] ہو گیا تھا۔

کیا سنگ ہی کو پہلے سے علم تھا کہ لڑکی پروفیسر کی نجی زندگی میں اتنی دخیل ہے؟ یہی وجہ [illegible]

ورنہ اُن قلندروں کو کیسے اطلاع ملتی کہ کوئی لڑکی رانا پیلس میں لائی جا رہی ہے جسے انہیں اٹھالے جانا ہے؟

عمران نے پھر سنگ ہی کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولا۔ "بھتیجے کی ناکامی کے بعد چچا کی بھی ناکامی یقیناً قابل غور ہے؟"

"کیا مطلب.....!"

"مطلب یہ کہ جہاں یہ خادم ناکام رہے وہاں کسی دوسرے کی دال بھی گلنی مشکل ہی ہے اُس نے مجھے بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔"

"تم کیا معلوم کرنا چاہتے تھے۔" سنگ ہی نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہی کہ لڑکیوں کی زبان میں مہمان کسے کہتے ہیں۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"بکواس نہیں ٹریجڈی ہے انکل سنگ! بہت دنوں کی بات ہے جب میں ڈاکٹریٹ لے کر انگلینڈ سے واپس آیا تھا..... یہاں کے سوشل حلقوں میں اٹھنا بیٹھنا شروع کیا۔ ایک دن کسی لڑکی نے اپنی سالگرہ کے سلسلے میں دعوت دی۔ میں کسی وجہ سے نہیں پہنچ سکا۔ دوسرے دن کلچر سنٹر کی میٹنگ میں ملاقات ہوئی۔ شکایت کرنے لگی۔ میں نے بوکھلا کر کہا میرے یہاں مہمان آگئے تھے بے ساختہ ہنس پڑی اور دوسری لڑکی کو آواز دے کر بولی۔ سنا بھئی نجمہ ان صاحب کے یہاں مہمان آگئے تھے۔ اُس نے بھی قریب آکر ہنسنا شروع کر دیا۔ پھر کئی آگئیں۔ یہی کہہ کہہ کر قہقہے لگاتی رہیں کہ اچھا مہمان آگئے تھے۔ آج تک یہ معمہ حل کرنے سے قاصر رہا ہوں چچا سنگ..... کیا تم رہنمائی کرو گے۔"

"یہ وقت برباد کر رہا ہے مسٹر.....!" ظفرو نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہو سکتا ہے اُس کے ساتھی باہر موجود ہوں۔"

سنگ ہی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

اور ٹھیک اسی وقت عمران کی ٹانگوں کو جنبش ہوئی اور اس نے وہ کرسی سنگ ہی کے منہ پر اچھال دی جو اس کی ٹانگوں سے الجھی ہوئی تھی۔ وہ اس اچانک حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ریوالور بھی ہاتھ سے نکل گیا اور خود بھی دیوار سے جا ٹکرایا۔

ظفرو نے ریوالور [illegible] تک کافی [illegible] نہیں عمران [illegible]

الجھیں اور وہ بھی سنگ ہی پر جا پڑا۔

اتنے میں کوئی باہر سے دروازہ پیٹنے لگا۔ ”دروازہ کھولو.... پولیس....!“

سنگ ہی ظفرو کو دھکیل کر اندر بھاگا.... لیکن قبل اس کے کہ عمران اُس دروازے تک پہنچتا وہ زوردار آواز کے ساتھ بند ہو گیا اور دوسری طرف سے بولٹ چڑھانے کی بھی آواز آئی۔

ظفرو پھر ریوالور کی طرف پلٹا تھا لیکن عمران نے اس بار بڑی بے دردی سے اُس کے سر پر ٹھوکر رسید کی۔

❁

دروازہ اب بھی پیٹا جا رہا تھا.... آخر سیکرٹ سروس کے ممبر کتنا انتظار کرتے۔ عمران تنہا اندر گیا تھا بلیک زیرو اُس کے ریڈی میڈ میک اپ سے واقف تھا اور اس کے متعلق پہچان کے لئے دوسروں کو بھی ہدایات دے سکتا تھا.... پھر ایسی صورت میں اتنی دیر ہو جانے پر وہ اس کی خیریت کے خواہاں کیوں نہ ہوتے۔ ویسے انہیں اطمینان تو رہا ہی ہوگا کہ عمران اپنے جسم میں معمولی قسم کی ٹوٹ پھوٹ کا بھی عادی نہیں ہے۔

عمران نے خود ہی آگے بڑھ کر دروازے کا بولٹ گرایا۔ سیکرٹ سروس کے تین ممبر اندر آئے چوتھا باہر رہ گیا۔ عمران نے پھر دروازہ بند کر کے بولٹ چڑھا دیا۔

ظفرو دونوں ہاتھوں سے سر تھامے کہنیاں ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

عمران اور دوسرے خاموش کھڑے دیکھتے رہے۔ اب ریوالور عمران کے ہاتھ میں تھا۔

اس نے دوسروں سے کہا۔ ”میں ٹھیک ہوں۔ تم لوگ عمارت کی پشت پر جاؤ۔ ایک دبلا پتلا اور دراز قد آدمی ایک لڑکی کو یہاں سے نکال لے جانے کی کوشش کر رہا ہے عمارت سے باہر نکلنے والی لڑکی پر نظر رکھو۔ جاؤ۔ میں اسے دیکھ لوں گا۔“

وہ دروازے کی طرف مڑے دروازہ کھولا پھر جلدی سے بند کر دیا۔

”پولیس....!“ ایک نے مڑ کر کہا۔

”بولٹ چڑھا دو....!“ عمران نے کہا اور ظفرو کی طرف مڑا جو دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑا ہانپ رہا تھا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ عمران نے کرسی اٹھا کر میز کے قریب رکھتے ہوئے کہا۔ وہ برا سا منہ بنائے ہوئے بیٹھ گیا۔

”تمہیں انہیں مطمئن کرنا ہے کہ یہاں کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہوا۔ ہم خوش گوار فضا میں گفتگو کر رہے تھے۔“ عمران نے ہاتھ اٹھا کر بند دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

”میں کیوں ایسا کروں....!“ ظفرو غرایا۔

”شاید تمہارے باس نے تمہیں نہیں بتایا کہ میں کون ہوں۔“ عمران نے پلاسٹک کی ناک اور مونچھیں اپنے چہرے سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔

”اوہ....!“ ظفرو کی زبان سے بے اختیار نکلا.... ”مگر کیوں؟“

”پرواہ مت کرو.... جو میں کہہ رہا ہوں کرو؟“

”ہرگز نہیں.... یہ کھیل میری سمجھ میں نہیں آیا۔“ ظفرو نے غصیلی آواز میں کہا۔ ”تم پولیس سے الگ تو نہیں ہو۔“

”اس بار میری اور پولیس کی چل گئی ہے۔“

”میں نہیں تسلیم کر سکتا؟“

”کیا آج کا اخبار نہیں دیکھا؟“

”نہیں....!“

”خیر پھر دیکھ لینا۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”وہ لوگ تمہارے جوئے کے اڈوں سے واقف نہیں ہیں لیکن میں عرصہ سے جانتا ہوں۔ ان کی صحیح نشاندہی بھی کر سکتا ہوں۔ کیا سمجھے.... مثال کے طور پر رانچی لاج۔“

ظفرو کھکارا اور عمران شریری مسکراہٹ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

”مم.... مم.... مطلب یہ کہ۔“

”جو میں کہہ رہا ہوں.... وہی ہوگا۔“ عمران کی مسکراہٹ گہری سنجیدگی میں بدل گئی۔

ظفرو اُسے گھورتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ ”اچھا۔“

عمران نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اُن میں سے ایک نے دروازہ کھولا اور وہ نکلے چلے گئے۔

عمران نے ریوالور جیب میں ڈال لیا تھا۔

پلاسٹک کی ناک اب پھر اُس کے چہرے پر نظر آ رہی تھی۔

دروازہ کھلا ہوا تھا.... ایک پولیس مین نے بڑھ کر اندر دیکھا۔

”کیا بات ہے؟“ ظفرو نے پوچھا۔

”یہ آپ کے کلرک نے....!“ کانسٹیبل نے جملہ پورا نہیں کیا کیونکہ اندر اسے سکون ہی

سکون محسوس ہوا تھا۔

ظفرو اٹھ کر دروازے کے قریب آیا.... کانسٹیبل نے آہستہ سے پوچھا۔ "کوئی گڑبڑ۔"

"کیسی گڑبڑ.... نہیں تو۔"

کلرک سامنے کھڑا تھا جسکے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اگر وہ تین اجنبیوں کو بھی دروازہ کھلوا کر اندر جانے نہ دیتا تو شاید ڈیوٹی کانسٹیبلوں کو مدد کے لئے بلانے کی ضرورت نہ محسوس کرتا۔

"کیا بات ہے....!" ظفرو نے کلرک سے پوچھا۔

"کک.... کچھ نہیں.... مجھے غلط فہمی ہوئی تھی جناب۔"

"ہوش میں رہا کرو۔" ظفرو غرایا اور پھر میز کی طرف واپس آگیا۔

عمران نے پھر اٹھ کر دروازہ بولٹ کر دیا۔

"اب کیا ہے....!" ظفرو پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔ "لڑکی سرے سے یہاں آئی ہی نہیں تھی اور وہ تمہارے آدمیوں کے پہنچنے سے پہلے ہی نکل گیا ہوگا۔"

"وہ کون ہے۔"

"مجھ سے پوچھ رہے ہو۔" ظفرو آنکھیں نکال کر بولا۔ "حالانکہ گفتگو کے دوران میں چچا اور بھتیجے کے رشتے چل رہے تھے۔"

"میں تو جانتا ہوں.... تم اپنی کہو۔"

"ہاں میں بھی جانتا ہوں۔" ظفرو کے لہجے کی جھلاہٹ بدستور قائم تھی۔

"کیا نام ہے بھلا....؟"

"داور....!"

"ٹھیک ہے۔ میں نے اس لئے پوچھا تھا کہ وہ اپنا اصلی نام کسی کو نہیں بتاتا۔ اچھا اب یہ بھی بتادو کہ لڑکی کہاں لے جائی گئی ہے؟"

ظفرو چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "تم ظفرو سے گفتگو کر رہے ہو۔ سمجھے۔"

"میں اچھی طرح سمجھتا ہوں لیکن اپنے سوال کے جواب پر اصرار کروں گا۔"

"چلے جاؤ....!" وہ دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر غرایا۔

"خیر [illegible] کچھ نہیں [illegible] عمران [illegible] دروازے کی طرف مڑا [illegible]

متوقع [illegible] ظفرو کے پیچھے [illegible]

میں عمران چھاتی پر سوار تھا... گھٹنوں سے دونوں بازو دبا رکھے تھے اور بال مٹھیوں میں [illegible]

پوری قوت صرف کر رہا تھا۔

وہ دبی دبی سی آواز میں کراہتا ہوا اُس کے گھٹنوں کے نیچے سے اپنے بازو نکال لینے کی کوشش کرتا رہا.... لیکن کامیابی نہ ہونے پر عمران کی پشت پر اپنے گھٹنوں سے ضرب لگانے کی کوشش کرنے لگا۔

"میں اب تمہیں اسی طرح مار ڈالوں گا.... ورنہ لڑکی کا پتہ بتاؤ۔ سچ کہتا ہوں.... اگر تمہارا گلا گھونٹ کر یہاں سے چلا بھی جاؤں تو تمہارے آدمی میری نشاندہی نہ کر سکیں گے۔ شور مچاؤ گے تو کرکری ہی ہوگی۔ تمہارے ملازمین کہیں گے.... اوہو ظفرو پٹ گیا.... ظفرو.... جس کی دھوم زمانے میں تھی۔"

ظفرو نے کراہنا بند کر دیا تھا۔ اس کی پھیلی ہوئی آنکھوں سے شدید ترین تکلیف کے احساس کا اظہار ہو رہا تھا۔

"کیا کہتے ہو۔"

"بتادوں گا....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تو پھر بتاؤ۔"

"پہلے چھوڑو مجھے۔"

"ہرگز نہیں...! میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ چھوٹنے کے بعد تم پھر جھپٹ پڑو گے۔"

"مرشد کی قسم کھاتا ہوں کہ ایسا نہیں ہوگا۔"

"خوب تو مرشد بھی رکھتے ہو۔"

ظفرو کچھ نہ بولا۔ عمران اُسے چھوڑ کر اٹھ گیا.... ظفرو اٹھا لیکن بہت ڈھیلا ڈھیلا نظر آ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اُس کا قد ہی پہلے سے کم ہو گیا ہو.... وہ میز کا چکر کاٹ کر کرسی پر جا بیٹھا اور دراز سے سگریٹ کا ڈبہ نکالا.... اب وہ عمران کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

عمران ایک پیر کرسی پر رکھے کھڑا اُسے بغور دیکھتا رہا۔ ظفرو نے سگریٹ سلگا کر دو تین کش لئے اور پھر عمران کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ "مرشد کی قسم میں نے صرف اسی موقع کیلئے کھائی تھی۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "کسی دوسرے موقع پر میرا کچومر بنا دینا فی الحال جلدی سے اپنا وعدہ پورا کرو۔"

ظفرو کچھ سوچ رہا تھا کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "بتاؤں گا.... پہلے تم بتاؤ کہ تمہارا ان معاملات سے کیا تعلق....!"

"کن معاملات سے....؟"

"وہ لڑکی رانا پیلس سے آئی تھی۔"

"رانا تہور علی میرا دوست ہے۔"

"لیکن یہ ہے کون؟ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ صرف نام ہی سننے میں آتا ہے۔"

"بہتوں نے تو نام بھی نہ سنا ہوگا۔" عمران نے سر ہلا کر کہا۔ "اب تم کام کی بات کرو۔"

"اچھا یہ آدمی داور کون ہے؟"

"اُسے کب سے جانتے ہو؟" عمران نے سوال کیا۔

"زیادہ دنوں سے نہیں۔ پیسے اچھے دیتا ہے۔"

"کیا وہ خود ہی تمہارے پاس آیا تھا۔"

"ظفرو خود کسی کے پاس نہیں جاتا۔" اس کی گردن اکڑ گئی۔

"تم سے کیا کام لیتا رہا ہے۔"

"رانا پیلس کی نگرانی۔" ظفرو اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "لیکن پولیس سے تمہاری کیوں کھٹک گئی ہے۔"

"آج کے اخبار میں دیکھ لینا۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"میرے اڈوں کے متعلق کیا رہی۔"

"مجھے ان سے صرف اسی حد تک دلچسپی ہے کہ ناکامی کی صورت میں انتقاماً راز فاش کر دوں گا۔"

"لڑکی کے بارے میں صحیح معلومات صرف ایک آدمی سے حاصل ہو سکیں گی بشرطیکہ تم اُس تک پہنچ سکو۔ میری ذمہ داری صرف اتنی تھی کہ اُسے داور کے حوالے کر دوں گا۔"

"تم بہت دیر کر رہے ہو ظفرو۔" عمران نے سخت لہجے میں کہا۔

"اوپری منزل پر ایک آدمی رہتا ہے.... پی۔ ایچ۔ درانی۔"

"کیا تم نے اُسے اُس کے حوالے کیا تھا....؟"

"ہاں.... اور وہ اسے کہیں لے گیا تھا؟"

"کیا بات ہوئی....؟" عمران پھاڑ کھانے والے لہجہ میں بولا۔

ظفرو نے شانوں کو جنبش دی اور بولا۔ "اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

"اچھی بات ہے.... میں خود ہی دیکھوں گا کہ کیا کر سکتا ہوں۔"

"اس عمارت سے نکلنے کے بعد تمہاری زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ میری قسمت

مدت ختم ہو چکی ہو گی۔" ظفرو نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"اس کے بعد میں تمہارے کان کھینچ سکوں گا۔" عمران مسکرایا اور بولٹ گرا کر دروازہ کھولتا ہوا ڈائننگ ہال میں آ گیا۔ ظفرو اسے دیکھتا رہ گیا۔

"اُس کے عوض دوسرے سینڈوچ اور دوسری کافی۔" عمران نے کاؤنٹر کلرک کو مخاطب کر کے کہا۔ "سمجھوتہ ہو گیا؟"

"بہت بہتر جناب۔" کلرک احمقانہ انداز میں بولا اور ویٹر کو متوجہ کرنے کیلئے گھنٹی بجائی۔

عمران کی اس حرکت سے تو یہی ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ دیدہ دانستہ اپنی موت کو آواز دے بیٹھا ہو۔ اس طرح گویا وہ ظفرو کو اس کا موقع دے رہا تھا کہ وہ اس کے خلاف کچھ کرے۔

وہ نہایت اطمینان سے ایک میز کے قریب بیٹھا.... اپنے آرڈر کی تعمیل کا انتظار کر رہا تھا۔

فٹ پاتھ پر بلیک زیرو نظر آیا.... عمران نے ہاتھ اٹھا کر جماہی لیتے ہوئے مخصوص اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ وہ خطرے میں ہے۔

بلیک زیرو نے تفہیمی انداز میں اپنے ہاتھ کو جنبش دی تھی اور پیچھے ہٹ گیا تھا۔

سینڈوچ اور کافی میز پر رکھ دی گئیں.... ظفرو دروازے میں کھڑا عمران کو متحیرانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ اندر چلا گیا۔

عمران آہستہ آہستہ ایک کے بعد دوسرے سینڈوچ کھاتا اور کافی کے گھونٹ لیتا رہا۔ کلرک کاؤنٹر کے پیچھے سے اُسے تشویش کن نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

کافی ختم کر کے عمران نے بل کے دام چکائے.... لیکن ٹپ کی رقم دیکھ کر ویٹر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ ایک بڑا نوٹ تھا.... اس حیثیت کے ٹپ کیفے کیلئے غیر متوقع تھے۔

ویٹر نے تقریباً فرشی سلام کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔

عمران اٹھا.... کلرک کی طرف دیکھ کر سر کو جنبش دی۔ جواباً کلرک نے بھی مسکرا کر خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ ہو سکتا تھا سوچ رہا ہو آخر استاد ظفرو نے دماغ درست کر دیا نا۔

فٹ پاتھ پر معمول کے مطابق آمد و رفت تھی.... عمران سڑک پار کر رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ایک چیخ سنی.... چونک کر مڑا.... ایک آدمی پر نظر پڑی جو اپنا بایاں بازو دبائے آگے پیچھے جھول رہا تھا۔

وہ آگے بڑھتا چلا گیا.... دوسرے فٹ پاتھ پر پہنچ کر رکا۔ اب وہاں بھیڑ نظر آ رہی تھی جہاں اُس آدمی کو دیکھا تھا۔

اُس نے طویل سانس لی.... اور دل ہی دل میں بلیک زیرو کی پھرتی کی داد دیتا ہوا نہایت اطمینان سے آگے بڑھ گیا.... یقیناً اُس نے پشت سے حملہ کرنے والے پر اپنا بے آواز ریوالور آزمایا تھا۔

گلی پار کر کے وہ دوسری سڑک پر آیا.... ہاتھ اٹھا کر ایک ٹیکسی رکوائی اور کسی جگہ کا پتہ بتائے بغیر ڈرائیور سے کہا۔ ”سیدھے چلو....!“

لڑکی کا اس طرح ہاتھ سے نکل جانا اُسے کھل رہا تھا۔ ظفرو بھی کیا یاد کرتا ہوگا اس نے سوچا۔ ہو سکتا ہے اب کچھ دنوں کے لئے وہ روپوش ہی ہو جائے۔ اور اُس کے بعد یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس آدمی پی۔ ایچ درانی سے ملاقات ہو سکے جس کا حوالہ ظفرو نے دیا تھا۔

تو گویا اتنا سب کچھ ہو جانے کے باوجود بھی فی الحال کامیابی کی صورت نظر نہیں آتی۔ تو پھر بہتر یہی ہوگا کہ ظفرو کو نظر سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے۔ اب فی الحال وہی ایسا تھا جس کے ذریعے سنگ ہی تک رسائی ہو سکتی تھی۔ لیکن سنگ ہی۔ عمران سوچتا رہا۔ وہ اب ظفرو کو کب گھاس ڈالے گا۔ اس کے طریق کار کے مطابق تو اب وہ اُس کے لئے بیکار ہو کر رہ گیا تھا.... وہ پھر کسی ایسے آدمی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا جس سے اُس کے تعلقات منظر عام پر آ جائیں۔ لیکن یہ شخص پی۔ ایچ۔ درانی.... اس کے متعلق ظفرو نے بتایا تھا کہ ساجدہ اُس کے قبضے میں ہے حالانکہ عمران کو علم ہو چکا تھا کہ وہ سنگ ہی کے ساتھیوں میں سے ہے اور خود سنگ ہی نے اسکی تصدیق بھی کی تھی۔ پھر اب وہ اس قسم کے کام اُسے کیونکر سونپ سکتا ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ ظفرو نے غلط بیانی سے کام لیا ہو۔ وقتی طور پر اُس سے پیچھا چھڑانے کیلئے پی۔ ایچ۔ درانی کا نام لے لیا ہو۔ لیکن یہ اُسی وقت ممکن ہے جب اُسے علم رہا ہو کہ اُس سے پی۔ ایچ۔ درانی کا ٹکراؤ پہلے بھی ہو چکا ہے؟

”ڈرائیور....!“ دفعتاً اُس نے کہا۔ ”بائیں جانب موڑ لو۔“

آگے چل کر اُس نے پھر گاڑی روکنے کو کہا اور اب پھر وہ ایک روڈ پر تھے اور ٹیکسی کا رخ کیفے تھری اسٹارز کی طرف تھا۔

کیفے تھری اسٹارز کے سامنے اب [illegible] بھیڑ نظر آئی۔

چوراہے پر سگنل کی سرخ روشنی کی بناء پر ٹیکسی رک گئی تھی.... اور عمران چاروں طرف دیکھ رہا تھا شاید اُس کا کوئی ماتحت نظر آ جائے۔

بلیک زیرو دکھائی دیا جو بائیں جانب والے فٹ پاتھ پر کھڑا اپنے جوتوں پر پالش کرا رہا تھا۔

”اگر سگنل ہو جائے تو تم آگے بڑھ کر روک دینا۔“ عمران نے ڈرائیور سے کہا۔ ”میں ذرا سگریٹ خریدوں گا۔“

ٹیکسی سے اتر کر وہ بلیک زیرو کے قریب آیا.... اور آہستہ سے بولا۔ ”ظفرو کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دینا۔“

آگے بڑھ کر سامنے والی دوکان سے سگریٹ کا پیکٹ بھی خریدا اور ٹیکسی کی طرف واپس آ گیا.... جیسے ہی بیٹھ کر دروازہ بند کیا چوراہے کی روشنی بھی تبدیل ہو گئی۔

ٹیکسی آگے بڑھی اور عمران نے ڈرائیور سے کہا۔ ”اچھا خاصا شہر ہے کیا تم مجھے یہاں کے تاریخی مقامات دکھا سکو گے۔“

”ضرور.... جناب.... بڑی خوشی سے۔“ ڈرائیور بولا۔

”سب سے پہلے یونیورسٹی لے چلو۔“

”جی وہ تاریخی مقام تو نہیں ہے۔“

”سنا ہے.... دور سے اس کی عمارت ایسی لگتی ہے جیسے مرغیوں کے ڈربے قطار اندر رکھ دیئے گئے ہوں۔“

”میں نے کبھی اس پر دھیان نہیں دیا۔“ ڈرائیور مسکرا کر بولا۔

عمران کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

سچ مچ اُس نے کئی تاریخی عمارتیں دیکھ ڈالیں.... اور تین چار گھنٹے بعد رانا پیلس آیا۔ وہ جانتا تھا کہ یہاں سنگ ہی کے آدمی اس کی نگرانی بخوبی کر سکیں گے۔ خود اس کا اپنا رہائشی فلیٹ اور رانا پیلس دونوں ہی اُس کے لئے غیر محفوظ تھے۔ البتہ کیپٹن فیاض کو نہیں معلوم تھا کہ عمران کا کوئی تعلق رانا پیلس سے بھی ہو سکتا ہے۔ پھر اس نے کسی کے نمبر ڈائیل کئے.... اور دوسری طرف سے جواب پا کر بولا۔ ”ظفرو اس وقت کہاں ہے؟“

”وہ کیفے والی عمارت سے ابھی تک باہر نہیں آیا۔“

”کیفے کے اندر کون ہے۔“

”چوہان....!“

”ٹھیک ہے۔“ عمران نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ ”دوسری طرف کی کیا خبریں ہیں۔“

”اطلاع ملی ہے کہ کیپٹن فیاض نے آپ کی تلاش شروع کرا دی ہے.... غالباً تصویر کے

سلسلے میں آپ سے مزید پوچھ گچھ کرنا چاہتا ہے۔"

"اُس نے تصویر کو کیمیاوی تجزیہ کے لئے بھیجا ہے یا نہیں....!"

"اُس کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا۔"

"معلوم کرو.... تجزیئے کے نتائج معلوم ہو سکیں تو زیادہ بہتر ہے۔"

"میں کوشش کروں گا۔"

عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا اور آرام کرسی میں نیم دراز ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔ لڑکی بہت اہم تھی۔ وہ سوچ رہا تھا.... ظفرو تو محض ایک مہرے کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ سنگ ہی کی اصل قیام گاہ اُس کے فرشتوں کے علم میں بھی نہ ہوگی۔ ویسے وہ اب بھی داور ہی کا نام استعمال کئے جا رہا ہے۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھائی اور پی۔ ایچ۔ درانی کا فون نمبر تلاش کرنے لگا۔ لیکن ناکامی ہوئی۔ غالباً اس کے فلیٹ میں فون نہیں تھا۔

فون پر اپنے فلیٹ کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے جوزف نے جواب دیا۔

"اوہ.... باس....!" وہ کہہ رہا تھا۔ "اب میرا غصہ کوئی گل کھلائے گا....!"

"کھال میں رہ....!" عمران غرایا۔

"میں کیپٹن فیاض کو قتل کر دیتا.... لیکن تمہارا خیال....!"

"کیا بات ہے۔"

"وہ مجھے اپنے ساتھ لے جا رہا تھا... میں نے انکار کر دیا... میں نے کہا میں اپنے وکیل سے مشورہ کئے بغیر نہ کسی سوال کا جواب دے سکتا ہوں اور نہ کہیں جا سکتا ہوں۔ بہتر ہے تم وارنٹ لاؤ۔"

"ٹھیک.... لیکن اگر وہ وارنٹ بھی لایا تو....؟"

"تب پھر مجھے سوچنا پڑے گا باس....!"

"ہیلو.... فون ہی پر سوچنے لگے۔"

"ایک آدمی اور آیا تھا باس.... تمہیں پوچھ رہا تھا۔"

اور پھر جوزف نے اُس کا حلیہ بتایا.... جو انہیں دونوں میں سے کسی کا ہو سکتا تھا جن سے پچھلی رات مڈبھیڑ ہوئی تھی اور ایک زخمی ہو گیا تھا۔

"جوزف....!" عمران نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "بہتر یہی ہے کہ تم یہاں چلے آؤ...."

"کہاں باس....!"

"جہاں بڑا آدمی رہتا ہے۔"

"میں سمجھ گیا باس۔ لیکن اگر کوئی تعاقب کرتا ہوا وہاں بھی پہنچ گیا تو....!"

"زیادہ عقل مند بننے کی ضرورت نہیں.... ٹیکسی کی بجائے آٹو رکشہ پر آنا.... لیکن عمارت میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں.... عمارت سے کچھ دور آگے چل کر رکشہ رکوانا۔"

"میں سمجھ گیا باس...." جوزف کی آواز آئی۔ عمران نے محسوس کیا جیسے یہ جملہ ادا کرتے وقت وہ مسکرایا بھی ہو۔

"بس....!" عمران نے ریسیور رکھ دیا۔

جلدی سے اس کمرے میں آیا جہاں میک اپ کا سامان رہتا تھا.... پلاسٹک میک اُپ کے ہلکے سے ٹچ نے چہرے میں کسی حد تک تبدیلی کر دی.... بعض اوقات وہ اس پر مجبور ہو جاتا تھا ورنہ میک اپ سے اُسے وحشت ہی ہوتی تھی۔

پھر گیراج سے موٹر سائیکل نکالی اور اسی راستے پر چل پڑا جدھر سے جوزف کو آنا تھا ریکسٹن اسٹریٹ کے چوراہے پر اس نے موٹر سائیکل روک دی اور اس طرح اس کی جانچ پڑتال میں لگ گیا جیسے اس میں کوئی خرابی واقع ہو گئی ہو۔ تھوڑی دیر بعد جوزف کا رکشہ نظر آیا جس کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ غالباً وہ اس طلبی کا مقصد سمجھ گیا تھا۔

لیکن ٹریفک کی اس بھیڑ میں اس کا اندازہ کرنا مشکل تھا اس کا تعاقب بھی کیا جا رہا ہے۔

عمران نے چوراہے کا چکر لگا کر اپنی موٹر سائیکل اُسی سمت موڑ دی جدھر جوزف کا رکشا جا رہا تھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد رکشے کے پیچھے صرف ایک موٹر سائیکل رہ گئی جو اب بھی اس کا تعاقب کر رہی تھی۔

رانا پیلس سے دو فرلانگ کے فاصلے پر جوزف کا رکشا رک گیا۔ موٹر سائیکل آگے بڑھتی گئی... پھر رک گئی.... وہ آدمی اتر کر اُسے اسی طرح دیکھ رہا تھا جیسے انجن میں کوئی خرابی واقع ہو گئی ہو۔ بہترین موقع تھا۔ عمران نے ٹھیک اس کے قریب ہی اپنی موٹر سائیکل روک دی۔

"کیا میں کوئی مدد کر سکتا ہوں۔" اُس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"جی....!" وہ آدمی چونک کر سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ اُس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔

"جی نہیں....!" لہجہ بھی کٹکھنا تھا۔

"ارے صاحب.... اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔" عمران نے بھی ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"اپنا کام کیجئے....!" اس آدمی نے گردن اونچی کر کے جوزف کے رکشے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جواب خالی تھا اور جوزف کا کہیں پتہ نہ تھا۔

رکشے والے نے انجن دوبارہ اسٹارٹ کیا اور رکشا تیزی سے اُن کے قریب ہی سے گذر گیا۔

عمران نے اُس آدمی کی آنکھوں میں قہر کے کوندے لپکتے دیکھے۔

"کیوں کھڑے ہو......!" وہ حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

اور عمران نے اس بار محسوس کیا جیسے یہ آواز وہ پہلے بھی سن چکا ہو اور پھر ناک کے نیچے وہ گھنی مونچھیں جنہوں نے اوپری ہونٹ قطعی طور پر چھپا رکھا تھا۔ اسے مصنوعی معلوم ہونے لگیں۔ آنکھوں کی بناوٹ بھی کچھ جانی پہچانی سی تھی۔

وہ اپنی موٹر سائیکل کی طرف پھر متوجہ ہو گیا۔

پھر عمران کھڑا دیکھتا ہی رہ گیا اس نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور اُسے گھما کر ٹھیک اُسی جگہ لے گیا جہاں جوزف نے رکشا رکوایا تھا.... وہاں وہ پھر رکا انجن بند کر کے موٹر سائیکل کھڑی کر دی.... مڑ کر دیکھا.... عمران جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

کچھ دیر وہ سڑک کے کنارے کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر فٹ پاتھ پر چڑھ کر اُس عمارت کی طرف بڑھا جس کے سامنے جوزف کا رکشا رکا تھا۔ پھاٹک کے قریب پہنچ کر پھر رک گیا۔ غالباً نیم پلیٹ کو دیکھ رہا تھا۔

عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ ویسے وہ ابھی تک اُس آدمی کی آواز کے متعلق سوچ رہا تھا۔

دفعتاً وہ پھاٹک سے اپنی موٹر سائیکل کی طرف آیا.... انجن اسٹارٹ کیا اور شہر کی جانب روانہ ہو گیا۔ جب کافی دور نکل گیا تو عمران نے اپنی موٹر سائیکل بھی اُسی طرف موڑ دی لیکن دونوں کے درمیان کافی فاصلہ برقرار رہا۔

اب بھی اسکی آواز عمران کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ وہ گھنی مونچھیں پیشانی اور آنکھوں کی بناوٹ.... آواز میں ہلکی سی غراہٹ اور پھر دفعتاً ذہن میں بجلی سی چمک گئی۔ اُسے یاد آ گیا۔

وہ سو فیصدی پی۔ ایچ درانی تھا۔ میک اپ میں مصنوعی مونچھیں بڑے سلیقے سے اوپری ہونٹ پر جمائی گئی تھیں۔

تو وہ اُس کے فلیٹ کی نگرانی کر رہا تھا.... اور جوزف کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا.... پتہ نہیں سنگ ہی سے ٹکراؤ کے بعد یہ انتظام عمل میں آیا یا اس سے پہلے ہی۔

دونوں موٹر سائیکلیں آگے پیچھے دوڑتی ہوئی شہر میں داخل ہوئیں۔ عمران سوچ رہا تھا کہیں ٹریفک کی بھیڑ میں وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ لہٰذا دوسرے ہی لمحے میں اُس نے فاصلہ کم کرنا شروع کر دیا۔ اب وہ اُس کی موٹر سائیکل سے صرف آٹھ یا دس فٹ کے فاصلے پر تھا۔

ایک جگہ تو اُسے ٹریفک کے قانون کی خلاف ورزی بھی کرنی پڑی.... لیکن اتفاق سے آٹو میٹک سگنل کے قریب کوئی ٹریفک کانسٹیبل موجود نہیں تھا۔ ورنہ وہ بڑی زحمت میں پڑ جاتا۔

تعاقب جاری رہا.... دھوپ تیز تھی.... اور عمران پسینے میں نہایا ہوا تھا۔

اگلی موٹر سائیکل مختلف سڑکوں سے گزرتی ہوئی ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئی۔

عمران آگے بڑھتا چلا گیا۔ کچھ دور جا کر پھر ٹرن لیا اور پھر اُس عمارت کی طرف آیا واپس....! لیکن آس پاس نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا۔

یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ سنگ ہی کے ایک آدمی سے مڈ بھیڑ ہوئی ورنہ وہ تو یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ فیاض کے ماتحت اب بھی اس کے فلیٹ کی نگرانی کر رہے ہیں یا نہیں۔

آگے چل کر ایک ٹی شاپ نظر آئی اور اُس نے موٹر سائیکل اُسی کے سامنے روک دی۔ بھوک بھی محسوس ہو رہی تھی۔

اندر پہنچ کر اُس نے چائے اور پیٹیز کا آرڈر دیا۔ چھوٹی سی صاف ستھری جگہ تھی دو آدمی سرو کر رہے تھے۔ ریڈیو ہلکی آواز میں چل رہا تھا....

وہ سوچ رہا تھا شاید سنگ ہی اُس عمارت میں موجود ہو.... اور لڑکی بھی۔ اگر ظفرو جھوٹ نہیں بولا تھا

چائے کے گھونٹ لیتے وقت وہ سڑک ہی کی طرف دیکھ رہا تھا.... دفعتاً وہ آدمی پھر نظر آیا.... موٹر سائیکل ہی پر اس کی واپسی ہوئی اور عمران سوچ رہا تھا کہیں وہ غلط فہمی کا شکار تو نہیں ہوا.... ہو سکتا ہے اسے تعاقب کا احساس ہو گیا ہو اور اُس نے محض دھوکا دینے کے لئے کسی عمارت کی کمپاؤنڈ میں موٹر سائیکل موڑی ہو اور پھر میدان صاف دیکھ کر دوبارہ اپنی راہ لگا ہو۔

✪

عمران نے جھپٹ کر کاؤنٹر پر پیسے ادا کئے.... اور سڑک کی طرف لپکا۔ کاؤنٹر کلرک اُسے حیرت سے دیکھ رہا تھا... کیونکہ اس نے چائے بھی ویسے ہی چھوڑ دی تھی اور پیٹیز کی پلیٹ بھی۔

تعاقب کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ اُس نے اُس آدمی کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا تھا۔

اس بار فاصلہ ذرا زیادہ رکھا.... عمران اس کا پیچھا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا کیونکہ اُسے اب یقین آ گیا تھا کہ وہ پی۔ ایچ درانی کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ سوچنے لگا کہ اب کیا چکر ہے؟ کیا اُس نے اس عمارت میں کوئی اطلاع پہنچائی تھی۔ اگلی موٹر سائیکل کی رفتار بتدریج کم ہو رہی تھی.... اور پھر وہ ٹھیک عمران کے فلیٹ والی عمارت کے سامنے رک گئی۔ موٹر سائیکل فٹ پاتھ سے لگا کر وہ اترا اور بائیں جانب والی عمارت کے بالائی زینوں پر چڑھنے لگا۔ اور پھر اوپر جس بالکنی میں نظر آیا.... وہ ٹھیک عمران کے فلیٹ کے سامنے تھی۔

عمران کے ہونٹوں نے سیٹی بجانے کے انداز میں دائرہ بنایا۔

درانی کوسٹفیکر انڈسٹریز کے دفتر میں داخل ہوا تھا۔ اس کی پچویشن ایسی تھی کہ عمران اپنے فلیٹ کی کھڑکی سے وہاں کے حالات پر بخوبی نظر رکھ سکتا تھا۔ لیکن اس نے اپنے فلیٹ کا رخ نہیں کیا۔ بلکہ اُسی عمارت کے ایک چھوٹے سے کیفے میں جا بیٹھا جہاں سے کم از کم وہ درانی کی موٹر سائیکل پر تو نظر رکھ ہی سکتا تھا۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا... لیکن موٹر سائیکل اب بھی وہیں تھی.... عمران کے خیالات کی رو ادھر اُدھر بھٹکتی رہی۔ دفعتاً اُسے خیال آیا کہیں وہ بے وقوف تو نہیں بن رہا.... کہیں درانی اس تعاقب سے واقف ہی نہ ہو۔

کچھ دیر بعد کیفے میں کوسٹفیکر انڈسٹریز کا ایک چپڑاسی نظر آیا.... دونوں کی نظریں ملیں اور عمران نے ہاتھ اٹھا کر اُسے سلام کیا... جواب میں اُس کا ہاتھ بھی پیشانی تک اٹھ گیا.... پھر عمران نے ہاتھ ہی کے اشارے سے خیریت بھی پوچھی... اور چپڑاسی نے مخلصانہ انداز میں دانت نکال کر اس اشارے کا بھی جواب دیا... اور سیدھا اُسی میز کی طرف چلا آیا۔

”خان صاحب ہیں....!“ عمران نے پوچھا۔

”جی.... کون خان صاحب۔“

”اے وہ بڑی مونچھوں والے کیا نام ہے ان کا۔“

”اچھا.... اچھا.... تجمل صاحب۔“

”وہی.... وہی.... تمہارے یہاں کب سے ردی سپلائی کر رہے ہیں۔“

”ردی...!“ چپڑاسی نے حیرت سے کہا... ”وہ تو.... پرچیز آفیسر ہیں صاحب۔“

”ارے.... یہ کب سے۔“ عمران نے بھی حیرت ظاہر کی....

پھر چپڑاسی نے اس کی ملازمت کی مدت بتائی وہ سنگ ہی سے ٹکراؤ سے پہلے کی نہیں تھی۔

”پہلے تو پیکنگ کے لئے ردی سپلائی کرتے تھے۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔ ”بیٹھو بیٹھو! چائے پیئو گے یا ٹھنڈا....!“

”شکریہ صاحب.... میں آفس کے لئے چائے لینے آیا تھا....“ چپڑاسی نے کہا اور کاؤنٹر کی طرف مڑ گیا۔

نگرانی کا سلسلہ عرصہ دراز سے جاری ہے۔ عمران نے سوچا.... آخر سنگ ہی کس چکر میں ہے اور خصوصیت سے اُسی کی نگرانی کیوں کرا رہا ہے۔ جب کہ مادام نشی کاوا کیس بھی ختم ہو چکا ہے۔

اُس کا ذہن پھر ماہر ارضیات پروفیسر راشد کی حیرت انگیز موت کی طرف متوجہ ہو گیا.... وہ بھی کسی تنظیم کا سربراہ تھا۔ انجمن بے باکاں اس کے لئے بالکل نئی چیز تھی۔

کیا سنگ ہی کا کوئی تنازعہ اس تنظیم سے بھی تھا۔ پروفیسر راشد سے ذاتی پرخاش ہی اُس کی موت کا باعث بنی تھی۔

وہ سوچتا رہا اور چائے کے گھونٹ لیتا رہا۔ اگر پی۔ ایچ درانی کوسٹفنگر انڈسٹریز کے دفتر میں ملازمت ہے تو اب اُسے کچھ دیر بعد دفتر چھوڑنا ہی پڑے گا۔ چار بجنے والے تھے۔ عمران نے چائے کی قیمت ادا کی اور وہیں نوٹ بک میں اوٹ پٹانگ اندراجات کرتا رہا... انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دن بھر کے اخراجات نوٹ کر رہا ہو۔

ٹھیک چار بج کر پانچ منٹ پر درانی پھر اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کرتا نظر آیا۔

کچھ دیر بعد عمران پھر اس کا تعاقب کر رہا تھا... لیکن ساتھ ہی سوچ بھی رہا تھا کہ اگر اب بھی درانی کی نظر اس پر پڑ گئی تو اس تعاقب کا راز فاش ہو جائے گا کیونکہ وہ اُسے اس حلیہ میں اچھی طرح دیکھ چکا تھا۔ گفتگو کر چکا تھا اور ایسے مواقع پر جسے وہ شاید ہی کبھی بھلا سکے۔ کیونکہ محض اُسی

کی وجہ سے وہ جوزف کا تعاقب جاری نہ رکھ سکا تھا۔ لہٰذا اس کا موجودہ حلیہ تو واضح طور پر اُس کے ذہن نشین ہو چکا تھا۔

پھر اب کیا کیا جائے؟ سوچتا رہا۔

مجبوراً عمران کو میک اپ کا سہارا لینا پڑا... یعنی وہ مصنوعی ناک مونچھوں سمیت پھر چہرے پر جمانی پڑیں۔

درانی کی موٹر سائیکل کی رفتار تیز نہیں تھی... کچھ دیر بعد وہ ایک جگہ رکی۔

درانی اُترا اور اُسے فٹ پاتھ سے لگا کر کھڑی کر دیا... اب عمران نے اسے ریالٹو میں داخل ہوتے دیکھا... پھر وہ باہر ٹھہر کر کیا کرتا۔

ابھی یہاں کی بہتیری میزیں خالی تھیں... بھیڑ تو رات کے کھانے کے وقت ہوتی تھی جب فلور شو ہوتا تھا۔

عمران نے اپنے لئے درانی کے قریب ہی ایک میز منتخب کی... لیکن اس طرح بیٹھا کہ درانی کی پشت اُس جانب رہی۔ مڑے بغیر وہ اُسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پھر ایسی جگہوں پر پیچھے مڑ کر کون دیکھتا ہے۔

لیکن وہ سوچ رہا تھا... اب پھر چائے پینی پڑے گی... ویٹر اُس کے قریب آیا۔

"پوٹیٹو چپس...!" عمران نے آہستہ سے کہا۔

"چائے یا کافی...!" ویٹر نے پوچھا۔

"پہلے صرف چپس لاؤ... چائے تھوڑی دیر بعد طلب کروں گا۔"

ویٹر چلا گیا... دوسرا ویٹر درانی کا آرڈر لے گیا تھا۔

کچھ دیر بعد عمران پوٹیٹو چپس سے شغل کرتا ہوا نظر آیا۔

اور پھر ایک آدھ کچلے چپس دانتوں ہی میں دبے رہ گئے کیونکہ صدر دروازے میں ظفرو پٹیل دکھائی دیا تھا... دونوں کی نظریں ملیں۔ ظفرو ٹھٹھکا... پھر آگے بڑھتا چلا آیا اور درانی کی میز کے قریب آ کر رکا۔

عمران کو اپنی مصنوعی مونچھیں یاد آ گئیں... اور اس نے سوچا کہ وہ اُسے پہچان چکا ہے... [illegible] نظریں ملتے ہی ٹھٹھک جانے کا کیا مطلب تھا۔

[illegible] ... مونچھیں ہی ظفرو نے اسے پہچان لیا تھا... [illegible] درانی جھپٹ پڑتا... اُسے اس پچویشن پر ہنسی آنے لگی۔

ظفرو بیٹھ چکا تھا... گویا وہ درانی کو بھی میک اپ میں پہچانتا تھا اور شاید پہلے سے یہاں ملنا طے پا چکا تھا۔

عمران نے اپنے انداز میں بے تعلقی پیدا کی اور ویٹر کو اشارے سے بلا کر چائے لانے کو بھی کہا۔

ظفرو درانی سے گفتگو کرتے وقت عمران کو مسلسل گھورے جا رہا تھا۔

پھر دفعتاً درانی بھی مڑا... غالباً ظفرو کے گھورنے کے انداز ہی نے اُسے مڑنے پر مجبور کیا تھا... عمران پر اچٹتی سی نظر ڈال کر وہ پھر ظفرو کی طرف متوجہ ہو گیا... اس بار ظفرو نے آہستہ سے کچھ کہا... اور درانی کرسی سمیت عمران کی طرف مڑ گیا... وہ اُسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا... عمران کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ بکھر گئی... وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اُس کے ماتحت ظفرو کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔ اس نے انگڑائی لینے کے بہانے ہاتھ اٹھا کر کچھ مخصوص قسم کے اشارے کئے تاکہ اس کے ماتحت پچویشن سے آگاہ ہو سکیں۔ یہاں کم از کم تین چہرے ایسے ضرور تھے جن پر اس کے ماتحتوں کا اطلاق ہو سکتا تھا۔

ظفرو اور درانی پھر ایک دوسرے کی جانب متوجہ ہو گئے تھے... اور سرگوشیوں میں گفتگو جاری تھی۔

دفعتاً ظفرو اپنی کرسی سے اٹھ کر عمران کی میز کے قریب آیا... اس کے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں تھے اور داہنی جیب سے ریوالور کی نال کا ابھار صاف نظر آ رہا تھا۔

"اب نہیں بچو گے...!" وہ پیر سے ایک کرسی کھسکا کر بیٹھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

"اے... ویٹر...!" عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ایک چائے اور لاؤ۔"

"شکریہ...!" ظفرو کا لہجہ بے حد زہریلا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔" عمران مسکرایا۔

"تمہارے کسی آدمی نے میرے ایک آدمی کو بے آواز ریوالور سے زخمی کیا تھا... لہٰذا یہ ریوالور بھی بے آواز ہی ہے۔"

"میں سمجھا تھا شاید شیام کلیان سنائے گا...!" عمران خوش ہو کر بولا۔ "یہ تو بڑی اچھی بات ہے ورنہ بور کرنے کے لئے اپنا ریڈیو اسٹیشن ہی کیا کم ہے۔"

"خاموش رہو... [illegible] تم مجھے اُلو نہیں بنا سکتے۔"

[illegible] ... عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ [illegible] اور اس پر فخر کرتا ہے۔ تعجب ہے کہ تم کراہت سے اس کا تذکرہ کر رہے ہو۔"

"ظفرو کا راستہ کاٹ کر زندہ بچنے والے اپاہج کہلاتے ہیں۔"

"شاید میں نے ایڈگر ویلس کے کسی ناول میں یہ جملہ پڑھا تھا۔" عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"چائے.... پیئو.... بل ادا کرو.... پھر تمہیں ہمارے ساتھ چلنا پڑے گا۔" ظفر غرایا۔

"ساتھ بھی چلنا پڑے گا اور بل بھی خود ہی ادا کرنا پڑے گا۔ نہیں مائی ڈیئر ظفرو یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔ بل تم ہی ادا کرو گے۔ ورنہ میں تمہارے ساتھ چلنے سے صاف انکار کر دوں گا۔"

"کیا یہیں مرنا چاہتے ہو...." ظفرو نے آنکھیں نکالیں۔ اتنے میں ویٹر چائے بھی لایا۔

"خود ہی بناؤ....!" ظفرو نے عمران سے کہا۔ ویٹر جا چکا تھا.... عمران نے پیالیاں سیدھی کیں اور اُن میں شکر ڈالتے ہوئے پوچھا.... "کتنے چمچے۔"

"ڈیڑھ....!" ظفرو غرایا۔ "باتوں میں الجھا کر مجھے بے وقوف نہ بنا سکو گے سمجھے.... ہو سکتا ہے کہ یہاں بھی تمہارے آدمی موجود ہوں.... لیکن میں دیکھوں گا کہ مجھے کون روکتا ہے۔"

"اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" عمران نے دردناک لہجے میں کہا اور منہ چلانے لگا۔

ظفرو اُسے گھورتا رہا۔ عمران نے بڑے اطمینان سے دونوں پیالوں میں چائے انڈیلی اور ایک اس کی طرف سرکاتا ہوا بولا۔ "وش یو گڈ لک....!"

"میں چائے نہیں پیئوں گا۔" ظفرو جھنجھلا کر بولا۔

"تب تو ہر حال میں تمہیں بل کی رقم ادا کرنی پڑیگی۔ ایک پلیٹ پوٹیٹو چپس بھی منگوائے تھے۔"

"سنو.... میں تمہیں یہاں سے زبردستی بھی اٹھوا سکتا ہوں۔" ظفرو غرایا۔ "یقین نہ ہو تو کاؤنٹر کی طرف دیکھو.... وہاں کام کرنیوالے کتنے سراسیمہ نظر آ رہے ہیں۔"

"تم ایسے ہی گلفام ہو....!" عمران بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

"صرف تین منٹ....!" ظفرو کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا غرایا۔ "تین منٹ اور دے سکتا ہوں.... اُس کے بعد اپنی بے عزتی کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔"

"میری بے عزتی۔" عمران نے حیرت سے کہا۔ چند لمحے مضحکانہ انداز میں ظفرو کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کیا تم مجھے اب تک کوئی معزز آدمی سمجھتے رہے ہو۔"

"تو تم نہیں چلو گے میرے ساتھ۔" ظفرو نے پھر آنکھیں نکالیں۔

"ابھی تک میں نے اس پر اظہار خیال نہیں کیا....؟"

"تمہیں چلنا پڑے گا سمجھے.... ورنہ میرا آدمی تو صرف زخمی ہوا تھا تم ہمیشہ کی نیند سو جاؤ گے۔"

"میں جانتا ہوں....!" عمران نے اس طرح سر ہلا کر کہا جیسے اُن کے درمیان کوئی معمولی قسم کی گفتگو ہو رہی ہو۔

"پھر....؟"

"خیر.... تو مجھے کہاں لے جاؤ گے؟"

"خود دیکھ لو گے؟"

"اب تو دیکھنا ہی پڑے گا۔"

"ویٹر کو بلا کر بل طلب کرو۔" ظفرو نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"کیوں دھمکا رہے ہو مجھے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ جانے سے قبل مجھے باتھ روم تک بھی جانا پڑے۔" عمران نے کہا اور اشارے سے ویٹر کو بلا کر بل طلب کیا.... اُس کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ تھی اور وہ ظفرو کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔

ویٹر بل لایا.... عمران نے مسکراتے ہوئے قیمت ادا کی۔ لیکن ایسے انداز میں جیسے ظفرو پر احسان کیا ہو.... پھر یک بیک بے حد سنجیدہ نظر آنے لگا۔

"میں سچ مچ باتھ روم تک جانے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔ تم جانتے ہی ہو گے کہ یہاں نکاسی کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔"

"نہیں۔"

"تم ساتھ چلو.... اپنے بے آواز ریوالور کا رخ باتھ روم کی طرف کئے رہنا۔"

درانی بھی اپنی کرسی سے اٹھ کر اُن کے قریب آ گیا.... اور طنزیہ لہجے میں بولا۔ "اس کی آخری خواہش بھی ضرور پوری ہونی چاہئے۔ تم فکر نہ کرو۔ میں دیکھوں گا۔"

"بالآخر ایک شریف آدمی پھنس گیا۔" عمران نے اٹھتے ہوئے اس طرح کہا جیسے کسی لکھی ہوئی کہانی کا کوئی جملہ پڑھ دیا ہو۔

اب وہ باتھ روم کی طرف جا رہا تھا اور درانی اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ ہال سے گزر کر وہ ایک طویل راہداری میں داخل ہوئے جس کا اختتام دیوار ہی پر ہوا تھا۔ ایک سرے سے دوسرے تک دو رویہ غسل خانوں کے دروازے نظر آ رہے تھے۔

عمران ایک دروازے کا ہینڈل گھمانے کے لئے قدرے خم ہوا.... درانی اس سے لگا کھڑا تھا.... دفعتاً عمران کے دونوں ہاتھ پوری قوت سے اس کی داہنی کنپٹی پر ٹکرائے، حملہ غیر متوقع تھا اس لئے درانی سنبھل نہ سکا۔ سر دیوار سے ٹکرایا غالباً آنکھوں میں تارے ناچ گئے ہوں گے۔

ٹکراؤ سے پیدا ہونے والی گونجیلی آواز یہی کہہ رہی تھی۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ زمین پر گر رہا تھا.... عمران اسے باتھ روم میں گھسیٹ لے گیا۔

درانی بے ہوش ہو چکا تھا.... عمران نے اُسے فرش پر ڈال دیا اور اپنے کوٹ کی جیبوں سے مختلف چیزیں نکال کر پتلون کی جیبوں میں ٹھونسیں.... پھر کوٹ اتار کر وہیں فرش پر پھینک دیا.... مصنوعی ناک اور مونچھیں بھی پتلون کی جیب میں پہنچ چکی تھیں.... گردن سے ٹائی بھی نکال پھینکی.... اب وہ نہایت اطمینان سے واپس جا رہا تھا.... ظفرو کے فرشتے بھی اُسے اس حلئے میں نہ پہچان سکتے۔ وہ ڈائننگ ہال سے گزرتا ہوا صدر دروازے تک آ پہنچا.... ظفرو کی آنکھیں راہداری کی طرف ہی لگی ہوئی تھیں۔

***

عمران اب فٹ پاتھ پر نظر آیا۔

بیس بائیس منٹ تک آس پاس ہی منڈلاتا رہا.... پھر وہ منظر بھی آنکھوں کے سامنے آیا جس کے لئے وہ اتنی دیر یہاں ٹھہرا تھا۔ ایک ڈاکٹر اور دو کانسٹیبل ہوٹل میں داخل ہو رہے تھے۔

عمران فٹ پاتھ پر ہی کھڑا قریبی نیوز اسٹینڈ کا جائزہ لیتا رہا۔ کبھی کوئی رسالہ اٹھا کر الٹنے پلٹنے لگتا اور کبھی کوئی اخبار اٹھا لیتا۔

کچھ دیر بعد ایک ایمبولینس گاڑی آ کر رکی دو آدمی اسٹریچر اٹھائے اُس پر سے اترے اور ہوٹل میں داخل ہو گئے۔

عمران اخبار خرید کر اُسے رول کر رہا تھا.... انداز ایسا ہی تھا جیسے سوچ رہا ہو کہ اب گھر جائے یا ابھی کچھ دیر اور مٹر گشت کرے۔

پھر وہ کچھ اور آگے بڑھ کر ان لوگوں میں آ ملا جو وہاں کھڑے بس کا انتظار کر رہے تھے۔

کچھ دیر بعد ہسپتال کا عملہ.... بیہوش درانی کو اسٹریچر پر ڈالے ہوئے ہوٹل سے باہر آیا....

لیکن ظفرو اُن کے ساتھ نہیں تھا.... پتہ نہیں ظفرو ہی نے اُسے غسل خانے میں بے ہوش دیکھا تھا یا کسی دوسرے گاہک نے۔

ایمبولینس گاڑی چلی بھی گئی لیکن ظفرو باہر نہ دکھائی دیا۔

عمران پھر ہوٹل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اب اس نے اپنے بال پیشانی پر بکھرا لئے تھے اور [illegible]

کھلنڈرا رومان پسند اور لاپرواہ نوجوان معلوم ہو رہا تھا۔

اُسے یقین تھا کہ ظفرو اُسے اس حلئے میں نہ پہچان سکے گا.... وہ پھر ہوٹل میں داخل ہوا.... ظفرو اُسی میز پر نظر آیا جہاں عمران نے اُسے کچھ دیر پہلے چھوڑا تھا چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

عمران اُس کے قریب ہی ایک میز پر جم گیا.... وہ سوچ رہا تھا کہ اب وہ مردود یہیں بیٹھا رہ جائے گا۔

ظفرو کبھی کبھی سہمے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگتا تھا.... عمران نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر کوکا کولا کی بوتل طلب کی.... وہ دراصل یہاں بیٹھنے کا جواز پیدا کرنا چاہتا تھا ورنہ معدہ تو صبح ہی سے زبردستیوں کا شکار ہوتا رہا تھا۔

یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ جس وقت وہ بوتل کی قیمت ادا کر رہا تھا اُسی وقت ظفرو کو بھی اٹھتے دیکھا پھر عمران نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ ہی پانچ دوسرے آدمیوں نے بھی اپنی میزیں چھوڑی ہیں.... پتہ نہیں ان میں سے خود اس کے کتنے آدمی تھے اور کتنے ظفرو کے.... ویسے اس کی لاف و گزاف سے تو ظاہر ہوتا رہا تھا جیسے وہ تنہا نہ ہو۔

باہر نکل کر ظفرو فٹ پاتھ پر ٹھہر گیا.... چند لمحے ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر سڑک پار کرنے لگا۔ عمران سوچ رہا تھا کیا وہ پیدل کہیں جائے گا۔ گاڑی لایا ہوتا تو یہیں پارک کی ہوتی۔ کیونکہ یہاں پارکنگ کی ممانعت نہیں تھی۔ اُس نے اُسے سامنے والی گلی میں داخل ہوتے دیکھا۔ اس کے پیچھے کچھ اور لوگ بھی تھے۔

عمران نے بھی سڑک پار کی.... اور جیسے ہی گلی میں داخل ہوا ظفرو کو ایک چھوٹے سے چائے خانے میں داخل ہوتے دیکھا.... اُس کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے.... عمران نے انہیں پہچان لیا... یہ بھی اُس کے ساتھ ہی ہوٹل سے اٹھے تھے۔

چائے خانے کے برابر ہی پان کی دوکان تھی۔ عمران وہیں رک کر سگریٹ خریدنے لگا۔ یہاں سے وہ چائے خانے کے اندر بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ ظفرو اُن دونوں سے گفتگو کرتا ہوا نظر آیا.... پھر دو آدمی اور چائے خانے میں داخل ہوئے۔ ان کے چلنے کا انداز بتا رہا تھا کہ صدیقی اور چوہان ہیں۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں آدمی باہر آ گئے جن سے ظفرو گفتگو کر رہا تھا۔

عمران نے انہیں سڑک کی طرف جاتے دیکھا۔

اُس کے ماتحت چائے خانے ہی میں تھے۔ ظفرو نے وہاں سے کوئی چیز خریدی اور خود بھی باہر آ گیا۔ لیکن اب وہ ریلوے والی سڑک کی طرف جانے کی بجائے گلی کے دوسرے نکاس کی طرف جا رہا تھا۔

عمران آہستہ آہستہ اُس کے پیچھے چلتا رہا.... دوسری سڑک پر پہنچ کر عمران کو معلوم ہوا کہ ظفرو نے اپنی کار وہاں پارک کی تھی۔ وہ خود اپنی موٹر سائیکل ریالٹو کے سامنے چھوڑ کر آیا تھا۔ جتنی دیر میں وہ اُس کے لئے وہاں جاتا۔ ظفرو کہیں کا کہیں پہنچتا۔ آخر عاقبت اندیش عمران اُسی وقت گہری نیند سو گیا اور وہ عمران جاگ پڑا جو اندھا دھند آگ کے دریا میں بھی چھلانگ لگا سکتا تھا۔

ظفرو اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ چکا تھا۔ دفعتاً عمران آگے بڑھا اور بڑی بے تکلفی سے اگلی ہی سیٹ کا دروازہ کھول کر اُس کے برابر جا بیٹھا پھر قبل اس کے ظفرو سنبھلتا.... عمران کا ہاتھ اس کے کوٹ کی جیب میں بھی پہنچ گیا۔

اور اب وہ آہستہ سے غرایا۔ ”تمہارے بے آواز ریوالور کے ٹریگر پر میری انگلی ہے۔“ ساتھ ہی ریوالور کی نال ظفرو کے پہلو میں چبھنے لگی۔

ظفرو بے سدھ ہو گیا.... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جسم روح سے خالی ہو چکا ہو۔

”چلو....!“ عمران نے اُسکے پہلو پر مزید دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔ ”اب تم میرے ساتھ چلو گے۔“

ظفرو نے اگنیشن کی گھمائی انجن اسٹارٹ ہو گیا۔ گاڑی بھی چل پڑی۔

”میں راستہ بتاؤں گا.... چلتے رہو۔“ عمران غرایا۔ ”میں تم سے صرف اپنے اس کوٹ کی قیمت وصول کروں گا جو ریالٹو کے باتھ روم میں چھوڑ آیا ہوں۔“

”تم کیا چاہتے ہو۔“

”کیا تم بہرے ہو.... کوٹ کی قیمت....!“

”کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔ میں لڑکی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔“

”لڑکیوں کے سلسلے میں کسی مرد کے پیچھے پڑنا اپنا شعار نہیں ہے....“

”تم پچھتاؤ گے۔“

”کچھ دیر پہلے تم مجھے کہاں لے جانا چاہتے تھے۔ چلو وہیں لے چلو۔“

”مم.... میں تو.... تمہیں مرعوب کرنا چاہتا تھا۔ کہیں نہ لے جاتا۔“

”اور میں تمہیں دکھانا چاہتا ہوں کہ شہر میں جسے جہاں سے اٹھانا چاہوں بآسانی اٹھالے جا سکتا ہوں....“ عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

ظفرو خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

عمران نے اُس کے پہلو میں ریوالور کا دباؤ کچھ اور بڑھا دیا تھا۔ ظفرو خاموش ہی رہا۔ اس کی نظر ونڈ شیلڈ پر تھی۔

”بائیں جانب موڑ لو....!“ عمران غرایا اور اس نے بے چوں و چرا تعمیل کی۔

”تم نے مجھے درانی کے پیچھے کیوں لگایا تھا؟“ عمران نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”تاکہ وہ اچھی طرح تمہاری خبر لے سکے؟“ ظفرو نے جھلا کر کہا۔ وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”اور اُس نے اچھی طرح میری خبر لے لی۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”تم زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکو گے۔“ ظفرو زہریلے لہجے میں بولا۔ ”اسے لکھ لو۔ شہر میں کوئی بات ہو تو خواہ مخواہ اپنی ٹانگ اڑا بیٹھتے ہو مجھے دیکھنا ہے کہ رحمان صاحب کا اثر و رسوخ تمہیں کب تک بچائے رکھتا ہے۔“

”اوہ....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”میں سمجھ گیا۔ تم چاہتے ہو کہ میں بھوکا مروں؟“

”تم کوئی ڈھنگ کا کام کیوں نہیں کرتے۔“

”اس لئے کہ میں بھی تمہارے ہی ڈھنگ کا آدمی ہوں۔ جب تک حرام کی بھی نہ ملے ہاضمہ ہی درست نہیں ہوتا۔“

”یہ بات ہے تو میرے ساتھ آملو....!“

”اس معاملے کے خاتمے کے بعد غور کروں گا کیونکہ رانا تہور علی سے ایڈوانس لے چکا ہوں۔“

”وہ اُس لڑکی کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔“

”تم لوگوں کو اُس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔“

”داور کا کوئی معاملہ ہے۔ ہمارے آدمی کئی دن سے اس کی نگرانی کرتے رہے تھے۔“

”اور پچھلی رات بھی کوئی اس کا تعاقب کرتا رہا تھا۔“

”یقیناً کرتا رہا ہوگا۔ ورنہ آج صبح وہ رانا پیلس سے کیوں اٹھائی جاتی۔“

”میٹرو شاہ کے تکئے کے درویشوں کا کیا قصہ ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”کسی نے انہیں رانا پیلس کی نگرانی پر لگایا تھا۔“

”میں اُس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔“

”داور سے تمہارے معاہدے کی بنیاد کیا ہے۔“

”یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟“

”کتنا ملے گا اُس سے....؟“

"پندرہ ہزار....!"

"کتنے دنوں کا معاہدہ ہے۔"

"ڈیڑھ ماہ کا....!" ظفرو.... کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "تم داور کو کب سے جانتے ہو۔ تم دونوں کی گفتگو سے تو یہی ظاہر ہو رہا تھا جیسے بہت پرانی جان پہچان ہو۔"

"میں اُسے بہت دنوں سے جانتا ہوں۔" عمران نے لاپروائی سے کہا۔

"خطرناک آدمی ہے۔"

"اور تم....؟" ظفرو مسکرایا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی جلدی پھر پلٹ پڑو گے۔"

"اسی لئے تم نے اپنے اُن آدمیوں کو بھی رخصت کر دیا تھا جو تمہاری دیکھ بھال کر رہے تھے۔"

"تم کیا جانو....!" ظفرو نے حیرت سے کہا۔

"کچھ بات تو ہے جو اب تک زندہ ہوں۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "ورنہ کسی ظفرو کے سے تھرڈ کلاس بدمعاش نے کبھی کا موت کے گھاٹ اتار دیا ہوتا۔"

"اوہ....!" یک بیک ظفرو چونک کر بولا۔ "تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔"

"رانا پیلس....!"

"کیوں....؟"

"تمہیں چائے پلا کر دو چار غزلیں سناؤں گا۔ پچھلی رات بھی ایک تازہ غزل ہوئی ہے۔ پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔ جب تک کوئی سنے گا نہیں بدہضمی میں مبتلا رہونگا۔ آج کل سامعین کہاں ملتے ہیں۔ مجبوراً ریوالور کے زور پر مہیا کرتا ہوں، غزل تو الگ رہی تمہیں دوہے بھی سننے پڑیں گے۔"

"پچھتاؤ گے ورنہ سیدھی طرح گفتگو کرو۔"

"داور کا پتہ بتا دو.... میں یہیں اتر جاؤں گا۔"

"پتہ مجھے نہیں معلوم جب ضرورت ہوتی ہے خود ہی آملتا ہے۔"

"بھلا کیسے یقین کیا جا سکتا ہے۔"

"پھر جو تمہارا جی چاہے کرو۔"

"اچھی بات ہے تو اب تمہیں ایک عدد افسانہ بھی سننا پڑے گا.... والد صاحب کی غزلیں بھی سناؤں گا۔"

"والد صاحب والی دھمکی کسی اور کو دینا۔" ظفرو نتھنے پھلا کر بولا۔ "میرے خلاف کچھ نہیں ثابت کیا جا سکتا.... سمجھے۔"

"کیا تمہیں صبح کی بات یاد نہیں۔" عمران مسکرا کر بولا۔ "تمہارے کئی اڈے میری نظر میں ہیں۔ جب چاہوں وہاں چھاپے پڑ سکتے ہیں۔"

"اونہہ....!" ظفرو نے شانے سکوڑ کر کہا۔ "دیکھا جائے گا.... اور میں گاڑی روکنے جا رہا ہوں۔ دیکھتا ہوں تم کیا کر لیتے ہو۔"

"ہوں....!" عمران نے سر ہلا کر مضحکانہ انداز میں کہا۔ "اچھی بات ہے یہ بھی کر کے دیکھ لو.... یہیں سڑک پر مرمت کروں گا۔"

ظفرو نے گاڑی روک دی دوسرے ہی لمحے میں اُس کا ریوالور بھی جیب سے نکل کر عمران کی پتلون کی جیب میں پہنچ گیا.... پھر اُس نے ظفرو کا گریبان پکڑا اور دروازہ کھول کر اُسے نیچے کھینچ لیا اور لگا دونوں ہاتھوں سے پیٹنے.... ساتھ ہی بلند آواز میں کہتا بھی جا رہا تھا۔ "پھر مارو گے.... پھر مارو گے غریبوں کی لڑکیوں کو آنکھ....!"

مجمع اکٹھا ہونے لگا.... کسی نے بیچ بچاؤ کرانا چاہا....

"الگ ہٹیئے صاحب....!" عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "اس شہر میں سبھی بے غیرت نہیں ہیں۔"

"حرام زادہ کار میں بیٹھ کر خود کو قارون سمجھنے لگتا ہے۔ غریبوں کی لڑکیوں کو آنکھ مارتا پھرتا ہے.... چھیڑتا ہے.... آوازے کستا ہے۔"

"مارو سالے کو....!" کئی آوازیں بیک وقت آئیں.... اور پھر ظفرو کی چٹنی بن گئی۔ اتفاق سے اس وقت آس پاس کوئی ڈیوٹی کانسٹیبل بھی موجود نہیں تھا۔ اُس کے کپڑے تار تار ہو گئے۔ ناک اور منہ سے خون بہہ چلا تھا.... پھر وہ بیہوش ہو گیا۔

"آپ لوگ ہٹ جائیے۔" عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میں اسے تھانے لے جاؤں گا۔"

کئی آدمیوں کی مدد سے اُس نے اُسے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈالا اور خود اسٹیئرنگ سنبھال کر انجن اسٹارٹ کرنے لگا۔

"مدد کی ضرورت ہو تو ہم چلیں۔" کسی نے باہر سے کہا۔

"نہیں شکریہ....!" عمران بولا۔ "میں خود ہی دیکھ لوں گا۔"

گاڑی آگے بڑھ گئی۔ لیکن عمران اب سوچ رہا تھا کہ اُسے حقیقتاً کیا کرنا چاہیے۔ ٹاکی کہاں ہوگی؟ اس کا علم شاید ظفرو کے فرشتوں کو بھی نہ ہو۔ بات تو خود ظفرو ہی کی حماقت کی بناء پر یہاں تک بڑھ گئی تھی۔ ورنہ عمران صرف درانی ہی کا تعاقب کرتا رہتا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اُس نے ظفرو کی گاڑی ایک سنسان گلی میں موڑ دی اور ایک جگہ اُسے روک کر خود اُتر آیا تھا اپنی جیب سے اس کا ریوالور نکال کر رومال سے اچھی طرح صاف کیا اور پھر اُسی کی جیب میں ڈال دیا۔ اب وہ تیز قدموں سے گلی کے دوسرے سرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔

دوسری سڑک پر پہنچ کر ٹیکسی کا انتظار کرنے لگا۔ موٹر سائیکل ریالٹو کے سامنے چھوڑ آیا تھا.... لہٰذا اُسی طرف واپسی ضروری تھی کچھ دیر بعد ٹیکسی مل گئی۔

موٹر سائیکل وہیں ملی جہاں چھوڑی تھی.... اور اب سوچ رہا تھا کہ دوسرا قدم کس جانب اٹھنا چاہئے۔ موجودہ میک اپ بھی بیکار ہو چکا تھا۔

وہ پھر رانا پیلس آیا.... جوزف یہاں موجود تھا۔

عمران کو دیکھ کر کسی شکاری کتے کی طرح کان کھڑے کئے لیکن آواز سن کر ڈھیلا پڑ گیا۔

"میک اپ میں بولتے رہا کرو باس....!" اُس نے ہنس کر کہا۔ "ورنہ کسی دن میرے ہاتھ سے مارے جاؤ گے۔"

"بکواس نہیں.... اس وقت خون سوار ہے۔"

"کیا بات ہے باس....!" جوزف نے دانت نکال دیئے۔ اُس کی آنکھوں میں اس وقت ایسی ہی چمک نظر آ رہی تھی جیسی کسی ندیدے بچے کی آنکھوں میں اس وقت نظر آتی ہے جب کوئی اپنی پسندیدہ چیز دیکھتا ہے جس کے لئے عرصہ سے ترستا رہا ہو۔

"آج رات شائد تیرا کھیل بھی شروع ہو جائے۔"

"میں نہیں سمجھا باس....!"

"ایک عمارت میں گھسنا ہے۔"

"کہاں....؟ کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں.... ابھی نہیں بتاؤں گا۔"

عمران ڈرائننگ روم میں آیا فون پر بلیک زیرو کے نمبر ڈائیل کئے.... وہ دوسری طرف موجود تھا وہ اس عمارت کی نگرانی کے متعلق ہدایات دینے لگا جہاں درانی نے اُسے یا تو دھوکا دینے کی کوشش کی تھی یا حقیقتاً کسی کو کوئی پیغام پہنچایا تھا۔ "یہ بھی معلوم کرو کہ وہاں کون رہتا ہے۔" اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "ایک گھنٹے کے اندر اندر مجھے مطلع کرو.... اوور اینڈ آل....!"

ریسیور رکھ کر وہ ایک آرام کرسی میں نیم دراز ہو گیا.... آنکھیں بند کر لیں.... ویسے یہاں قطعی غیر محفوظ تھا۔ اب سنگ ہی جانتا تھا کہ اس عمارت سے بھی اس کا تعلق ہے ہو سکتا تھا

اب اُس نے اس عمارت کی نگرانی کے لئے دوسرے ذرائع پیدا کر لئے ہوں۔ میٹرو شاہ کے تکئے کے درویش تو شاید اب ادھر کا رخ بھی نہ کریں۔ عمران سوچتا اور اونگھتا رہا۔

کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے ہاتھ بڑھایا.... دوسری طرف سے بلیک زیرو کی آواز آئی۔ "کسی نے ظفرو کو بُری طرح مارا ہے.... اقبال روڈ کی گلی میں اس کی گاڑی کھڑی ملی ہے۔ وہ اس میں بے ہوشی پڑا تھا۔"

"خوشی کی بات ہے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "کہ میرے ماتحت بھی مجھے نہیں پہچان سکتے؟ ظاہر ہے کہ وہ ظفرو کے پیچھے رہے ہوں گے۔"

"جی ہاں.... اوہ.... آپ تھے۔"

"اس عمارت کا کیا رہا۔"

"وہاں.... کوشی نام کی ایک غیر ملکی رقاصہ رہتی ہے۔"

"چینی ہے؟"

"جی ہاں.... چینی ہے۔"

عمران نے کچھ کہے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا.... اُس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئی تھیں۔

❂

"کوشی.... چینی رقاصہ....!" وہ تھوڑی دیر بعد بڑبڑایا۔

اور پھر فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے.... دوسری طرف سے جواب ملنے پر ماؤتھ پیس میں بولا۔ "پٹ می آن ٹو مسٹر کمال۔"

کچھ دیر خاموش رہا دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہیلو کمال اسپیکنگ....!"

"عمران....!"

"اوہ.... ہو! کہاں بھول پڑے.... خیریت۔"

"میں آج بہت اداس ہوں۔"

"اچھا.... جی.... کیوں اُلو بناتے ہو.... کوئی خاص چکر ہے۔"

"ہے تو خاص ہی.... پتہ نہیں کیوں آج کل چینی لڑکیوں کو دیکھ کر دل میں گدگدیاں ہونے لگتی ہیں۔"

"ہوں تو آجاؤ.... یہاں کئی چینی لڑکیاں ہیں۔"

"سنو.... ایک بار شاید تمہارے ہی ہوٹل میں ایک چینی رقاصہ کوشی کا فلور شو دیکھا تھا۔"

"ہاں... ہاں... وہ اب بھی اکثر یہاں آتی ہے ویسے اس سے کوئی مستقل کنٹریکٹ نہیں ہے۔"

"یار وہ کوشی.... کیا آج آئے گی۔"

"نہیں.... کیوں؟ تم کیا چاہتے ہو۔"

"گھر کا پتہ معلوم ہے۔"

"کیوں نہیں.... بتاؤں؟"

"شکریہ.... شکریہ۔"

پھر دوسری طرف سے جو پتہ بتایا گیا وہ اُس سے مختلف نہیں تھا جس کے متعلق کچھ دیر قبل اُس نے بلیک زیرو سے گفتگو کی تھی۔

"کیا واقعی اُس پر دل آگیا ہے۔"

"اب کیا بتاؤں....!"

"اچھا تو خوش ہو جاؤ.... اس نے ابھی حال ہی میں یہاں کی شہریت حاصل کرنے کی درخواست فائیل کی ہے۔"

"تو وہ یہاں کئی سال سے ہے۔"

"ہاں.... ایک طائفے کے ساتھ دو سال قبل آئی تھی.... طائفہ چلا گیا تھا وہ یہیں رہ پڑی تھی۔ حکام نے اُسے عارضی قیام کی اجازت دے دی تھی۔"

"تو پھر میں.... جج.... جاؤں.... وہاں....!" عمران ماؤتھ پیس میں ہکلایا۔

"ضرور جاؤ.... میرا حوالہ دے دو گے تو یہ بھی نہ کہہ سکے گی کہ فی الحال اُس کے پاس وقت نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے.... میں کہہ دوں گا کمال صاحب نے بھیجا ہے؟"

"لیکن کس لئے....!" دوسری طرف سے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا گیا۔

"یہ بھی تم ہی بتاؤ۔" عمران بے بسی سے بولا۔ "میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آتا۔"

"کہہ دینا کہ میں تم پر عاشق ہو گیا ہوں۔"

"کون تم....!" عمران نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں یار.... میں تمہاری بات کر رہا تھا۔"

"لیکن مجھے کہنا تو کچھ تمہاری بابت ہوگا۔"

"ٹھیک ہے کہہ دینا.... کمال نے بھیجا ہے۔ مقصد پوچھے تو صرف ملاقات بتانا۔"

"خالی خولی ملاقات....!"

"اوہو! تو پھر کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں آپ کے لئے پورا ٹائیم ٹیبل مرتب کروں گا۔"

"اچھی بات ہے.... میں ہی دیکھ لوں گا۔"

"اور کچھ....!"

"نہیں بس بہت بہت شکریہ۔"

"کب مل رہے ہو۔"

"بہت جلد....!" عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

ٹھیک نو بجے اُس کی کار اس عمارت کی کپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ جہاں کوشی کا قیام تھا۔

بر آمدے میں پہنچ کر اُس نے کال بل کا بٹن دبایا.... اندر سے گھنٹی کی تیز آواز آئی.... اور جلد ہی کسی نے دروازہ کھولا۔

یہ ایک بوڑھا دیسی ملازم تھا۔" عمران نے اُس سے کہا۔ "مجھے گرین ہوٹل کے مسٹر کمال نے بھیجا ہے۔"

"کارڈ.... جناب....!"

"کارڈ.... اوہ! کارڈ تو شاید اس وقت میرے پاس نہ ہوگا۔" عمران مضطربانہ انداز میں جیبیں ٹٹولتا ہوا بولا۔ "جلدی میں آیا ہوں.... کیا مس کوشی موجود ہیں۔"

"جی ہاں.... ٹھہریئے۔" ملازم نے کہا اور واپس چلا گیا۔

عمران گردو پیش کا جائزہ لیتا رہا.... اس وقت وہ میک اپ میں نہیں تھا اس لئے چہرے پر حماقتوں کی گھٹائیں چھا رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد ملازم نے آکر اطلاع دی کہ کوشی اس سے مل رہی ہے۔

"تشریف لایئے۔" وہ پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

کچھ دور چلنے کے بعد عمران ایک شاندار ڈرائنگ روم میں داخل ہوا.... اُسے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔

یہ کوشی واقعی دلکش تھی.... عمران اسے دیکھ کر اٹھ گیا تھا.... اور وہ مسکراتی ہوئی انگریزی میں بولی تھی۔ "بیٹھئے.... بیٹھئے.... جناب خوش آمدید۔"

"جج... جی ہاں... شکریہ...!" عمران دھم سے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اُس کے چہرے پر حماقت مآبی اور سراسیمگی کی ملی جلی جھلکیاں نظر آ رہی تھیں۔

"کیا آپ کو مسٹر کمال نے بھیجا ہے۔"

"جی ہاں... مسٹر کمال نے۔"

"کوئی پیغام ہے۔"

"جی نہیں... دراصل ہم لوگ سیلاب زدگان کی امداد کیلئے ایک ورائٹی شو منعقد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں... اس سلسلے میں...!"

"میں سمجھ گئی۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بولی پھر ہنس پڑی... عمران بھی احمقانہ انداز میں اُس کے ساتھ ہنستا رہا۔

"آپ کیوں ہنس رہے ہیں۔" وہ یک بیک سنجیدہ ہو کر بولی۔

"وہ... وہ... آپ... یعنی کہ...!"

"میرا ساتھ دے رہے تھے۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "آدمی بھی کتنا مضحکہ خیز جانور ہے۔"

"جی ہاں... بالکل بالکل...!" عمران سر ہلا کر بولا۔

"بھلا کیوں...؟"

"وہ آپ نے... فرمایا نا...!"

وہ پھر ہنس پڑی... ساتھ ہی عمران بھی ہنسا اور پھر کوشی نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تم یونہی عوام سے رحم کی اپیل نہیں کر سکتے کہ وہ اپنے سیلاب زدہ بھائیوں کی امداد کریں؟"

"کر سکتا ہوں... لیکن...!"

"میں جانتی ہوں اس طرح ان کی گرہ سے پیسے نہیں نکلیں گے... وہ چاہتے ہیں کہ ان کی خیرات بھی ان کے لئے تھوڑی سی عیاشی فراہم کر دے...!"

"جی ہاں... اور کیا...!" عمران سر ہلا کر بولا۔

"مجھے افسوس ہے میں اس سلسلے میں کچھ نہ کر سکوں گی۔" کوشی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"تو پھر سیلاب زدگان... یعنی کہ...!"

"جہنم میں جائیں۔"

"لیکن مسٹر کمال...!"

"مسٹر کمال بھی جہنم میں جائیں۔"

"اور... میں... یعنی کہ میں...!"

وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔ "تمہارے لئے سوچنا پڑے گا۔ ویسے تم کیا کرتے ہو۔"

"یہی سب۔ سیلاب زدگان کی مدد وغیرہ... قوم کے لئے چندہ اکٹھا کرنا میری ہابی ہے۔"

"اس کا مطلب ہوا کہ کوئی ٹھوس آمدنی نہیں ہے۔"

"جی نہیں۔"

"بھوت بنو گے۔"

"جی ہاں...!" عمران نے سعادت مندانہ انداز میں جواب دیا... اور وہ ہنس پڑی لیکن اس بار عمران کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا۔

"میں نے ایک رقص ترتیب دیا ہے... اُس میں ایک بھوت بھی ہے... موت کا رقص... اگر تم مناسب سمجھو۔"

"میں بالکل تیار ہوں۔" عمران خوش ہو کر بولا۔

"کیا نام ہے؟"

"تفضل...!"

"صورت ہی سے معلوم ہوتے ہو۔" وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

"جی...!"

"کچھ نہیں ٹھیک ہے... اگر تم مناسب ثابت ہوئے تو اکثر چانس ملتا رہے گا۔"

"ہمیشہ بھوت ہی بننا پڑے گا۔" عمران نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"ضروری نہیں ہے... کچھ اور بھی بن سکتے ہو۔"

"بتا دیجئے نا...!" عمران بچوں کی طرح ٹھنکا۔

وہ اُسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ آخر کچھ دیر بعد بولی۔ "تم واقعی ایسے ہی ہو... یا بن رہے ہو۔"

"جی میں نہیں سمجھا...!" عمران چونک کر بولا۔

"کچھ نہیں... سب ٹھیک ہے؟"

"ٹھیک ہے نا...!" عمران احمقانہ انداز میں ہنسنے لگا۔

"تم کہاں رہتے ہو۔"

"کوئی خاص ٹھکانہ نہیں ہے۔" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "ماں باپ بچپن ہی میں

مر گئے تھے۔"

"لیکن چچا ابھی زندہ ہے۔" دفعتاً دروازے کی طرف سے آواز آئی۔

آواز سنگ ہی کی تھی۔ کوشی چونک کر مڑی لیکن عمران جوں کا توں بیٹھا رہا چہرہ بھی ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔ حتیٰ کہ کچھ دیر پہلے نظر آنے والی حماقت کی پرچھائیں بھی نہ رہ گئی تھی۔

سنگ ہی آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے کے وسط میں آ گیا۔

دفعتاً چینی رقاصہ اپنی مادری زبان میں کچھ کہنے لگی.... لیکن سنگ ہی نے ہاتھ ہلا کر اسے انگریزی میں جواب دیا۔ "یہ میرا نجی معاملہ ہے۔ میں اسے بہت دنوں سے جانتا ہوں۔ لہٰذا اب یہاں تمہاری موجودگی ضروری نہیں۔"

❂

کوشی کی آنکھوں میں احتجاج تھا.... عمران نے یہی محسوس کیا.... اُس نے سنگ ہی کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ بس کوشی ہی پر نظریں جمی رہی تھیں۔

"تم ابھی تک گئی نہیں۔" سنگ ہی نے کوشی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

کوشی کھڑی ہو گئی۔ دفعتاً عمران نے ہاتھ اٹھا کر دردناک لہجے میں کہا۔ "اب مجھے تمہارے ساتھ بھوت بننے کا موقع نہ مل سکے گا۔"

"میں بھی تمہیں بھوت ہی بناؤں گا۔" سنگ ہی نے غصیلی آواز میں کہا۔

کوشی نے سر اٹھا کر سنگ ہی کی طرف دیکھا اور پھر دروازے کی جانب مڑ گئی.... دروازے سے گزرتے وقت پھر رکی اور عمران کی طرف مڑی۔

"جاؤ....!" سنگ ہی ہاتھ اٹھا کر چیخا۔

وہ چونک کر تیزی سے چل پڑی.... خودکار دروازہ بند ہو چکا تھا۔

"اب بتاؤ....!" سنگ ہی عمران کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا پھنکارا۔

"میں کیا بتاؤں انکل فراڈ.... بتاؤ گے تو تم ہی۔"

"نہ جانے کیوں میں اب تک تمہیں چھوٹ دیتا رہا تھا۔"

"اب چونکہ [illegible] چھوٹ [illegible] [illegible]" عمران [illegible]

[illegible] مسکرایا۔

"میں اب تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" سنگ ہی کی آواز تیز قسم کی سرگوشی سے مشابہ تھی۔

"آج کے اخبار میں بھی یہی تھا...."

سنگ ہی چند لمحے اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا پھر بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

"انکل ڈیئر.... میں کھڑا کب ہوں۔" عمران نے حیرت سے کہا۔

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے۔" سنگ ہی مسکرایا۔ چند لمحے خاموش رہ کر عمران کو تیز نظروں سے گھورتا رہا پھر بولا۔ "میں تمہیں جان سے نہیں ماروں گا بلکہ اپاہج کر دوں گا۔"

"دونوں کا فائدہ ہے اس میں۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "مجھے اپاہج کر کے ایک گاڑی میں بٹھا دینا اور اُسے گلی گلی دھکیلتے پھرنا صدا لگاتے ہوئے اللہ کے نام پر۔ یہاں سیٹھ لوگ مزدوروں کو چاہے پوری مزدوری نہ دیں لیکن اللہ میاں کو راضی رکھنے کے لئے دل کھول کر خیرات کرتے ہیں.... چچا بھتیجے سال بھر میں لکھ پتی ہو جائیں گے۔"

"عمران....!"

"بس انکل پلیز....!"

"لڑکی سے تم نے کیا معلوم کیا تھا....؟"

"کس سلسلے میں انکل ڈارلنگ....!"

"پروفیسر راشد کے متعلق....!"

"اوہ تو کیا وہ پروفیسر راشد سے بھی کسی قسم کا تعلق رکھتی تھی۔"

"مجھے اُلو بنانے کی کوشش مت کرو۔" سنگ ہی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"ہرگز نہیں.... لیکن یہ پروفیسر راشد....!"

سنگ پھر اُسے گھورنے لگا تھا.... آخر بولا۔ "تم وہاں کیوں گئے تھے؟"

"کہاں؟"

"جمیل منزل....!"

عمران ذہن پر زور دینے لگا.... اوہ.... اُس نے سوچا شاید یہ اسی عمارت کا نام تھا جہاں انجمن بیباکاں کے نائب صدر سے ٹکراؤ ہوا تھا.... اور وہ اُسے زخمی کر کے ساجدہ سمیت باہر نکل گیا [illegible] سنگ ہی کے آدمی پہلے ہی سے اس عمارت کی نگرانی کرتے رہے تھے۔ اس طرح وہ ان کا [illegible] کرتے ہوئے [illegible] تک پہنچے تھے اور [illegible] ساجدہ سے متعلق ہدایات دی تھیں۔

عمران نے اطمینان کی سانس لی ورنہ وہ تو اب تک یہی سوچتا رہا تھا کہ شاید دانش منزل بھی سنگ ہی کی نظر میں آ گئی ہے۔

"تم کیا سوچنے لگے....؟" سنگ ہی غرایا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ تم کس جمیل منزل کا تذکرہ کر رہے ہو۔"

"جہاں سے تم اور لڑکی رانا پیلس کے لئے روانہ ہوئے تھے۔"

"اوہ.... اچھا.... ارے وہاں تو اچھی خاصی تفریح میسر آئی تھی۔" عمران ہنس پڑا اور پھر بولا۔ "رات میں بسلسلہ آوارگی منٹو پارک میں مقیم تھا۔ وہیں اُس لڑکی سے ملاقات ہوئی۔ میں اُسے کوئی پیشہ ور سوسائٹی گرل سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ لیکن وہ تو مجھے نوکری دلانے پر تل گئی کہنے لگی میرے باس کو ایک سیکریٹری کی ضرورت ہے۔ میرے ساتھ چلو۔ میں نے کہا اتنی رات گئے تو سیکریٹری کی ضرورت نہ ہونی چاہئے آج صبح دیکھا جائے گا۔ کہنے لگی ہمارا آفس رات ہی میں کام کرتا ہے دن کو تو چھٹی رہتی ہے۔ بہر حال وہ مجھے وہاں لے گئی لیکن اس کا باس شاید مجھے پہچانتا تھا۔ لڑکی کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ بات بڑھ گئی۔ کم بخت نے ریوالور نکال لیا۔ گولی اسکی ران میں لگی تھی۔ بہر حال ہم دونوں کو وہاں سے بھاگنا پڑا۔ لیکن اب تم پروفیسر راشد کی کہانی سنا رہے ہو۔"

عمران خاموش ہو گیا.... اور سنگ ہی اُسے گھورتا رہا۔

"پھر وہ تمہارے ساتھ کیوں چلی گئی تھی....!" کچھ دیر بعد اُس نے پوچھا۔

"اس کے بعد تو پھر وہ اُسے مار ہی ڈالتے۔ کھوپڑی استعمال کرو، انکل جونک۔"

"میں استعمال کر رہا ہوں بھتیجے....!" وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا زہریلے لہجے میں بولا۔

"اب تم میری بات کا بھی جواب دو۔" عمران یک بیک سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔

"میں سن رہا ہوں۔"

"اُس دھماکے نے ایک انسپکٹر کی جان لی تھی اور تصویر اب تک تین آدمیوں کو کھا چکی ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"وہ آدمی مر گیا جس نے تصویر کے فریم پر انگلیوں کے نشانات تلاش کئے تھے.... اور پھر جب وہ کیمیاوی تجزیہ کے لئے لیبارٹری میں لے جائی گئی مزید دو آدمی ٹھنڈے ہو گئے۔"

عمران نے محسوس کیا کہ سنگ ہی کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمکنے لگیں.... وہ مسکرایا بھی تھا.... عمران اُسے گھورتا رہا۔

آخر سنگ ہی چہک کر بولا۔ "میرا تجربہ کامیاب رہا....!"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں نے ایک انتہائی درجہ مہلک زہر دریافت کیا ہے.... سانس کی گرمی سے آناً فاناً ہلکے سے بخار میں تبدیل ہو جاتا ہے.... اور پھر یہ زہر جہاں سانس ہی کے ذریعے نتھنوں میں داخل ہوا.... آدمی ختم ہو جاتا ہے۔ پاؤڈر اتنی کم مقدار میں تصویر پر چھڑکا گیا تھا کہ خورد بینی مشاہدے سے بھی اس کا سراغ ملنا مشکل ہوتا۔"

"اور تم اتنی ڈھٹائی سے اپنا یہ کارنامہ بیان کر رہے ہو۔" عمران غرایا۔

"جان لینا میری تفریح ہے.... بھتیجے....!"

"اور تم نے یہ سب کچھ مجھے الجھائے رکھنے کے لئے کیا تھا....؟"

"اور تم الجھے نظر آ رہے ہو۔" سنگ ہی ہنس پڑا.... پھر سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔ "لیکن اُس دھماکے سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

"تو پھر اس کا مقصد کیا تھا۔"

"اگر میں ایک بار بھی پروفیسر راشد کی کوٹھی میں داخل ہوتا تو شاید میرا بھی وہی حشر ہوتا جو اُس انسپکٹر کا ہوا تھا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"پروفیسر جانتا تھا کہ ہیرے میری کمزوری ہیں۔ ہیروں کے لئے میں نے تاریک وادی تک سفر کیا تھا۔"

"اوہ.... تو وہ پتھر پروفیسر ہی کا کارنامہ تھا۔"

"بالکل....!" سنگ ہی سر ہلا کر بولا۔ "اگر میں اُس کمرے میں داخل ہوتا تو میرے لئے اس کی حیثیت چوہے دان میں لگائے ہوئے روٹی کے ٹکڑے سے کم نہ ہوتی۔ میں اسے اٹھالاتا.... یا وہیں اُسے توڑنے کی کوشش کرتا۔"

"برابر کی ٹکر تھی....!" عمران سر ہلا کر بولا۔

"برابر کی ٹکر....!" سنگ ہی مضحکہ اڑانے والے لہجے میں بولا۔ "برابر کی ٹکر میں لوگ اس طرح کیڑوں مکوڑوں کی طرح مر جاتے ہیں کیوں....؟"

"آخر میرے پاس کیوں آیا تھا؟" عمران نے سنگ ہی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"شاید اُسے علم تھا کہ تم بھی میرے بھتیجے ہو۔ کہیں اُس نے مجھے دیکھا تھا۔ پہچان لیا تھا.... اور میرے ہی متعلق تم سے گفتگو کرنے گیا تھا۔"

"اُوں... ہوں....!" عمران سر ہلا کر بولا۔

"کیا مطلب....!"

"اُس کی جیب سے جو ڈائری ملی تھی اُس میں اُسی دن کی تاریخ میں ایک نامکمل جملہ درج تھا جو غالباً اُس طرح تھا۔ آج میں اپنے ایک دشمن سے ملنے جا رہا ہوں اگر میں مر جاؤں تو...!"

سنگ ہی نے قہقہہ لگایا۔ تھوڑی دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ "اس طرح تم پوری طرح پھنس گئے۔ ہاہا.... پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔ اگر وہ تصویر بھی تین آدمیوں کے لئے مہلک ثابت ہو چکی ہے.... تو یاد رکھو تمہاری ضمانت اس وقت تک منسوخ ہو چکی ہو گی۔ مجھے علم ہے کہ تم پولیس سے چھپتے پھر رہے ہو.... اب، میں براہِ راست تمہیں پولیس ہی کے حوالے کر دوں گا۔"

"سوال یہ ہے انکل سنگ! اگر وہ تم سے ہی ملنے والا تھا تو جملہ ادھورا کیوں چھوڑا۔"

"قدرت بھی عموماً میرا ہی ساتھ دیتی ہے۔"

"لیکن وہ مرا کیوں؟ تم نے اُسے کیوں ختم کرا دیا۔"

"بکواس بند کرو۔ میں اس وقت کسی عدالت میں نہیں ہوں۔"

"ہوں.... اچھی بات ہے۔" عمران اٹھتا ہوا بولا۔ "درانی اور ظفرو کی درگت کی اطلاع تو تمہیں مل ہی چکی ہو گی؟"

"ہاں.... اور میں یہاں تمہارا منتظر تھا....!" سنگ ہی مسکرایا۔

"اوہ....!"

"سیدھی سی بات ہے اگر تم درانی کا تعاقب کرتے رہے تھے تو یہاں تک ضرور آئے ہو گے۔"

"اچھا شکریہ.... تمہارا بہت وقت برباد کیا۔" عمران مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

سنگ ہی نے اس کی طرف توجہ دیئے بغیر کہا۔ "اور تمہارا وہ نیگرو.... ملازم یہاں سے دو فرلانگ کے فاصلے پر بے ہوش پڑا ہو گا۔ تم نے بہت احتیاط سے اُسے پائیں باغ میں چھپایا تھا۔ تمہاری کار بھی اس وقت کمپاؤنڈ میں نہیں ہے۔"

عمران نے مغموم انداز میں سر ہلا کر چاروں طرف دیکھا اور پھر بیٹھ گیا۔

"اور اب....!" سنگ ہی کا لہجہ بے حد زہریلا تھا۔ "کچھ دیر تمہاری مرمت ہو گی اور پھر اُس کے بعد تم کیپٹن فیاض کے بنگلے کی کمپاؤنڈ میں پھنکوا دیئے جاؤ گے۔ درانی اور ظفرو.... دونوں بہت دیر سے اپنی تفریح کے منتظر ہیں۔"

عمران نے احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور چاروں طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے نکل بھاگنے کے لئے کسی معقول سے راستے کی تلاش میں ہو۔

سنگ ہی اُسے تیز نظروں سے گھورے جا رہا تھا لیکن عمران اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ ان میں ایک درانی تھا اور دوسرا ظفرو.... درانی کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ ظفرو کے چہرے پر بڑی بڑی خراشیں نظر آ رہی تھیں۔ دونوں کے ہاتھوں میں بڑے بڑے چاقو چمک رہے تھے۔

"ٹھہرو....!" سنگ ہی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہ کھیل کافی دلچسپ ہو گا۔ لہٰذا مجھے یہاں سے جانے دو۔"

"ارے نہیں.... ارے نہیں....!" عمران گھگھیایا.... "چچا میں کان پکڑتا ہوں، آئندہ کبھی تمہارے راستے میں نہیں آؤں گا۔"

پھر وہ ڈری ڈری سی آوازیں نکالتا ہوا اچھل کر صوفے کے پیچھے چلا گیا۔

"ظفرو....!" سنگ ہی نے چھت کے قریب والے روشن دان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میں اور کوشی وہاں سے دیکھیں گے.... میرے وہاں تک پہنچنے کا انتظار کرنا۔"

ظفرو اور درانی خونخوار نظروں سے عمران کو گھورتے رہے۔

وہ دونوں الٹے پاؤں چلتے ہوئے دروازے تک گئے اور سنگ ہی جب چلا گیا تو درانی نے دروازہ بند کر کے اس طرح اس کا جائزہ لینا شروع کر دیا جیسے اطمینان کرنا چاہتا ہو کہ وہ کسی طرح کھل تو نہ جائے گا۔

"یارو.... بس کرو.... وہ تو مذاق تھا...." عمران پھر گھگھیایا.... لیکن وہ دونوں اپنے نچلے ہونٹ دانتوں میں دبائے اُسے گھورتے رہے.... پھر دفعتاً اوپر والے روشن دان سے آواز آئی۔

"ہاں.... ہم یہاں موجود ہیں۔"

آواز سنگ ہی کی تھی۔ عمران نے نظر اٹھائی۔ روشن دان میں سنگ۔ ہی اور کوشی کے چہرے دکھائی دیئے۔

عمران نے ہاتھ اٹھا کر بلند آواز میں کہا۔ "مس کوشی.... اگر اس ٹورنامنٹ پر ٹکٹ لگا دی جائے تو سیلاب زدگان کے لئے خاصا فنڈ اکٹھا ہو سکتا ہے.... شب بخیر انکل....!"

پھر عمران بڑی تیزی سے جھکا.... ایسا ہی معلوم ہوا جیسے صوفے کے پیچھے دبک کر اُن کے حملوں سے بچنے کی احمقانہ کوشش کرنے لگا ہو۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں صوفہ حیرت انگیز طور پر اچھلا اور اُن دونوں پر جا پڑا.... ساتھ ہی عمران نے بھی چھلانگ لگائی.... وہ دونوں ہی صوفے سے ٹکراؤ کی بناء پر اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکے اور ڈھیر ہو گئے لیکن درانی ظفرو سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا.... وہ نہ صرف جلد ہی اٹھ گیا بلکہ پھر بجلی کی سی تیزی سے عمران پر جھپٹا۔ عمران صوفے پر سے دوسری جانب لڑھک گیا.... اور درانی کا چاقو ٹھیک اسی جگہ پیوست ہوا جہاں ذرا دیر پہلے عمران تھا.... چاقو صوفے سے کھینچ کر عمران کی طرف جھپٹا اور اب عمران دیوار سے لگا کھڑا تھا اور ظفرو کا چاقو اس کے ہاتھ میں تھا۔

"اُوہ.... اُوہ....!" اوپر سے سنگ ہی کی آوز آئی۔ "ٹھہرو.... درانی اب بہت محتاط رہنا۔"

درانی رک گیا.... ظفرو بھی اس کے قریب ہی کھڑا دانت پیس رہا تھا۔ عمران کچھ بھی نہ بولا.... وہ خاموشی سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً ظفرو نے ریوالور نکال لیا۔

"ظفرو.... نہیں....!" سنگ ہی اوپر سے چیخا.... لیکن کون سنتا ہے۔ عمران بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ اب وہ بے دریغ فائر جھونک مارے گا۔ پہلا فائر خالی گیا۔

"تم اسے اس طرح نہیں مار سکو گے۔" سنگ ہی نے پھر ظفرو کو للکارا۔ لیکن پے در پے دو فائروں کی آوازوں میں اس کی آواز دب گئی۔ ویسے اب عمران بھی ظفرو سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔ درانی ایک گوشے میں کھڑا متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکا تا رہا۔ عمران کی نظر ریوالور کے ٹریگر پر رکھی ہوئی ظفرو کی انگلی پر تھی۔

پے در پے پھر تین فائر ہوئے اور اس بار درانی کو فرش پر گر جانا پڑا کیونکہ عمران کے پینترے اُسے پورے کمرے میں نچاتے پھر رہے تھے۔ ظفرو کا ریوالور درانی کے لئے بھی مہلک ثابت ہو سکتا تھا۔

چھ فائر گن لینے کے بعد عمران نے ظفرو پر چھلانگ لگائی.... اور کمرے کی محدود فضا ایک بھیانک قسم کی طویل چیخ سے گونج کر رہ گئی.... یہ درانی کے سنبھلنے سے پہلے ہی ہوا تھا.... ظفرو دونوں ہاتھوں سے پیٹ دبائے دہرا ہوا جا رہا تھا۔

درانی بے حس و حرکت کھڑا حیرت سے آنکھیں پھاڑے ظفرو کو دیکھتا رہا۔ بالآخر ظفرو منہ کے بل گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔

اب عمران احمقانہ انداز میں درانی کو دیکھ رہا تھا۔ درانی نے بھی اس کی طرف دیکھا اور نچلے ہونٹ پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

"اُو.... درانی.... اُو بزدل....!" اوپر سے آواز آئی۔ "کیا سوچ رہا ہے....!"

درانی اس طرح چونک کر آنکھیں پھاڑنے لگا جیسے سوتے سے جاگا ہو.... عمران نے محسوس کیا کہ چاقو کے دستے پر اس کی گرفت سخت ہو گئی ہے.... اور پھر وہ کسی مشاق خنجر زن کی طرح آگے جھک کر حملے کا زاویہ تجویز کرنے لگا۔

عمران دیوار سے لگا کھڑا تھا.... بظاہر انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اتفاقاً کسی غلط جگہ آ پھنسا ہو اور اس فکر میں ہو کہ کسی طرح جان بچا کر نکل بھاگے۔

یک بیک درانی نے اس پر چھلانگ لگائی.... لیکن یہ چھلانگ بھلاوہ تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ عمران دیوار سے ہٹ جائے.... لیکن عمران دیوار سے لگا ہی ہوا بائیں جانب کھسک گیا تھا۔

دوسرا حملہ سچ مچ جان لیوا تھا.... درانی تیر کی طرح اس پر آیا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا چاقو دیوار پر پڑا تھا۔

اب عمران کمرے کے وسط میں نظر آیا.... حملے کی ناکامی کے بعد درانی بے حد خونخوار دکھائی دینے لگا تھا۔

وہ عمران پر حملے کرتا رہا.... عمران ابھی تک تو اُس کے چاقو سے محفوظ ہی رہا تھا۔ اُس کے ہاتھوں ایک خون ہو چکا تھا.... دوسرے سے دامن بچانے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن کب تک.... درانی تو اُسے ہرگز نہ بخشتا.... بالآخر ایک بار جھکائی دے کر اس نے درانی پر بھی وہی داؤں آزمایا جس کا شکار ہو کر ظفرو کچھ دیر پہلے ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

کمرے میں دوسری چیخ گونجی اور بتدریج مدہم ہوتی سناٹے میں ڈوب گئی۔ درانی بھی منہ کے بل فرش پر پڑا تھا۔

عمران نے روشن دان کی طرف دیکھا۔ لیکن اب وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ وہ دروازے کی طرف جھپٹا اور ہینڈل پر زور آزمائی کرنے لگا لیکن اس میں جنبش بھی نہ ہوئی۔ پھر ایک خیال بجلی کی طرح ذہن میں کوندا اور اس نے جیب سے رومال نکال کر اُس چاقو کے دستے کو اچھی طرح صاف کیا جو اب تک اُس کی مٹھی میں دبا رہا تھا.... پھر اُسے رومال ہی سے پکڑے ہوئے فرش پر ڈال دیا۔

اب وہ نہ صرف دروازے کے ہینڈل کو صاف کر رہا تھا بلکہ دروازے کو بھی جہاں جہاں اُس کے ہاتھ لگنے کے امکانات تھے دروازہ باہر سے مقفل تھا۔ اس کمرے میں صرف یہی دروازہ تھا.... اور روشندان تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا جو فرش سے بارہ یا تیرہ فٹ کی بلندی پر تھا اور دیوار بالکل سپاٹ تھی۔

عمران روشن دان کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ روشنی غائب ہو گئی اب کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔

عمران نے معنی خیز انداز میں سر کو جنبش دی.... سنگ ہی اس موقعہ سے ضرور فائدہ اٹھائے گا۔ اُس نے سوچا۔ اب اگر پولیس یہاں آکر ان دو لاشوں سمیت اُسے دریافت کر بیٹھے تو وہ کس پوزیشن میں ہو گا۔

اس کی دانست میں سنگ ہی نے ایک تیر سے دو شکار کئے تھے۔ اپنے دو نالائق ساتھیوں سے پیچھا بھی چھڑا لیا تھا اور اس کو دوبارہ پولیس کے جال میں پھنسا دینے کی کوشش کی تھی۔ ورنہ اچانک اس طرح غائب ہو جانے کا کیا مقصد تھا۔

دفعتاً اُسے صوفے کا خیال آیا جو تھری سیٹر سے بھی کچھ زیادہ ہی بڑا تھا وہ ٹٹولتا ہوا آگے بڑھا اور صوفے کو اٹھا کر روشندان والی دیوار تک لایا اور اندھیرے میں اندازاً اُسے روشندان ہی کے نیچے دیوار سے لگا کر کھڑا کر دیا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ اس کے اوپر کھڑا اپنے ہاتھ روشندان کی طرف بڑھا رہا تھا۔ خوش قسمتی سے روشندان کے فریم کا نچلا حصہ اس کے ہاتھوں کی آخری پہنچ سے کچھ ہی نیچے محسوس ہوا.... عمران نے فریم کو مضبوطی سے پکڑ کر اپنے جسم کو اوپر اٹھانا شروع کیا.... تھوڑی سی جدوجہد کے بعد وہ سینے تک روشندان میں داخل ہو چکا تھا.... پھر اس کے ہاتھ دوسری طرف کسی میز کی سطح سے ٹکرائے۔ غالباً سنگ اور کوشی اسی میز پر بیٹھ کر تماشہ دیکھتے رہے ہوں گے۔

میز پر پہنچ کر اُس نے محسوس کیا کہ وہ بُری طرح ہانپ رہا ہے۔ جسم کو تان کر اٹھانے میں ساری رگیں کھنچ کر رہ گئی تھیں۔

وہ چند لمحے اسی میز پر بیٹھا اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا پھر نیچے اُترا.... اور ٹٹولتا ہوا ایک جانب چلنے لگا۔ یہ ایک تنگ راہداری تھی جس کی چھت اتنی نیچی تھی کہ عمران کو کسی قدر جھک کر چلنا پڑ رہا تھا۔

دفعتاً اُس نے قریب ہی قدموں کی آوازیں سنیں اور دیوار سے لگ کر رک گیا۔

پھر وہ آہٹیں غالباً روشندان کے قریب ہی پہنچ کر ختم ہوئی تھیں.... دوسرے ہی لمحے میں عمران نے تیز قسم کی سرگوشی سنی...."جوان.... آدمی.... کیا تم زندہ ہو.... زندہ ہو تو فوراً باہر نکلنے کی کوشش کرو....!"

جملے انگریزی میں کہے گئے تھے.... اور بعض جگہوں پر آواز سرگوشیوں کی حدود سے باہر نکل کر قابل شناخت ہو گئی تھی۔

یہ کوشی تھی۔

عمران چپ چاپ وہیں کھڑا رہا.... اب وہ بلند آواز میں اُسے مخاطب کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میں اُس سے کہہ رہی ہوں جسے کمال نے بھیجا ہے۔"

عمران پھر کچھ نہ بولا۔

کچھ دیر بعد پھر قدموں کی چاپ سنائی دی اور جیسے ہی وہ آوازیں اُس کے قریب پہنچیں اُس نے آہستہ سے کہا۔ "نہ صرف زندہ ہوں بلکہ روشندان سے گذر کر یہاں پایا جاتا ہوں؟"

"چلو.... بھاگو....!" اُس کا ہاتھ عمران کے ہاتھ سے ٹکرایا اور اُس نے عمران کا ہاتھ پکڑ بھی لیا۔ اور وہ اندھیرے ہی میں زینے طے کرتے ہوئے نیچے آئے۔

"تم بھاگ جاؤ.... بھاگو.... جلدی....!" کوشی نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیوں بھاگ جاؤں....؟ وہ کہاں ہے؟"

"چلا گیا.... اور جلدی کرو.... ورنہ تھوڑی دیر بعد پولیس یہاں پہنچ جائے گی۔؟"

"کیوں؟ پولیس کیوں؟"

"اُن دونوں کے گرنے کے بعد وہ مجھے روشندان کے پاس سے ہٹا لایا تھا اور کہا تھا کہ میں پولیس کو فون کر دوں۔ تمہیں وہیں بند رہنے دوں۔ پولیس ہی آکر تمہیں وہاں سے نکالے۔"

"لیکن پولیس سے کیا کہلوایا تھا۔"

"اوہ.... تم اتنے مطمئن کیوں ہو....!" کوشی مضطربانہ بولی۔

"فکر نہ کرو..... مجھے بتاؤ۔ پولیس کو کیا رپورٹ دی ہے تم نے۔"

"جو کچھ اُس نے کہا تھا۔"

"کیا کہا تھا اُس نے۔"

"یہی کہ میں اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھی کہ ایک آدمی گھس آیا... اُس کے پیچھے دو آدمی اور آئے اور چاقو نکال کر اُس پر پل پڑے... وہ بھی لڑنے لگا اور میں انہیں لڑتے چھوڑ کر کمرے سے نکل آئی۔ کمرے کو باہر سے مقفل کر دیا... فوراً آؤ... شاید ان میں سے کوئی مر گیا ہے۔"

"ہوں.... تو پھر میرے چلے جانے کے بعد تم کیا کرو گی؟"

"کچھ نہیں... اپنے بیان پر قائم رہوں گی۔ اُن کا کیا ہوا؟"

"میرا خیال ہے کہ دونوں مر گئے؟"

"میرے خدا....!" وہ گلوگیر آواز میں کراہی۔ پھر جلدی سے بولی۔ "ارے تم اب تک یہیں کھڑے ہو.... جاؤ....!"

"کہیں تم کسی دشواری میں نہ پڑ جاؤ۔" عمران نے بے حد ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"دیکھا جائے گا.... دیکھا جائے گا.... تم چلے جاؤ۔"

"اچھی بات ہے۔" عمران طویل سانس لے کر بولا۔ "تم مجھے نکلنے کا راستہ دکھاؤ۔"

"بس اسی راہداری سے سیدھے چلے جاؤ۔ سرے پر دروازہ ہے جو عمارت کی پشت پر کھلتا ہے۔"

"ہوں.... اچھا دیکھو.... کمال کا نام نہ آنے پائے۔ نہ میں اُسے جانتا ہوں اور نہ وہ مجھے جانتا ہے۔ یہ تو تم سے ملنے کا بہانہ تھا۔"

"میرے خدا.... کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے.... جاؤ جلدی سے۔"

"کل رات گیارہ بجے.... ہائی سرکل نائٹ کلب میں تمہارا منتظر رہوں گا۔"

"اچھا.... اچھا.... میں ملوں گی.... تم جاؤ....!" وہ تھوڑی دور تک اُسے دھکیل لے گئی۔

عمران آگے بڑھتا ہوا راہداری کے اختتام تک آ پہنچا۔ دروازہ موجود تھا۔ جو دھکا دینے پر کھل گیا۔ سنگ ہی بھی غالباً اسی راستے سے فرار ہوا تھا باہر سناٹا تھا۔ عمران نے سوچا ممکن ہے سنگ ہی آخری تماشہ دیکھنے کے لئے یہیں چھپ گیا ہو۔

وہ پھرتی سے فرش پر لیٹ گیا اور سینے کے بل رینگتا ہوا باہر نکل آیا۔ یہ عمارت کا شمالی بازو تھا... اس طرف بے ترتیب روئیدگی کے سلسلے بکھرے ہوئے تھے۔

وہ اُسی طرح رینگتا ہوا عمارت کے عقبی پارک کی طرف بڑھتا رہا.... جھینگروں کی جھائیں

جھائیں اس سناٹے میں ایسی لگ رہی تھیں جیسے اندھیرے نے کراہنا شروع کر دیا ہو۔

وہ سینے کے بل گھسٹتا رہا.... سامنے ایک بڑا سا سایہ نظر آ رہا تھا۔ غالباً کسی کی کار تھی.... اُسے جوزف کا خیال آیا.... پتہ نہیں کہاں ہو گا۔ اچھا ہی ہوا کہ وہ دونوں ٹیکسی میں یہاں تک آئے تھے ورنہ شاید اس بار گاڑی سے ہاتھ دھونے پڑتے۔ ایک موٹر سائیکل تو پہلے ہی گنوا چکا تھا۔

لیکن یہ کس کی گاڑی ہے اور عقبی پارک میں کیوں کھڑی کی گئی ہے جب کہ پائیں باغ میں بھی پارکنگ کے لئے کافی جگہ موجود ہے۔

وہ اُس کار کے قریب والی جھاڑیوں میں رینگ گیا.... پتہ نہیں کتنے کیڑے مکوڑے خود اُس کے جسم پر رینگ رہے تھے.... کبھی پتلون کی موریوں میں ہاتھ ڈالنا پڑتا اور کبھی قمیض کے گریبان میں۔

کچھ دیر بعد اُس نے اپنے قریب ہی سرسراہٹ سنی.... کوئی اُس کی طرح رینگتا ہوا کار کی طرف جا رہا تھا.... ملگجے سے اندھیرے میں وہ متحرک تاریک دھبہ سا نظر آ رہا تھا.... عمران فوری طور پر فیصلہ نہ کر سکا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کار کی طرف رینگنے والا کون ہو گا۔

زمین پر پڑے ہی پڑے اُس نے دھڑ اوپر ہی اٹھا کر گاڑی کی اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا تھا اور پھر حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اندر بیٹھ گیا تھا۔ انجن اسٹارٹ ہونے کی ہلکی سی آواز سنائی دی تھی۔

عمران جھاڑیوں سے نکل کر گاڑی کی طرف جھپٹا.... اور اتنی آہستگی سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا کہ اسٹیئرنگ پر جھکے ہوئے آدمی کو خبر تک نہ ہوئی.... پھر وہ بھی اندر تھا.... لیکن اُس نے دروازہ دوبارہ بند کرنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔ پچھلی سیٹ اور اگلی سیٹ کی پشت گاہ کے درمیان دبک کر رہ گیا تھا۔

گاڑی چل پڑی.... جھٹکا لگنے سے پورا دروازہ کھل گیا.... ڈرائیو کرنے والے نے بریک لگائے اور پشت گاہ پر جھک کر دروازہ بند کیا.... اور پھر اسٹیئرنگ سنبھال لیا.... عمران تو سمجھا تھا کہ اب پکڑا گیا۔ لیکن ڈرائیو کرنے والے کی تمام تر توجہ دروازے ہی پر رہی تھی.... نیچے دیکھنے کی زحمت ہی نہیں گوارا کی تھی اُس نے۔

☼

یہ ایک طویل سفر ثابت ہوا۔ لیکن عمران کی پوزیشن میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہ ہوئی۔ یونہی دبکا چلا آرہا تھا۔ کار کی رفتار خاصی تیز تھی اور عمران کے اندازے کے مطابق منزل تک پہنچنے میں پورا ایک گھنٹہ صرف ہوا تھا۔

ڈرائیو کرنے والا نیچے اترا اور ایک طرف چلنے لگا.... عمران نے تھوڑا سا ابھر کر کھڑکی سے دیکھا۔ وہ سوفیصدی سنگ ہی تھا۔ چلنے کا انداز بتا رہا تھا اور اس کا قد۔

اوہ.... یہ تو.... اُس نے سوچا وہی دیہی کوٹھی ہے جو پُر اسرار آدمی داور سے منسوب تھی.... اور جہاں ایک بار پہلے بھی اُس نے کچھ وقت گزارا تھا.... اُسے سنگ ہی کی دیدہ دلیری پر حیرت ہونے لگی۔ ابھی تک اسی کوٹھی سے چمٹا ہوا ہے.... گویا اُسے اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں تھی کہ وہ عمران کے علم میں آچکی ہے۔

عمران کچھ دیر تک گاڑی ہی میں پڑا رہا.... یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ سنگ ہی وہاں قیام کرے گا یا پھر جلد ہی یہاں سے بھی کہیں اور جانا ہوگا۔

دفعتاً اس عمارت کے رکھوالے کی آواز سنی جو کسی سے کہہ رہا تھا۔ ”جی سرکار سب ٹھیک ہے۔“

”کچھ غل غپاڑہ تو نہیں مچایا اُس نے۔“ دوسری آواز آئی جو سنگ ہی کی ہوسکتی تھی۔

”نہیں سرکار.... وہ تو بالکل خاموش رہتی ہے۔ مجھے ہی پوچھنا پڑتا ہے کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔“

”اچھا دروازہ کھولو....!“ سنگ ہی کی آواز آئی۔ پھر قدموں کی آوازیں سنائی دیں جو بتدریج دور ہوتی جارہی تھیں۔

عمران سمجھ گیا کہ صدر دروازہ باہر سے مقفل ہوگا.... اور ہوسکتا ہے یہ گفتگو ساجدہ کے لئے ہوئی ہو۔

ہوسکتا ہے اُسے یہیں رکھا گیا ہو.... اس نے سوچا سنگ نے بھی اُسے غچہ دیا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ ساجدہ یہاں ہوگی۔ اُس کے خیال کے مطابق تو سنگ ہی کا اس عمارت سے کوئی تعلق نہ ہونا چاہئے تھا۔ واقعی وہ اپنے وقت کا دلیر ترین مجرم ہے اور جرائم اس کی تفریح ہیں۔

مزید کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد وہ بھی گاڑی سے باہر نکل آیا.... لیکن اس کی اوٹ میں ہی رہا.... پورچ کی محرابیں تو صاف نظر آرہی تھیں۔ لیکن برآمدہ تاریکی میں گم تھا۔ بڑی دیر تک کسی قسم کی کوئی آواز نہ سنائی دی۔

اندر سے کوٹھی کے سارے نچلے حصے اس کے دیکھے ہوئے تھے اوپری منزل پر جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا.... اور باہر سے بھی اُسے اچھی طرح نہیں دیکھ سکا تھا۔

اس نے سوچا کہ صدر دروازہ تو اب بند بھی ہوچکا تھا پھر کیا کیا جائے؟ وہ چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر بڑی احتیاط سے کوٹھی کے شمالی بازو کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کی دانست میں اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ کسی طرح چھت پر پہنچنے کی کوشش کرتا۔

وہ بائیں بازو کی دیوار ٹٹولتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ عمارت کافی پُرانی تھی۔

کہیں نہ کہیں لکھوری اینٹیں چونا لگنے سے ضائع ہوگئی تھیں دیوار پر پیر جمانے کی کوشش بن گئی تھیں.... ضروری نہیں تھا کہ کچھ اوپر پہنچنے کے بعد بھی اس قسم کے سہارے ملتے ہی رہتے اُس کے پاس ٹارچ بھی نہیں تھی کہ دیوار کا تفصیلی جائزہ لے سکتا۔

بس وہ بے یقینی کی حالت میں چلتا رہا۔ سردی ہڈیوں میں گھسی جارہی تھی۔ یہاں اس کھلی فضا میں نفسیاتی طور پر سردی کا احساس کچھ زیادہ ہی ہوگیا تھا۔ رہ رہ کر نزدیک و دور سے گیدڑوں کی صدائیں آتیں اور پھر سناٹا چھا جاتا۔ کبھی کبھی لکڑ بگھے کے قہقہے بھی سنائی دیتے۔ وہ دیوار کو ٹٹولتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔

کچھ دور چلنے کے بعد ٹھوکر کھائی اور گرتے گرتے بچا۔

یہ کسی درخت کی جڑ تھی، جو زمین کی سطح پر ابھر آئی تھی.... اس نے سوچا کیا یہاں دیوار کے قریب کوئی درخت بھی ہے....

اب وہ زمین پر بیٹھ کر اس جڑ کو ٹٹولتا ہوا آگے کھسک رہا تھا۔ اس طرح وہ درخت کے تنے تک جا پہنچا.... اندازہ تھا کہ درخت دیوار سے زیادہ دور نہیں اس کی شاخیں یقینی طور پر چھت تک پہنچی ہوں گی۔ اُس نے جوتے اتار کر جیبوں میں ٹھونسے اور کسی قسم کے خطرے کی پرواہ کئے بغیر درخت پر چڑھنا شروع کردیا۔

تنے کے اس حصے پر پہنچ کر رکا جہاں سے شاخیں پھوٹی تھیں اور اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ کونسی شاخ دیوار کی طرف گئی ہوگی۔

پھر اس نے دوبارہ جدوجہد شروع کردی اور دیوار تک جا پہنچا.... لیکن چھت؟ اس نے

طویل سانس لی۔۔۔۔ پتہ نہیں یہاں سے بھی چھت کی بلندی کتنی ہو۔ اُس نے سوچا۔۔۔۔ یہ شاخ اتنی بلند نہیں ہو سکتی کہ دوسری منزل کی چھت تک جا پہنچے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ ٹٹولتے ہوئے ہاتھ کسی کھڑکی کی چوکھٹ سے ٹکرائے تھے۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ کھڑکی بند بھی نہیں تھی۔ فریم بھی سلاخوں والا نہیں تھا۔

چوکھٹ پر زور دے کر وہ اوپر اٹھا۔۔۔۔ اور پھر کھڑکی سے گزر جانے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ یہاں باہر سے بھی زیادہ گہرا اندھیرا تھا اس نے پھر دیوار ہی کا سہارا لیا اور ٹٹولتا ہوا ایک جانب چلنے لگا۔

دروازے تک پہنچنے میں دیر نہ لگی۔۔۔۔ دروازہ بھی کھلا ہی ملا۔۔۔۔ پھر تقریباً پندرہ منٹ کی جدوجہد کے بعد وہ نچلی منزل کے زینوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

نچلے حصے کے ان کمروں سے وہ اچھی طرح واقف تھا جو رہائش کے قابل تھے۔ ایک کے روشندان سے روشنی نظر آئی اور وہ اسی طرف بڑھتا چلا گیا۔

قریب پہنچ کر اس نے سنگ ہی کے قہقہے کی آواز سنی، ساتھ ہی وہ کہتا سنائی دیا۔ "ہم سب بچے ہیں۔۔۔۔ یہاں عمروں کا سوال نہیں! ہم سب اسی بچکانہ تجسس کے شکار ہیں۔۔۔۔ چھوڑو ہٹاؤ۔۔۔۔ تمہاری شرمیلی آنکھیں بڑی اچھی لگ رہی ہیں۔۔۔۔ میری طرف دیکھو۔۔۔۔!"

وہ خاموش ہو گیا تھا لیکن اس کے مخاطب کی آواز نہ سنائی دی۔۔۔۔

"یہ بُری بات ہے کہ تم پیتی نہیں۔" سنگ کی آواز آئی۔۔۔۔ "مجھے دیکھو۔۔۔۔ میں خالص وہسکی پیتا ہوں۔۔۔۔ سوڈا ملائے بغیر۔"

"مجھے شراب سے نفرت ہے۔" عمران نے ساجدہ کی آواز صاف پہچانی۔

"یہ تو بُری بات ہے۔ پھر تم مجھے کیسے پسند کرو گی۔"

"تم کون ہو؟" ساجدہ کی غصیلی آواز آئی۔ "جہنم میں جاؤ۔۔۔۔!"

"جنت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔۔۔۔ جہنم میں جاؤں گا۔۔۔۔ جنت میں ڈھنگ کی سوسائٹی کہاں نصیب ہو گی وہ تو نیک لوگوں کی بستی ہو گی۔"

"مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔۔۔۔ تم کون ہو۔"

"لوگ مجھے نواب داور جنگ کہتے ہیں۔ تمہارا کیا نام ہے۔"

"کیوں؟ کیا میرا نام نہیں جانتے۔"

"نہیں۔۔۔۔ میں کیا جانوں۔۔۔۔ میں نے تو تمہیں ایک بڑے نامعقول آدمی کے پنجے سے

رہائی دلوائی تھی۔"

"میں نہیں جانتی کہ یہ کس نامعقول آدمی کا تذکرہ ہے۔"

"کیا تم نہیں جانتیں کہ شہر کا سب سے بڑا بدمعاش عمران تمہیں لے جا رہا تھا۔"

"میرے لئے نئی اطلاع ہے کہ عمران شہر کا سب سے بڑا بدمعاش ہے۔"

"اوہ۔۔۔۔ تو کیا تم خوشی سے اُس کے ساتھ جا رہی تھیں۔"

"اور کیا۔۔۔۔؟"

"کب سے دوستی ہے۔"

"بچپن میں ہم دونوں ساتھ کھیلا کرتے تھے۔"

"یہ اطلاع میرے لئے بالکل نئی ہے۔"

"تو کیا میں جھوٹی ہوں۔۔۔۔؟"

"نہیں نہیں۔۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔۔ ویسے عمران۔۔۔۔ کیا تم جانتی ہو کہ وہ انجمن بیباکاں کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

جواب میں عمران نے کچھ نہ سنا۔۔۔۔ پھر تھوڑی دیر بعد ساجدہ غالباً ہکلائی تھی۔

"تم۔۔۔۔ تم۔۔۔۔ بھی۔۔۔۔ انجمن سے۔۔۔۔!"

"سو فیصدی تعلق رکھتا ہوں۔۔۔۔ انجمن سے۔" سنگ ہی کی آواز آئی۔

"تو پھر۔۔۔۔ تو پھر۔۔۔۔!"

"تمہاری وجہ سے انجمن کا ایک رکن بُری طرح زخمی ہوا ہے اور تم پولیس کے ایک ایجنٹ کے قابو میں آ گئی ہو۔ تم نے عمران کو انجمن کے بارے میں بتایا تھا۔"

"جی نہیں۔۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔۔۔ کچھ بھی نہیں بتایا۔ یقین کیجئے۔"

"میں یقین نہیں کر سکتا۔" سنگ ہی کی آواز آئی۔ "میں نے انجمن کے ایک کارکن کو زخمی دیکھا ہے اور تمہیں عمران کے ساتھ فرار ہوتے بھی دیکھا ہے تم تنظیم سے غداری کی مرتکب ہوئی ہو۔۔۔۔ ادھر دیکھو۔۔۔۔ میری طرف۔"

"آپ قاعدے سے بیٹھئے۔۔۔۔ تو۔۔۔۔ تو۔۔۔۔ دیکھوں؟" ساجدہ کی مردہ سی آواز آئی۔

"اوہ۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔ کچھ نہ کچھ تو نشہ ہو ہی جاتا ہے۔۔۔۔ کتنی دیر سے خالص وہسکی پی رہا ہوں۔"

"م۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ اپنی صفائی پیش کرنا چاہتی ہوں۔۔۔۔ عمران نے مجھے دھوکہ دیا تھا۔ اُس

نے کہا تھا کہ وہ تنظیم ہی سے تعلق رکھتا ہے۔"

عمران نے کان کھڑے کیے۔ وہ اسے شروع سے کہانی سنا رہی تھی۔

سنگ درمیان میں کچھ نہیں بولا تھا.... اور کہانی ختم ہو جانے کے بعد بھی خاموش ہی رہا۔

"تم وہاں کیوں گئی تھیں....!" کچھ دیر بعد اُس نے پوچھا۔

"پروفیسر مجھ پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ میں ان کی بھتیجی ہوں....!"

دفعتاً عمران نے دروازے کو دھکا دیا اور دوسرے ہی لمحے میں کمرے کے اندر تھا.... وہ دونوں ہی اچھل پڑے۔

ساجدہ کی آنکھیں حیرت اور خوشی کے ملے جلے آثار کی آماجگاہ بن کر رہ گئی تھیں.... اور سنگ ہی کی آنکھوں میں نفرت تھی۔ گہری نفرت۔

"تم بغیر اجازت....!" وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"اِدھر آؤ۔" عمران نے اس کی طرف دھیان دیئے بغیر ساجدہ سے سخت لہجے میں کہا۔

"نہیں....!" سنگ بھی اٹھتا ہوا غرایا۔ "تم وہیں ٹھہرو گی جہاں ہو۔"

"اچھاجی....!" عمران مضحکانہ انداز میں مسکرایا۔ "تم میرے کپڑوں پر تازہ خون کی چھینٹیں دیکھ ہی رہے ہو گے اور یہ بھی جانتے ہو گے کہ کن مراحل سے گزرنے کے بعد یہاں تک پہنچا ہوں گا۔"

سنگ ہونٹ بھینچے اُسے گھورتا رہا۔ آنکھوں میں سانپ کی آنکھوں کی سی چمک تھی۔

"گلا گھونٹ کر مار ڈالوں گا۔" بالآخر اُس کی سرگوشی نما آواز سناٹے میں گونجی۔ عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔

دفعتاً سنگ نے اُس پر چھلانگ لگائی اور عمران نے جھک کر اُسے سر پر روکنا چاہا.... کوئی اور ہوتا تو پیٹ پکڑے گزوں دور جا پڑا ہوتا لیکن سنگ ہی کسی کنکھجورے کی طرح عمران سے لپٹ گیا تھا۔

عمران نے بالکل یہی محسوس کیا جیسے کوئی سمندری ہزار پا اپنی ایک ہزار لجلجی ٹانگوں سمیت اُس سے چمٹ گیا ہو۔

"تم نکل جاؤ.... ساجدہ یہاں سے۔" عمران گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخا۔

"صدر دروازہ کھلا ہوا ہے.... باہر گاڑی موجود ہے.... جاؤ نکلو۔"

سنگ ہی کچھ بولا نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے حلق سے آواز نکلتے ہی وہ اپنی کسی قدر قوت کھو بیٹھے گا۔ عمران کے گرد اس کی گرفت لحظہ بہ لحظہ مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔

اُس نے ساجدہ کو دروازے کی طرف جھپٹتے دیکھا۔

عمران کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے خون کی روانی پیشانی اور کنپٹیوں کی رگوں پر ٹھوکریں مار رہی ہو۔ ذہن پر غبار سا چھانے لگا تھا اور وہ سانس لینے میں دشواری محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے کئی بار کوشش کی تھی کہ اس کی گرفت سے نکل جائے لیکن اُس کے دونوں ہاتھ اس طرح بے بس ہو کر رہ گئے تھے جیسے کوئی سانپ انہیں اپنے بلوں میں جکڑتا ہوا پورے جسم کے گرد لپٹ گیا تھا.... پورا جسم ایک دکھتا ہوا پھوڑا بن کر رہ گیا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کا ذہن تاریکیوں کی دلدل میں ڈوبتا گیا.... ساتھ ہی تکلیف کا احساس بھی کم ہوتا جا رہا تھا اور پھر وہ بالکل ہی ختم ہو گیا۔

دوسری بار ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک کرسی پر بیٹھا ہوا پایا.... لیکن اس بار جنبش نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ رسیوں سے جکڑا ہوا تھا.... سامنے سنگ ہی نظر آیا.... بیٹھا شراب پی رہا تھا.... دو خالی بوتلیں میز کے نیچے پڑی تھیں اور تیسری میز پر تھی۔

عمران کو ہوش میں آتے ہی دیکھ کر مسکرایا۔

"تم سوچ رہے ہو گے کہ میں تمہیں ختم ہی کیوں نہیں کر دیتا۔"

"ایسی فضول باتیں سوچنے کی مہلت ہی نہیں ملتی مجھے۔" عمران نے جواب دیا۔

"کچھ لوگ تمہیں زندہ چاہتے ہیں سمجھے۔" وہ انگلی اٹھا کر بولا۔

"ہوں.... تو یہ درست ہے کہ تم زیرولینڈ ہی کے لئے کام کر رہے ہو۔"

"میں اپنے لئے کام کر رہا ہوں۔"

"پھر تمہیں اُن لوگوں سے کیا سروکار جو مجھے زندہ چاہتے ہیں۔"

"ہاہا.... تم نہیں سمجھے۔ تمہارے عوض میں ان ہیروں کی بہت بڑی تعداد حاصل کر لوں گا جو انہوں نے تاریک وادی سے سمیٹے تھے۔"

"لیکن کچھ دیر پہلے تو تم نے مجھے پولیس کے حوالے کر دینے کی اسکیم بنائی تھی۔ دو قتل میرے سر ہوتے اور میں پھانسی کے تختے پر نظر آتا۔"

"میں تمہیں اماناً پولیس کی تحویل میں دیتا.... جب چاہتا ان کے قبضے سے نکال بھی لاتا۔ تم سنگ ہی کو کیا سمجھتے ہو.... میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ دنوں کے لئے بند ہو جاؤ.... تاکہ اپنے دوسرے کام سکون سے انجام دے سکوں۔ خیر اب یہ دردِ سر بھی خود ہی مول لینا پڑے گا۔ میں خود ہی تمہیں بند رکھوں گا۔ لڑکی نکل گئی ہے جو میرے لئے بہت ضروری ہے.... بے حد ضروری.... میں اُسے پسند بھی کرنے لگا ہوں۔ فی الحال یہاں کوئی ایسی گاڑی موجود نہیں ہے جس پر میں اس کے پیچھے جا سکوں۔"

عمران ہونٹ بھینچے اُسے گھورتا رہا.... اور سنگ ہی نے بوتل اٹھا کر ہونٹوں سے لگالی۔

سنگ ہی نے تیسری بوتل بھی ختم کر کے فرش پر لڑھکا دی اور ریک سے چوتھی نکال لایا۔

"پیو گے۔" اس نے مضحکانہ انداز میں عمران سے پوچھا۔

عمران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نیک آدمی ہو.... اور نیک آدمیوں کو مرے بغیر دنیا کی نعمتیں کب حاصل ہوتی ہیں۔"

"میں نے تو سنا ہے کہ نیک آدمی مرنے کے بعد ہیڈ کانسٹیبل بنا دیئے جاتے ہیں۔"

"تمہیں شاید شراب کی بو ہی سے نشہ ہو جاتا ہے۔" سنگ ہی نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ چند لمحے عمران کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تمہاری وہ دوست۔ کیا نام ہے اس کا.... اوہ ہاں جولیانا فنٹز واٹر.... مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔"

"سن کر خوشی ہوئی کب ہاتھ صاف کر رہے ہو اُس پر....!"

"جب ضرورت محسوس کروں گا؟"

"ہوں.... ہوں....!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "لیکن جب تم نے کوشی کو جہنم میں دھکیل دیا ہے پولیس اُسے باور نہ کرے گی کہ ان دونوں کا قاتل اس کے لئے اجنبی تھا۔"

"مجھے قطعی پرواہ نہیں ہوتی کہ میری بساط پر کون سا مہرہ کہاں پٹ رہا ہے۔ وہ بھی مجھے داور کی ہی حیثیت سے جانتی ہے.... ایک مقامی آدمی جو اہل زبان کی طرح چینی بول سکتا ہے؟ اب شائد اُس سے کبھی میری ملاقات نہ ہو سکے.... ویسے وہ اپنے اسی بیان پر اڑی رہے گی کہ قاتل اور دونوں مقتول اُس کے لئے اجنبی تھے.... ویسے کیا تم اُس سے گفتگو کر چکے ہو۔"

"ہاں چھرے کے زور پر.... میں نے اُسے دھمکایا تھا۔ تب اُس نے بتایا کہ وہ پولیس کو مطلع کر چکی ہے.... اس نے وہ بیان بھی دہرایا تھا جو غالباً تم اُسے رٹا آئے تھے۔"

"ہو سکتا ہے۔" سنگ ہی نے لاپرواہی سے کہا اور بوتل کھول کر اُسے ہونٹوں سے لگایا۔ دفعتاً عمران بولا۔ "ٹھہرو.... یہ بڑی زیادتی ہے۔"

سنگ ہی نے بوتل میز پر رکھ کر اُسے استفہامیہ نظروں سے دیکھا....

"میرے شغل کے لئے یہاں کوئی چیز نہیں ہے۔"

"کیا چاہتے ہو؟"

"کافی پیوں گا۔ تھوڑی سی تھکن محسوس ہو رہی ہے۔"

"یہاں اس بوڑھے ملازم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے.... اب میں اُسے دوبارہ جگانا پسند نہیں کروں گا۔"

"بس تو پھر یہ بوتل میرے سر پر توڑ دو.... بوریت کی بھی حد ہوتی ہے۔"

"چکھو تھوڑی سی.... ساری تھکن دور ہو جائے گی۔"

عمران نے انکار میں سر ہلا دیا۔

"حیرت ہے.... مجھے تو تم مذہبی آدمی بھی نہیں معلوم ہوتے۔"

"ڈر کے مارے نہیں پیتا۔"

"کس سے ڈرتے ہو۔"

"عمران سے....!"

"کیا بات ہوئی؟"

"بہت بڑی بات ہے۔ نشہ میں خود کو بہت بڑا ادیب سمجھنے لگا تو کیا ہو گا؟"

"احمقوں کی الف لیلیٰ لکھ ڈالنا.... جن ادیبوں کو پڑھ کر لکھنا سیکھا ہو انہیں بالکل گھٹیا اور خود سے بھی کمترین سمجھنے لگنا۔"

"ڈیئر انکل میں کافی پینا چاہتا ہوں۔ بور مت کرو۔"

"میں تمہارے لئے کافی بناؤں گا؟" سنگ ہی نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

"کافی ملنی چاہئے.... ورنہ میں اتنا غل غپاڑہ مچاؤں گا کہ در و دیوار لرز اٹھیں گے۔"

"دیکھو برخوردار.... مجھے بور مت کرو۔ اس وقت بڑی ترنگ میں ہوں.... تمہاری ہی وجہ سے وہ لڑکی بھی نکل گئی۔"

"تم جانتے ہو کہ مجھے اسی کی تلاش تھی۔" عمران نے کہا۔

"کچھ بھی ہو.... مجھے مزید غصہ دلانے کی کوشش نہ کرو۔"

"عام آدمیوں کی طرح سطحی باتیں نہ کرو۔" عمران بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"کیا مطلب....!"

"یہی کہ تمہیں چونکہ مجھ پر غصہ آگیا ہے اس لئے تم میرے لئے کافی نہ بناؤ گے؟ گھٹیا بات [illegible] تم جیسے جینئس کو زیب نہیں دیتی۔"

سنگ ہی سنجیدگی سے کچھ سوچنے لگا۔ پھر سر ہلا کر بولا۔ "ٹھیک کہتے ہو۔ میں بہک گیا تھا۔ یہ چوتھی بوتل ہے۔ شاید کچھ نشہ ہو گیا ہے.... میں تمہیں کافی پلاؤں گا۔ پیارے فکر نہ کرو.... لیکن تازہ دودھ مہیا کرنا مشکل ہو گا.... ڈبے والا پسند کرتے ہو یا نہیں۔"

"چل جائے گا۔" عمران سر ہلا کر بولا۔

سنگ ہی اٹھا.... اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

عمران کی یہ حرکت حقیقتاً کافی ہی تک محدود نہیں تھی۔ اُس نے اس کا تذکرہ چھیڑ کر اندازہ کرنا چاہا تھا کہ عمارت میں کتنے آدمی موجود ہیں۔ دوسری بات یہ کہ وہ اُسے کمرے سے ٹالنا چاہتا تھا۔

ہاتھ پیر جکڑے ہوئے تھے.... لیکن ذہن تو کام کر ہی رہا تھا.... اُس نے سوچا تھا کہ اگر وہ دس پندرہ منٹ کے لئے بھی کمرے سے ٹل جائے تو وہ رہائی کے لئے جدوجہد کر سکے گا۔ کمرے میں مختلف جگہوں پر کئی موم بتیاں روشن تھیں.... وہ اپنے جسم سے لپٹی ہوئی رسی کو جلانے کی کوشش کرتا۔

اس نے اس دروازے کی طرف دیکھا جس سے گذر کر سنگ باہر گیا تھا۔ پھر اپنی کرسی کو میز کی طرف کھسکانے کی کوشش کرنے لگا.... میز پر بھی دو موم بتیاں رکھی ہوئی تھیں۔

دفعتاً وہ چونک کر مڑا.... بائیں جانب سے کسی قسم کی آواز آئی تھی۔ بائیں جانب والا دروازہ تھوڑا سا کھلا اور پھر ساجدہ پوری طرح روشنی میں آ گئی۔

"ارے۔"

ساجدہ عمران کی طرف جھپٹی۔ اس کے ہاتھ میں چاقو تھا۔ بڑی تیزی سے اس کی رسیاں کاٹنے لگی۔

"چلو نکل چلو.... باورچی خانہ یہاں سے کافی فاصلے پر ہے۔"

"لیکن پھر یہ آدمی دوبارہ ہاتھ نہ آئے گا.... میں اسے ساتھ ہی لے جاؤں گا۔" عمران بولا۔

"حماقت نہ کرو.... بڑی مشکل سے میں نے...." اس نے جملہ پورا نہیں کیا بوکھلائے ہوئے انداز میں دروازے کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

عمران نے بھی سوچا فی الوقت نکل ہی چلنا چاہئے۔ ورنہ اگر یہ لڑکی ہاتھ سے گئی تو پھر کچھ نہ ہو سکے گا۔ وہ تیزی سے باہر نکلے چلے آئے۔

"گاڑی کہاں ہے؟" عمران نے پوچھا۔

"بہت دور چھوڑ آئی ہوں.... پیدل چلنا پڑے گا؟"

عمران کچھ نہ بولا۔ وہ تیزی سے راستہ طے کرتے رہے.... گاڑی تقریباً تین فرلانگ کے فاصلے پر ملی۔

"تم نے کمال ہی کر دیا۔" عمران اسٹیئرنگ سنبھالتا ہوا بولا۔

میں پہلے تو سچ مچ ہی بوکھلا گئی تھی کہ یہاں تک چلی آئی پھر سوچا پتہ نہیں تمہارا کیا حشر ہوا ہو۔ وہ آدمی خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ انجمن بیباکاں سے اپنا تعلق ظاہر کرتا رہا۔ لیکن انجمن کا کوئی آدمی اتنا بیہودہ نہیں ہو سکتا۔ وہ سب معاملات میں ایک دوسرے کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ بہر حال میں واپس آئی۔ صدر دروازہ کھلا ہی ہوا ملا تھا۔ تم بیٹھے کیوں ہو۔ گاڑی اسٹارٹ کرو۔"

"او.... ہاں....!" عمران چونک پڑا۔ انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

"پھر میں اس کمرے تک جا پہنچی تھی وہاں اس نے تمہیں بیہوش کر کے کرسی سے جکڑنا شروع کیا تھا.... تم قطعی ہوش میں نہیں معلوم ہوتے تھے.... پھر میں برابر والے تاریک کمرے ہی میں رک کر انتظار کرتی رہی تھی.... شاید موقع مل ہی جائے۔"

"چاقو کہاں سے مل گیا تھا۔"

باورچی خانے سے لائی تھی.... کئی گھنٹے اس عمارت میں گزار چکی ہوں جانتی تھی کہ کہاں کیا مل سکے گا۔ جب تم نے کافی کا تذکرہ شروع کیا تو میں نے سوچا ممکن ہے وہ کافی کے لئے باہر جائے۔ اس لئے سیدھی باورچی خانے پہنچی تھی.... واپس آئی تو معلوم ہوا کہ وہ حقیقتاً اس پر آمادہ ہو چکا ہے کہ تمہارے لئے خود کافی تیار کرے۔ لیکن آخر تم نے کیا سوچ رکھا تھا؟"

"میں بھی اُسے کمرے سے باہر بھیجنا چاہتا تھا۔ کسی قدر نشے میں تھا.... بھرے میں آ گیا.... ورنہ اس سے زیادہ چالاک آدمی اس وقت شاید ساری دنیا میں کوئی دوسرا نہ ملے۔"

"کمرے سے بھیج دینے کے بعد ہی کیا کر لیتے۔ جکڑے تو ہوئے تھے کرسی سے۔"

"کسی موم بتی سے رسی جلاتا۔"

"خطرناک کوشش ہوتی۔"

عمران کچھ نہ بولا.... کار کچے راستے سے اب پختہ سڑک پر آ گئی تھی۔

"یہ آخر ہے کون۔"

"ایک انتہائی درجہ خطرناک مجرم.... پروفیسر راشد کے قتل میں اسی کا ہاتھ ہے۔"

"میرے خدا.... تو کیا یہ دشمن.... وہی ہو سکتا ہے.... جس کا تذکرہ ڈائری میں ہے۔"

"سو فیصدی یہی ہے؟"

"کیا تم میری الجھن رفع کر سکو گی؟"

"کیا بات ہے؟"

"پروفیسر نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔"

"وہ جملہ.... اُن لوگوں کیلئے قطعی طور پر بامعنی اور مکمل ہے جن کے لئے تحریر کیا گیا تھا؟"

"کن کے لئے۔"

"انجمن کے افراد کے لئے اس میں ایک پیغام موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ قتل ہی کئے جاتے تو ان کی جیب سے وہ ڈائری ضرور برآمد ہوتی اور اس قتل کی خبر کے ساتھ ڈائری کا تذکرہ اخبارات میں بھی آتا.... اور اس نامکمل جملے کی تشہیر ہوتی۔ پیغام جن کے لئے تھا انہیں مل جاتا۔ اس جملے میں جتنے بھی حروف استعمال کئے گئے ہیں ان میں کچھ ایسے حروف بھی موجود ہیں جنہیں دوبارہ ترتیب دیا جائے تو بنے گا.... ساجدہ جانتی ہے؟"

"کیا جانتی ہے....!"

"ذرا دم لو پولیس کے ایجنٹ صاحب۔"

"تمہاری مرضی۔ اب اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں پوچھوں گا۔ پہلے ہی تمہیں یقین دلانے کی کوشش کر چکا ہوں کہ میں صرف اپنی پوزیشن صاف کرنا چاہتا ہوں۔ پولیس مجھ پر مقدمہ قائم کر چکی ہے۔ پروفیسر میرے ہی دروازے پر مرا تھا۔ پھر پروفیسر کے یہاں پائی جانے والی تصویر بھی تین آدمیوں کو چٹ کر گئی۔ ایک انسپکٹر نے میرے ہی توجہ دلانے پر ایک پتھر کو توڑنے کی کوشش کی اور فنا ہو گیا۔ تم ہی بتاؤ ایسے حالات میں مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"تصویر کیسے تین آدمیوں کو چٹ کر گئی؟" ساجدہ نے پوچھا۔

عمران اُسے بتانے لگا۔

اس کے خاموش ہونے پر ساجدہ کچھ نہ بولی۔ عمران تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر بولا۔

"اب بتاؤ میری پوزیشن کیسی ہے۔"

"ہاں... آں... لیکن کیوں...؟ یہ آدمی تمہارے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے۔" ساجدہ نے پوچھا۔

"نہیں تو.... میں ہی اتفاق سے اس کے پیچھے پڑ گیا ہوں۔ پہلے تو اس نے بہت کوشش کی تھی کہ میں بیچ میں نہ کودوں....!"

"تو پھر.... تو پھر تم کیوں کود پڑے....!"

"دوسروں کے پھٹے میں ٹانگ اڑانا میری ہابی ہے۔"

ساجدہ اونگھنے لگی تھی.... عمران چاہتا بھی تھا کہ وہ سو ہی جائے تو بہتر ہے کیونکہ وہ اس وقت اُسے دانش منزل لے جانا چاہتا تھا.... رانا پیلس سنگ ہی اور اُس کے آدمیوں کی نظروں میں آ چکا تھا۔

"کیا تمہیں نیند آ رہی ہے۔" عمران نے پوچھا۔

"کیوں نہ آئے۔" وہ چونک کر بولی۔ "پچھلی رات سے جاگ رہی ہوں۔"

"اوہ تو پھر تم پچھلی سیٹ پر جا کر آرام سے سو جاؤ۔"

"مگر ہم جائیں گے کہاں۔"

"یہ مجھ پر چھوڑ دو.... اگر مجھے اپنا دشمن بھی سمجھتی ہو تو دو چار دن کے لئے مجھ پر اعتماد کر لو اسی میں بھلائی ہے۔"

"اچھا ڈارلنگ پولیس انفارمر....!" اُس نے انگڑائی لے کر کہا اور پچھلی نشست پر پہنچنے کی کوشش کرنے لگی۔

کار تیزی سے راستہ طے کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد عمران نے اُسے آواز دی۔ لیکن جواب نہ ملا اس نے سوچا یہ بڑی اچھی بات ہے وہ اُسے دانش منزل لے جانا چاہتا تھا کہ وہ اس کے محل وقوع سے آگاہ نہ ہو سکے۔

دانش منزل پہنچ کر ہی اُس نے اُسے جگایا۔ گاڑی کمپاؤنڈ میں کھڑی کی تھی.... ہاتھ پکڑ کر اُسے عمارت کے اندر لے گیا۔

ساؤنڈ پروف کمرے میں پہنچ کر ساجدہ بولی۔ "ارے تم تو پھر مجھے وہیں لے آئے۔"

"یہی ایسی جگہ ہے جہاں وہ تم پر ہاتھ نہ ڈال سکے گا۔ تم شاید اُس کے لئے بہت اہم ہو۔ میرا خیال ہے اب پھر سو جاؤ۔"

پھر وہ اُسے وہاں چھوڑ کر باہر آ گیا تھا۔

اُس کی پلکیں بھی نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں.... پہلے اس نے سوچا تھا کہ اسی وقت وہاں اپنے ماتحتوں کو طلب کرے گا.... لیکن پھر اس خیال کو ترک کر کے سونے کے لئے لیٹ گیا تھا۔

دوسری صبح دن چڑھے تک سوتا رہا۔ کئی راتوں کی تھکن گہرے نشے کی طرح ذہن پر طاری ہو گئی تھی۔

منہ دھونے کے لئے واش بیسن پر جھکا تو ایک جگہ ریڑھ کی ہڈی چمک سی گئی۔ ایسی شدید

تکلیف ہوئی تھی کہ فوراً ہی سیدھا ہو جانا پڑا تھا۔

اور اب اُسی جگہ جہاں چمک سی محسوس کی تھی اچھا خاصا درد تھا.... اُس کا ذہن پچھلی رات کے واقعات دہرانے لگا.... یہ تکلیف.... یہ درد.... وہ سوچ رہا تھا.... پچھلی رات اُس وقت ہی محسوس ہوا تھا جب سنگ ہی جونک کی طرح اس سے لپٹ گیا تھا.... اس وقت بھی اُسی جگہ خصوصیت سے اس کی انگلیاں زیادہ قوت صرف کر رہی تھیں۔

عمران نے پشت پر ہاتھ لے جا کر ریڑھ کی ہڈی کا دکھتا ہوا حصہ ٹٹولا.... اُسے یاد آیا اُس درد کی شدت کے ساتھ ہی اس کا ذہن بھی تاریکیوں میں ڈوبتا گیا تھا۔ ہاتھ پیر بیکار ہو کر رہ گئے تھے۔ اس طرح سنگ ہی اس کی بیہوشی کے دوران میں اُسے باندھ لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

وہ خیالات میں ڈوبا ہوا واش بیسن کے پاس سے ہٹ آیا۔ ساجدہ ابھی تک ساؤنڈ پروف کمرے ہی میں بند تھی.... عمران نے اُسے باہر نکالا، اور وہ اُس پر جھپٹ پڑی۔

"تو تم نے مجھے قید کر رکھا ہے.... کیوں؟"

"نن.... نہیں تو.... اوہ.... کمرہ یہ.... یہاں مچھر نہیں داخل ہو سکتے اسی لئے؟"

"میں پتہ نہیں کب سے جاگ رہی ہوں....!"

"جلدی اٹھنا صحت کے لئے مفید ہے؟" عمران سر ہلا کر بولا۔

"اور دیر سے ناشتہ کرنا بھی......!" ساجدہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"قطعی نہیں! لیکن جب گھر میں کوئی عورت موجود نہ ہو تو اکثر فاقوں کی بھی نوبت آ جاتی ہے! مجھے تو انڈا تلنا بھی نہیں آتا......!"

"باورچی خانہ بھی ہے یہاں یا وہ بھی نہیں۔" ساجدہ نے بوکھلا کر پوچھا۔

"بہت بڑا.... بہت بڑا باورچی خانہ.... ضرورت کی ہر چیز موجود ملے گی۔"

"مجھے دکھاؤ۔"

عمران اُسے باورچی خانے میں لایا.... وہ چاروں طرف حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے حیرت ہے۔" وہ بالآخر بولی۔

"کس بات پر....!"

"اتنی بڑی کوٹھی ہے.... اور ایک ملازم بھی نظر نہیں آتا۔"

"پچھلے سال ایک رکھا تھا.... چھ ماہ بعد اس کمبخت نے کہنا شروع کر دیا اب میری شادی کرا دیجئے۔ آخر کب تک خود ہی کھانا بھی پکاؤں گا۔"

"تمہاری بیگم کہاں ہے۔"

"کیا تم نے ابھی تک اندازہ نہیں لگایا کہ میں کتنا بے غم ہوں۔"

"اوہ تو تمہاری بیوی واقعی نہیں ہے۔"

عمران نے غمناک انداز میں سر کو جنبش دی۔

"آخر کیوں....؟"

"میرے عادات و اطوار خطرناک ہیں۔ کوئی بھی عورت چوبیس گھنٹے کے نوٹس پر بیوہ ہونا پسند نہ کرے گی۔"

پھر ساجدہ ناشتے کے انتظامات میں لگ گئی تھی۔

ناشتے کی میز پر عمران دیر سے پہنچا کیونکہ آپریشن روم سے اپنے ماتحتوں کو فون کر رہا تھا۔

ناشتے کے دوران میں اُس نے کئی بار ساجدہ کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ اس نے اتنی لذیذ چیزیں عرصہ سے نہیں چکھی تھیں۔

"ختم کرو....!" ساجدہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "بتاؤ اب میرا کیا ہوگا۔ ابھی تک میں یہ سمجھتی رہی تھی کہ یہ انجمن بیباکاں کوئی غیر قانونی کام نہیں کر رہی لیکن اب پچھلی رات سے تمہارے خلاف ان لوگوں کا جوش و خروش دیکھ کر سوچنا پڑا ہے کہ کہیں میں غلطی پر تو نہیں تھی۔"

"لیکن تم نے ابھی تک مجھے نہیں بتایا کہ انجمن بیباکاں کے مقاصد کیا ہیں۔"

"بظاہر تو اچھے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اُن کا مسلک بیباکی.... جو کچھ کرنا ہے بیباکی سے کر گزرو.... بہتیری ایسی باتیں جو قانوناً درست ہو سکتی ہیں۔ لیکن رسم و رواج اُن کی اجازت نہیں دیتے۔ مثال کے طور پر دو بالغ عورت اور مرد آپس میں قانوناً شادی رچا سکتے ہیں لیکن چونکہ ہمارے معاشرے کی روایات کے یہ خلاف ہے اس لئے اسے معیوب سمجھا جاتا ہے.... ہماری انجمن کہتی ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے.... وہ بڑی بیباکی سے ایسے افراد کو مدد دیتی ہے۔"

"ارے تو اس کا نام انجمن معاونین عشاق رکھا جا سکتا ہے۔ یہ بیباکاں کیا بلا ہے۔"

"یہ لوگ اس قسم کے کام انجام دینے کے سلسلے میں اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتے۔ ابھی پچھلے دنوں ہم میں سے ایک آدمی نے اپنی بہن کو اس کے محبوب کے ساتھ نکل بھاگنے میں مدد دی تھی۔"

"تب تو پھر میری شادی بھی کچھ مشکل نہیں۔" عمران نے سر ہلا کر کہا۔

"وہ لوگ ایسے تاجروں کو مدد دیتے ہیں جو دوسرے تاجروں کے مقابلے میں مار کھا رہے ہوں.... غیر ملکی بازاروں تک ان کی اعانت کرتے ہیں۔"

"لیکن پولیس سے بھی ڈرتے ہیں.... کیوں؟"

"یہی بات تو سمجھ میں نہیں آتی۔"

"خیر دیکھیں گے۔ اب پروفیسر راشد کی طرف آؤ۔"

"وہ تو بہت اچھے آدمی تھے.... انہوں نے میرے ذمہ صرف اپنے ہی کام لگا رکھے تھے۔ اپنے نجی خطوط لکھواتے تھے اور ان کے کاغذات کی دیکھ بھال میں ہی کرتی تھی۔"

"تم اس کی کوٹھی میں کیوں گھسنا چاہتی تھیں۔"

"بتا تو چکی ہوں کہ اُن کے کاغذات حاصل کرنا چاہتی تھی جو اب انجمن کے نائب صدر کی تحویل میں رہیں گے۔ پروفیسر کی ڈائری والے ادھورے پیغام میں یہی تو کہا گیا تھا کہ ساجدہ جانتی ہے یعنی وہ جگہ ساجدہ جانتی ہے جہاں کاغذات رکھے ہوتے ہیں۔ کوٹھی کے گرد پولیس کا پہرہ تھا۔ لیکن میں کاغذات نکال لانے کا وعدہ کر کے چل پڑی تھی۔"

"پھر اب کیا سوچا ہے تم نے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ آخر وہ لوگ تم سے کیوں خائف ہیں اور پروفیسر تمہارے پاس کیوں گیا تھا؟ کیا تم ہی اُس کے وہ دشمن تھے؟"

"میں نے تو اس سے پہلے کبھی اُس کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی۔"

"لیکن اُن کے یہاں تمہاری تصویر....؟"

"میں پوچھتا ہوں تم نے کب دیکھی تھی وہاں میری تصویر....!"

"کبھی نہیں....!"

"وہ پروفیسر کی موت کے بعد ہی وہاں رکھی گئی تھی۔"

"کس نے رکھی تھی؟"

"تم بھول کیوں جاتی ہو۔ پہلے ہی بتا چکا ہوں یہ اُس آدمی کی حرکت تھی جس سے پچھلی رات ہم دوچار ہوئے تھے....!"

ساجدہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ باہر سے کسی نے گھنٹی بجائی وہ ناشتہ کر چکے تھے۔ عمران نے ساجدہ سے کہا کہ وہ پھر تھوڑی دیر کیلئے اسی کمرے میں چلی جائے۔ ساجدہ نے وجہ پوچھے بغیر تعمیل کی۔

اور پھر عمران نے صدر دروازہ کھولا.... جولیا اور بلیک زیرو کے علاوہ اس کے سارے ماتحت برآمدے میں موجود تھے۔ صفدر کو اس نے ہدایت دی تھی کہ وہ میک اپ میں آئے کیونکہ سنگ ہی اُسے جولیا کی دوست کی حیثیت سے جانتا تھا۔

وہ اندر آئے۔ تنویر کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور وہ بھی میک اپ میں تھا کیونکہ اُس کے متعلق بھی عمران کو شبہ تھا کہ وہ بھی سنگ ہی کی نظروں میں آچکا ہے بلیک زیرو نے اُن سبھوں کو ایکس ٹو کی آواز میں ہدایت دی تھی کہ وہ دانش منزل پہنچیں جہاں عمران ان کا منتظر ہے۔ لہٰذا وہ خاموش کھڑے عمران کی طرف مستفسرانہ نظروں سے دیکھتے رہے۔

دفعتاً عمران نے کیپٹن خاور پر چھلانگ لگائی.... اور اُس سے لپٹا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ خاور "ارے ارے" کرتا رہ گیا تھا.... دوسرے ہکا بکا رہ گئے۔ خاور عمران کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر قبل اس کے وہ لوگ دونوں کو الگ کرنے کے لئے آگے بڑھتے عمران خود ہی اُسے چھوڑ کر ہٹ گیا۔ خاور بے حس و حرکت فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

* * *

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بقیہ لوگوں کو سکتہ ہو گیا ہو.... پھر تنویر خاور کی طرف جھپٹا اُس کے قریب بیٹھ گیا اور جھک کر اُسے ہلا جلا کر دیکھتا رہا پھر اچھل کر عمران کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"وہ بیہوش ہو گیا ہے؟"

"تو سر پر کیوں چڑھے آرہے ہو....!" عمران نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دھکا دیا۔

"تم لوگ خاموش کھڑے دیکھ رہے ہو...." تنویر جھلا کر اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا۔ لیکن وہ کچھ نہیں بولے۔ البتہ ان کی آنکھوں میں بھی احتجاج تھا۔

عمران کے لئے تنویر کی نفرت کا کیا پوچھنا.... شاید اُن سبھوں میں سے کوئی بھی اُس سے اتنا خار نہ کھاتا رہا ہو۔ اس کی وجہ تھی جولیانا فٹنر واٹر جو اس کی "سنجیدگی" کو ٹھکرا کر عمران کی حماقتوں میں دلچسپی لیتی تھی۔

"کیا تم بہرے ہو گئے ہو۔" تنویر دونوں ہاتھ ہلا کر چیخا۔

"اندھے کہو....!" عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں تمہیں مار ڈالوں گا....!" تنویر پھر جھپٹا.... لیکن اس بار صفدر نے اُن کے درمیان آکر ٹکراؤ کے امکانات ختم کر دیئے۔

"ہو سکتا ہے انہیں خاور سے کوئی شکایت ہو۔" اُس نے کہا۔

"اگر وہ کسی شکایت کی بناء پر اُسے بیہوش کر سکتا ہے تو میں بہتیری شکایات کی بناء پر اُس کا خاتمہ ہی کیوں نہ کروں۔" تنویر ہانپتا ہوا بولا۔

"مار ڈالو۔ مجھے سچ مچ مار ڈالو....." عمران نے روہانسی آواز میں کہا۔ "تاکہ ان جھنجھٹوں سے پیچھا ہی چھوٹ جائے۔ تمہارے چیف ایکس ٹو نے ویسے ہی زندگی تلخ کر رکھی ہے۔"

"مگر یہ کیا کیا جناب نے۔" سارجنٹ نعمانی نے بیہوش خاور کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"اب مجھے کیا معلوم تھا کہ تم لوگوں سے بغل گیر ہونا بھی خطرے سے خالی نہیں۔"

"میں برداشت نہیں کر سکتا۔" تنویر نے پھر جھپٹنے کی کوشش کی۔

"جب تک سر پر پٹی بندھی ہوئی ہے برداشت ہی کرنے کا مشورہ دوں گا۔" عمران نے خشک لہجے میں کہا اور صفدر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کوئی نئی خبر....!"

"پچھلی رات.... دو قتل ہوئے ہیں۔" صفدر نے خاور پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"ظفرو اور درانی....!" تنویر عمران کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا غرایا۔

"رپورٹ....!" عمران بدستور صفدر سے مخاطب رہا۔

"کوشی نامی چینی رقاصہ نے پچھلی رات فون پر پولیس کو اطلاع دی تھی کہ دو آدمی ایک آدمی کا تعاقب کرتے ہوئے اُس کے مکان میں گھس آئے تھے.... دونوں کے ہاتھوں میں چاقو تھے.... وہ اُس کمرے سے نکل بھاگی تھی اور خودکار دروازہ بند ہو گیا تھا۔ پھر اُس نے چیخیں سنی تھیں۔ ڈر کے مارے بجلی کا مین سوئچ آف کر دیا تھا پولیس وہاں پہنچی.... خودکار دروازہ باہر سے کھولا گیا.... کمرے میں دو لاشیں نظر آئیں۔ تیسرے آدمی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ کوشی زیرِ حراست ہے کیونکہ وہ تیسرے آدمی کا حلیہ نہیں بتا سکی تھی۔"

"تم میرے ساتھ آؤ۔" عمران نے صفدر سے کہا۔ اور دوسروں سے کہتا گیا۔ "خاور کو خواب گاہ میں لے جاؤ۔"

ان کے چہروں پر غصے کے آثار تھے۔ لیکن کوئی کچھ بولا نہیں کیوں کہ وہ ایکس ٹو کے حکم کے مطابق یہاں عمران سے ملنے آئے تھے۔ عمران صفدر کو ایک کمرے میں لایا۔

"یہ کیا کیا آپ نے عمران صاحب۔" صفدر نے کچھ دیر خاموش رہ کر پوچھا۔

"کس واقعے کی طرف اشارہ ہے؟"

"خاور....!"

"ایک تجربہ تھا جو میرے خیال کے مطابق کامیاب رہا۔ پچھلی رات میں بھی اسی طرح بیہوش ہو گیا تھا۔ سخت ندامت ہوئی تھی لیکن آج صبح اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس میں اس کی قوت سے زیادہ حکمت عملی کا دخل تھا.... اس نے ریڑھ کی ہڈی پر ایک جگہ خصوصیت سے زیادہ دباؤ ڈالا تھا.... اور میں ذہنی طور پر مفلوج ہوتا چلا گیا تھا؟"

"وہ کون تھا....؟"

"داور....!"

"آخر یہ ہے کیا بلا.... اور کیا چاہتا ہے۔"

"پروفیسر راشد کا قتل اُس کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ اُس نے مجھے اس میں ملوث کرنے کی کوشش کی تھی اور یہ کوشش اب بھی جاری ہی ہے.... ہوں.... اچھا دیکھو کوشی کو ضمانت پر رہا ہونا چاہئے؟"

"اوہ.... تو کیا واقعی....!"

"ہاں....؟" عمران سر ہلا کر بولا۔ "مجبوری تھی۔ داور نے مجھے وہاں بھی پھانسنے کی کوشش کی تھی۔ اگر میں انہیں نہ مارتا تو وہ مجھے مار ڈالتے۔"

صفدر کچھ نہ بولا۔ ویسے وہ عمران کو اسی طرح دیکھے جا رہا تھا۔ جیسے اچانک کوئی عجوبہ سامنے آ گیا ہو۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے پوچھا۔ "اب کیا کرنا ہے؟"

"تم سب پروفیسر راشد کی کوٹھی کے آس پاس موجود رہو...... پولیس والے اُس نکتہ نظر سے کوٹھی کی نگرانی نہیں کر رہے جو ہمارا ہے۔"

"ہمارا کیا نکتہ نظر ہے؟" صفدر نے پوچھا۔

"فی الحال اتنا ہی سمجھ لو کہ وہاں کسی اجنبی کا داخلہ ہمارے لئے دشواریاں پیدا کر سکتا ہے۔"

"اگر وہ اجنبی پولیس ہی کے کسی آفیسر کیساتھ کوٹھی میں داخل ہو جائے تو ہم کیا کر سکیں گے۔"

"کم از کم مجھے اطلاع تو دے ہی سکو گے؟"

"آخر ہے کیا چکر....!"

"اس کی فکر نہ کرو۔ کوشی کے لئے کیا کرو گے۔"

"یہاں سے جانے کے بعد صورت حال کا جائزہ لوں گا؟"

"تو اب جا بھی چکو کسی صورت سے؟"

"جارہا ہوں؟ لیکن خاور کا معاملہ کسی طرح بھی ان کے ذہن نشین نہ کرا سکوں گا۔ وہ سب بہت زیادہ جھلائے ہوئے ہیں۔"

"میں برابر کردوں گا.... تم چلو تو....!" عمران اُسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

وہ پھر اُس بیڈ روم میں آئے جہاں وہ لوگ خاور کو اٹھالے گئے۔ خاور ہوش میں تھا.... جیسے ہی اس نے عمران کی طرف نظر اٹھائی عمران ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"بڑے بھائی گستاخی معاف.... مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔"

"لیکن یہ اسطرح کیسے غلط فہمی...!" خاور کے لہجے میں شرمندگی اور غصے کی جھلکیاں تھیں۔

"یار میرا مغز پھرا رہتا ہے آج کل۔ مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا تھا جیسے تمہارے میک اپ میں یہاں اور کوئی گھس آیا ہو.... ورنہ تم خود سوچو میرا دماغ تو خراب ہوا نہیں تھا۔"

"تم پاگل کتے سے بھی بدتر ہو....!" تنویر چیخ کر بولا اور عمران اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ پھر بوکھلائے ہوئے لہجے میں خاور سے پوچھنے لگا۔ "کیا میں نے کاٹ بھی کھایا تھا۔"

"میں ایسا مذاق پسند نہیں کرتا؟" خاور کی آواز بدستور غصیلی تھی۔ پھر وہ کسی قدر چونک کر بولا۔ "لیکن میں بیہوش کیوں ہو گیا تھا۔ میں تم سے کمزور تو نہیں ہوں؟"

"بیہوش ہو گئے تھے؟" عمران اچھل پڑا اور تھوڑے توقف کے بعد بولا۔ "بھائی خدا کے لئے دیکھو کہیں میں نے سچ مچ نہ کاٹ کھایا ہو؟"

صفدر کے علاوہ سب ہی عمران کو بُرا بھلا کہتے رہے اور کچھ دیر بعد صفدر انہیں باہر لے گیا۔

عمران ساؤنڈ پروف کمرے میں آیا... ساجدہ صوفے پر لیٹی ہوئی تھی۔ اُسے دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔

"میں نے کہا دوپہر کا کھانا....!" عمران مسکرا کر بولا۔

"میں باورچی نہیں ہوں۔" وہ جھنجھلا گئی۔

"کہنے کا مطلب یہ کہ باورچی خانے کا راستہ تو جانتی ہی ہو گی۔"

"مجھے یہاں کب تک رہنا پڑے گا۔"

"ارے تمہارا گھر ہے.... جب تک جی چاہے رہو۔"

"میں باہر جانا چاہتی ہوں۔"

"لیکن یہ بھی سن لو کہ **اس شہر سے باہر ہی سکون سے رہ سکو گی**؟"

"کیوں....؟"

"انجمن بیباکاں کے کارکن بھی تمہاری تلاش میں ہوں گے اور وہ آدمی داور بھی.... کہ

کے ہتھے چڑھ گئیں تو وہ تمہاری پوجا نہیں کرے گا۔"

ساجدہ کچھ نہ بولی غالباً وہ سنجیدگی سے اس پر غور کرنے لگی تھی۔

تھوڑی دیر بعد بولی۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن پھر آخر میں کیا کروں....!"

"ہوں.... اُوں.... ممکن ہے کہ میں تمہاری حفاظت کا ذمہ لے سکوں.... لیکن اس صورت میں جب تم اس جگہ کی نشاندہی کردو، جہاں پروفیسر کے کاغذات رکھے ہوئے ہیں۔"

"تمہیں ان کاغذات سے کیا سروکار....؟"

"کچھ نہ کچھ سروکار تو ہو گا ہی! ورنہ یوں ہی خواہ مخواہ پولیس میرے پیچھے پڑ گئی.... اور اُسے مرنے کے لئے میرے ہی فلیٹ کی بالکنی نصیب ہوئی تھی۔"

ساجدہ پھر خاموش ہو گئی۔ چہرے پر ذہنی کشمکش کے آثار تھے.... عمران کی نظر کچھ دیر اُس کے چہرے پر رہی پھر وہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔ وہ اس سے فیصلہ کن جواب چاہتا تھا۔

"لیکن اگر میں بتا بھی دوں تو تم وہاں پہنچو گے کیسے؟ وہاں تو پولیس کا پہرہ ہے۔"

"اسی طرح پہنچوں گا جیسے تم پہنچنے کی کوشش کرنے والی تھیں....!"

"اوہ.... وہ چور دروازہ....!" ساجدہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "لیکن میں اس تک بھی تو نہ پہنچ سکی تھی۔"

"پہنچ ہی جاتیں اگر سناٹے میں وہ اچانک آواز نہ گونجتی۔ تم سمجھی تھیں اب پولیس کے پہرے دار چاروں طرف دوڑنا شروع کردیں گے کہیں تمہیں ہی نہ آلیں۔ لہٰذا تم نے اُس گڑھے میں چھلانگ لگادی تھی۔"

ساجدہ مسکرائی اور بولی۔ "تم سے پار پانا محال ہے.... ہاں وہ چور دروازہ ایسی ہی جگہ ہے کہ کسی کا خیال اُدھر نہیں جاسکتا۔ میں یقیناً کامیاب ہو جاتی۔ اگر وہ آواز....!"

"ہاں تو پھر....؟ جلدی سے بتادو....؟"

"باورچی خانے کا راستہ مجھے معلوم ہے؟"

"باتوں میں اڑانے کی کوشش نہ کرو۔"

"اگر میں ابھی بتادوں تو تم دن کے اجالے میں اُدھر جانے کی ہمت نہ کرسکو گے۔ کسی نہ کسی کی نظر پڑ ہی جائے گی۔ لہٰذا فی الحال صبر کرو۔ دوپہر کے کھانے کا انتظام اس سے زیادہ ضروری ہے۔"

عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور سعادت مندانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "اچھا چلو یہی سہی۔"

اُس نے سوچا شاید وہ اس مسئلے پر مزید غور کرنا چاہتی ہے چلو کیا بُرا ہے سوچنے دو۔ جتنا

موچے گی اتنی ہی بور ہو گی اور بالآخر بتانا ہی پڑے گا۔

پھر اُس سے کمرے سے نکلنے کو کہنے ہی والا تھا کہ سوئچ بورڈ سے لگا ہوا سرخ بلب روشن ہو گیا.... عمران نے اُس سے کہا۔ "تم یہیں ٹھہرو..... میں ابھی آیا....!"

باہر نکلا تو سامنے والے کمرے سے فون کی گھنٹی کی آواز آرہی تھی۔ سرخ بلب کا روشن ہونا فون کال ہی کا اشارہ تھا.... وہ تیزی سے آگے بڑھا....

فون پر دوسری طرف صفدر تھا اور جلدی جلدی کہہ رہا تھا۔ "کسی نے کیپٹن فیاض کو گولی ماری.... پروفیسر کی کوٹھی کے قریب.... یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا.... میں قریب ہی کی ایک کوٹھی سے آپ کو اطلاع دے رہا ہوں۔"

❂

"کیا بک رہے ہو۔" عمران نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

لیکن جواب کی بجائے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ عمران نے بھی جھنجھلا کر ریسیور رکھ دیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ رات کی ناکامی کے بعد سنگ ہی کسی جھلائے ہوئے کتے کی طرح دوسروں پر جھپٹتا پھر رہا ہے۔ فیاض پر حملے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ خود اُس سے بھی پوچھ گچھ کی جائے کیونکہ فیاض آج کل ہاتھ دھو کر اُس کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ اُس کی تلاش میں بھی تھا لیکن فی الحال اُس نے پسند نہیں کیا تھا کہ اس سے رابطہ قائم رکھے۔ اب ایسی صورت میں ایک بار پھر مقامی پولیس اُس کے خلاف حرکت میں آجائے گی اور سنگ ہی پولیس ہی کے سہارے اُس تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔

کھیل خطرناک صورت اختیار کر چکا تھا.... اُسے فیاض کے متعلق گہری تشویش تھی۔ کچھ بھی ہو وہ دونوں دوست تھے۔

وہ فون کی قریب ہی ٹھہرا رہا.... اُسے یقین تھا کہ صفدر دوبارہ رنگ کرے گا۔

خیال غلط نہ نکلا تھوڑی دیر بعد پھر فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو....!" عمران نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"صفدر....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "وہ زندہ ہے.... گولی داہنے شانے کو چھیلتی

ہوئی گذر گئی ہے ہڈی محفوظ ہے۔ بس کچھ دیر کے لئے بیہوش ہو گیا تھا۔ اس وقت پولیس ہسپتال کے اسپیشل وارڈ میں عیش کر رہا ہے۔"

"وہ پروفیسر کی کوٹھی میں کیا کر رہا تھا اس وقت۔"

"ایک آدمی اور بھی اُس کے ساتھ تھا! شہر کا مشہور ماہر تعمیرات....!"

"ماہر تعمیرات....!" عمران نے حیرت سے دہرایا۔ "کیوں؟"

"پتہ نہیں.... غالباً وہ اُس سے اس عمارت کے متعلق کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا۔"

"ماہر تعمیرات کا نام اور پتہ....!" عمران کے لہجے میں اضطراب تھا۔

"موہن پرکاش ماہر تعمیرات کا نام تو آپ نے سنا ہی ہو گا۔"

"موہن پرکاش....!" عمران بولا۔ "میں جانتا ہوں وہ کہاں رہتا ہے۔ لیکن اس وقت کہاں ہے۔"

"ہسپتال میں.... فیاض کے پاس۔"

"اچھی بات ہے۔ اب تم اُس پر نظر رکھو.... جیسے ہی اپنے گھر پہنچے مجھے اطلاع دینا۔"

"بہت اچھا۔ لیکن دوسروں کو اب کیا کرنا ہے۔"

"پروفیسر کی کوٹھی کی نگرانی۔ لیکن کسی کو اس کا شبہ بھی نہ ہونا چاہئے کہ پولیس کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی اس عمارت میں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"بہتر ہے.... کوشش کی جائے گی اور کچھ....؟"

"نہیں....!" عمران نے کہا اور خود ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب پھر وہ ساؤنڈ پروف کمرے کی طرف جا رہا تھا۔

اس بار ساجدہ اچھے موڈ میں نہ دکھائی دی.... ویسے عمران بھی بہت زیادہ سنجیدہ نظر آرہا تھا.... وہ تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کو گھورتے رہے پھر عمران بولا۔

"حالات بہت خراب ہو گئے ہیں.... اب مجھے تاریکی میں نہ رکھو۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"مجھے اُس جگہ کے متعلق بتاؤ جہاں کاغذات....!"

"سنو.... میں تنظیم سے غداری نہیں کر سکتی....!" وہ عمران کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ "میں تمہیں بحیثیت عمران اس وقت تک نہیں جانتی تھی جب تک تنظیم کے نائب صدر کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ تمہیں پہچانتا تھا اور مجھے تمہارے ساتھ دیکھ کر میری طرف سے بدگمان ہو گیا تھا۔ پھر مجھے موقع ہی نہیں مل سکا تھا کہ اپنی صفائی پیش کر سکتی۔"

"ہوں....!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "تو اب تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ مجھے اس جگہ کے متعلق کچھ نہ بتا سکو گی۔"

"مجھے مجبور نہ کرو.... عمران....!"

"اچھی بات ہے تو اب تم ہی جواب دہی کرنا....؟"

"کیسی جواب دہی۔"

"محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ.... ایک ماہر تعمیرات کے ساتھ پروفیسر کی کوٹھی میں داخل ہو رہا تھا کہ کسی نے اُس پر فائر کر دیا.... گولی اُس کے بازو میں لگی ہے؟"

"یہ کب کی بات ہے!"

"کچھ دیر پہلے کی۔ ابھی مجھے فون پر اطلاع ملی ہے۔"

"تو پھر.... میں کیسے جواب دہ ہو سکتی ہوں اُس کے لئے....!"

"کیا یہ تمہاری تنظیم ہی کے کسی آدمی کی حرکت نہیں ہو سکتی....!"

ساجدہ خاموش رہی۔ کچھ سوچ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "پھر بھی میں تو جوابدہ نہیں۔ میں کل سے مختلف آدمیوں کی قید میں رہی ہوں۔ اس وقت بھی یہاں تمہاری قید میں ہوں۔"

"اگر میں تمہیں چھوڑ دوں تب بھی تم پولیس کو اس کا یقین نہیں دلا سکو گی۔"

"لیکن وہ ماہر تعمیرات کو وہاں کیوں لے جا رہا تھا۔"

"پولیس والے بالکل ہی گھامڑ تو نہیں ہوتے۔ ہو سکتا ہے پروفیسر پہلے ہی سے پولیس کی لسٹ پر رہا ہو اور اب وہ اُس عمارت میں تہہ خانوں کی موجودگی کے امکانات کا جائزہ لینا چاہتے ہوں۔"

ساجدہ پھر خاموش ہو گئی۔

عمران اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھتا رہا.... تھوڑی دیر بعد بولی۔ "پروفیسر بہت اچھے آدمی تھے اور کوئی بھی اچھا آدمی ملک و قوم کے مفاد کے خلاف قدم نہیں اٹھا سکتا.... اگر وہ پولیس کی لسٹ پر رہے بھی ہوں گے تو کسی غلط فہمی کی بناء پر۔!"

"اچھے آدمیوں کے دشمن بھی نہیں ہوتے.... اور نہ وہ ایسے پُر اسرار حالات میں مرتے ہیں اور نہ مرنے سے پہلے اشاراتی زبان میں کوئی پیغام چھوڑ جاتے ہیں۔"

"مجھے الجھن میں نہ مبتلا کرو۔" وہ دانت پیس کر اپنے بال نوچتی ہوئی بولی۔

"یہاں سے چلے جاؤ.... قید رکھنا چاہتے ہو تو قید ہی رکھو مجھے اس کی پرواہ نہیں۔"

"اچھی بات ہے تو سنو....!" عمران آنکھیں نکال کر بولا۔ "تمہاری تنظیم کسی غیر ملک کے لئے جاسوسی کرتی ہے۔"

"اس کا کیا ثبوت ہے تمہارے پاس....!"

"داور کو تم کیا سمجھتی ہو۔"

"جہنم میں جائے وہ تم مجھ سے میری تنظیم کی بات کرو.... یہ پروفیسر پر الزام ہے۔"

"داور اس کا دشمن کیوں تھا؟ آخر وہ تمہیں کیوں پکڑ لے گیا تھا؟ تم سے کیا معلوم کرنا چاہتا تھا....!"

"ختم کرو.... میں اس سلسلے میں گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔"

"اچھی بات ہے.... میں خود ہی دیکھ لوں گا کہ کیا کر سکتا ہوں؟"

"لیکن تم مجھے قید بھی نہیں رکھ سکتے؟"

"تمہاری مرضی.... ابھی چلی جاؤ یہاں سے.... لیکن تمہاری تنظیم کا کوئی آدمی تمہاری کھوپڑی میں سوراخ ضرور کر دے گا۔ وہ شکاری کتوں کی طرح بو سونگھتے پھر رہے ہوں گے۔ یقین نہ ہو تو ٹھہرو ثبوت بھی پیش کئے دیتا ہوں۔"

وہ پھر باہر آیا.... اور اب پھر فون والے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ یہاں میز پر کئی مقامی روزنامے پڑے تھے.... جن پر وہ پہلے بھی اچٹتی سی نظریں ڈال چکا تھا.... اس نے وہ سب سمیٹے اور ساؤنڈ پروف کمرے میں واپس آ گیا۔

"یہ لو....!" وہ انہیں اس کے سامنے پھینکتا ہوا بولا۔ "ان میں تلاش گمشدہ کے کالم دیکھتی چلی جاؤ۔ اُس کے بعد اپنی خیریت سے مجھے بھی مطلع کرنا۔"

عمران اب سامنے والے صوفے پر نیم دراز آہستہ آہستہ چیونگم کچل رہا تھا اور وہ اخبارات کے ورق الٹ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھایا۔ اُس کے چہرے پر خوف کے آثار تھے۔

"تت.... تم.... ٹھیک کہتے ہو۔" کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ "انہوں نے میری تصویر بھی شائع کرا دی ہے۔"

"ہائیں....؟" عمران احمقانہ انداز میں حیرت ظاہر کرتا ہوا بولا۔ "تو پھر میں نے وہ کھوپڑی میں سوراخ کر دینے والی بات ٹھیک ہی کہی تھی۔"

"ہاں.... بالکل ٹھیک ہے؟"

"لیکن یہ اشتہار تو ایک ایسی لڑکی کے متعلق ہے جو ذہنی توازن بگڑ جانے کی وجہ سے گھر سے بھاگ نکلی ہے۔ پتہ بتانے یا گھر پہنچانے والے کو مبلغ پانچ سو روپے انعام دیئے جائیں گے۔"

"تم نہیں سمجھے.... اس سیدھے سادھے اشتہار میں یہ پیغام پوشیدہ ہے کہ میں جہاں کہیں بھی نظر آؤں مجھے گولی ماردی جائے۔"

"اوہو.... تب تو ان صاحب کی ٹانگ بہ آسانی پکڑی جاسکتی ہے جنہوں نے اشتہار شائع کرایا ہے۔ کیونکہ اشتہار میں اُن کا پتہ بھی موجود ہے۔"

"سب دھوکہ ہے۔ اُس پتہ پر اس نام کا کوئی آدمی ہرگز نہ ملے گا۔ تم کر کے دیکھ لو۔ بلکہ اس پتہ پر پائے جانے والے اس اشتہار ہی سے اپنی لاعلمی کا اظہار کریں گے۔ اُدہ.... میرے خدا.... پورے ملک میں مجھے کہیں پناہ نہ مل سکے گی۔ ریڈیو پر بھی وہ میرے نام اور حلئے کا اعلان کرائیں گے اور اعلان کے الفاظ من و عن یہی ہوں گے جو اشتہار کے ہیں۔"

"تب تو ریڈیو والوں کے ذریعہ اعلان کرانے والوں کا پتہ معلوم ہی ہو سکے گا۔"

"وہ بھی یہی پتہ ہوگا.... وہ پہلے ہی اعلان کی اُجرت ادا کر چکے ہوں گے۔ ریڈیو یا اخبار والے اپنے گاہکوں کے پتوں کے متعلق چھان بین تو نہیں کرتے۔"

"ٹھیک کہتی ہو۔" عمران متفکرانہ انداز میں بولا۔

"میں تمہیں بتادوں گی۔ چور دروازے اور اس جگہ کے متعلق جہاں کاغذات ہیں۔"

"ہاں..... کہو.....!"

"یوں نہیں سمجھو گے.... کاغذ پنسل لاؤ.... کوٹھی اور اُس کے گرد و پیش کا نقشہ تیار کرنا پڑے گا۔ ویسے سمجھ میں نہیں آئے گا۔"

"اچھی بات ہے.... کاغذ اور پنسل بھی مہیا کئے دیتا ہوں۔" عمران نے کہا اور ساؤنڈ پروف کمرے سے باہر آگیا۔ فون کی گھنٹی پھر سنائی دی اس نے دوڑ کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے صفدر کی آواز آئی۔ "ہیلو.... جی ہاں.... میں صفدر ہوں۔ کیپٹن فیاض اُس کوٹھی میں تہہ خانوں کے امکانات پر غور کر رہا تھا۔ اسی لئے وہ اُس ماہر تعمیرات کو وہاں لے گیا تھا۔"

"اور ہاں یہ بھی نوٹ کیجئے کہ پروفیسر پہلے ہی سے محکمہ سراغ رسانی کی مشتبہ آدمیوں کی لسٹ پر رہا ہے۔"

عمران طویل سانس لے کر بولا۔ "ٹھیک ہے میرا بھی یہی اندازہ تھا۔ فیاض اب کیسا ہے۔"

"بڑی خوبصورت نرس اس کے حصے میں آئی ہے.... لہٰذا کافی مسرور نظر آرہا ہے۔"

دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہوگیا۔

چور دروازہ کیا وہ تو اچھی خاصی سرنگ تھی۔ عمران نے نقشے سے یہی اندازہ لگایا.... ساجدہ خاموش بیٹھی تھی۔ عمران بھی چپ تھا۔

"مجھے حیرت ہے؟" اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"کس بات پر۔"

"اُس رات تم بہ آسانی کوٹھی میں داخل ہو سکتیں تھیں۔"

"یقیناً.... اگر وہ نامعقول آواز....!"

"ہوں.... ہوں....!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "لیکن اب پوزیشن دوسری ہے؟"

"میں نہیں سمجھی۔"

"محکمہ سراغ رسانی کے سپرنٹنڈنٹ پر حملے کی وجہ سے۔" وہ پُرتشویش لہجے میں بولا۔ "نگرانی والے مسلح کانسٹیبلوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا ہے اور سادہ لباس والے بھی عمارت کے چاروں طرف دور دور تک پھیل گئے ہیں۔ لہٰذا اب یہ چور دروازہ بھی کسی کام نہیں آسکتا۔"

"آخر.... پولیس آفیسر پر حملہ کیوں....؟"

"اس کے علاوہ اور کیا مقصد ہو سکتا ہے کہ پہرہ داروں کی تعداد میں اضافہ کر دیا جائے۔"

"وہ ایک ماہر تعمیرات کو وہاں لے گیا تھا.... اپنے اس شبہے کو یقین میں بدلنے کے لئے کہ عمارت میں تہہ خانے بھی موجود ہیں۔"

"لیکن حملہ آور کو اس سے کیا فائدہ پہنچ سکے گا۔"

"یہی فائدہ کیا کم ہے کہ ہم دونوں میں سے کوئی عمارت میں داخل نہ ہو سکے گا۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ حملہ آور بھی چور دروازے کا علم رکھتا ہے...... اور یہ بھی جانتا ہے کہ پولیس کا ذہن کسی چور دروازے کے امکانات پر غور کرنے سے قاصر رہے گا؟"

"تمہارا کیا خیال ہے؟" عمران نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرا تو یہی خیال ہے کہ نشاندہی کے بغیر کوئی بھی اُس کا پتہ نہیں لگا سکتا۔"

"اسی لئے حملہ آور کی سوجھ بوجھ کا قائل ہونا پڑتا ہے۔"

"لیکن میرا دعویٰ ہے کہ حملہ آور چور دروازے کا صحیح علم نہیں رکھتا ورنہ اس کی نوبت ہی نہ آتی.... وہ بھی اُسی رات کو عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کرتا۔"

"ہو سکتا ہے اُس نے کوشش کی ہو اور تمہاری ہی طرح ناکام رہا ہو۔ تم اس زہریلی تصویر کو کیوں بھول جاتی ہو جو کئی آدمیوں کو چٹ کر گئی۔ ظاہر ہے وہ پروفیسر کی موت کے بعد ہی وہاں رکھی گئی تھی۔ گونگے بہرے ملازم نے بھی وہاں اس کی موجودگی پر حیرت ظاہر کی تھی.... اُس عمارت میں اُس ملازم کے علاوہ اور کوئی آدمی نہیں تھا۔ اگر وہ صدر دروازے کی طرف سے وہاں لے جائی گئی ہوتی تو اُسے ضرور علم ہوتا۔"

"یہ بات تو ہے۔" ساجدہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ملازم گونگا اور بہرہ ہونے کے باوجود بھی بہت تیز ہے پروفیسر نے کچھ سمجھ کر ہی کوٹھی کی نگرانی اس کے سپرد کی ہوگی۔"

"اسی بناء پر کہنا پڑتا ہے کہ مجرم چور دروازے ہی کے راستے سے داخل ہوا ہوگا۔"

"لیکن اُسے ابھی تک وہ جگہ نہیں مل سکی جہاں تمہارے بیان کے مطابق کچھ اہم چیزیں رکھی ہوئی ہیں.... لیکن یہ بتاؤ کہ پروفیسر تم پر اتنا اعتماد کیوں کرتا تھا!"

"پتہ نہیں.... میں کیا جانوں....؟"

عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا اور وہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"خیر.... خیر....!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "مجھے اُس سے کیا سروکار!"

سوئچ بورڈ پر پھر سرخ بلب روشن ہو گیا۔

"یہ کیا بلا ہے....!" ساجدہ بولی۔ "جب بھی یہ روشن ہوتا ہے تم باہر بھاگ جاتے ہو۔"

"فون کال....!" عمران نے کہا اور کمرے سے باہر آکر ریسیور اٹھایا.... دوسری طرف سے صفدر نے اطلاع دی۔ "کوشی کی ضمانت ناممکن ہے۔ پولیس ریمانڈ لے چکی ہے اور باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ کوشی نے اپنا بیان بھی تبدیل کر دیا۔ دوسری دلچسپ اطلاع یہ ہے کہ آپ باقاعدہ طور پر اس واقعہ میں ملوث ہو چکے ہیں۔"

"وہ کس طرح ڈیئر....!" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

"کوشی نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ کسی ہوٹل کے مالک نے تفضل نامی کسی آدمی کو اُس کے پاس بھیجا تھا اور تفضل کا حلیہ آپ کے حلیے سے مطابقت رکھتا ہے اُس ہوٹل کے مالک سے پوچھ گچھ کرنے پر پولیس نے معلوم کیا کہ آپ نے اُس سے کوشی سے ملاقات کے سلسلے میں تعارفی خط مانگا تھا۔ پھر ظفرو کے ایک کیفے کا منیجر بھی آپ کا نام لے رہا ہے۔ غالباً ظفرو نے کل ہی اُس کو بتایا تھا کہ آپ سے اُس کا جھگڑا ہو گیا ہے لہٰذا اب پولیس بڑی شدت سے آپ کی تلاش میں ہے.... اور آپ کے والد صاحب نے پورے شہر میں سفید پوشوں کی فوج تعینات کر دی ہے جو آپ کی

تلاش میں شہر کا چپہ چپہ دیکھتی پھر رہی ہے۔"

"مرسی فل گاڈ....!" عمران بڑبڑایا۔

"جی.... ہیلو....!"

"کچھ نہیں بھائی.... کمال سے کوشی کے متعلق گفتگو کر کے میں نے غلطی کی تھی۔ لیکن یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ خیر گیارہ بجے رات تک مجھے تازہ ترین حالات سے باخبر رکھنا۔"

"اور اس کے بعد....!"

"اس کے بعد اُن نمبروں پر رنگ کرنا جن پر پیغامات ریکارڈ ہوتے ہیں۔ کیونکہ گیارہ بجے کے بعد میں عمارت چھوڑ دوں گا۔ اچھا.... شب بخیر۔" عمران نے ریسیور رکھ دیا۔

اس نے صفدر سے کہہ تو دیا تھا کہ گیارہ بجے کے بعد وہ دانش منزل میں نہیں مل سکے گا لیکن وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ جائے گا کہاں؟ ویسے اس کی دانست میں آج کی رات اُن معاملات کے لئے بہت اہم تھی جن میں وہ الجھ کر رہ گیا تھا۔

ٹیلی فون والے کمرے سے واپسی پر ساجدہ نے اُس سے کہا۔ "تم تنہا نہیں ہو؟"

"میں بھی دیکھ رہا ہوں۔"

"میرا مطلب نہیں سمجھے.... میں یہ کہہ رہی تھی کہ تمہارے ساتھ کچھ اور لوگ بھی کام کر رہے ہیں۔"

"بڑی قسم کی بدمعاشیاں مددگاروں کے بغیر عمل میں آہی نہیں سکتیں۔" عمران نے جواب دیا۔

"تو پھر تم نے اس آدمی داور کے لئے کیا کیا؟"

"اُوہ.... تم شاید یہ سمجھتی ہو کہ وہ ہمیں کھو دینے کے بعد بھی وہاں موجود ہوگا۔"

"پھر بھی دیکھ لینے میں کیا حرج تھا؟"

"میں ضرورتاً ہی وقت برباد کرنے کا عادی ہوں۔"

"اونہہ مجھے کیا....!" ساجدہ نے لاپروائی سے کہا۔

عمران مسلسل سوچے جارہا تھا لیکن کوئی ایسی تدبیر سمجھ میں نہیں آرہی تھی جو اُسے پروفیسر کی کوٹھی کے اندر پہنچا سکتی۔ اس نے سوچا اس سلسلے میں سر سلطان کو فون کرے.... لیکن پھر فوراً ہی خیال آیا کہ اُس کے باپ رحمان صاحب نے کوئی بھی امکانی وسیلا نظر انداز نہ کیا ہوگا جس سے اُس تک پہنچ ہو سکتی۔

سر سلطان کا فون خاص طور پر ٹیپ کیا جا رہا ہوگا حتیٰ کہ ان کے بنگلے کے آس پاس سادہ لباس والے بھی موجود ہوں گے۔ ویسے اس اسٹیج پر سر سلطان کی بعض حالات سے بے خبری مناسب بھی نہیں تھی۔

وہ سوچتا رہا اور ساجدہ خاموش بیٹھی اُسے گھورتی رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پوچھا۔ ''کیا تم آج رات کو کوشش کرو گے۔''

''ہوں.... اوں.... !'' عمران چونک کر بولا۔ ''کیا کہا.... ؟''

''تم پروفیسر کی کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش کرو گے؟''

''بہت مشکل ہے.... ابھی تک میں ایسا کوئی سفوف ایجاد نہیں کر سکا جس کی پھکی مار کر دوسروں کی نظروں سے غائب ہو جاؤں.... عمارت اس طرح نگرانی والوں کے نرغے میں ہے کہ وہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا.... گردش کرنے والی سرچ لائٹیں میلوں تک خبر لاتی ہیں.... !''

''بس تو پھر صبر کرو.... !''

''صبر ہی تو نہیں کر سکتا ورنہ خود آج تھانے دار ہوتا اور کوئی صاحب ڈینگیں مارتے پھر رہے ہوتے کہ میاں اپنا داماد تھانے دار ہے جسے کہو پھانسی دلوا دوں۔''

''چچ چچ.... شدت سے احساس ہے تمہیں اپنے کنوارے پن کا.... !'' وہ بسور کر بولی۔

عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور خود بھی بسورنے لگا۔ لیکن اس کے بسورنے میں ایسی بے ساختگی تھی کہ ساجدہ شرمندہ سی نظر آنے لگی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے اپنے اس ریمارک پر افسوس ہو۔ اُس نے دیکھا کہ اب عمران کی آنکھیں بھی ڈبڈبا آئی ہیں۔ پھر اُس کے گالوں پر دو موٹے موٹے قطرے ڈھلکتے نظر آئے۔

''یہ.... مم.... میرا یہ مطلب نہیں تھا....'' وہ ہکلائی۔

عمران کچھ نہ بولا.... آنسو اُبل اُبل کر گالوں پر بہتے رہے....

''بھئی.... یہ کیا ہے؟'' وہ اس کا شانہ پکڑ کر ہلاتی ہوئی بولی۔

''رہنے دو.... !'' عمران بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''بہت بد قسمت آدمی ہوں۔ اگر شادی کر لی ہوتی تو اس مصیبت میں کیوں پھنستا.... !''

''ضروری نہیں ہے جن کا رجحان ایڈونچر کی طرف ہوتا ہے.... وہ شادی کے بعد بھی۔''

''نہیں نہیں غلط ہے۔'' عمران اس کی بات کاٹ کر روہانسی آواز میں بولا۔ ''ایسا ہرگز نہیں ہوتا پھر تو بیوی ایڈونچر بن کر رہ جاتی ہے۔''

''چلو بس اب خاموش بھی رہو.... رات کے کھانے کا کیا ہوگا۔''

''اے خدا.... !'' عمران اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''شادی نہ کر کے ہی میں نے کون سا بڑا تیر مارا جب کہ اس کے باوجود بھی رات کے کھانے کا کیا ہوگا۔''

''تم آخر مجھے اُلو کیوں بنا رہے ہو۔'' ساجدہ نے جھنجھلا کر کہا۔

''اگر خود ہی ترکیب بتا دو تو اُلو بھی بنا سکتا ہوں۔''

''اچھا خاموش رہو.... !''

اتنے میں سوئچ بورڈ پر پھر ٹیلی فون کا اشارہ نظر آیا۔

''جاؤ.... !'' وہ اُسے دروازے کی طرف دھکیلتی ہوئی بولی۔ ''شادی شدہ لوگ مجھ سے زیادہ بُری حالت میں تو نہ ہوں گے۔''

اُس نے پھر صفدر کی کال ریسیو کی۔ وہ دوسری طرف سے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

''میں دیر سے ایک ایسے آدمی کا پیچھا کر رہا ہوں جس پر مجھے اُس چینی کا شبہ ہوتا ہے جو آپ کے بیان کے مطابق مادام نشی کے قتل میں ملوث تھا۔ وہ سعودی عرب کے باشندوں کے سے لباس میں ہے۔ چہرے پر ڈاڑھی بھی ہے لیکن آنکھیں عربوں کی سی نہیں معلوم ہوتیں.... یہ بھی اتفاقاً ہی دیکھ سکا کیونکہ اس نے تاریک شیشوں والی عینک لگا رکھی ہے.... پچھلی بار میں نے جس دوکان سے آپکو فون کیا تھا وہاں موجود تھا۔ اُس نے شیشہ صاف کرنے کیلئے عینک اتاری تھی۔''

''اب تم کہاں سے بول رہے ہو۔'' عمران نے پوچھا۔

''گرینڈ فائر ورکس کے برابر والے ڈرگ اسٹور سے.... وہ گرینڈ فائر ورکس کے شوروم میں موجود ہے اور یہ گرینڈ فائر ورکس اسٹینلے روڈ اور کیوا اسٹریٹ کے چوراہے پر ہے۔''

''بہت خوب۔ تعاقب جاری رکھو....'' عمران نے کہا۔

پھر قبل اس کے کہ صفدر سلسلہ منقطع کرتا عمران نے کہا۔ ''تمہاری گاڑی میں زیرو نائین کا سیٹ موجود ہے۔''

''جی ہاں ہے۔''

''تو اب اُسی پر مجھ سے رابطہ قائم رکھو۔ وہ نظر سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ میں پانچ منٹ بعد

ـسد سیرو نائین ہی پر تمہیں کاشن دوں گا۔ لیکن محتاط ہو کر گفتگو کرنا جس کا تعاقب کر رہے ہو....“

عمران ابھی بات پوری نہیں کر پایا تھا کہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس نے بھی ریسیور رکھ دیا اور تیزی سے آپریشن روم میں آکر.... زیرو نائین ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کر دیا اور کلائی کی گھڑی دیکھتا رہا۔ ٹھیک پانچ منٹ گزر جانے کے بعد اُس نے سیکرٹ سروس کا مخصوص کاشن دیا.... دوسری طرف سے فوراً ہی جواب بھی مل گیا۔

”ٹھیک ہے۔“ عمران نے کوڈ ورڈز میں کہا۔ ”میں یہاں موجود ہوں تم کوڈ ورڈ میں مجھے خاص حالات سے آگاہ کرتے رہو گے۔“

”کمال ہے.... آپ نے ہمارے کوڈ ورڈز بھی سیکھ لئے۔“

عمران نے اس کا جواب دیئے بغیر کہا۔ ”اوور اینڈ آل....!“

اب آپریشن روم ہی میں بیٹھنا تھا۔ ساجدہ کو ساؤنڈ پروف کمرے ہی میں چھوڑ آیا تھا۔

”ہیلو....!“ دفعتاً ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ عمران نے جواب دیا۔ دوسری طرف سے صفدر ہی کی آواز آئی۔ ”وہ پھر ایک آتش بازی ہی کے کارخانے میں داخل ہو رہا ہے۔“

”اوں.... ہاں....“ عمران بولا۔ ”عنقریب ایک عرب ملک کا سفارت خانہ اپنی ایک قومی تقریب منعقد کرنے والا ہے.... ہو سکتا ہے اُسی سفارت خانے کا کوئی فرد تقریب کے لئے آتش بازیوں کی فراہمی کر رہا ہو.... لیکن تم احتیاطاً تعاقب جاری رکھو.... میں بھی آرہا ہوں.... کچھ دیر بعد بذریعہ ریڈیو کار تم سے رابطہ قائم کرلوں گا.... اوور اینڈ آل....!“

عمران میک اپ روم کی طرف جھپٹا.... ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنے سے بہتر تھا کہ کچھ نہ کچھ کرتا رہتا۔ لیکن میک اپ سے پہلے ایک بار ساجدہ سے ملنا ضروری تھا۔ اس لئے پھر ساؤنڈ پروف کمرے کا رخ کرنا پڑا۔

”میں جا رہا ہوں۔“ اس نے اس سے کہا۔ ”رات کے کھانے میں تم سلائس اور ڈبوں میں محفوظ غذاؤں پر گزارا کرو گی اور میری عدم موجودگی میں تمہیں اسی کمرے تک محدود رہنا پڑے گا۔“

”کیا تم اب بھی مجھ پر اعتماد نہیں کرو گے۔ جب کہ میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔“

”اس کمرے سے باہر تمہاری زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔“

”میرے خدا۔ کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔“

عمران کچھ کہے بغیر چلا آیا تھا اور مطلوبہ اشیائے خوردنی ساؤنڈ پروف کمرے میں پہنچائی تھیں۔ میک اپ روم میں بیس منٹ سے زیادہ نہیں صرف ہوئے۔ بہتیرے ریڈی میڈ میک اپ

پہلے سے تیار رہتے تھے۔

ریڈیو کار کمپاؤنڈ سے باہر نکلتے ہی اُس نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کر دیا۔ ”ہیلو.... ہیلو.... ہیلو.... ایس.... ایس.... آئی.... اسپیکنگ....!“ عمران آہستہ سے بول رہا تھا۔

”ہیلو....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”ایس.... پلیز....!“

”کہاں ہو.... اُوور....!“

”وکٹوریہ روڈ پر....! پیرا ڈائز والی کراسنگ گزر گئی.... اُوور....!“

”فکر نہ کرو.... چلتے رہو.... میں بھی ریڈیو کار میں ہوں۔ اُوور....!“

عمران نے کہا۔ پھر کافی دیر تک صفدر اُسے ان راہوں کے متعلق بتاتا رہا جن پر وہ اس نامعلوم آدمی کا تعاقب کر رہا تھا اور پھر ایک جگہ عمران نے اُسے جا ہی لیا.... اور اُس کی گاڑی بھی پہچان لی۔

”ہیلو....!“ اُس نے کہا۔ ”میں ٹھیک تمہاری گاڑی کے پیچھے ہوں۔“

”میرے آگے کتھئی رنگ والی گاڑی ہے۔“ دوسری طرف سے صفدر کی آواز آئی۔

”ٹھیک ہے.... میں دیکھ رہا ہوں۔“ عمران نے کہا۔ ”اب میں دونوں گاڑیوں کے درمیان آنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ لیکن تم واپس نہیں جاؤ گے۔ میری گاڑی کے پیچھے رہنا.... اُوور....!“

”او کے....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

اگلے چوراہے پر عمران کو موقع مل ہی گیا.... اب صفدر کی کار اس کی کار کے پیچھے تھی اور وہ کتھئی گاڑی کا تعاقب کر رہا تھا۔ کتھئی گاڑی ایک جگہ پھر رکی.... عمران نے اپنی گاڑی نکال کر فٹ پاتھ سے لگا دی اور عقب نما آئینے میں دیکھنے لگا.... عرب کتھئی گاڑی سے اتر کر ایک دوکان میں داخل ہو رہا تھا۔ عمران نے نوٹ کیا کہ وہ بھی آتش بازی ہی کی دوکان تھی۔

صفدر نے اپنی گاڑی عمران کی گاڑی سے بھی آگے لے جا کر روکی۔ عمران عقب نما آئینے ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ قریباً پندرہ بیس منٹ بعد عرب دوکان سے برآمد ہوا.... اس بار اُس نے بہت سی ہوائیوں کا گٹھر بغل میں دبا رکھا تھا۔

”وہی ہے....!“ عمران آہستہ سے بڑبڑایا۔ اس بار وہ اس کے چلنے کے انداز پر توجہ دے سکا تھا۔ وہ سو فیصدی سنگ ہی تھا۔ لیکن یہ ہوائیاں؟ وہ سوچنے لگا۔ آخر ہوائیوں کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ کیا وہ سچ مچ کسی عرب سفارت خانے کو بھی دھوکا دے رہا ہے۔

کتھئی گاڑی پھر بیچ سڑک پر آگئی تھی۔ تعاقب دوبارہ شروع ہو گیا۔

"ہیلو....!" عمران نے ٹرانسمیٹر پر صفدر کو مخاطب کیا۔ "پچھلی دو کانوں سے بھی اُس نے کچھ خریدا تھا....؟اُوور....!"

"نہیں اُن دو کانوں سے تو خالی ہاتھ ہی برآمد ہوتا رہا تھا....؟اُوور....!"

عمران خاموش ہو گیا.... وہ انہیں ہوائیوں کے متعلق سوچے جارہا تھا.... آخر کیا چکر تھا۔

تعاقب جاری رہا.... کچھ دیر بعد عمران نے محسوس کیا جیسے کتھئی کار والے کو اس تعاقب کا علم ہو گیا ہو کیونکہ اب وہ غالباً بے مقصد ہی اپنی گاڑی کو غیر اہم گلیوں میں لئے پھر رہا تھا؟

اُس بار جیسے ہی وہ ایک سڑک پر پہنچا عمران نے ٹرانسمیٹر پر صفدر کو متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

"اب تم اپنی گاڑی میری گاڑی کے آگے لاؤ اور تعاقب جاری رکھو.... غالباً اُسے شبہ ہو گیا ہے۔"

"میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں؟" صفدر نے جواب دیا۔

"تم اُس کے پیچھے لگے رہو اور مجھے راستوں کے متعلق بتاتے رہو....!"

"او کے....!" صفدر کی آواز آئی۔

عمران نے اپنی گاڑی کی رفتار کسی قدر سست کر دی۔ صفدر آگے بڑھ گیا اور پھر اُس کے بعد تو کئی گاڑیاں عمران اور کتھئی کار کے درمیان حائل ہو گئی تھیں۔

کچھ دیر بعد صفدر کی آواز آئی۔ "چوراہے کی بائیں جانب۔"

"ٹھیک ہے؟" عمران بولا۔

اس کے بعد شاید دو منٹ بعد آواز آئی۔ "گاڑی رک گئی ہے اور وہ خریدے ہوئے سامان سمیت ایک عمارت میں داخل ہو رہا ہے۔"

"گڈ.... اب ہوشیاری کی ضرورت ہے محتاط رہو۔"

عمران آگے بڑھتا چلا گیا۔ کچھ دور پر کتھئی کار نظر آئی۔ جواب خالی تھی اور سڑک کے دوسرے کنارے پر صفدر کی کار نظر آئی۔ عمران کہتا ہوا گذر گیا۔ "ہیلو.... میں عمارت کی پشت پر پہنچ رہا ہوں۔ تم اِدھر ہی سے نظر رکھنا۔"

یہ ایک تین منزلہ عمارت تھی جس میں بہت سے فلیٹ تھے۔ اُس کی پشت والی گلی کافی کشادہ تھی۔ عمران اپنی گاڑی عمارت کے موڑ ہی پر چھوڑ کر اُس گلی میں پیدل داخل ہوا تھا۔

یہاں زیادہ تر مستریوں اور لوہاروں کی دو کانیں تھیں.... اتفاقاً اُس عمارت کے سامنے ایک

چھوٹا سا چائے خانہ نظر آگیا۔ عمران وہیں جا بیٹھا اور پھر سوچنے لگا آخر وہ یہاں کیوں آیا ہے....؟ کیا تک ہے.... کیا یہ ضروری ہے۔ سنگ ہی ادھر سے کہیں اور جائے؟ پھر ایسی صورت میں یہاں کیوں وقت برباد کیا جائے.... ہو سکتا ہے صفدر کو کسی مرحلہ پر اُس کی مدد کی ضرورت پیش آئے.... یہاں بیٹھے رہ کر تو وہ کچھ بھی نہ کر سکے گا کیونکہ ٹرانسمیٹر تو گاڑی ہی میں ہے۔

اُس نے بیٹھتے ہی چائے طلب کی تھی اور اب سوچ رہا تھا کہ وہ تو زہر مار کرنی ہی پڑے گی۔

چائے آئی اور وہ جلدی جلدی پینے لگا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت اُسے احساس ہوا کہ اس طرف آکر اُس نے غلطی نہیں کی تھی۔ عمارت کے عقبی زینوں سے سنگ ہی گلی میں پہنچ چکا تھا اور ہوائیوں کا گٹھر اب بھی اس کی بغل میں دبا ہوا تھا.... لیکن اب اس کے جسم پر عربی لباس کی بجائے ملیشیا کی شلوار اور لمبی قمیض تھی۔ چہرے کے میک اپ میں اُس نے کوئی تبدیلی نہیں کی تھی۔ وہ زینوں کے قریب کھڑا غالباً کسی سواری کا منتظر تھا۔

عمران نے سوچا کہ خود اُس کی گاڑی اُس کی نظروں میں آچکی ہے۔ لہٰذا اُس کو تو اب تعاقب کے لئے استعمال کرنا مناسب نہ ہوگا۔ پھر کیا ضروری ہے کہ جس وقت اُسے کوئی سواری ملے وہ کوئی سواری حاصل کرنے میں کامیاب ہی ہو جائے.... اُلجھن کی بات تھی۔ کچھ بھی ہو.... اب وہ سنگ ہی کا سراغ کھو دینے پر تیار نہیں تھا۔ اس نے چائے کی قیمت ادا کی اور وہیں بیٹھا رہا.... پھر دفعتاً اُس نے دیکھا کہ سنگ ہی مخالف سمت میں پیدل ہی چل پڑا ہے.... عمران نے اطمینان کی سانس لی۔ وہ بھی اٹھا اور اُس کے پیچھے چل پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا ہو سکتا ہے اگلی سڑک پر وہ کسی ٹیکسی میں بیٹھ جائے۔

اگلی سڑک پر ٹیکسیوں کا اڈہ بھی تھا۔ عمران کو کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

دوسری سڑک پر پہنچ کر وہ تیزی سے ٹیکسیوں کے اڈے کی طرف بڑھا.... اس وقت وہاں اور خالی ٹیکسیاں کھڑی تھیں.... اُس نے سنگ ہی کو ایک طرف جھپٹتے دیکھا لیکن خود اطمینان سے ٹہلتا ہوا دوسری ٹیکسی کی طرف بڑھتا رہا.... سنگ ہی ٹیکسی پر بیٹھ چکا تھا.... اس کی ٹیکسی چل پڑی.... پھر قبل اس کے کہ عمران دوسری ٹیکسی تک پہنچتا وہ بھی اسٹارٹ ہو کر اس کے پیچھے چل پڑی.... اس غیر متوقع صورت حال پر عمران بوکھلا گیا اور اس حد تک بوکھلایا کہ "ٹیکسی ٹیکسی"

چیختا ہوا تھوڑی دور تک اس کے پیچھے دوڑا بھی.... اور وہ نامراد ٹیکسی کا نمبر بھی نہ دیکھ سکا.... دونوں ٹیکسیاں اگلے موڑ پر نظروں سے اوجھل ہو گئیں اور وہ وہیں کھڑا بے بسی سے ہاتھ ملتا رہ گیا۔ اس دوران میں کوئی خالی رکشا اُدھر سے نہ گذرا۔ اِدھر اُدھر نظر دوڑائی شاید کوئی موٹر سائیکل ہی کہیں کھڑی نظر آجائے۔ لیکن یہ موقع بھی انہیں اتفاقات میں سے تھا جنہیں عام طور پر بد نصیبی سے یاد کیا جاتا ہے۔

پھر وہ ہاتھ جھلاتا ہوا اُسی گلی کی طرف پلٹا جس کے دوسرے موڑ پر اپنی گاڑی چھوڑی تھی.... گاڑی میں بیٹھ کر اُسی سڑک سے گزرتے وقت جہاں صفدر کی موجودگی کا امکان تھا اس نے ٹرانسمیٹر میں کہا۔ "ہیلو.... ایس.... ہیلو ایس۔"

"ہیلو.... ایس اسپیکنگ....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"وہ نکل گیا....!" عمران نے کہا۔ "لیکن آج کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا.... اس عمارت میں وہ لباس تبدیل کرنے گیا تھا.... اس کے بعد پچھلی گلی میں وہ ملیشیا کی قمیض اور شلوار میں نظر آیا.... ہوائیوں کا گٹھر اس وقت بھی بغل میں دبا ہوا تھا خیر تم اس عمارت کے اُس حصے کو چیک کرنے کی کوشش کرو جہاں اُس نے اپنا پچھلا لباس چھوڑا ہو.... اُوور....!"

"بہت بہتر....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "اور کچھ؟"

"مجھے ٹرانسمیٹر پر نتائج سے مطلع کرنا۔ اوور اینڈ آل....!" عمران نے کہا اور ایکسیلیٹر پر مزید دباؤ ڈال کر رفتار تیز کر دی۔

وہ سوچ رہا تھا کچھ بھی ہو جائے سر سلطان سے بہر حال ملاقات ہونی ہی چاہئے اس کے خیال کے مطابق سر سلطان اس وقت آفیسرز برج کلب میں مل سکتے تھے لیکن وہاں داخلے کا مسئلہ ٹیڑھا تھا.... غیر ممبر کسی ممبر ہی کے ساتھ اس کی حدود میں قدم رکھ سکتا تھا۔

بہر حال وہ آفیسرز برج کلب کی طرف روانہ ہوا.... پھاٹک پر چوکیدار موجود تھا۔ گاڑی روک کر عمران نے اُسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

"سر سلطان سے جا کر کہو! کوٹھی سے ایک صاحب آئے ہیں.... بیگم صاحب پر دل کا دورہ پڑ گیا ہے فون خراب تھا اس لئے یہاں تک آنا پڑا.... جلدی جاؤ۔"

چوکیدار نے دوسرے باوردی آدمی کو بلا کر سر سلطان تک یہ پیغام پہنچانے کو کہا اور عمران سے بولا۔ "گاڑی اندر لے لیجئے....!"

عمران نے گاڑی بیک کی.... چوکیدار ایک طرف ہٹ گیا تھا۔ وہ گاڑی کو پورچ تک لیتا چلا

گیا۔ کچھ دیر بعد سر سلطان برآمدے میں نظر آئے.... چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔ عمران نے محسوس کیا کہیں اپنی کار کی طرف نہ دوڑے جائیں.... اس لئے فوراً گاڑی سے نکل کر اُن کی طرف بڑھا اور قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔ "عمران ہوں....!"

"لاحول ولا قوۃ....!" وہ جھنجھلا کر بولے اور اسے گھورنے لگے۔ عمران نے مسکرا کر کہا۔

"سب خیریت ہے.... فکر نہ کیجئے۔"

"لیکن اس طرح.... کیا بیہودگی ہے۔"

"مجبوری.... آیئے گاڑی میں بیٹھ جایئے۔"

"میری گاڑی۔"

"اُسے فی الحال یہیں چھوڑ دیجئے۔" عمران نے کہا اور سر سلطان طوعاً و کرہاً اُس کی گاڑی میں جا بیٹھے۔ چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔ عمران نے انہیں بتانا شروع کیا کہ وہ علانیہ یا اُن کے گھر پر ان سے نہ مل سکتا۔ کیونکہ نہ صرف پولیس کو اس کی تلاش ہے بلکہ اس کے باپ کا محکمہ بھی پوری تندہی سے اُس کے خلاف حرکت میں آگیا ہے۔

"مجھے سب کچھ بتاؤ....!" سر سلطان نے کہا.... گاڑی سڑکوں پر یوں ہی بے مقصد دوڑتی پھر رہی تھی۔ عمران نے پوری روداد دہرائی اور سر سلطان طویل سانس لے کر بولے۔ "تو یہ دونوں قتل تمہاری ذات سے وابستہ ہیں۔"

"حفاظت خود اختیاری کے طور پر.... اگر میں انہیں نہ مارتا تو وہ مجھے ختم کر دیتے۔"

"لیکن تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے۔"

"صرف یہ معلوم کرنے کے لئے کہ محکمہ سراغرسانی کی لسٹ پر وہ کیسے پہنچا تھا.... میرا مطلب ہے پروفیسر راشد....!"

"بعض مشتبہ غیر ملکیوں سے اُس کے کسی قسم کے تعلقات تھے.... لیکن یہ فیاض پر کس نے فائر کیا تھا....؟"

"سنگ ہی کے علاوہ اور کوئی دن دہاڑے ایسی حرکت کر کے صحیح و سلامت نہیں نکل سکتا۔"

"آخر کیوں....؟"

"کسی وجہ سے وہ نہیں چاہتا کہ کوئی ماہر تعمیرات اُس عمارت کے متعلق اپنا خیال ظاہر کرے۔"

"اچھی بات ہے۔" انہوں نے کچھ دیر خاموش رہ کر کہا۔ "اگر تم اُس عمارت میں داخل ہونا چاہتے ہو تو یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں۔"

"ہرگز نہیں جناب۔" عمران بولا۔ "اگر آپ نے اپنے اختیارات کو کام میں لا کر کچھ کرنا چاہا تو آپ کو اس کے لئے جوابدہ بھی ہونا پڑے گا.... اور میں اُسے پسند نہیں کرتا کہ سنگ ہی کو قابو میں لائے بغیر ہم کوئی چیز تحریر میں لائیں۔"

سر سلطان تھوڑی دیر تک خاموش رہے پھر بولے۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔"

"بس اب میں آپ کو کلب میں چھوڑے دیتا ہوں۔ آپ نے کہا تھا کہ مجھے حالات سے باخبر رکھنا اس لئے میں نے ضروری سمجھا تھا۔"

"لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جو پتھر سنگ ہی کیلئے تھا اُس کا شکار وہ بے چارہ انسپکٹر ہو گیا۔"

"میرا خیال ہے کہ سنگ ہی نے اُسے دیکھا ہی نہ ہو گا ورنہ اس کی موت یقینی تھی۔"

"اب کیا وہ اتنا ہی گھامڑ ہے۔" سر سلطان نے کہا۔

"ہر آدمی کسی نہ کسی کمزوری کا شکار ہے۔ ہیرے سنگ ہی کی کمزوری ہیں۔ انہیں دیکھ کر پاگل ہو جاتا ہے۔ یقین کیجئے اگر اُس پتھر پر اس کی نظر پڑی ہوتی تو سارے جھگڑے ہی نہ اٹھتے۔"

"ہوں.... اور یہ انجمن بیباکاں۔"

"فکر نہ کیجئے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "جہاں چند بے فکرے مل بیٹھے ایک عدد انجمن کا قیام عمل میں آگیا۔ اجتماعی حماقتیں زیادہ دلچسپ اور شاندار ہوتی ہیں۔"

"اب.... بس.... واپس چلو.... کلب کی طرف....!" سر سلطان نے کہا۔ "ابھی تمہارے باپ کے کان کھینچتا ہیں۔"

"کیا کہئے گا۔"

"یہی کہ محکمہ خارجہ اُسے پسند نہیں کرتا کہ عمران کی نگرانی کی جائے۔ الزام کچھ ہو۔"

عمران نے انہیں کلب میں چھوڑا اور پھر گاڑی سڑک پر لے آیا۔ ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کر کے صفدر سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی.... لیکن جواب نہ ملا۔

اب وہ دانش منزل کی طرف واپس جا رہا تھا اور سنگ ہی کی خریدی ہوئی ہوائیاں اب بھی اُس کے ذہن پر چکرا رہی تھیں۔

دانش منزل پہنچتے پہنچتے نو بج گئے۔ ساجدہ ساؤنڈ پروف کمرے میں پڑی بور ہو رہی تھی۔

"ہم آج کسی نہ کسی طرح عمارت میں ضرور داخل ہوں گے۔" عمران نے کہا۔

"جہنم میں گئی عمارت۔ میں اب یہاں نہیں ٹھہر سکتی۔"

"گھبراؤ نہیں تمہیں بھی ساتھ لے چلوں گا۔"

"اور اگر کسی نے مجھے پہچان کر گولی مار دی تو....!" ساجدہ نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"کیا پرواہ ہے؟"

"کیا مطلب....!" ساجدہ نے آنکھیں نکالیں۔

"میری عدم موجودگی میں کہیں ماری گئیں تو کیا فائدہ.... میں تو الجھن میں پڑا رہوں گا کہ اب تک ماری بھی گئیں یا نہیں۔"

"سچ مچ پتھر ہو....!" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" عمران نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں محسوس کر رہی ہوں کہ اس کے باوجود بھی بے حد شریف آدمی ہو۔" وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

"اب گالیوں پر اتر آئی ہو۔" عمران نے غصیلی آواز میں کہا۔

"شرافت گالی ہے تمہارے لئے....!"

"بالکل۔ گالی ہی نہیں بلکہ بددعا بھی ہے کیونکہ شریف آدمی ایڑیاں رگڑ کر مرتے ہیں اور جانکنی کی تکلیف بھی انہیں پر وارد ہوتی ہے اور غیر شریف آدمی اس طرح کھٹاک سے مر جاتا ہے کہ مرتے مرتے بھی اُسے یقین نہیں آسکتا کہ وہ مر رہا ہے۔ ہارٹ فیلیور....!"

"چلو.... ختم کرو....!" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "مجھے کیا کرنا ہے۔"

"بس میرے ساتھ چلو گی۔"

آدھے گھنٹے بعد وہ سیاہ رنگ کی ایک وین میں بیٹھ رہے تھے۔ خود بھی سیاہ پوش تھے اور ان کے سروں پر چمڑے کے ایسے خود تھے جنہیں چہرے پر کھینچ لینے سے صرف آنکھیں ہی نظر آسکتی تھیں۔ یعنی وہ نقاب کا بدل بھی ثابت ہو سکتے تھے۔ عمران نے جیسے ہی ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کیا آواز آئی۔ "ہیلو.... آئی.... ہیلو.... آئی.... آئی.... ہیلو....!"

"ہیلو.... آئی اسپیکنگ....!"

"خیریت ہے.... آپ کہاں ہیں.... پروفیسر کی کوٹھی دھوئیں کے بادلوں میں گم ہے۔"

"کیا مطلب۔ جلدی سے وضاحت کرو۔"

"میرا خیال ہے کہ کوٹھی سے دو فرلانگ کے فاصلے پر دائرے کی شکل میں بے شمار ہوائیاں چھوٹیں اور بیک وقت کوٹھی پر گریں.... اور فضا ہی میں ہلکی ہلکی آوازوں کے ساتھ پھٹ گئیں اور اب کوٹھی گہرے دھوئیں میں لپٹی ہوئی ہے.... نگرانی کرنے والے نکل بھاگے ہیں اور دھڑا

دھڑ گر گر کر بیہوش ہو رہے ہیں.... اُوور....!"

"میں پہنچ رہا ہوں.... کوٹھی سے قریب ہی ہوں.... اوور آل....!" عمران نے کہا اور گاڑی کی رفتار تیز کردی.... ساجدہ اس کے برابر ہی بیٹھی اُسے متحیرانہ نظروں سے گھور رہی تھی۔ غالبًا وجہ حیرت ٹرانسمیٹر نہیں بلکہ وہ ناقابل فہم زبان تھی جس میں وہ دوسری طرف سے بولنے والے سے گفتگو کرتا رہا تھا۔ دوسری آواز کی بھی کوئی بات اُس کے پلے نہیں پڑی تھی۔

"یہ تم کس زبان میں بول رہے تھے۔" آخر کار اُس نے پوچھا۔

"اس کو سسرالی زبان کہتے ہیں۔ خصوصیت اس کی یہ ہے کہ دوسرے سننے والوں کو یہی محسوس ہوتا ہے جیسے کتے بھونک رہے ہوں۔"

"نہیں.... میرا خیال ہے کہ تمہیں کوئی اہم اطلاع ملی ہے.... کیونکہ تم نے اس کے بعد رفتار تیز کردی ہے۔"

عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "ہیلو.... آئی.... ہیلو.... ہمیں کیا کرنا چاہئے یہاں اب بالکل سناٹا ہے زیادہ تر پہرے دار کوٹھی کے آس پاس بیہوش پڑے ہیں۔"

"جہاں ہو.... وہیں ٹھہرو....!" عمران نے کہا۔ "اپنے آدمیوں کو بھی روکے رکھو.... پولیس کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں۔"

جلد ہی وہ پروفیسر کی کوٹھی کی پشت پر جا پہنچے۔ یہاں کی زمین ناہموار ہی تھی اور بے ترتیب روئیدگی نے قدم اٹھانا دشوار بنا رکھا تھا۔ عمارت کی طرف سے کسی قسم کی بھی آواز نہ آئی۔ فضا میں عجیب قسم کی مہک موجود تھی۔ عمران نے ساجدہ سے کہا۔ "نقاب چہرے پر کھینچ لو.... وہ کسی حد تک گیس ماسک کا کام بھی دیتا ہے۔"

"یہ بو کیسی ہے....؟"

"کسی قسم کی گیس.... جو بارود کے دھماکوں کے ذریعے فضا میں منتشر کی گئی ہے حالانکہ اب اس کا حجم اتنا بڑھ گیا ہے کہ وہ ہمیں زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ پھر بھی احتیاط ضروری ہے....!"

"یہ سب کیا ہو رہا ہے....!"

"چپ چاپ چلتی رہو.... بلکہ بہتر تو یہ ہوگا کہ ہم اُس گڑھے تک اس طرح پہنچیں کہ دور سے بھی نہ دیکھے جا سکیں.... پیٹ کے بل زمین پر لیٹ جاؤ۔"

پھر وہ سینے کے بل کھسکتے ہوئے ایک جانب بڑھتے رہے حتیٰ کہ اسی گڑھے تک جا پہنچے جہاں پہلی بار دونوں کی ملاقات ہوئی تھی۔

گڑھے کے کنارے رک کر انہوں نے نیچے دیکھا.... ایک انسانی ہیولیٰ سا نظر آیا جو غالبًا جھکا ہوا کھڑا تھا۔

"اوہ....!" ساجدہ آہستہ سے بولی۔ "یہ تو سرنگ کے دہانے ہی کے پاس کھڑا ہے۔"

"خاموش رہو.... میں دیکھتا ہوں۔" عمران نے کہا اور کھسکتا ہوا دوسری طرف چلا آیا....

اب وہ جھکے ہوئے آدمی کے عین اوپر تھا.... دوسرے ہی لمحے میں وہ پھرتی سے اٹھا اور گڑھے میں چھلانگ لگادی اور اُس آدمی کو سمیٹتا ہوا زمین سے جا لگا؟ گرتے گرتے عمران نے یہی کوشش جاری رکھی تھی کہ دوسرے آدمی کے منہ سے آواز نہ نکلنے پائے۔ ہونٹوں پر سختی سے ہاتھ جما دیا تھا اور بائیں ہاتھ سے اُس کی گردن پر دباؤ ڈال رہا تھا.... اس جدوجہد کے دوران میں اُس نے محسوس کیا کہ مقابل سنگ ہی نہیں ہو سکتا کوئی اور ہے۔

عمران کی گرفت مضبوط تھی۔ دوسرا آدمی جلد ہی بے حس و حرکت ہو گیا۔ عمران نے ہاتھ ہلا کر ساجدہ کو نیچے اترنے کا اشارہ کیا.... اور وہ پھرتی سے اس کے پاس پہنچ گئی۔ پھر ساجدہ نے ہی پنسل ٹارچ کی روشنی اس سوراخ پر ڈالی تھی جو کسی بھیڑیئے کی بھٹ کا دہانہ معلوم ہوتا تھا۔

"کوئی اندر گیا ہے....!" وہ آہستہ سے بولی۔ "ورنہ یہ کوڑے کے ڈھیر میں چھپا رہتا ہے۔"

سوراخ اتنا تنگ تھا کہ ایک آدمی لیٹ کر ہی اُس سے گزر سکتا تھا۔ عمران نے اُس کے ہاتھ سے پنسل ٹارچ لے کر اندر روشنی ڈالی اور اندازہ لگایا کہ اندر جگہ کشادگی اختیار کر گئی ہے.... چند لمحے وہ روشنی کی لکیر کو اِدھر اُدھر حرکت دیتا رہا پھر دہانے کے قریب بیٹھ کر اپنی دونوں ٹانگیں اندر ڈال دیں۔ پھر اُسے اپنے پورے جسم کو اندر پہنچا دینے میں دشواری نہیں ہوئی تھی۔ ٹارچ کی روشنی کی مدد سے اُس نے ساجدہ کو بھی اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ ساجدہ بھی دیکھتے ہی دیکھتے اسکے قریب پہنچ گئی.... غار اندر سے اتنا کشادہ تھا کہ وہ آسانی سے سیدھے کھڑے ہو سکتے تھے۔

یہاں ٹارچ ساجدہ نے سنبھالی اور اُسکی رہنمائی کرنے لگی۔ بالآخر وہ ایک بند دروازے تک پہنچے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ عمران نے اُسے دھکا دیا اور ٹھنڈی سانس لیکر بولا۔ "محنت برباد ہوئی۔"

ساجدہ ہنس پڑی اور بولی۔ "بس اتنے میں بور ہوگئے.... خیر فکر نہ کرو.... اگر یہ دروازہ بند

دیا گیا ہو تب بھی کھولا جاسکتا ہے۔"

"کون ہے....؟" اس نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"میرے محترم چچا صاحب۔" عمران نے جواب دیا۔

"میں تم سے سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں بھی تیار ہوں پیارے چچا جان۔" عمران نے جواب دیا۔

دروازہ کھل گیا اور دونوں اندر داخل ہوئے۔ یہاں روشنی تھی۔ سرنگ میں بجلی کے کئی بلب روشن تھے۔ سنگ ہی سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اُس کے جسم پر اب بھی وہی ملیشیا کی شلوار اور قمیض تھی۔ اس وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ عمران پر نثار ہو جائے گا.... روئیں روئیں سے محبت پھوٹی پڑ رہی تھی۔

سرنگ سے گذر کر وہ ایک کشادہ ہال میں آئے.... اور سنگ ہی نے عمران سے کہا۔ "میں ہی تمہیں یہاں لایا ہوں۔ کیا تم سمجھتے ہو میں اتنا احمق ہوں کہ کسی ایسے لباس میں سڑکوں پر مارا مارا پھروں گا جو دوسروں کو فوری طور پر متوجہ کرے.... میں تمہیں بتانا چاہتا تھا کہ آج میں کیا کرنا چاہتا ہوں.... پھر تمہیں ہوائیوں کا گٹھر دکھا کر تمہاری نظروں سے اوجھل بھی ہو گیا تھا.... جتنی دیر میں تم دوسری ٹیکسی تک پہنچتے میں نے اس کے ڈرائیور سے اپنی ٹیکسی کے پیچھے آنے کو کہہ دیا تھا۔"

"بہت خوب۔" عمران نے بھی خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "لیکن اس کا مقصد کیا تھا؟"

"ہوائیوں کا مصرف تو تم نے دیکھ ہی لیا.... وہ سب بیہوش پڑے ہوں گے خواب آور دھواں انہیں گھنٹوں سلائے گا.... اور ہم یہاں اطمینان سے سمجھوتے کی بات کریں گے۔ تم ابھی تک غلط فہمی میں مبتلا رہے ہو۔ مجھے کسی قسم کے کاغذات کی تلاش نہیں.... میری دلچسپی تو لاکھوں کی مالیت کے ان ہیروں تک محدود ہے جو پروفیسر راشد کے قبضے میں تھے.... لیکن میں نے مصلحتاً اِن محترمہ سے کاغذات کی بات کی تھی۔" سنگ ہی خاموش ہو کر ساجدہ کی طرف دیکھنے لگا اور ساجدہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف مڑ گئی۔

"تو پھر تم میرا انتظار کیوں کر رہے تھے پیارے چچا جان....!" عمران نے پوچھا۔

"ہیروں میں سے چوتھائی تمہارے....؟"

"چوتھائی کیوں بھتیجے کے پیارے.... آدھے کیوں نہیں؟"

"یہ نہیں ہو سکتا۔ جہنم میں جاؤ۔" سنگ ہی نے جھلا کر کہا اور عمران ساجدہ کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا پھر بولا۔ "ڈارلنگ چچا جان پھر تم چاہتے کیا ہو۔"

"یہ لڑکی وہ جگہ جانتی ہے جہاں پروفیسر انجمن کے کاغذات رکھتا ہے۔"

"کیوں بھئی....!" عمران نے ساجدہ سے پوچھا۔

"اچھا جانتی ہوں تو پھر....!" وہ بھی جھلا کر الٹ پڑی۔ "اس سور کے بچے کو بتاؤں گی؟"

"آپ مجھ سے بے حد خفا معلوم ہوتی ہیں محترمہ....!" سنگ ہی نے لجاجت سے کہا۔ "حالانکہ میں نے آپ سے کوئی بُرا برتاؤ بھی نہیں کیا۔"

ساجدہ کچھ نہ بولی۔ سنگ ہی نے اپنی جیب سے ایک ریوالور نکالا اور اُسے عمران کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "لو اسے بھی رکھو.... اب تمہیں مجھ پر اعتماد کرنا ہی پڑے گا۔"

"یہ اگر تمہارے ہی پاس رہے تو بہتر ہے۔" عمران نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "دھماکے والی چیزیں مجھے اختلاج قلب میں مبتلا کر دیتی ہیں.... ہاں ساجدہ تو پھر تم کیا چاہتی ہو....!"

"اگر وہاں ہیرے ہی ہیں تو ہم اسے کیوں بتائیں۔"

"اس صورت میں تمہیں اپنی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ بالکل پروفیسر ہی کی سی موتیں واقع ہوں گی.... میرے علاوہ اور کوئی شخص انہیں اپنے قبضے میں نہیں رکھ سکتا۔"

"ارے....!" ساجدہ نے متحیرانہ لہجے میں عمران سے کہا۔ "تم کھڑے کیا دیکھ رہے ہو.... مارتے کیوں نہیں اس مردود کو.... کیا واقعی تمہارا چچا ہی ہے۔"

"اب تم نے کہہ دیا ہے تو ضرور ماروں گا....؟" عمران سنگ ہی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"اچھا تو.... پھر یہ تمہاری زندگی کی آخری ہی رات ثابت ہو گی۔" سنگ ہی الٹی جست لگا کر پیچھے ہٹتا ہوا غرایا.... اسی دوران میں اس نے ایک بڑا سا چاقو بھی کھول لیا تھا۔

"تم ریوالور نکالو....!" ساجدہ نے عمران سے کہا۔

"نہ ہو تو کہاں سے نکالوں....!" عمران نے بے بسی سے کہا۔

"تو پھر اس کا کیوں واپس کر دیا تھا....؟"

"ہم دونوں اچھی طرح جانتے ہیں کہ ریوالور سے ایک دوسرے کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔"

"یہ لو.... ریوالور تم سنبھالو...." سنگ ہی نے اپنا ریوالور ساجدہ کی طرف اچھال دیا....

ساجدہ نے جھک کر اُسے اٹھایا.... الٹ پلٹ کر دیکھا۔ وہ خالی نہیں تھا۔ اُس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے اور عمران احمقانہ انداز میں کبھی ساجدہ کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی سنگ ہی کی طرف۔

سنگ ہی نے اب ساجدہ کو غصہ دلانا شروع کیا۔ ایسی واہیات حرکتیں کیں کہ وہ آپے سے باہر ہوگئی اور اُس نے اُس پر فائر جھونک مارا لیکن وہ تو پوزیشن بدلے کھڑا مسکرا رہا تھا.... پھر اُس نے پے در پے ساری گولیاں ختم کردیں.... لیکن سنگ ہی اچھل کود کر خود کو بچالے گیا۔ ساجدہ بُری طرح ہانپ رہی تھی اور اُس کا چہرہ پسینے سے بھیگ گیا تھا۔ سنگ ہی نے اُس سے پوچھا کہ "اب وہ کیا کرے گی....؟" پھر قہقہہ لگا کر بولا۔ "اور اس لونڈے کا حشر میرے ہاتھوں پہلے بھی دیکھ چکی ہو۔" ساجدہ نے بے بسی سے عمران کی طرف دیکھا.... عمران مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"اب جان نہیں بچے گی.... بتا ہی دو وہ جگہ.... جہاں....!"

"خاموش رہو....!" ساجدہ جھلا کر چیخی۔ "میں تمہیں اتنا بزدل نہیں سمجھتی تھی۔ اُس نے یہیں تمہارے سامنے ایسی ذلیل حرکتیں کی تھیں اور تم کھڑے دیکھتے رہے۔"

"ارے لاحول ولا قوۃ.... وہ تو میں بھول ہی گیا تھا.... اچھا بیٹے چچا صاحب اب آجاؤ اُسی بات پر....!"

عمران پینترہ بدل کر کھڑا ہوگیا اور ساجدہ نے پوچھا کہ کیا وہ واقعی خالی ہاتھ ہے.... عمران نے سر ہلا کر اثبات میں جواب دیا لیکن نظر سنگ ہی کے چاقو والے ہاتھ پر ہی جمی رہی اور پھر ساجدہ کی آنکھوں میں بجلی سی چمک آگئی وہ دیکھ ہی نہ سکی کہ وہ دونوں کس طرح گتھ کر رہ گئے تھے۔ عمران نے دونوں ہاتھوں سے سنگ ہی کا چاقو والا ہاتھ پکڑ رکھا تھا اور سنگ ہی اُسی جانب جھکا رہا تھا جس طرف عمران کے ہاتھوں کا دباؤ تھا۔ یک بیک عمران نے اپنے ہاتھوں کو جھٹکا دیا اور چاقو اچھل کر دور جا پڑا.... لیکن ساتھ ہی اس نے یہ بھی دیکھا کہ سنگ ہی جونک کی طرح عمران سے لپٹ گیا ہے۔ اُسے پچھلی رات یاد آئی جب اس نے عمران کو بے بس کر دیا تھا.... دفعتاً اُس نے عمران کی آواز سنی جو ہنستا ہوا کہہ رہا تھا۔ "اے تو یار گدگدیاں کیوں کر رہے ہو.... آج تمہیں میری ریڑھ کی ہڈی نہ ملے گی.... گھر بھول آیا ہوں.... جس پر زور صرف کر رہے ہو...." ساتھ ہی سنگ ہی کے منہ سے تحیر زدہ سی آواز نکلی.... اور ساجدہ نے محسوس کیا کہ عمران کے گرد اُس کی گرفت ڈھیلی پڑتی جارہی ہے اور پھر وہ عمران کو چھوڑ کر ایک طرف لڑھک گیا۔

"کمال ہے....!" ساجدہ اس کی طرف جھپٹی لیکن عمران نے ہاتھ اٹھا کر اُسے دور ہی رہنے کا اشارہ کیا۔ اب سنگ ہی بے حس و حرکت فرش پر چت پڑا تھا۔ اس نے ساجدہ کو بتایا کہ اس وقت اس کا وہی حشر ہوا ہے جو پچھلی رات اس کے ہاتھوں خود عمران کا ہوا تھا اب ساجدہ اس طرح چاک و چوبند نظر آنے لگی تھی جیسے گھنٹوں آرام کر کے ہفتوں کی تھکن اتار دی ہو.... وہ عمران

کو اسی ہال سے ملحق ایک پتلی سی راہداری میں لے گئی اور دروازے کی چوکھٹ میں کسی جگہ ہاتھ لگا کر کسی قسم کے میکنزم کو حرکت دی.... چوکھٹ سے ہلکی سی آواز آئی اور راہداری کے سرے پر ہال سے ملحق حصے پر ایک شیلف سی سرکتی نظر آئی۔ حتیٰ کہ ہال کا راستہ مسدود ہوگیا اب ہال سے کوئی اس طرف نہیں آسکتا تھا۔ یہ حقیقتاً ایک اونچی سی تجوری ہی تھی جس نے چھت سے فرش تک فاصلہ گھیر لیا تھا۔

"اس میں کاغذات کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا۔" عمران نے کہا۔ "ہیروں والی بات قطعی دھوکا تھی۔ اس طرح وہ جگہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ حقیقتاً اسے بھی کاغذات ہی کی تلاش تھی۔"

ساجدہ نے تجوری کھولی۔ سامنے ہی ایک موٹا سا فائیل رکھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ تجوری میں اور کچھ بھی نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد وہ سنگ ہی کے قریب کھڑے ہوئے نظر آئے جو اب بھی اُسی طرح بیہوش پڑا تھا.... عمران نے اُسے اٹھا کر کاندھے پر ڈالا اور باہر نکلنے کے لئے آگے بڑھے.... ساجدہ اسے اس راستے کے متعلق بتا رہی تھی جو ان تہہ خانوں میں اوپر کے کمروں تک گیا تھا۔ عمران چاہتا تو ادھر ہی کا راستہ اختیار کرتا لیکن اس نے مناسب نہ سمجھا۔ بدقت تمام سنگ کو اس سوراخ سے باہر نکال سکا تھا.... دوسرا آدمی اب بھی وہیں پڑا نظر آیا جہاں اُسے چھوڑا تھا۔ اب عمران نے اس کی طرف توجہ بھی نہ دی۔ سنگ کو کاندھے پر اٹھائے ہوئے بڑی احتیاط سے آگے بڑھتا رہا.... وہ ساجدہ کو بتا رہا تھا کہ سنگ ابھی کئی گھنٹے بیہوش رہے گا کیونکہ اس نے اُس کے آرٹ کو اُسی پر بڑی سختی سے استعمال کیا تھا۔

وین تک پہنچنے میں بڑی دشواری پیش آئی۔ کیونکہ اب کوٹھی میں زندگی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ غالباً مدد پہنچ چکی تھی۔ سنگ ہی کو وین کے پچھلے حصے میں بند کر دیا گیا اور پھر وہ دانش منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔

عمران نے ٹرانسمیٹر پر صفدر کو متوجہ کر کے کہا اب وہ سب دانش منزل پہنچ جائیں۔

بہرحال جب وہ دانش منزل پہنچا تو وہ موجود ہی ملے.... لیکن.... لیکن جب عمران وین روک کر نیچے اترا تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے زمین میں دھنستا چلا جارہا ہو.... وین کے پچھلے دروازے کے دونوں پاٹ کھلے ہوئے تھے۔ حالانکہ اس نے دروازے کو مقفل کر دیا تھا.... ساجدہ اور وہ دونوں ہکا بکا کھڑے ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔ سنگ ہی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

دوسرے دن عمران سر سلطان کے ساتھ جھک مار رہا تھا.... پوری داستان دہرا چکا تھا اور

اب سر سلطان اُسے حقیقتاً پرلے درجے کا احمق ثابت کر دینے پر تل گئے تھے۔

"چلئے.... چلئے.... پھر دیکھا جائے گا....!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "ان کاغذات سے یہ تو معلوم ہی ہو گیا کہ انجمن بیباکاں یہاں زیرولینڈ کی جاسوسی کر رہی ہے اور پروفیسر راشد اُن کا سربراہ تھا.... لیکن کسی وجہ سے زیرولینڈ کے بڑے آدمی اس کے مخالف ہو گئے تھے.... اور وہ خود بھی انہیں زک دینا چاہتا تھا۔ یہاں کی تنظیم پوری طرح اس کے قابو میں تھی.... اور سنگ ہی اسی لئے یہاں بھیجا گیا تھا کہ نہ صرف اس کا خاتمہ کر دے بلکہ کاغذات بحفاظت زیرولینڈ کے کارپردازوں تک پہنچ جائیں اور یہاں کی تنظیم کے افراد کو یہ بھی نہ معلوم ہونے پائے کہ وہ اب تک زیرولینڈ کے مفاد کے خلاف کام کرتے رہے ہیں۔ اگر یہ کاغذات ساجدہ کے ذریعے پروفیسر کے نائب تک جا پہنچتے تو وہ بھی پروفیسر راشد کی پالیسیوں پر عمل کرتا رہتا اور زیرولینڈ کو اس سے نقصانات پہنچتے.... جہنم میں گیا زیرولینڈ.... میرا اب کیا ہو گا۔ کیا فیاض کے آدمی مجھے دھر ہی لیں گے۔"

"میں نے انتظام کر لیا ہے۔" سر سلطان مسکرا کر بولے۔ "تم آزادی سے حماقتیں پھیلاتے پھرو۔ اور ہاں وہ لڑکی فی الحال تمہارے ہی ساتھ رہے گی۔"

﴿ختم شد﴾

عمران سیریز نمبر 37

بیباکوں کی تلاش

ابن صفی

تیسرا ضخیم ناول

پیشرس

جونک کی واپسی اور زہریلی تصویر کے بعد بیباکوں کی تلاش ملاحظہ فرمایئے۔ یہ اس سلسلہ کی آخری کتاب ہے۔

جونک کی واپسی مادام نشی کا کی مکمل کہانی تھی۔ زہریلی تصویر میں پروفیسر راشد کا قصہ تھا۔ بیباکوں کی تلاش میں صبیحہ کی داستان اور انجمن کا طریق کار ملاحظہ فرمایئے!

مجھے یقین ہے کہ صبیحہ کا کردار پسند کیا جائے گا۔ وہ ایک ہلکی قسم کی اذیت پسندی کی شکار ہے۔ دوسروں کو جھلاہٹ میں مبتلا کر کے مسرور ہونا اس کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔

سنگ ہی بھی اس کہانی میں ذہنی جنگ کے ماہر کی حیثیت میں نظر آئے گا۔ عمران اور وہ دونوں ہی ایک دوسرے کی تاک میں تھے۔ اس لئے شروع سے آخیر تک ذہنی جنگ ہوتی رہی ہے۔ ذہنی جنگ میں بہت زیادہ دھینگا مشتی یا ٹھائیں ٹھائیں کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا لیکن میرا خیال ہے کہ زیادہ تر پڑھنے والے اسی دھوم دھڑکے کے منتظر رہے ہوں گے کیونکہ یہ اس سلسلے میں آخری مقابلہ تھا۔

کہانی ختم کرنے کے بعد آپ سوچیں گے کہ کئی معاملات کی وضاحت نہیں کی گئی۔ دیدہ و دانستہ ایسا ہوا ہے کہانی کی تکنیک اسی کی متقاضی تھی کہ کچھ سوالات کے جواب پڑھنے والے خود ہی مرتب کریں۔

اکثر پڑھنے والے بعض بہت پرانے اور غیر اہم کرداروں کی واپسی کے مطالبے کرتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر ابھی حال ہی میں ایک صاحبہ نے "لاشوں کا آبشار" والی کنول کی واپسی کی فرمائش کی ہے۔

اس سلسلے میں کیا عرض کیا جائے۔ ویسے اب اگر کنول واپس بھی آئی تو آپ بور ہو کر رہ جائیں گے کیونکہ اس کے پیچھے کم از کم سات عدد بچوں کی فوج بھی ہوگی۔ اب وہ اتنی زندہ دل اور کھلنڈری نہیں رہی۔ بچوں کو ہر وقت جھڑکنے اور آنکھیں دکھاتے رہنے کی وجہ سے چہرے کی شادابی اور شوخی رخصت ہو چکی ہے۔ شوہر پر طنز کرتے رہنے کی بناء پر آواز میں زہریلا پن پیدا ہو گیا ہے۔ کئی کئی دن لباس نہیں تبدیل کرتی.... زیادہ تر باورچی خانے میں سر کھپاتی رہتی ہے۔ بھلا بتایئے کیا حال ہوگا آپ کی

جمالیاتی حس کا جب اُسے برتن مانجھتے دیکھیں گی اور اس وقت تو آپ آنکھیں ہی بند کرلیں گی جب وہ برتن مانجھ چکنے کے بعد ہاتھوں کو تولئے سے خشک کرنے کی بجائے قمیض کے پیچھے دامن پر پھیرتی نظر آئے گی۔

ایسی ہی بہتیری باتیں جن سے آپ کا ذوق نظر مجروح ہو سکتا ہے۔

اس لئے خاص کرداروں کے علاوہ دوسرے کردار نئے ہی چلنے دیجئے۔ ویسے انور اور رشیدہ کے سلسلے میں آپ کی خواہش ضروری پوری کی جائے گی۔

عرصہ سے سوچ رہا ہوں کہ انور اور رشیدہ کا بھی ایک ضخیم ناول پیش کیا جائے.... لیکن.... کب؟ دیکھئے کب موقع ملتا ہے۔

۲۸ر مئی ۱۹۶۵

ناک میں دم کر رکھا تھا گھر بھر کا.... وہ ایسی ہی تھی۔ ایم اے کے پہلے سال میں پڑھتی تھی۔ فلسفہ لے رکھا تھا.... باپ آزاد خیال اور جدت پسند تھے اور ماں اول درجے کی قدامت پسند۔ نقاب ڈالے بغیر گھر سے باہر نہیں نکلتی تھیں اور شوہر پر خار کھاتی تھیں کہ بیٹی کو اتنی آزادی کیوں دے رکھی ہے۔ صبیحہ نے انہیں اتنا پریشان کیا تھا کہ قریب قریب مامتا کے جذبات ہی فنا ہو کر رہ گئے تھے اور اَب وہ اُن کے لئے ایک ایسی ہستی بن کر رہ گئی تھی جس کی صورت دیکھتے ہی غصہ آجانا لازمی تھا۔

باپ کبھی کسی مسئلے میں دخل نہیں دیتے تھے۔ کچھ بھی ہو رہا ہو ان کے کان پر جوں نہ رینگتی۔ صبیحہ کی شوخیوں پر صرف مسکرا کر رہ جاتے تھے۔ کبھی اُس سے کسی بات کی باز پرس نہیں کی تھی.... اگر وہ اپنے کسی بوائے فرینڈ کو بھی گھر پر بلا لیتی تو شائد انہیں اعتراض نہ ہوتا۔ ویسے صبیحہ نے کبھی ایسا کیا نہیں تھا.... تھا ہی نہیں کوئی بوائے فرینڈ۔ وہ تو محض اپنی ماں اور نانی کو جلانے کے لئے کسی سہیلی کے بھائی کا تذکرہ لے بیٹھتی.... وہ چیختی چلاتیں اور صبیحہ بڑی سنجیدگی سے کہتی.... "ارے بس دوستی ہے ان سے کوئی میرے عاشق تھوڑا ہی ہیں۔"

ماں لفظ عاشق پر ہزاروں سلواتیں سناتیں اور کہتیں "ارے کمبخت یہ تو بازاری عورتوں کے سے انداز میں کیوں باتیں کرنے لگی ہے۔"

اس پر وہ بڑے فلسفیانہ انداز میں انہیں سمجھاتی کہ عاشق کو عاشق ہی کہیں گے.... ناشتہ دان نہیں.... ویسے اگر ناشتہ دان کہنے سے مفہوم پورا ہو جائے تو وہ مجنوں لیلیٰ کا عاشق تھا کہنے کی

بجائے مجنوں لیلیٰ کا ناشتہ دان تھا، بھی کہہ سکتی ہے۔

ایسی باتوں پر انہیں اس زور سے غصہ آتا کہ ان کی زبان ہی بند ہو جاتی اور پھر نانی جو شروع کرتیں گالی اور کوسنے تو ہنستے ہنستے اُس کے پیٹ میں بل پڑ جاتے۔ نئی نئی اصطلاحیں سننے میں آتیں.... وہ آدھی اردو اور آدھی پوربی میں ویسے بھی گفتگو کرتیں۔ غصے کی حالت میں پوربی اور اردو کچھ اسطرح گڈمڈ ہوتی کہ ایک تیسری زبان عالم وجود میں آجاتی جسے شاید وہ خود بھی نہ سمجھ پاتیں۔

صبیحہ دوسروں کو چڑانے میں ایک خاص قسم کی لذت محسوس کرتی تھی.... جب کسی کو اپنی باتوں پر جھنجھلاہٹ میں مبتلا دیکھتی تو اسے ایسا محسوس ہوتا جیسے سارے جسم میں ہلکی ہلکی سرور انگیز سی گدگدی ہو رہی ہو۔

جس دن اُسے کوئی ایسا موقع نصیب نہ ہوتا بجھی بجھی سی رہتی۔ کسی کام میں دل ہی نہ لگتا۔ لوگوں کو جھلاہٹ میں مبتلا کرنے کے لئے نئی نئی حرکتیں کرتی۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ ان کا انجام کہیں کسی حادثہ کی شکل میں نہ ظاہر ہو۔

آج تو ایسی حرکت کر گزری تھی کہ جس کی بناء پر کسی بھی کنواری لڑکی کی شامت بلا علم و اطلاع آسکتی تھی۔

اپنے فرضی عاشق کی طرف سے خود ہی ایک خط لکھ ڈالا تھا.... کئی طرح کے اندازِ تحریر پر قادر تھی.... لہٰذا اماں کے دھوکا کھا جانے میں کوئی شبہ ہی نہیں تھا۔ یہ خط ایسی جگہ رکھا گیا جہاں ماں یا نانی کی نظر ضرور پڑے۔

اُس نے اپنے فرضی عاشق کی طرف سے لکھا تھا۔

"حد سے زیادہ پیاری صبیحہ!

تم سے ملنے کی کوئی صورت نہیں رہی۔ تم تین دن سے یونیورسٹی کیوں نہیں آ رہیں.... متواتر تین راتوں سے جاگ رہا ہوں کیا کروں سمجھ میں نہیں آتا جس دن تم سے ملاقات نہیں ہوتی کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ تمہارے گھر آتا مگر تم پہلے ہی بتا چکی ہو کہ والدہ صاحبہ بڑی جلاد ہیں، لہٰذا ہمت نہیں پڑتی.... ویسے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تمہارے بنگلے کی کمپاؤنڈ کی دیوار پھلانگ کر اندر چلا آؤں.... بھئی میں تو آج رات کو یہی کروں گا خواہ کچھ ہو۔ گیارہ بجے رات کو کمپاؤنڈ ہی میں ملنا....

تم پہلے ہی بتا چکی ہو کہ تمہارے یہاں کتے نہیں ہیں۔ پھر کیا ڈر ہے کسی کا۔ کانوں کان خبر نہ ہو گی۔ ویسے مجھے اس کا علم ہے کہ تمہارے پاپا دورے پر گئے ہوئے ہیں.... فقط

تمہارا اختر...."

بہر حال خط ماں کے ہاتھ لگا۔ پڑھ کر سناٹے میں رہ گئیں۔ وہ چھپ کر انہیں دیکھ رہی تھی تھوڑی دیر تک وہ سر تھامے بیٹھی رہیں۔ پھر اپنی ماں کے پاس گئیں صدمہ بھی تھا اور غصہ بھی.... دونوں میں کچھ کھسر پھسر ہوئی اور پھر صبیحہ نے دونوں کے رونے کی آواز سنی.... بڑی بی تو باقاعدہ بین کر رہی تھیں لیکن کیا کہہ رہی تھیں یہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ البتہ اپنے منہ میں دوپٹہ ٹھونس کر ہنسی روکنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ چھوٹے بھائی بہن اسکول گئے ہوئے تھے ورنہ پورا بنگلہ ماتم کدہ بن کر رہ جاتا۔ وہ خود آج کئی دنوں سے یونیورسٹی نہیں گئی تھی۔ موڈ نہیں تھا۔ ایک گھنٹے بعد دونوں خواتین کمرے سے باہر آئی تھیں۔ دونوں کی آنکھوں پر ورم سا آ گیا تھا۔ ناکیں سرخ ہو رہی تھیں۔ صبیحہ نے دور سے دیکھا اور کنائی کاٹ کر دوسری طرف نکل گئی۔ ڈر تھا کہ سامنا ہونے پر اُسے ہنسی نہ آجائے۔ وہ تو اس کی منتظر تھی کہ اب وہ دونوں اس پر گرجیں برسیں گی لیکن ایسا نہ ہوا.... شام تک انہوں نے اُس سے کوئی بات نہ کی بس قہر آلود نظروں سے گھورتی رہیں.... البتہ صبیحہ نے محسوس کیا کہ تینوں ملازموں کو کچھ خاص قسم کی ہدایات دی جا رہی ہیں.... وہ سمجھ گئی کہ دونوں خواتین کی یہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہو گی۔ پھر ہنسی کے مارے اس کا بُرا حال ہو گیا۔ شاید وہ دونوں اُس کے خیالی دوست کو گھیرنے کی اسکیم بنا رہی تھیں.... اُس نے سوچا مزہ آئے گا.... تینوں ملازمین گیارہ بجے رات تک پائیں باغ میں چھپے بیٹھے رہیں گے اور یہ دونوں بار بار برآمدے میں نکل کر دیکھیں گی کہ شکار پھنس گیا یا نہیں۔

چھوٹے بھائی بہن اسکول سے آئے تو گھر میں سناٹا تھا۔ ان بیچاروں کو بھی تشویش ہوئی ہو گی کہ آج یہ مچھلی بازار قبرستان کیوں بن گیا ہے ان میں سے شاید کسی نے ماں سے پوچھ بھی لیا تھا کہ باجی کہاں ہیں۔

بس پھر کیا تھا.... شامت آگئی اُس کی.... چٹاچٹ کئی طمانچے پڑ گئے اس نے چنگھاڑنا شروع کر دیا۔ پھر جو بھی دریافت حال کے لئے قریب آیا.... دو چار ہاتھ اُس نے بھی کھائے۔ کان پڑی

آواز نہیں سنائی دیتی تھی.... اور صبیحہ بڑے اطمینان سے اپنے کمرے میں لیٹی پڑھے ہوئے رسائل کے اشتہارات پڑھتی رہی۔

چھوٹا بھائی جس کی عمر بارہ سال تھی پتنگ بازی کے شوق میں مبتلا ہونے کی بناء پر پٹنے سے بچ گیا تھا۔ وہ اسکول سے آتے ہی پتنگ اور چرخی سنبھال کر چھت پر جا چڑھا تھا۔

بہر حال ہنگامہ فرو ہونے کے بعد اُسے بھی فکر ہوئی تھی کہ آخر ان سبھوں کی پٹائی کس بناء پر ہوئی تھی۔ ماں یا نانی سے تو پوچھنے کی ہمت نہ پڑی۔ پٹنے والوں سے پوچھا لیکن وہ وجہ نہ بتا سکے۔

آخر صبیحہ سے ہی پوچھنا پڑا۔

"کمبختی ہے تمہاری....!" صبیحہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"کیوں باجی.... میں نے کیا کیا ہے؟"

"اگر میرے بڑے بھائی ہوتے تو وہ بیچارے کیوں پٹتے۔"

"میں نہیں سمجھا باجی۔"

"ارے.... میرے بڑے بھائی ہوتے تو انہیں ہی میری شادی کی فکر ہوتی.... پاپا کو تو نہیں ہے.... ممی کو اس کا بڑا قلق ہے.... کہہ رہی تھیں کہ اگر انور بڑا بھائی ہوتا تو اب تک کبھی کی صبیحہ بیاہی جا چکی ہوتی.... اُن حضرت کو تو فکر ہی نہیں ہے کسی بات کی۔"

"لیکن.... ٹلو پپو اور گڈو کیوں پٹ گئے۔"

"وہ تینوں کہہ بیٹھے تھے کہ ہم جا رہے ہیں باجی کے لئے دولہا ڈھونڈنے۔"

"واقعی....؟" صبیحہ نے تحیر آمیز سنجیدگی سے پوچھا۔

"یس سر....!"

"اچھا تو جاؤ.... شاباش....!"

اس نے سوچا اب براہِ راست ہنگامے کے امکانات ہیں.... وہ بھی چپکے سے اٹھ کر بھائی کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔ یہاں بھائی ماں سے کہہ رہا تھا۔

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہوتی ہیں ممی.... پاپا کو فکر نہ ہو مجھے تو ہے۔"

"کاہے کی فکر....!" وہ جھلا کر پلٹیں۔

"باجی کی فکر.... میں نے ڈھونڈ لیا ہے۔ چودھری اللہ رکھا۔ مویشی خانے کے منشی ہیں۔"

قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتیں.... صبیحہ نے چہک کر پوچھا۔ "اچھا بڑی بڑی مونچھیں ہیں یا نہیں.... شلوار پہنتے ہیں کہ تہمد....!"

"ٹھہر تو جا.... حرافہ....!" دفعتاً نانی جوتی اتارنے کیلئے جھکیں.... اور وہ اچھل کر بھاگی۔

اَب نانی اور ماں دونوں اُس کے پیچھے دوڑ پڑی تھیں۔

وہ کدکڑے لگاتی ہوئی برآمدے سے گذر کر پائیں باغ میں چلی آئی اور وہ دونوں برآمدے ہی میں کھڑی ہانپتی رہ گئیں۔

پھر آگئی شامت اس بھائی کی جسے بہن کی فکر تھی۔ ماں نے اسے دونوں ہاتھوں سے پیٹنا شروع کر دیا تھا.... اور صبیحہ لان پر اوندھی پڑی ہوئی بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

پھر رات تک ہنگامہ ہی رہا تھا اور تینوں ملازمین پائیں باغ کے کسی گوشے میں چھپے بیٹھے تھے ماں اور نانی بار بار بیرونی برآمدے تک جاتیں اور پھر واپس آجاتیں۔

صبیحہ بھی کبھی کبھی اُن کی لاعلمی میں ادھر اُدھر جھانک آتی۔ پھر ساڑھے دس بجے وہ بھی خود کو بے چین ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ اُن دونوں کی دانست میں بھی کئی بار بیرونی برآمدے تک گئی اور پھر اپنے کمرے میں واپس آگئی۔ ماں اور نانی اُسے قہر آلود نظروں سے گھور رہی تھیں۔

پھر گیارہ بج گئے.... اور ایک ملازم دوڑتا ہوا آیا اور اس کی ماں سے بولا۔ "بیگم صاحب وہ باہر فٹ پاتھ پر کھڑا ہوا ہے.... دیوار پر چڑھے تو پکڑ لیں۔"

صبیحہ برابر والے کمرے سے سن رہی تھی۔ ہنسی روکنے کیلئے اُسے منہ میں دوپٹہ ٹھونسنا پڑا۔

نوکر کو سرگوشیوں میں کچھ ہدایات ملیں اور پھر وہ واپس چلا گیا۔ صبیحہ نے سوچا کہ اب اُسے بھی بیرونی برآمدے کی طرف جانے کے لئے بیتابی ظاہر کرنی چاہئے۔

وہ دبے پاؤں چوروں کی طرح راہداری کی طرف بڑھی.... لیکن ماں اور نانی صدر دروازے کے درمیان حائل نظر آئیں۔

وہ اس طرح ٹھٹھک گئی جیسے چوری کرتے پکڑی گئی ہو۔

"کہاں چلیں....!" ماں نے ہاتھ نچا کر زہریلے لہجے میں پوچھا۔

"وہ.... ارے.... مم.... مطلب یہ کہ.... دل الجھ رہا ہے.... ذرا ٹہلوں گی۔" اس نے رک رک کر کانپتے ہوئے کہا۔ بوکھلاہٹ کی بڑی شاندار ایکٹنگ کر رہی تھی۔

"چل بیٹھ....!" وہ ہاتھ جھٹک کر بولیں۔ "ورنہ آج کھال ہی گرادوں گی۔ پھر دیکھوں گی باواجان میرا کیا بگاڑ لیتے ہیں۔ شہہ دے دے کر سانڈ بنادیا ہے چھچھوندر کو۔"

"لینگویج پلیز.... ممی....!" اُس نے کسی قدر بُرا مان کر کہا۔

"ٹھہر تو.... لینگویج پلیز کی بچی۔" وہ ہاتھ اٹھا کر اُس کی طرف لپکیں.... پھر وہ جو وہاں سے بھاگی تو اپنے کمرے ہی میں آکر دم لیا.... دروازہ مقفل کر کے بستر پر لوٹنے لگی۔ ہنسی کے مارے سانس نہیں سما رہی تھی۔ پیٹ دبا دبا کر ہنستی رہی۔

ادھر بیگم صاحبہ کچھ دور تو دوڑی تھیں پھر بیرونی برآمدے کی طرف پلٹ گئی تھیں۔

صبیحہ سوچتی اور ہنستی رہی.... کیسا چھکایا.... اب بارہ بجے تک کے لئے فرصت ہوئی اور وہ کمبخت امیرا نہ جانے کس بیچارے کو تاک بیٹھا ہے.... انتظار ہو رہا ہے کہ دیوار پھاندے اور وہ اُسے دھرلیں.... پاپا اگر موجود ہوتے تو یہ شرارت کامیاب نہ ہوسکتی کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ کئی طرح کے طرز تحریر پر قادر ہے وہ خود ہی انہیں اپنے کمالات دکھا چکی تھی۔ اگر پاپا کے سامنے یہ خط پیش بھی کیا گیا تو وہ اس قسم کی دوسری تحریر اُن کے سامنے ہی گھسیٹ کر رکھ دے گی۔

تھوڑی دیر تک وہیں لیٹی رہی پھر دروازہ کھول کر جھانکا ہی تھا کہ یک بیک شور سنائی دیا۔

"پکڑ لیا.... بیگم صاحبہ....!" دونوں نے بیک وقت ہانک لگائی تھی۔

"کہاں ہے؟ کہاں ہے۔" بیگم صاحبہ نے بے ساختہ پوچھا۔

"امیرا نے سر پر چادر ڈال کر گھسیٹ لیا تھا۔ گرا جو چاروں شانے چت تو ہم لوگ چھاپ بیٹھے۔ کھوپڑی پر چادر باندھ کر گردن میں گرہ لگادی۔ یہ بھی نہ دیکھ سکا ہوگا کہ کس نے چادر ڈالی اور کس نے گھسیٹ مارا۔"

"پھر کیا کیا۔"

"بند کردیا ہے سالے کو...."

صبیحہ نے سنا اور حواس باختہ ہوگئی۔ پتہ نہیں کسے پکڑ لیا کم بختوں نے.... وہ بھی بوکھلا کر دوڑ پڑی۔

"کیا بات ہے.... کیا ہوا؟" اُس نے پوچھا۔

"ابھی بتاتی ہوں....؟" ماں نے دانت پیس کر کہا۔ پھر نوکر سے پوچھا۔ "کہاں ہے۔"

"بند کردیا ہے.... اسٹور میں....!"

"کسے بند کردیا ہے۔" صبیحہ بھی جھنجھلا گئی۔

نوکر نے بیگم صاحبہ کی طرف دیکھا لیکن وہ کچھ کہے بغیر اسٹور روم کی طرف جھپٹی چلی گئی۔

اسٹور روم کیا اچھا خاصہ رہائش کا کمرہ تھا جس میں فالتو کاٹھ کباڑ اور مودی خانے کا سامان بھرا رہتا تھا.... صبیحہ بھی اُن کے پیچھے ہی پیچھے چلی آئی۔

کھڑکی کی دوسری طرف ایک صحت مند اور وجیہہ جوان سلاخیں تھامے کھڑا احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکار ہا تھا۔

اُس کی ظاہری آن بان دیکھ کر بیگم صاحبہ بھی پل بھر کے لئے ٹھٹکیں پھر خود کو سنبھال کر سخت لہجے میں بولیں۔ "یہ کیا حرکت تھی۔"

"میں بھی.... میں بھی نہیں سمجھ سکا محترمہ....!"

صبیحہ اُن کے پیچھے کھڑی وحشت زدہ نظروں سے اُس آدمی کو گھورے جا رہی تھی جو کافی وجیہہ ہونے کے باوجود بھی پرلے درجے کا احمق معلوم ہوتا تھا۔

"تمہارا نام اختر ہے۔" بیگم صاحبہ اس کی نرم گفتاری پر شیر ہوتی ہوئی دہاڑیں۔

"چلئے اختر ہی سمجھ لیجئے.... کیا فرق پڑتا ہے۔"

"تم ہماری کمپاؤنڈ میں کیوں گھسے تھے۔"

"میں.... نہیں تو.... میں تو گھسیڑا گیا ہوں زبردستی کمپاؤنڈ میں۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"جی اُن سے پوچھ لیجئے جنہوں نے سر پر چادر ڈال کر مجھے اس حال کو پہنچایا ہے۔"

"کیوں....؟" بیگم صاحبہ نوکروں کی طرف مڑیں۔

"جی گھسے نہیں تھے تو گھس ہی آتے۔ بڑی دیر سے پھاٹک کے سامنے فٹ پاتھ پر کھڑے تھے۔"

صبیحہ کا دل اور شدت سے دھڑکنے لگا وہ سوچ رہی تھی کہیں پولیس کیس نہ بن جائے۔ ری شرارت دھری رہ جائے گی۔ اب کیا ہوگا.... اب کیا ہوگا۔

"بہر حال تم اختر ہو۔"

"جی ہاں میں اختر ہوں۔"

"تم لوگ جاؤ یہاں سے۔" وہ ملازموں کی طرف مڑ کر بولیں۔

ملازم چلے بھی گئے لیکن صبیحہ وہیں کھڑی رہی۔ بیگم صاحبہ کے انداز سے ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے انہیں وہاں صبیحہ کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔

بیگم صاحبہ مقید نوجوان کو چند لمحے قہر آلود آنکھوں سے گھورتی رہیں پھر ڈپٹ کر پوچھا۔ "تم صبیحہ کو خطوط لکھتے رہتے ہو۔"

"ج.... جی ہاں....!" اُس نے احمقانہ سعادت مندی کے اظہار میں سر کو جنبش دی۔

صبیحہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"کیوں لکھتے ہو۔" بیگم صاحبہ دانت پیس کر بولیں۔

"بس جی چاہتا ہے۔"

"جی چاہتا ہے کے بچے.... میں تمہیں جیل میں سڑوا دوں گی۔"

"اب جو کچھ بھی ہو۔"

"میں تم پر چوری کا بھی الزام لگاؤں گی۔"

"آپ اپنے ہاتھ سے میرا گلا دبا دیجئے گا۔ مگر میں تو لکھوں گا خطوط۔"

"چپ رہو.... کمینے.... ذلیل....!"

"جی اچھا....!" احمق نے پھر سعادت مندی کا اظہار کیا۔

صبیحہ کا سر چکرانے لگا۔ سٹی گم ہو گئی جس اختر کی طرف سے اس نے خود کو خط لکھا تھا اُس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ لیکن یہ آدمی؟

کون ہے یہ؟ کیوں اتنا بڑا الزام اپنے سر لے رہا ہے؟ اس کی بھی پرواہ نہیں کہ اسے پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ یک بیک صبیحہ جی کڑا کر کے آگے بڑھی اور بولی۔ "تم کون ہو! میں تمہیں نہیں جانتی.... تم نے کبھی مجھے خطوط نہیں لکھے۔"

قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا بیگم صاحبہ کا الٹا ہاتھ صبیحہ کے منہ پر پڑا اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی اس کے بعد تو اسے پتہ ہی نہ چل سکا کہ وہ دونوں ہاتھ بیگم صاحبہ کے تھے یا کسی مشین کے ذریعہ چلنے والے ہتھوڑے کے.... جو تڑا تڑ اُس پر وار کئے جا رہے تھے۔ نانی پاس ہی کھڑی گالیوں اور کوسنوں کے ڈونگرے برساتی رہیں.... بیگم صاحبہ جب اُسے اچھی طرح پیٹ چکیں تو نہ

جانے کیوں خود ہی رونا شروع کر دیا اور دوسرے رہائشی حصے کی طرف چلی گئیں۔ نانی بھی ان کے پیچھے جھپٹی تھیں۔ لیکن صبیحہ پھر کھڑی ہو کر اُس مخبوط الحواس نوجوان کو گھورے جا رہی تھی۔

"مجھے اس پر حیرت نہیں ہے۔" نوجوان نے جلدی جلدی پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔ "میری ممی تو ان سے بھی زیادہ تیز ہیں۔"

"تم کون ہو؟"

"اختر.... اختر علی صدیقی۔"

"یہاں کیوں آئے تھے؟"

"میں یہاں خود نہیں آیا... لایا گیا ہوں... کسی نے پیچھے سے سر پر چادر ڈال کر گھسیٹ لیا۔"

"ہمارے پھاٹک کے سامنے کیوں کھڑے تھے۔"

"اپنے دوست چودھری عبداللطیف کا بنگلہ تلاش کر رہا تھا.... دوپہر سے یہ وقت آ گیا.... عادل آباد میں اُس کے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتا۔"

"تو تم پردیسی ہو۔"

"جی ہاں۔"

"یہاں آس پاس کوئی عبداللطیف نہیں رہتا۔" صبیحہ نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ پھر چونک کر بولی۔ "تم نے خواہ مخواہ یہ کیوں کہہ دیا کہ مجھے خطوط لکھتے رہے ہو؟"

"نہیں تو....!" نوجوان نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔ "میں نے تو نہیں کہا.... انہوں نے پوچھا تھا کہ تم صبیحہ کو خطوط لکھتے رہتے ہو.... میں نے کہا جی ہاں۔"

"یہ کیوں کہہ دیا؟"

"میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ ممی کہتی ہیں جھوٹے کے منہ سے بروز قیامت بدبو آئے گی۔"

"میں صبیحہ ہوں.... سمجھے۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"اوہ.... ارے واہ....!" نوجوان نے بے تحاشہ ہنسنا شروع کر دیا۔ بدقت تمام ہنسی رکی تو بولا۔ "لاحول ولا قوۃ.... میری کزن کا نام بھی تو صبیحہ ہی ہے.... میں اُسے خطوط لکھتا رہتا ہوں۔"

"تم واقعی احمق معلوم ہوتے ہو۔ بالکل گھامڑ.... اب جیل چلے جاؤ گے.... دیکھ لینا۔"

صبیحہ کو اس پر بے تحاشہ غصہ آ رہا تھا۔

"تب تو واقعی بہت بُرا ہوا۔" نوجوان بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "دوپہر سے اَب تک بھوکا ہوں ٹرین پر جیب کٹ گئی.... ٹکٹ بھی پرس میں تھا۔ ٹکٹ کلکٹر نے رشوت مانگی تھی۔ کہاں سے دیتا۔ آخر اُس نے سامان رکھوالیا اور کہنے لگا جاؤ اپنے دوست چودھری عبداللطیف سے پیسے لے کر آؤ تب سامان دوں گا۔"

"اوہ.... تو کیا تمہیں صحیح پتہ نہیں معلوم اپنے دوست کا۔"

"ایک بار پہلے بھی آچکا ہوں اس لئے بستی کا نام یاد رکھنے کی بھی ضرورت نہیں محسوس کی تھی اور اَب تو ہر ایک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں۔ بھوک کے مارے دم نکل رہا ہے۔"

"میں کیا کروں.... یہاں قفل لگا دیا گیا ہے.... اور چابی ممی کے پاس ہے۔"

"اور ڈو.... ڈیڈی کہاں ہیں۔" نوجوان نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"ڈیڈی ہوتے تو اس کی نوبت ہی نہ آنے پاتی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں کیا کروں؟ میں کیا کروں؟" صبیحہ مضطربانہ انداز میں بڑبڑائی۔

"آپ کیا کرنا چاہتی ہیں۔"

"آپ ایک غلط فہمی کی بناء پر اس طرح پکڑے گئے ہیں۔ لیکن ممی یقین نہیں کریں گی۔"

"کس بات پر یقین نہیں کریں گی۔"

"یہی کہ آپ وہ اختر نہیں ہیں.... اور پھر آپ کی کوئی کزن صبیحہ بھی ہے۔"

"بالکل سمجھ میں نہیں آیا.... اچھی بات ہے آپ مجھے یہیں بند رہنے دیجئے۔ لیکن کچھ کھلوا تو دیجئے.... ورنہ اب میں بھوک کے مارے بیہوش ہو جاؤں گا۔"

دفعتاً پشت سے نانی کی آواز آئی۔ "اے لو.... یہ حرافہ تو کھڑی اس سے باتیں کر رہی ہے۔ کیا فائدہ ہوا۔"

پھر انہوں نے تینوں نوکروں کو آوازیں دیں جو دوسرے ہی لمحے میں وہاں پہنچ گئے۔

نانی انہیں لیکر آگے بڑھیں اور صبیحہ کو پیچھے دھکیلتی ہوئی بولیں۔ "مارو صورت حرام کو۔"

"مار چکے صورت حرام کو۔" اجنبی نوجوان نے چڑانے کے سے انداز میں کہا۔ "میں اتنا اُلو نہیں ہوں.... اندر سے دروازے کی چٹخنی چڑھا دی ہے.... مارنے سے پہلے انہیں دروازہ توڑنا

پڑے گا.... اُدھر کے دروازے کی بھی چٹخنی چڑھا دی ہے.... ہاں۔"

نانی کو شاید اس انداز گفتگو کی توقع نہیں تھی اس لئے ان کا منہ حیرت کے مارے کھلا ہی رہ گیا۔ نوکروں نے بھی خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا لیکن زبان سے کچھ نہ کہہ سکے کیونکہ نوجوان ظاہری رکھ رکھاؤ سے نہ تو نچلے طبقہ کا آدمی معلوم ہوتا تھا اور نہ کوئی لفنگا لہٰذا انہیں تو محتاط رہنا ہی تھا۔

"نانی ماں.... آخر کیوں؟.... یہ کون ہیں.... کیوں پکڑا گیا ہے انہیں۔" صبیحہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"چل یہاں سے.... چل نہیں تو سب کے سامنے جوتیاں لگاؤں گی۔" نانی نے آگے بڑھ کر اُسے دھکیلنا شروع کیا۔ وہ معمر ضرور تھیں لیکن صبیحہ جیسی دس پر بھاری رہتیں۔ بڑی اچھی صحت تھی.... بیٹی کی بڑی بہن ہی معلوم ہوتی تھیں۔

اُسے اُس کے کمرے تک دھکیل لائیں۔ بیگم صاحبہ بھی اپنے کمرے سے نکل کر ساتھ ہو لی تھیں۔ لیکن اس طرح چل رہی تھیں جیسے خواب میں چل رہی ہوں۔

صبیحہ نے سوچا کہ اگر ان لوگوں نے اُسے بھی اس کے کمرے میں بند کر دیا تو پتہ نہیں اس اجنبی کی کیا درگت بنائیں۔ آزاد رہ کر وہ کم از کم اُن کی کسی اسکیم میں رخنہ تو ڈال ہی سکتی تھی ورنہ ہو سکتا ہے ان کا کوئی غلط فیصلہ کسی نئی مصیبت کا پیش خیمہ بن جاتا۔ دفعتاً ایک تدبیر سوجھ گئی۔ اس کے نتائج بھی تباہ کن ہو سکتے تھے لیکن اتنے بھی نہیں کہ تھانے پولیس کی نوبت آجاتی۔

بہر حال اُس نے نانی کے شانے پکڑے اور انہیں جھنجھوڑ کر بولی۔ "ان کی طرفداری ہو رہی ہے جو ابھی کل ہی بڑبڑا رہی تھیں کہ چھاتی پر سوار ہیں بیٹوں کے یہاں نہیں جاتیں۔"

بڑی بی یکلخت چونک پڑیں۔ پلٹ کر بیٹی کی طرف دیکھا جو حیرت سے منہ کھولے کھڑی تھیں۔

"کہتی ہی رہتی ہیں۔" صبیحہ تڑ سے دوبارہ بولی۔ "جہاں سنا کسی بہو کے بچہ ہونے والا ہے سر کے بل دوڑی چلی جاتی ہیں چاہے میں مر ہی کیوں نہ رہی ہوں۔"

"ارے ناشدنی کیوں....؟" بیگم صاحبہ اس سے زیادہ نہ کہہ سکیں کیونکہ بڑی بی چیخنے لگی تھیں۔ "بس بس.... وہ جھوٹی نہیں ہے اور چاہے جیسی ہو.... کیا میں تجھے نہیں جانتی ہوں۔ ساری خصلتیں پھوپھیوں کی پائی ہیں تو نے۔"

"اور نوکروں کے سامنے بڑبڑاتی ہیں۔" صبیحہ نے ٹکڑا لگایا۔

بیگم صاحبہ آپے سے باہر ہوگئیں۔ گھونسہ تان کر جھپٹیں لیکن بڑی بی ان کے درمیان آتی ہوئی زہریلے لہجے میں بولیں۔ "جھوٹ کہہ رہی ہے تو چراغ پا ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

"ارے اماں یہ کمینی... کتیا...!"

"بس بس... خبردار... جو اُسے کچھ کہا۔ لعنت ہے تجھ پر اور تیرے گھر پر اَب جو کبھی قدم رکھوں۔"

"ارے اماں... سنو تو سہی۔"

لیکن بڑی بی اُن کی بھی سننے کی بجائے چیختی چنگھاڑتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں اور صبیحہ نے اپنے کمرے میں گھس کر دروازہ بند کرلیا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اب پوری رات کسی نہ کسی قسم کے ہنگامے ہی کی نذر ہوگی۔

"نکل کم بخت... نکل باہر... آج زندہ نہیں چھوڑوں گی... دیکھتی ہوں کوئی میرا کیا بگاڑ لے گا... باوا جان آکر تیری لاش ہی دیکھیں گے..." وہ دروازہ پیٹنے لگیں۔

"اُس سے پہلے ہی یہاں پولیس پہنچ جائے گی۔" صبیحہ نے اندر سے کہا۔ "آپ نے خواہ مخواہ کسی شریف آدمی کو پکڑوا کر بند کردیا ہے۔"

"اَب تو وہ حرام زادہ بند ہی رہے گا تاکہ وہ بھی آکر بیٹی کے کرتوت دیکھ لیں جنہوں نے اتنی ڈھیل دے رکھی ہے۔"

"میرے کیسے کرتوت...؟"

"اُس میں تو نہیں جیت سکے گی۔ اُس مردود کا خط میرے پاس موجود ہے۔ جیل بھجواؤں گی۔"

"کیا اُس نے آپ کو کوئی خط لکھا ہے۔"

"چپ حرام زادی... حرافہ۔" وہ حلق پھاڑ کر دہاڑیں اور انہیں کھانسی آنے لگی۔ اتنے میں پشت سے بڑی بی کی آواز آئی۔ "کیوں پیچھے پڑی ہے اُس کے... میں کل ہی یہاں سے منہ کالا کر جاؤں گی۔"

"ارے اماں... یہ جھوٹی ہے۔" بیگم صاحبہ کھانستی ہوئی بولیں۔ وہ روہانسی بھی ہوگئی تھیں۔

"چلو جھوٹی ہی سہی۔ کلیجہ نہ کھاؤ اس کا... تم بڑی صاف دل اور نیک طینت ہو۔"

"اماں قسم لے لیجئے... وہ ناشدنی...!"

"بند کر زبان...!" بڑی بی دہاڑیں اور بیگم صاحبہ جلدی جلدی وہاں سے چلی ہی گئیں۔

صبیحہ نے اُن کے قدموں کی دور ہوتی ہوئی چاپ سن کر ہی دروازہ کھولا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ تیر نشانے پر بیٹھا ہے اب شاید کام بن جائے سوچ ہی رہی تھی کہ پیروں کے قریب کنجی گرنے سے کھناکا ہوا اور نانی کی آواز سناٹے میں گونجی۔ "لے نکال جا کر اُس خدائی خوار کو۔"

اور پھر وہ بھی رہائشی کمروں کی طرف چلی گئیں۔ صبیحہ نے کنجی اٹھا کر مٹھی میں دبالی اور کچھ دیر وہیں کھڑی خیالات میں کھوئی رہی۔ پھر اسٹور روم کی طرف روانہ ہوگئی۔ اجنبی نوجوان کھڑکی کی سلاخیں پکڑے کھڑا تھا اور تینوں ملازم اُسے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو۔

"تم لوگ جاؤ یہاں سے۔" صبیحہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"نہیں... رہنے دیجئے۔" اجنبی سلاخوں کی دوسری طرف سے بولا۔ "دیکھنے دیجئے... ایسا لگتا ہے جیسے ٹکٹ لے کر دیکھنے آئے ہوں۔"

"سنا نہیں تم لوگوں نے۔" صبیحہ نے دوبارہ انہیں للکارا اور وہ چپ چاپ کھسک گئے پھر وہ اجنبی کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ "میں کنجی لائی ہوں۔"

"اُوہ... تو اب آپ مجھے نکال باہر کریں گی۔" اجنبی نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں... کیوں...؟"

"مقدر ہی خراب ہے اپنا۔" اجنبی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "اس طرح پکڑے جانے پر بے حد خوش تھا کہ چلو رات بسر کرنے کی جگہ تو نصیب ہی ہوگئی... شاید کچھ روکھی سوکھی کھانے کو بھی مل جائے۔"

"میں کھانا کھلاؤں گی آپ کو... لیکن اگر آپ رات بھر یہاں بند رہ گئے تو پھر آپ کو اُس وقت تک یہاں بند رہنا پڑے گا جب تک کہ ڈیڈی نہ آجائیں۔"

"کیوں آخر؟ اس کی وجہ...؟"

"میں نے کسی فرضی اختر کی طرف سے اپنے نام ایک عشقیہ خط لکھا تھا ممی کو جلانے کے لئے وہ پرانے خیالات کی ہیں۔ پاپا الٹرا موڈرن ہیں... انہوں نے مجھے آزادی دے رکھی ہے۔ ممی اس پر کڑھتی ہیں لہٰذا میں انہیں اور زیادہ جلایا کرتی ہوں۔ بہر حال میں نے اس خط میں لکھ دیا تھا

کہ وہ یعنی اختر آج رات گیارہ بجے کمپاؤنڈ وال پھلانگ کر پائیں باغ میں داخل ہو گا.... مقصد یہ تھا کہ گیارہ بارہ بجے تک گھر میں چہل پہل رہے۔ خط ممی کے ہاتھ لگا کیونکہ اُسے لگنا ہی تھا۔"

اجنبی اُسے تحیر آمیز نظروں سے گھور تا رہا تھا۔ وہ مسکرائی اور سلسلہ گفتگو جاری رکھا۔ "اس طرح آپ آ پھنسے۔ اب وہ پاپا کو میرے کرتوت دکھانے کے لئے آپ کو ان کی واپسی تک قید رکھنا چاہتی ہیں۔"

"میں نہایت خوشی سے قید رہوں گا۔" نوجوان نے بڑے خلوص سے کہا۔

"کیا آپ کی اوپری منزل بالکل خالی ہے؟" صبیحہ نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"ہائے پھر وہی سوال....؟" اجنبی روہانسا ہو کر بڑبڑایا۔

"کیا مطلب....؟"

"پچھلی بار.... اسی سوال کی بناء پر انٹرویو میں رہ گیا ورنہ نوکری ضرور مل جاتی۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"بس اِسی سوال کا جواب نہیں دے سکا تھا لہٰذا ملازمت نہیں ملی۔"

"یہ سوال کیا تھا کسی نے آپ سے؟" صبیحہ نے تحیر آمیز شوخی کے ساتھ پوچھا۔

اجنبی نے بے بسی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو آپ جواب نہیں دے سکے تھے؟"

"سوال ہی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔"

"سوال کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی کھوپڑی عقل سے خالی ہے۔"

"یہ پوچھا تھا اُس مردود نے۔" اجنبی کی آواز غصیلی تھی۔

"اور میں نے بھی یہی پوچھا ہے۔" صبیحہ آنکھیں بند کر کے مسکرائی۔

"میں تھپڑ مار دوں گا.... سمجھیں۔" اس نے سلاخوں کے درمیان سے ہاتھ باہر نکالنے کی کوشش کی۔

"شٹ اپ....!"

"اب تو چاہے بھوکا مرنا پڑے میں تمہیں ماروں گا ضرور۔"

"بلاؤں نوکروں کو۔"

"ارے جاؤ.... بہت دیکھے ہیں.... دھوکے سے پکڑ لیا۔ ورنہ مار کر تینوں کی چٹنی بنا دیتا۔"

"خفا ہونے کی ضرورت نہیں بدھو میاں۔"

"کیا کہا! بدھو میاں.... میرا نام اختر پرویز ہے۔"

"اختر پرویز صاحب براہِ کرم کچھ دیر کے لئے بکواس بند کیجئے.... باہر تشریف لائیے.... شاید میں آپ کے لئے کچھ مہیا کر سکوں؟ چند سلائیس اور تھوڑے سے پارچے.... اتفاق سے ہمارے یہاں سب ہی پیٹو ہیں اس لئے کچھ بچنے بچانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اکثر ملازموں کو تنوری روٹیوں کے ساتھ لہسن کی چٹنی کھانی پڑتی ہے۔"

"میں تو باہر نہیں آؤں گا.... ہرگز نہیں.... مجھے نیند بھی آرہی ہے۔ اس شہر میں اجنبی ہوں.... نوکری کی تلاش میں آیا تھا۔ واہ کیا نام ہے شہر کا عادل آباد اور کوئی بھی انصاف پسند نہیں۔"

"کیا مطلب.... کیسا انصاف چاہتے ہیں آپ۔"

"یہی کہ زبردستی پکڑوایا ہے تو اب دو چار دن تو قیام کرنے دیجئے۔"

"میرے پاپا ڈپٹی کلکٹر ہیں.... کھال کھچوا لیں گے۔"

"ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں کہ بہت آزاد خیال ہیں۔"

"اب اتنے بھی نہیں کہ میرے کسی عاشق کو برداشت کر لیں۔"

"میں زبردستی تو عاشق ہوا نہیں آپ ہی لوگوں نے پکڑوا لیا ہے۔ پیٹ بھر روٹی ملے تو شاید عاشق بھی ہو جاؤں۔"

"اے بکواس بند کرو مسٹر.... میں بدتمیزی پسند نہیں کرتی۔"

"اگر عاشقی بدتمیزی ہوتی تو نصابی کتابوں میں اس کا ذکر نہ ملتا۔ میر اور غالب بدتمیز کہلاتے۔"

"ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"پاسبانِ عقل نے اِس وقت دل کو تنہا چھوڑ دیا ہے۔"

"سچ کہہ رہی ہوں نوکروں کو بلا کر مرمت کرا دوں گی۔"

"ضرور بلاؤ.... لیکن ان کی ٹوٹ پھوٹ کی ذمہ داری بھی تم ہی پر ہو گی۔"

صبیحہ نے آگے بڑھ کر قفل میں کنجی لگائی.... دروازہ کھل گیا اور وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

"نکلو...."

"سارے شہر میں تم سے اپنے عشق کا اعلان کرتا پھروں گا۔" اجنبی نے دھمکی دی۔

"مجھے دھمکی دے رہے ہو؟" صبیحہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"مرتا کیا نہ کرتا مجھے رات بسر کرنے کے لئے جگہ اور پیٹ بھرنے کے لئے روٹی چاہئے۔"

"اچھا بابا.... بور مت کرو.... پھاٹک کی بائیں جانب مالی کی کوٹھری خالی ہے جا کر دبک رہو.... میں روٹی بھی پہنچاؤں گی۔ پیچھا چھوڑو کسی طرح....!"

"ہاں.... یہ ٹھیک ہے....!" اجنبی سر ہلا کر بولا۔

صبیحہ نے چپ چاپ اُسے اسٹور روم سے نکال کر پائیں باغ میں پہنچا دیا۔ وہ مستقل طور پر اُسی کے متعلق سوچے جا رہی تھی۔ صورت سے احمق ضرور معلوم ہوتا ہے لیکن کسی اچھے ہی خاندان کا تعلیم یافتہ فرد ہے۔ بیچارے کا سامان ریلوے اسٹیشن پر پڑا ہوا ہے۔ اُسے اُس سے پوچھنا چاہئے کہ ٹکٹ کلکٹر کا مطالبہ کیا ہے اُسے اُس کی مدد کرنی چاہئے۔ خواہ مخواہ بیچارہ اُس کی ایک شرارت کا شکار ہو گیا۔ شریف آدمی معلوم ہوتا ہے۔ کوئی اور ہوتا تو پتہ نہیں کیا طوفان برپا کرتا۔

وہ سوچتی اور اس کے لئے کھانے پینے کی چیزیں تلاش کرتی رہی۔ بیگم صاحبہ اور بڑی بی اپنے اپنے کمروں میں بند ہو کر سو گئی تھیں اس لئے عمارت میں سناٹا تھا۔

وہ بہت احتیاط سے مالی کی کوٹھری کی طرف چل پڑی۔ سوچ رہی تھی کہ وہ پھر کچھ کہے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ آخر وہ وہاں سے چلی ہی آئی یہ اور بات ہے کہ مستقل طور پر اُسی کے متعلق سوچے جا رہی ہو۔

شرارت کر بیٹھی تھی۔ لیکن حقیقتاً اتنی دلیر بھی نہیں تھی کہ انجام کی پرواہ نہ ہوتی۔ اُس سے کہیں زیادہ فکر تھی ماں اور نانی کے درمیان جھگڑے کی.... جو خاندانی زندگی کیلئے پریشان کن ہوتا۔ اَب اس وقت پوری عمارت میں سناٹا تھا اور وہ بستر پر لیٹی بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی۔

صفدر ٹرانسمیٹر پر آئے ہوئے پیغام کو جو کوڈ ورڈز میں تھا لفظ بلفظ درج کرتا رہا تھا اور اب اُسے اردو میں لکھ رہا تھا۔

قریب ہی ساجدہ حبیب بیٹھی اُسے اس طرح گھورے جا رہی تھی جیسے اُس پیغام کا مفہوم

جاننے کے لئے بے تاب ہو۔

یہ دونوں ایک ہفتہ سے عادل آباد میں مقیم تھے۔ ساجدہ حبیب کی شکل کسی قدر بدلی ہوئی تھی۔ آسانی سے نہیں پہچانی جا سکتی تھی۔ اول تو اس نے اپنے بالوں کا اسٹائل بدل دیا تھا اور پھر پلاسٹک میک اپ کی مدد سے چہرے میں بھی کچھ تبدیلیاں کی گئی تھیں۔ صفدر میک اپ میں نہیں تھا۔

قیام ہوا تھا عادل آباد کے سب سے بڑے ہوٹل رودالو میں.... اُن کے کمروں کے سامنے جوزف پہرہ دیا کرتا تھا۔

وہ یہاں ایکس ٹو کے حکم سے مقیم تھا۔ ساجدہ حبیب کے متعلق یہ معلوم کر کے کہ وہ بھی اُن کے ساتھ ہوگی صفدر نے اُس کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن تلخ لہجے میں جواب ملا تھا کہ اپنے کام سے کام رکھا جائے۔ پھر صفدر نے خود ساجدہ حبیب سے بھی پوچھنے کی ہمت نہیں کی تھی کہ وہ کون ہے اور اُن کے درمیان اُس کی موجودگی کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔

البتہ اُسے یہ ضرور معلوم تھا کہ عمران یہاں کچھ کرتا پھر رہا تھا اور اُسے براہِ راست اُسی کے احکامات کا پابند رہنا ہے۔ ساجدہ اُسے عمران کے متعلق بور کرتی رہتی۔ وہ کہاں ہے؟ کب آئے گا؟ اُس سے ملاقات کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔

وہ سیکرٹ سروس والوں کے چارج میں عمران ہی کے توسط سے پہنچی تھی.... اور عمران ہی کے سلسلے میں انہیں دردِ سر میں مبتلا کرتی رہتی تھی۔

"کیا عمران ہی کا پیغام ہے؟" اُس نے صفدر سے پوچھا۔

"نہیں....!" صفدر نے جواب دیا۔ حالانکہ وہ عمران ہی کا پیغام تھا اُس نے اُسے مطلع کیا تھا کہ حیرت انگیز طور پر اُسے ٹھیک اُسی کوٹھی کے سامنے والی عمارت میں رہنے کی جگہ مل گئی ہے جس کی نگرانی کا حکم ایکس ٹو سے ملا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب میں کیا کروں....؟" ساجدہ نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"کس سلسلے میں۔"

"میں کب تک اس طرح زندگی بسر کرتی رہوں گی۔"

"میں جب پوری طرح تمہارے حالات سے باخبر ہی نہیں تو کیا جواب دے سکوں گا اس سوال کا۔"

"عمران نے تمہیں کچھ نہیں بتایا....؟"

"اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ہمیں تمہیں اُن لوگوں سے محفوظ رکھنا ہے۔"

"کب ختم ہوگا یہ قصہ....!"

قبل اس کے کہ صفدر کچھ کہتا جوزف کی غراہٹ سنائی دی۔

"یہ کم بخت بھی مصیبت بن جاتا ہے۔" صفدر بڑبڑاتا ہوا اٹھا اور دروازہ کھول کر کاریڈور میں نکل آیا۔

جوزف خواہ مخواہ کسی بپھرے ہوئے کتے کی طرح غرا رہا تھا۔ صفدر نے متحیرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھا۔ آس پاس کوئی بھی نہ دکھائی دیا۔ آخر اُس نے جھنجھلا کر کہا۔ "کیا دماغ خراب ہوگیا ہے۔"

جوزف نے ہاتھ اٹھا کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بدستور غراتا رہا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی اُس کے سامنے موجود ہو۔

"کیا بہت زیادہ پی لی ہے؟"

جوزف نے پھر اُسی طرح ہاتھ اٹھا دیا اور غراتا رہا۔

صفدر مضبوطی سے دانت پر دانت جمائے اُسے گھورے جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد جوزف نے غراتے ہوئے کہا۔ "مسمراٹا کی ماں مر گئی۔" اور خاموش ہوگیا۔

"یہ کیا حرکت تھی۔ تماشا بناؤ گے ہمیں بھی۔"

"آج ہفتہ ہے....!" جوزف نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ضرور چڑھ گئی ہے۔"

"نہیں مسٹر.... یہ ہفتہ ہے.... اور رات کے ڈیڑھ بجے ہیں۔"

"بارہ بجے کے بعد سے اتوار شروع ہو جاتا ہے۔ مگر یہ کیا لغویت تھی۔"

"لغویت نہیں تھی مسٹر.... آپ کے لئے اتوار شروع ہوگیا ہوگا میرے لئے تو جب تک دوبارہ سورج نہ نکل آئے ہفتہ ہی رہے گا۔ ہفتہ کی رات مسمراٹا کی حکومت ہوتی ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ.... کرسچین ہو جانے کے باوجود بھی تم توہمات سے پیچھا نہیں چھڑا سکے۔"

"آسمانی باپ سب کو معاف کر دیتا ہے۔" جوزف نے انگلیوں سے کراس بنا کر کہا۔ "لیکن

مسمراٹا....!"

"سب بکواس ہے؟"

"نہیں مسٹر.... وہ اُس وقت تک تم پر حاوی ہو جانے کی کوشش کرتا رہے گا جب تک کہ تم کتوں کی طرح غرا کر اُس کی ماں کی موت کی اطلاع نہ دو گے۔"

"تو وہ تم پر حاوی نہ ہو سکا۔" صفدر نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔" جوزف نے پھر انگلیوں سے کراس بنایا۔ "لیکن میرے باس پر حاوی ہو چکا ہے۔"

"باس پر.... کیا مطلب۔"

"وہ آج کل دن رات خوبصورت لڑکیوں کی تصویریں دیکھتے رہتے ہیں۔"

"میرے لئے نئی اطلاع ہے۔"

"میں نے کئی بار سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ نہیں سنتے۔" جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے اس وقت سے گہرا صدمہ پہنچا ہو۔

"تم نے کیوں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔"

"مسٹر....!" جوزف کی آواز میں تحیر تھا۔ "اگر تمہارا باپ خوبصورت لڑکیوں کے چکر میں پڑ جائے تو تمہارے کیا جذبات ہوں گے۔"

"تو عمران صاحب تمہارے باپ ہیں....؟ یہ نئی بات معلوم ہوئی آج۔"

"وہ میرے باپ کے بھی باپ ہیں۔"

"جوزف اَب تم جا کر سو جاؤ" صفدر نے ترحم آمیز لہجے میں کہا۔ "واقعی بہت زیادہ پی گئے ہو۔"

"نشہ کہاں ہوتا ہے مسٹر.... چاہے جتنی پی جاؤں.... ہاں میں اپنے باس کی بات کر رہا ہوں۔ جتنی شفقت مجھے اُن سے ملی ہے اپنی ماں سے بھی نہیں ملی تھی۔ سچ کہتا ہوں اُن کی عدم موجودگی میں کسی چھ ماہ کے بچے کی طرح بلکتا رہتا ہوں۔"

"اُو خدا کے بندے اب جا کر سو بھی رہ۔" صفدر نے کہا اور کمرے میں چلا آیا۔

ساجدہ صوفے کے ہتھے سے داہنا شانہ ٹکائے اونگھ رہی تھی اُس کی آہٹ پر چونک پڑی۔

"یہ عمران ایسی زندگی کیوں بسر کرتا ہے۔" اُس نے صفدر سے پوچھا۔

صفدر جھنجھلا گیا۔

"انہیں سے پوچھ لیا ہوتا.... میں کیا بتا سکوں گا۔"

"میں نے اس حبشی سے بھی پوچھا تھا۔"

"پھر کیا بتایا اُس نے۔"

"کچھ نہیں.... سڑے سڑے سے منہ بناتا رہا تھا۔"

"وہ قطعی پسند نہیں کرتا کہ کوئی عورت اُس کے باس کے قریب بھی آئے۔"

"کوئی آنے ہی کیوں لگی۔" ساجدہ نے تلخ لہجے میں کہا۔

"یہ نہ کہو.... نہ جانے کتنی آئیں اور تھک ہار کر واپس چلی گئیں۔ تم نے اُس لڑکی جولیانا فٹنر واٹر کو دیکھا ہی ہے....!"

"ہاں.... تو پھر....؟"

"وہ عمران کے لئے جان بھی دے سکتی ہے۔"

"اونہہ ہوگا.... مجھے کیا.... لیکن میرا مستقبل....!"

صفدر کچھ نہ بولا۔ وہ سگریٹ سلگا رہا تھا۔

دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی۔ صفدر نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

سامنے ایک یوریشین لڑکی کھڑی نظر آئی۔ جوزف کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ورنہ اُس کی موجودگی میں وہ دستک کیسے دے سکتی۔ اُسے دروازے کے قریب آنے ہی نہ دیتا۔

"میں یہ اطلاع دینے آئی ہوں۔" اُس نے بڑھ کر ہنسی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارا باڈی گارڈ لاؤنج میں بیٹھا دھاڑیں مار مار کر رو رہا ہے۔"

"کیا....؟" صفدر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"خود جا کر دیکھ لو....!" اُس نے کہا اور مسکراتی ہوئی دوسری طرف مڑ گئی۔

صفدر بھنایا ہوا کمرے میں آیا اور کوٹ پہن کر پھر باہر جانے والا ہی تھا کہ ساجدہ بول پڑی۔

"کہاں چلے.... میں تنہا نہیں رہوں گی۔"

"بیکار باتیں مت کرو۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔ "لاؤنج تک جا رہا ہوں۔"

لاؤنج کی طرف جاتے وقت سوچ رہا تھا کہ آخر ایکس ٹو نے یہ دونوں بلائیں اُس کے گلے میں کیوں لگائی ہیں اس سے پہلے کبھی خود ایکس ٹو کی طرف سے جوزف کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا

تھا۔ اس بار کیوں اس نے باڈی گارڈ کے فرائض اس کے سپرد کئے تھے۔

لاؤنج میں پہنچ کر اُس نے جوزف کے گرد بھیڑ دیکھی جو فرش پر اکڑوں بیٹھا دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا اور ہوٹل کے منتظمین اُسے وہاں سے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

دفعتاً اسی بھیڑ سے کسی نے کہا۔ "وہ اس کا باس بھی آ رہا ہے۔"

لوگ صفدر کی طرف متوجہ ہو گئے اور اُسے جوزف تک پہنچنے کے لئے راستہ بھی دیا۔

"جوزف.... جوزف....!" صفدر نے اُس کے شانے پکڑے اور اُسے بُری طرح جھنجھوڑتا رہا لیکن اُس کے رونے کی رفتار کم نہ ہوئی۔

"جناب عالی! اسے لیجائیے یہاں سے.... ورنہ ہوٹل کا ریپوٹیشن خاک میں مل جائے گا۔" ایک منتظم نے ہانپتے ہوئے کہا۔

صفدر نے جوزف کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اٹھانے کی کوشش کی لیکن اُس نے اپنی ٹانگیں پھیلا دیں.... اور جب صفدر نے تھک ہار کر ہاتھ اُس کی بغلوں سے نکالے تو وہ فرش پر لمبا لمبا لیٹا ہوا تھا۔ دھاڑیں اب بھی جاری تھیں۔ کچھ کہے بغیر متواتر روئے جا رہا تھا۔

صفدر کو ایسا لگ رہا تھا جیسے سر بازار کسی نے کپڑے اتروا لئے ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس مشین کی کون سی کل دبائی جائے کہ اس کی "بھوں بھوں" رکے۔

آخر اس نے بے بسی سے کہا۔ "اُو.... جوزف.... تجھے مسمراٹا کھا جائے.... خاموش ہو جا ورنہ خوبصورت لڑکیوں کی جوتیاں تیرے سر پر منڈلائیں گی۔"

پھر سچ مچ ایسا ہی معلوم ہوا جیسے وہ کوئی چلتی ہوئی مشین ہی ہو جس میں یک بیک بریک لگ گئی ہو۔ وہ خوفزدہ انداز میں آنکھیں پھاڑے چھت کو گھورے جا رہا تھا اور دوسرے لوگ صفدر کو گھور رہے تھے کیونکہ اُس نے یہ چند الفاظ انگریزی ہی میں کہے تھے اور دوسرے سننے والوں نے بھی انہیں صاف سنا تھا۔

"اب اٹھ بھی۔" صفدر نے کہا۔ "ورنہ مسمراٹا۔"

"نہیں.... نہیں....!" جوزف بوکھلا کر اٹھتا ہوا بولا۔ "آج سنیچر کی رات ہے ایسا نہ کہو مسٹر.... ہولی فادر....!" اُس نے سینے پر کراس بناتے ہوئے کہا اور چپ چاپ اپنے کمرے کی طرف

پھر صفدر نے اُسی یوریشین لڑکی کی طرف دیکھا جس نے اس واقعے کی اطلاع صفدر کو دی تھی لڑکی اُس کے قریب آکر بولی۔ "تم نے اس سے جو کچھ کہا تھا اُس کا کیا مطلب تھا؟"

"مطلب....!" صفدر نے حیرت سے کہا۔ "افریقہ کے کالے جادو کا مطلب میں کیا بتا سکوں گا۔ ایک بندر نچانے والے سے اسے خریدا تھا۔ اُسی نے بتایا تھا یہ جادو کہ جب کوئی کل ٹیڑھی ہو جائے اسی منتر کے ذریعے سیدھی ہو سکے گی۔"

"ایسے بیوقوف آدمی کو باڈی گارڈ بنانے سے کیا فائدہ۔ میں نے اُسے پیتے بھی دیکھا ہے۔ بے تحاشہ پیتا ہے۔"

"چھ بوتلیں یومیہ۔" صفدر نے کہا۔ اب وہ اپنے کمروں کی طرف چل پڑا تھا اور لڑکی بھی اُس کے ساتھ ہی ساتھ چل رہی تھی۔

"چھ بوتلیں....!" اُس نے حیرت سے دہرایا۔ "آخر اس میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ تم اتنے اخراجات برداشت کرتے ہو۔"

"بڑے کام کا آدمی ہے۔" صفدر بولا۔ "ہنسنے کے مقام پر روتا ہے اور رونے کے مقام پر قہقہے لگاتا ہے۔"

"کیا تم کسی دیسی ریاست سے تعلق رکھتے ہو۔"

"ہاں.... میں رانا تہور علی صندوقی کا پرائیویٹ سیکریٹری ہوں۔"

"یہ رانا تہور علی کون ہے۔"

"بہت بڑا آدمی ہے۔ یہ جانور جسے ابھی تم دہاڑیں مارتے دیکھ چکی ہو اُسی نے پال رکھا ہے۔"

"رانا تہور علی کہاں ہے؟"

"پتہ نہیں.... سیلانی آدمی ہیں۔ کہیں نہ کہیں ضرور ہوں گے۔"

"مجھے بے حد شوق ہے کہ کسی دیسی ریاست کے شہزادے کی سیکریٹری بنوں۔"

صفدر نے چلتے چلتے رک کر اُسے غور سے دیکھا۔ وہ بھی رک گئی تھی۔

"اس طرح کیا دیکھ رہے ہو۔"

"میں دیکھ رہا ہوں کہ کہیں تم پہلے ہی سے تو اس موقعہ کی تاک میں نہیں تھیں۔"

"کیا مطلب؟"

"تم خواہ مخواہ مجھ سے گفتگو کے مواقع تلاش کرتی ہو۔" صفدر نے سخت لہجے میں کہا۔

"چلو یہی سہی۔" وہ بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔ "لیکن اسمیں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔"

"ہوں، تو تم ہماری اسٹیٹ کی ملازمت چاہتی ہو۔" صفدر نے پر تفکر لہجے میں کہا لیکن آواز میں سختی ابھی تک برقرار تھی۔

"یقیناً چاہتی ہوں۔"

"فی الحال کیا کر رہی ہو۔"

"میں یہاں اس ہوٹل کے ٹیلی فون ایکسچینج پر بیٹھتی ہوں۔"

"کیا یہ ملازمت پسند نہیں۔"

"اگر آزادروی پر اتر آؤں تو اُس سے زیادہ منفعت بخش اور کوئی دوسرا کام ہو ہی نہیں سکتا۔"

"اچھی بات ہے۔ میں غور کروں گا۔"

"تو پھر میں صبح کو ملوں۔" یوریشین لڑکی نے پوچھا۔

"میں خود مل لوں گا۔" صفدر بھی کسی قدر لگاوٹ کے ساتھ مسکرایا۔ "تمہارے ڈیوٹی کے اوقات کیا ہیں۔ کیا نام ہے۔"

"ریٹا.... ریٹا جبرائیل.... میں یہیں رہتی ہوں۔ کمرہ نمبر ستائیس۔"

"ٹھیک ہے! میں سوچوں گا کہ تمہارے لئے کہاں جگہ نکالی جائے۔"

"صرف سیکریٹری شپ چاہتی ہوں۔" وہ انگلی اٹھا کر بولی۔

"اُوہو.... تو تم میری جگہ لینا چاہتی ہو۔"

"تمہیں وہ کوئی دوسری جگہ دے دے گا۔ مردوں کے مرد سیکریٹری اچھے نہیں لگتے۔"

"خیر.... خیر.... دیکھا جائے گا۔" صفدر جماہی لے کر بولا۔ "اب مجھے نیند آرہی ہے۔"

"شب بخیر۔" وہ دوسری طرف مڑتی ہوئی بولی۔ "خیال رکھنا۔"

صفدر اپنے کمرے میں جانے سے پہلے جوزف کی طرف متوجہ ہوا۔ جو دروازے سے تین یا چار فٹ کے فاصلے پر پتھر کے کسی بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑا تھا۔

"کیا ہو گیا تھا تمہیں....!" صفدر نے پوچھا۔

"میں تمہیں جوابدہ نہیں ہوں مسٹر۔" صرف اُس کے ہونٹوں نے جنبش کی۔

"کیا مطلب....؟"

"جو کچھ میں کر رہا ہوں باس کے حکم سے کر رہا ہوں... لیکن تم نے اس وقت اُس منحوس بدروح کا نام لے کر میرا نشہ اکھاڑ دیا ہے.... چھٹی بوتل میں صرف چوتھائی رہ گئی ہے۔ سوچتا ہوں صبح تک کیا ہوگا۔"

"عمران صاحب نے....!"

"خاموش رہو۔ کسی کا نام لینے کی ضرورت نہیں۔ ابھی وہ سفید چڑیل تم سے کیا باتیں کر رہی تھی۔"

"اوہو تو کیا میں تمہیں جوابدہ ہوں۔"

"نہیں لیکن ہوشیار رہنا.... سفید نسل کا خون جس میں بھی ہو اُس سے ہوشیار رہو۔ خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔"

"مشورے کا شکریہ۔" صفدر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

صبح ہوتے ہی صبیحہ پائیں باغ میں نکل آئی۔ ابھی صرف وہی ملازم بیدار ہوا تھا جس کے ذمے باورچی خانے کے انتظامات تھے لہٰذا وہ باورچی خانے میں مشغول تھا۔

وہ مالی کی کوٹھری کی طرف بڑھی۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ اس نے جھانک کر دیکھا چارپائی خالی نظر آئی اور اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ رات ہی نکل بھاگا ہوگا۔ اس نے سوچا.... اندر ملگجا سا اندھیرا تھا.... اُس نے دروازہ کچھ اور کھول کر چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر جی دھک سے ہوگیا۔ یہ چارپائی کے نیچے کون پڑا تھا جس کی ٹانگیں دوسری طرف نکلی ہوئی تھیں۔

دل شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔ کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا کہ کیا معاملہ ہے۔

وہ دروازہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ آئی۔ ابھی پچھلے ہی دنوں اُس نے ایک جاسوسی ناول پڑھا تھا جس میں ایک ایسے ہی اجنبی کی کہانی تھی۔ اجنبی نے کسی کے مکان میں رات بسر کرنے کی اجازت چاہی تھی۔ وہاں سویا بھی تھا اور جب دوسری صبح صاحب خانہ اُس کے کمرے میں گیا تو اس کی گردن دھڑ سے الگ پائی تھی۔ چاروں طرف خون پھیلا ہوا تھا۔

اسکی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ اگر کسی نے قتل کردیا ہے تو اب کیا ہوگا۔ ملازمین

شہادت دیں گے کہ اُس کی ماں اور نانی نے اُسے پکڑوا کر بند کرا دیا تھا۔ انہیں اس کا علم تو نہیں ہے کہ اُس نے رات ہی اُسے اسٹور سے باہر نکال کر مالی کی کوٹھری میں پہنچا دیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں خدا کے حضور گڑگڑانے لگی۔ سوچ رہی تھی کہ بزرگوں کو پریشان کرنے کی سزا ملی ہے اُسے!

پھر وہ اچھل پڑی کیونکہ مالی کی کوٹھری کا دروازہ آواز کے ساتھ کھلا تھا۔

"گڈ مارننگ...." اجنبی کی بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

"تم....زندہ ہو....!" صبیحہ اس کی طرف جھپٹی۔

"ابھی تک تو زندہ ہوں لیکن اگر دس منٹ کے اندر اندر ناشتہ نہ ملا تو یہیں ڈھیر ہو جاؤں گا۔"

"تو تم ہی چارپائی کے نیچے پڑے تھے۔"

"جی ہاں.... بالکل.... کیا کرتا.... میں نے سوچا جس کی چارپائی ہے اگر اُس نے آکر سوتے سے اٹھا دیا تو خواہ مخواہ کی بوریت ہوگی۔ لہٰذا کیوں نہ میں چارپائی کے نیچے ہی سو رہوں۔"

"اچھا اب چلتے پھرتے نظر آؤ۔" وہ اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"ناشتے کے بغیر ہی.... نہیں ایسا ظلم نہ کیجئے.... میری جیب نہ کٹ گئی ہوتی تو کبھی نہ کہتا مجھے خود ہی بھیک مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔"

"تم یقیناً کوئی بھکاری ہی ہو۔" صبیحہ دانت پیس کر بولی۔ "مجھے اب تم سے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہیں رہ گئی تم نے ابھی مجھے ڈرا دیا تھا۔"

"میں نے....!" اجنبی نے حیرت سے کہا۔ "کب....؟"

"جب تم چارپائی کے نیچے اوندھے پڑے ہوئے تھے میں سمجھی شاید کسی نے تمہیں قتل کردیا ہے۔"

نوجوان بوکھلا کر اپنی گردن ٹٹولنے لگا۔ پھر پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔ "کیوں ڈرا رہی ہیں مجھے۔"

"بس چلے جاؤ یہاں سے۔"

"کہاں جاؤں؟" اس نے بے بسی سے کہا۔ "سامان اگر مل بھی گیا تو واپسی کا کرایہ نہیں ہے۔"

"اب ایک پائی بھی نہ دوں گی سمجھے....؟"

"جی سمجھ گیا۔"

"تو پھر جاؤ۔"

"یااللہ میں کہاں جاؤں۔" وہ اپنی پیشانی پر دوہتھڑ مار کر بلبلایا۔ "ارے میں موٹر ڈرائیوری بھی کر سکتا ہوں.... صرف ڈی ایس سی آکسن ہی نہیں ہوں۔"

"کیا.... کیا.... ڈی ایس سی آکسن.... تم....!"

"ہاں.... میں نے فزکس میں ریسرچ کی تھی۔"

"جناب نے....!" وہ اُس کے چہرے کے قریب ہاتھ لے جا کر بولی۔

"ب.... بالکل بالکل....!"

"میٹرک تک فزکس پڑھ لی ہو گی۔"

"خدا غارت کرے مجھے۔" وہ غصہ سے اپنا سر پیٹ کر بولا۔ "کیسے لوگوں میں آ پھنسا ہوں۔"

"تم کوئی بہت بڑے فراڈ ہو۔"

"مجھے کب انکار ہے اِس سے..... لیکن میٹرک ویٹرک کی بات تو نہ کرو۔"

"تمہیں اعتراف ہے کہ تم فراڈ ہو۔"

"بالکل ہے۔ بھوک لگی ہو تو سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ میری بات سنو میں دنیا میں صرف تین کام کر سکتا ہوں۔ سائنس کی پروفیسری یا موٹر ڈرائیوری.... یا پھر بھیک مانگ کر گزارا کر سکتا ہوں۔"

"تو یہاں تم پروفیسری کی تلاش میں آئے تھے یا موٹر ڈرائیوری کی....؟"

"کسی کے لئے بھی آیا ہوں لیکن اب تو بھیک مانگتا پھر رہا ہوں۔"

"وہ بھی نہیں ملے گی۔ اَب چلے ہی جاؤ ورنہ نوکروں کو بلاتی ہوں۔"

"چلا جاؤں گا.... لیکن جاؤں کہاں۔"

"تلاش کرو جا کر اپنے چودھری عبداللطیف کو۔"

"کوئی تدبیر بتایئے ایسی کہ اُس تک پہنچ سکوں۔"

"سر کے بل کھڑے ہو کر سوچو شاید یاد آ جائے۔"

"جی بہت اچھا۔" بڑی سادگی سے کہا گیا۔

اور پھر صبیحہ نے دیکھا وہ پھرتی سے سر کے بل کھڑا ہو گیا ہے۔

"ارے ارے.... یہ کیا حرکت۔" صبیحہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

اتنا اجالا تو پھیل ہی چکا تھا کہ اُس کی یہ حرکت دور سے بھی دیکھی جا سکتی۔

"آپ ہی نے تو کہا تھا۔" اجنبی نے اُسی طرح سر کے بل کھڑے ہوئے کہا۔

"تم بھکاری ہی نہیں مداری بھی ہو۔" صبیحہ دانت پیس کر بولی۔ "سیدھے ہو جاؤ ورنہ اب میں ہی تم پر پتھراؤ شروع کر دوں گی۔"

"ارے.... بب.... باپ رے۔" وہ سیدھا ہوتا ہوا بولا۔ چند لمحے صبیحہ کو گھورتے رہا پھر بولا۔ "اب مجھے بھی غصہ آ جائے گا۔"

"تو کیا بگاڑ لو گے تم میرا۔"

"چیختا پھروں گا سارے شہر میں کہ میں اختر ہوں۔ ڈپٹی صاحب کی قرۃ العین صبیحہ نے خط لکھ کر مجھے بلوایا تھا۔ رات بھر اسٹور میں بند رکھا اور اب ٹھوکریں کھانے کے لئے چھوڑ دیا ہے.... دو اللہ کے نام پر۔"

"اگر تم نے مجھے بدنام کرنے کی کوشش کی تو جہنم میں پہنچا دیئے جاؤ گے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔"

"میں کہتی ہوں چلے جاؤ یہاں سے۔"

"میں کہتا ہوں ناشتہ کراؤ.... نہیں تو یہیں کھڑے ہو کر چیخنا شروع کر دوں گا کہ اسٹور روم سے نکال کر اس کوٹھڑی میں بند رکھا تھا۔"

"تم عجیب آدمی ہو۔"

"عجیب ترین کہو۔ موٹر ڈرائیوری ہی دلوا دو کہیں۔ ایسے ایسے کرتب دکھاؤں گا کہ جی خوش ہو جائے گا۔"

"آخر تم چاہتے کیا ہو۔"

"فی الحال ناشتہ اور اس کے بعد نوکری۔ لیکن نوکری بغیر انٹرویو.... ورنہ ہرگز نہ ملے گی۔ پچھلے مہینے ایک جگہ انٹرویو میں گیا۔ وہاں ایک کاٹھ کا گھوڑا رکھا ہوا تھا جس پر بیٹھ کر بچے جھولتے ہیں۔ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا یہ کیا ہے میں نے کہا کاٹھ کا گھوڑا۔ انہوں نے پھر پوچھا اگر اس پر کوئی معمر آدمی بیٹھا ہوا نظر آئے تو تم پر اس کا کیا رد عمل ہو گا۔ میں نے کہا پہلے یہ بتایئے رد عمل کسے کہتے ہیں۔ بولے ری ایکشن کو۔ میں نے کہا میں انہیں اس حال میں دیکھ کر کاٹھ کا اُلو بن بیٹھوں گا۔ چلو انٹرویو تو وہیں کا وہیں ختم ہو گیا اور میں پچھلی رات تک پروانہ تقرر کا انتظار کرتا

رہا ہوں۔"

"قیامت تک کرتے رہو گے۔ تم خود ہی کوئی جیب کترے معلوم ہوتے ہو۔ خواہ مخواہ جیب کٹ جانے کی کہانی لے بیٹھے۔"

"اجالا پھیل گیا ہے۔" اجنبی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "اگر کسی نے مجھے اسٹور روم کی بجائے یہاں دیکھ لیا تو تمہاری کیا پوزیشن ہو گی.... اچھا ٹاٹا۔ اُس نے پھرتی سے کوٹھری میں گھس کر اندر سے کنڈی چڑھا دی۔

صبیحہ دانت پیستی رہ گئی۔ شدت سے غصہ آ رہا تھا اس چکنے گھڑے پر۔ کوئی حیادار آدمی ہوتا تو ایسی باتیں اُسے لڑ مرنے پر اکساتیں۔ لیکن یہاں تو اس طرح ان کی پذیرائی ہوئی تھی جیسے کان پر چلنے والی چیونٹی جھاڑ دی گئی ہو۔

پھر اب وہ کیا کرے۔ کس طرح اس بلا سے پیچھا چھڑائے۔ اُس نے بھی یہ بات بڑے پتے کی کہی تھی کہ اگر وہ اسٹور روم کی بجائے وہاں پایا گیا تو خود صبیحہ کا کیا حشر ہو گا۔

وہ جھلا کر دروازہ پیٹنے لگی اور وہ اندر سے بولا۔ "میں تمہارے پاپا کے آنے تک یہیں بند رہوں گا۔"

"اے موذی.... خبیث نکلو باہر ورنہ....!" وہ دانت پیس پیس کر بولی۔

"شائے لاؤ۔" اندر سے آواز آئی۔

"خدا غارت کرے تمہیں سور کمینے۔"

"چلو یہی دعا مانگو! میں بھی اس دکھ بھری زندگی سے نجات کا خواہاں ہوں۔"

"مرو گے.... اللہ نے چاہا تو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرو گے۔"

"تھوڑی دیر اور ناشتہ نہ ملا تو تمہاری بددعاؤں کے بغیر ہی یہ سب کچھ ہو جائے گا۔"

صبیحہ نے سوچا اس موذی کو اب مزہ ہی چکھانا چاہئے.... تنتناتی ہوئی سیدھی باورچی خانے کی طرف آئی.... یہاں ملازم چائے تیار کر چکا تھا۔ کچھ سینڈوچ بھی بنا لئے تھے.... ساتھ ہی بڑی بی کے لئے دلیا بھی تیار کر رکھا تھا۔

اُس نے اُس سے کہا کہ تھرماس میں چائے بھر دے اور کچھ سینڈوچ بھی پیک کر دے وہ باہر جائے گی۔

پھر اُس نے گیراج سے گاڑی نکالی.... اور ناشتے کا سامان لینے پھر باورچی خانے میں آئی۔

باورچی نے ناشتے کی جھابی تیار کر دی تھی۔

صبیحہ سوچ رہی تھی کہ آج اس کمبخت کو سارا دن بھوکا مارا جائے۔ کیوں نہ وہ مالی کی کوٹھری کو باہر سے مقفل کر دے۔ شاید ہی کوئی ادھر دھیان دیتا ہو۔ دروازے میں قفل دیکھ کر کسی کو بھی اس نئی تبدیلی کا احساس نہ ہو گا۔ وہ شور تو مچانے سے رہا۔ چوں بھی کی تو حجامت بن جائے گی۔ اتنا بھی احمق نہ ہو گا کہ اتنی موٹی سی بات سمجھ میں نہ آ سکے۔

بہر حال اُس نے مالی کی کوٹھری مقفل کر دی۔ جلدی میں تھی۔ اکثر صبح کا ناشتہ شہر سے باہر کسی ویرانے میں کرتی تھی۔ ایسے مواقع پر کار خود ہی ڈرائیو کرتی تھی۔ ویسے بھی آج کل کوئی ڈرائیور نہیں تھا۔ ڈپٹی صاحب کو ڈرائیور کی تلاش تھی لیکن ابھی تک کوئی معقول آدمی نہیں ملا تھا۔ بہت آزاد خیال تھے لیکن نہ جانے کیوں ڈرائیور کے لئے بوڑھے آدمی کی تلاش تھی۔ صبیحہ نے کئی بار اس مسئلہ پر اُن سے بحث بھی کرنی چاہی تھی لیکن وہ اِدھر اُدھر کی باتوں میں اُڑا جاتے۔

افق کی گہری سرخی میں چمکیلا پن آ چلا تھا اور صبیحہ کی کار ویرانوں کی طرف اڑی جا رہی تھی۔

عادل آباد بہت بڑا شہر نہیں تھا۔ میل ڈیڑھ میل کے بعد ہی سے ہرے بھرے کھیتوں کے سلسلے شروع ہو گئے تھے۔

دفعتاً عقب نما آئینے میں سرخ رنگ کی ایک اسپورٹ کار نظر آئی اور اُسے یکلخت غصہ آ گیا۔

"سور کا بچہ....!" وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑائی۔

وہ جب بھی اس طرح تنہا گاڑی لے کر باہر نکلتی وہ "مردود" تعاقب شروع کر دیتا تھا۔ لیکن آج تک چھیڑ چھاڑ نہیں کی تھی۔ جہاں وہ ٹھہر کر ناشتہ کرتی اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر وہ بھی اپنی کار روک دیتا یا تو خود بھی ناشتہ کرتا یا سگار سلگا کر بیٹھا رہتا۔

اس سے ڈپٹی صاحب بھی خائف رہتے تھے لہٰذا وہ ان ہی سے شکایت کر کے اُس کا کیا بگاڑ لیتی۔ ڈپٹی صاحب بھی اُس سے اس لئے ڈرتے تھے کہ وہ ڈویژن کے کمشنر کا سالا تھا۔

عین اُن کے بنگلے کے سامنے والی کوٹھی میں رہتا تھا وہاں عورتیں نہیں تھیں۔ لیکن کبھی کبھی نظر ضرور آتی تھیں۔ ہر بار نئی نئی شکلیں۔

بھدا سا آدمی تھا۔ البتہ اعضاء مضبوط تھے۔ بس ایسا لگتا تھا جیسے کسی بنئے کو پہلوانی کا شوق چرایا ہو۔

آج بھی اُس نے کچھ آگے بڑھ کر اپنی اسپورٹ کار روکی تھی۔ صبیحہ گاڑی سے باہر نہ نکلی۔ وہ اُس سے خائف نہیں تھی۔ اُس کی بجائے کوئی اور لڑکی ہوتی تو ایک آدھ بار کے تعاقب کے بعد ہی سے اِدھر آنا چھوڑ دیتی لیکن صبیحہ نے اپنی روش نہیں بدلی تھی۔ اب تو اُسے ضد ہو گئی تھی۔ چاہتی تھی کہ کبھی وہ کچھ بولے اور وہ اس کی گردن دبوچ بیٹھے۔ اُس نے سوچا آج گاڑی سے باہر نہ نکلے گی۔ شاید اسی پر وہ کچھ کہے۔ صبیحہ کو اس کی بھی پرواہ نہیں تھی کہ یہاں اس ویرانے میں اُن دونوں کے علاوہ دور دور تک کسی تیسرے وجود کا پتہ نہیں اگر اُس نے کچھ شروع کر دیا تو کیا ہوگا۔

دفعتاً اُس نے دیکھا کہ وہ اپنی گاڑی بیک کر کے اسی طرف لا رہا تھا۔ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے وہ اُس کی اسپورٹ کار کو گھورتی رہی۔ پھر اُس کی گاڑی اُس کے برابر ہی آ لگی.... اور صبیحہ کا جی دھک سے ہو گیا۔ ایک بہت بڑا چاقو اُس کی گود میں کھلا پڑا تھا۔

اب اُسے احساس ہوا کہ وہ زبردست غلطی کرتی رہی ہے اب اگر اس ویرانے میں وہ کچھ شروع کر دے تو اُس کا کیا بگاڑ سکے گی.... اُس نے اس طرف کبھی دھیان ہی نہیں دیا تھا۔

اُسے خود پر غصہ آنے لگا۔ آخر اُس نے اس ضد بندی کے سلسلے میں اس پہلو پر غور کیوں نہیں کیا تھا۔ وہ کیا بگاڑ سکے گی اُس کا۔ جسمانی قوت اُس سے زیادہ تو رکھتی نہیں.... شاید ان دنوں ستارے ہی گردش میں تھے۔ ہر معاملے میں منہ کی کھانی پڑ رہی تھی۔

اُس نے گاڑی اُس کی گاڑی کے برابر روک کر انجن بند کر دیا اُس کی طرف مڑا.... اور صبیحہ نے اُس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔ اَدھ کھلی آنکھوں کے سائے میں وہ مسکراہٹ کتنی خوفناک تھی۔ لیکن صبیحہ بھی جی کڑا کر کے اس کی طرف دیکھے ہی جا رہی تھی۔ کبھی کبھی اُس چاقو کی طرف بھی دیکھتی جو اُس کی گود میں پڑا چمک رہا تھا۔

دفعتاً اُس نے صبیحہ کے چہرے سے نظر ہٹائی اور اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر رکھی ہوئی جھابی سے ایک سینڈوچ نکالا اور خاموشی سے کھانے لگا۔

صبیحہ بھی چونکی.... زندگی میں شاید پہلی بار وہ اتنی خوفزدہ ہوئی تھی اور اس نے اسٹارٹر کی طرف ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ اسپورٹ کار سے آواز آئی۔ ''اسے بھی دیکھ لو۔''

صبیحہ نے بوکھلا کر دیکھا.... اُس کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا بڑا سا ریوالور نظر آیا۔

''چاروں پہیے.... بیکار کردوں گا.... ذرا آگے بڑھ کر تو دیکھو....!''

لعنت ہے ایسی ضدی طبیعت پر۔ اُس نے دل ہی دل میں لرزتے ہوئے سوچا۔ اب بھلا اِس میں ضد بندی کی کیا ضرورت تھی۔ اگر اُس نے ایک آدھ بار تعاقب کیا تھا تو ادھر آنا ہی چھوڑ دیتی.... ایسا نہ کرتی تو زندگی کے معمولات میں کیا فرق پڑتا۔

پچھلی رات اختر کے معاملے میں پریشان ہو چکی تھی تو صبح محتاط ہی رہنا چاہئے تھا لیکن یہ دوسری حماقت سرزد ہو ہی گئی۔

وہ ایک ٹک اُس خوفناک ریوالور کو دیکھے جا رہی تھی کہ دفعتاً پشت سے ایک ہاتھ ریوالور پر پڑا اور ساتھ ہی ریوالور والے کے سر پر ایک میلا سا کپڑا بھی۔

اُس نے یہ بھی دیکھا کہ ریوالور اچھل کر گاڑی کے نیچے آ گرا ہے.... ایک تیسرا آدمی اس نامعقول آدمی کو دبوچے ہوئے تھا۔ وہ اُس کی صورت نہ دیکھ سکی کیونکہ پشت اسی کی طرف تھی پھر جب وہ اس کی طرف مڑا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں.... یہ تو وہی پچھلی رات والا لفنگا تھا جسے وہ مالی کی کوٹھری میں بند کر کے قفل لگا آئی تھی۔ اُس نے جھک کر ریوالور اٹھا لیا اور اُسے تعاقب کرنے والے کی گردن سے لگائے کہہ رہا تھا۔ ''دوسری طرف گھوم جاؤ اگر ادھر مڑے تو گولی مار دوں گا۔''

دوسرے ہاتھ سے اس نے اس کی گود میں پڑا ہوا چاقو بھی اٹھا لیا تھا۔

صبیحہ نے دیکھا کہ اُس نے وہی میلا کپڑا جو اس نے اس کے سر پر ڈالا تھا گردن میں اس طرح باندھ دیا ہے کہ سر اور چہرہ چھپ کر رہ گئے ہیں۔

''اب کراؤ ناشتہ....!'' اُس نے صبیحہ کی طرف مڑ کر کہا۔

اور وہ بے ساختہ ہنس پڑی.... اجنبی نے بھی احمقانہ انداز میں دانت نکال دیئے۔

''تم یہاں کیسے پہنچ گئے۔'' اُس نے اپنی گاڑی سے اترتے ہوئے پوچھا۔

لیکن احمق نے بائیں آنکھ دبا کر اُسے اس مسئلے پر کچھ کہنے سے باز رہنے کا اشارہ کیا۔

صبیحہ سچ مچ کھلی پڑ رہی تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس اجنبی کو عرصہ سے جانتی ہو۔

اجنبی نے ریوالور اور چاقو صبیحہ کی گاڑی میں ڈال دیئے اور تعاقب کرنے والے کے سر پر سے وہ کپڑا بھی کھینچ لیا۔ لیکن اجنبی دوسری ہی جانب مڑا بیٹھا رہا۔

''اب تم اِدھر دیکھ سکتے ہو۔'' اجنبی نے احمقانہ انداز میں خوش ہو کر کہا۔

وہ اُس کی طرف مڑا اور اُس کے ہاتھ میں ریوالور نہ دیکھ کر شیر ہو گیا۔ گاڑی میں بیٹھے ہی بیٹھے ٹیک لگا کر چھلانگ لگائی اور اجنبی پر جھپٹ پڑا۔ صبیحہ ڈری ڈری سی آوازیں نکالتی ہوئی ایک طرف ہٹ گئی۔ تعاقب کرنے والا اس کی دانست میں اس احمق نوجوان سے کہیں زیادہ مضبوط اور طاقتور تھا.... دونوں الجھے ہوئے زمین پر آئے.... پھر صبیحہ نے دیکھا کہ احمق تڑپ کر اُس کی گرفت سے نکل گیا ہے۔

اس کے بعد اس نے اُسے بھی زمین سے اٹھ جانے کی مہلت نہیں دی۔ بس ٹھوکروں پر رکھ لیا تھا اور تعاقب کرنے والا کسی بے بس بھینسے کی طرح ڈکراتا ہوا بار بار اپنی پوزیشن تبدیل کئے جا رہا تھا۔ لیکن شاید ہی اجنبی کی کوئی ٹھوکر خالی گئی ہو.... اور ہر ٹھوکر پر اُس کے چہرے پر کچھ ایسے ہی تاثرات نظر آتے جیسے وہ اُسے ٹھوکر مار کر پچھتا رہا ہو۔ بے حد شرمندہ ہو اپنی اس حرکت پر جو مشینی طور پر متواتر سرزد ہوتی چلی جا رہی ہو.... مار کھانے والے کی پیشانی سے خون بہہ بہہ کر پورے چہرے پر پھیل رہا تھا اور وہ بار بار اپنی آنکھیں صاف کرتا تھا۔

"بس کرو.... اب بس کرو۔" صبیحہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"چلو بس ہو گئی۔" اجنبی پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

پٹنے والا اوندھے منہ پڑا تھا۔

وہ دونوں خاموشی سے اُسے دیکھتے رہے۔ خون دیکھ کر صبیحہ پہلے سے بھی زیادہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کہنا یا کرنا چاہئے۔

دفعتاً اجنبی روہانسی آواز میں بولا۔ "ارے اس ورزش کی وجہ سے تو بھوک اور زیادہ چمک اٹھی ہے۔"

صبیحہ نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ناشتے کی چھابی پچھلی سیٹ سے اٹھائی اور اس کی طرف خاموشی سے بڑھا دی۔ اُس نے بیک وقت دو تین سینڈوچ نکال لئے اور ایک سینڈوچ پر منہ مارتا ہوا زخمی آدمی کو پُر تشویش نظروں سے دیکھتا رہا۔

صبیحہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر خود اُسے دیکھ رہی تھی۔ آخر کس قسم کا آدمی ہے۔ کوئی اور ہوتا تو سینڈوچ کھانے کی بجائے یہاں سے چپ چاپ کھسک جانے کی فکر کرتا کیونکہ پٹنے والا بہت زیادہ زخمی بھی ہو گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ منہ چلاتے چلاتے رک کر اُس سے بولا۔ "ہوش میں آنے کا انتظار کرو گی یا چلتے پھرتے نظر آئیں۔"

"میں کہتی ہوں اب بھاگو یہاں سے۔ اگر کوئی آ گیا تو.... یہ کمشنر کا سالا ہے۔"

"تبھی اتنا کالا ہے۔" وہ سر ہلا کر بولا۔

"جلدی سے گاڑی پر بیٹھ جاؤ۔"

"اسے یہیں چھوڑ جاؤ گی۔"

"نہیں تو پھر کیا خود ہی ہسپتال پہنچائیں گے۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔ "چلو جلدی کرو۔"

"ٹھہرو...." اجنبی نے اسپورٹ کار کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

بونٹ اٹھا کر کچھ دیر تک انجن پر جھکا رہا۔ پھر بونٹ گرا کر صبیحہ کی گاڑی کی طرف آیا۔ ریوالور اور چاقو پچھلی سیٹ پر پڑے تھے انہیں اٹھا کر رومال سے صاف کیا اور زخمی کی گاڑی میں ڈال کر پھر پلٹ آیا.... اس بار وہ سیدھا صبیحہ کی گاڑی کے اسٹیئرنگ پر جا بیٹھا تھا۔

"کیا مطلب؟" صبیحہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔ "تم ڈرائیو کرو گے۔"

"بالکل.... یہ بھی دیکھ لو کہ ڈرائیور کیسا ہوں۔"

صبیحہ چپ چاپ پچھلی سیٹ پر جا بیٹھی.... وہ سوچ رہی تھی شائد وہ اُسے اپنے قریب بیٹھنے کو کہے لیکن ایسا نہیں ہوا۔

"کہاں چلوں....!" اجنبی نے پوچھا۔

"میں تو کہہ رہی تھی کہ.... یہ یہاں....!"

"اُسے چھوڑو.... ہوش آ گیا تو اس کی قسمت.... نہ آیا تو گیدڑ سمجھ بوجھ لیں گے آخر انہیں بھی تو بھوک لگتی ہی ہے۔"

"یہ.... یہ.... دراصل.... ڈویژنل کمشنر کا سالا ہے۔"

"پوری سسرال کا کمشنر ہو میری بلا سے۔"

"تم سنو تو سہی۔"

"سناؤ....!" اجنبی جھلائے ہوئے انداز میں پلٹ پڑا۔

"ہمارے بنگلے کے سامنے رہتا ہے۔"

"اچھا تو پھر....!"

"تم سمجھتے کیوں نہیں۔ میرے والد ڈپٹی کلکٹر ہیں۔"

"بہت سی لڑکیوں کے والد ڈپٹی کلکٹر ہوں گے پھر میں کیا کروں؟"

"مطلب یہ کہ وہ ڈویژنل کمشنر کے ماتحت ہیں.... اور یہ اُن کا سالا۔"

"ہو گا سالا....!"

"اچھا چلو....!" وہ مردہ سی آواز میں بولی۔ ساری شیخی اور شوخی دھری رہ گئی تھی۔ اب تو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے اُس اجنبی کی غلامی کرتی چلی آئی ہو۔ گاڑی چل پڑی اور صبیحہ نے کچھ دیر بعد اُسے مخاطب کیا۔

"میں تو کوٹھری کو مقفل کر آئی تھی۔"

"اب بھی مقفل ہی ہو گی۔"

"کیا مطلب....؟"

"میں کیا جانوں.... کیا مطلب....!"

"ارے تم کوٹھری سے نکلے کیسے تھے۔"

"جب تم گاڑی گیراج سے نکال کر اندر چلی گئی تھیں تو میں باہر نکلا تھا۔ ڈکی اٹھائی تھی اور اندر.... ڈکی ہمیشہ مقفل رہنی چاہئے۔"

"اوہ.... تو میں نے کوٹھری میں اس وقت قفل لگایا تھا جب تم اندر نہیں تھے۔"

"یہی بات رہی ہو گی۔"

"تم نے ابھی تک مجھ سے اُس آدمی کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔"

"کیا ضرورت ہے۔ مجھے تو نوکری چاہئے۔ ڈرائیوری ہی سہی.... ورنہ میرے ہونے والے سالے تو مجھے ذبح ہی کر ڈالیں گے۔"

"مگر تم میرے یہاں کیسے ڈرائیوری کر سکو گے۔ تمہیں تو سب جانتے ہیں۔"

"مجھے کوئی نہیں پہچانتا....!" اجنبی نے عقب نما آئینے کی پوزیشن کسی قدر بدلتے ہوئے کہا۔ صبیحہ کی نظر آئینے پر پڑی اور وہ دم بخود رہ گئی۔

یہ کون ہے؟ آئینے میں کس کی شکل نظر آ رہی ہے۔ وہ اجنبی تو نہیں ہو سکتا ہے پچھلی رات

اسٹور روم میں بند کر دیا گیا تھا یا ابھی کچھ دیر پہلے جس نے اُسے اُس موذی سے نجات دلائی تھی۔

وہ تو بڑا خوبرو تھا.... یہ کون ہے.... پھولی ہوئی ناک والا.... گھنی مونچھیں خم کھا کر نچلے ہونٹ کو بھی پار کر چکی تھیں۔

"مجھے پہچانا....؟" اجنبی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"مم.... تم.... یعنی کہ....!"

"نہیں پہچانا.... جب تم نہیں پہچان سکیں تو دوسرے کیا پہچانیں گے۔"

"تم کون ہو....!" صبیحہ پر دوسری بار خوف مسلط ہو گیا۔

"میں وہی اختر ہوں جس نے رات چارپائی کے نیچے گذاری تھی۔"

"لیکن یہ ناک.... یہ مونچھیں۔"

"بھیک مانگنے کے لئے ایک آدھ شعبدہ جیب میں پڑا ہی رہتا ہے۔ تم نہ مل جاتیں اس طرح تو اسٹیشن سے سامان لانے کے لئے بھیک ہی تو مانگنی پڑتی۔ اس طرح آسانی ہوتی ایک گلی میں بھیک مانگی اور دوسری گلی میں اکڑتا پھرا.... ہٹ جانا بھئی اختر صاحب جا رہے ہیں۔"

"بہت تیز چلا رہے ہو گاڑی۔"

"فکر نہ کرو۔"

"تو تم اس طرح بھیس بدل کر ہمارے یہاں ملازمت کرو گے۔"

"بالکل بالکل....!"

"اگر کبھی ممی کو شبہ ہو گیا تو۔"

"نہیں ہو گا.... ہو جائے تو میرے منہ پر تھوک دینا۔"

"میں سخت الجھن میں پڑ گئی ہوں۔"

"پڑی رہو۔" اُس نے لاپروائی سے کہا۔

"اس کے لئے نہیں۔" وہ جھنجھلا گئی۔ "میں تو اُس کے لئے کہہ رہی تھی جسے مار پیٹ آئے ہو۔ اگر مر گیا تو کیا ہو گا۔"

"مسلمان ہوا تو دفن کر دیا جائے گا۔ ہندو ہو گا تو شمشان کے حوالے۔"

"اوہ.... تم سمجھتے کیوں نہیں.... یہ بہت بُرا ہوا....؟"

"تو کیا وہ سب مذاق تھا.... وہ ریوالور.... وہ چاقو....!"

"پتہ نہیں کیا تھا۔" صبیحہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"کیا پہلے بھی تعاقب کرتا رہا ہے۔"

"میں جب بھی اس طرف نکلتی ہوں وہ ضرور تعاقب کرتا ہے۔"

"اُوہ.... تب تو ٹھیک ہے۔ تم خود ہی اُس کی حوصلہ افزائی کرتی رہی ہو۔"

"قطعی غلط.... محض ضد میں ایسا ہوتا رہا ہے.... میں اسے دکھانا چاہتی تھی کہ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"اور نہیں بگاڑ سکا.... کیوں؟"

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس حد تک بڑھ جائے گا۔"

"آئندہ سوچ لیا کرنا۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ تھوڑی دیر بعد اجنبی نے پوچھا۔ "تو تم یہ سب کچھ دوسروں کی ضد میں کیا کرتی ہو۔"

"ہاں.... یہی بات ہے۔"

"خبردار مجھے اپنے یہاں ملازم نہ رکھوانا۔"

صبیحہ ہنس پڑی۔ پھر یک بیک سنجیدہ بھی ہوگئی۔ وہ مستقل طور پر زخمی آدمی کے بارے میں سوچے جا رہی تھی۔ اب تو وہ کھلم کھلا دشمنی پر کمربستہ ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے اُسے بدنام کرنے کی بھی کوشش کرے۔ اس مار پیٹ کی رپورٹ تو درج کرانے کی ہمت نہیں کرے گا اگر ایسا ہوا بھی تو وہ رپورٹ کسی نامعلوم راہزن ہی کے خلاف ہوگی۔

"پھر کیا رہی میری نوکری کی۔" کچھ دیر بعد اجنبی نے پوچھا۔

"ہو جائے گی۔" اُس نے مردہ سی آواز میں کہا اور عقب نما آئینے میں دیکھنے لگی اجنبی کی پھولی ہوئی ناک اور گھنی مونچھیں بڑی کریہہ لگ رہی تھیں۔

"تو پھر میں سیدھا گھر ہی چلوں نا....!"

"ہاں.... ہاں.... میں کہہ دوں گی راستے میں گاڑی خراب ہوگئی تھی اگر یہ آدمی مدد نہ کرتا تو گھر تک نہ پہنچ سکتی۔ تجربہ کار ڈرائیور اور اعلیٰ درجہ کا مکینک ہے۔ بیکار ہے آج کل بیچارہ....

کیوں نہ اسے ہی ملازم رکھ لیا جائے۔"

"بالکل ٹھیک....!"

"لیکن تم وہی رات والے کپڑے پہنے ہوئے ہو۔"

"اُن کا حلیہ بھی بدل کر رکھ دوں گا.... تم فکر نہ کرو۔"

جوزف ریٹا جبرائیل کو کھا جانے والے انداز میں گھور رہا تھا۔ غصے کے مارے آنکھیں ابلی پڑ رہی تھیں اور ہونٹ معمول سے زیادہ موٹے اور ابھرے ہوئے لگتے تھے۔

"میں کہتی ہوں سیکریٹری کو میری آمد کی اطلاع دو۔" ریٹا نے بھی غصیلے لہجے میں کہا۔

"جاؤ.... چلی جاؤ.... اندر دوسری لڑکی موجود ہے۔"

"کیا بکتا ہے۔"

"آدمیوں کی طرح بات کرو.... ورنہ تمہاری ماں زندگی بھر روئے گی۔"

اتنے میں صفدر بھی دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

"اس بدتمیز کو سمجھاؤ....!" ریٹا اُسے دیکھ کر شیر ہوگئی۔

"سفید کتیا... شائد زندگی سے بیزار ہوگئی ہے تو....!" جوزف نے اُسکی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"جوزف....!" صفدر نے اُسے للکارا.... اور اُس کا پھیلا ہوا ہاتھ جوں کا توں رہ گیا۔

"میں تمہیں مزہ چکھاؤں گی۔" وہ صفدر کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے جوزف کو گھونسہ دکھا کر بولی۔ لیکن جوزف پتھر کے بت کی طرح بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ ہاتھ ابھی تک اُسی طرح پھیلا ہوا تھا اور پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔

"کیا بات ہے۔" صفدر ریٹا کی طرف مڑا۔

"تم سے ملنے آئی تھی.... میں تو ایسے بدتمیز آدمی....!"

"اُسے چھوڑو.... کیا بات ہے۔"

"اوہ.... یہاں سبھی ایک جیسے ہیں۔" وہ اُس کے کھردرے لہجے کا بُرا مان کر بولی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں.... جوزف ہاتھ نیچے گراؤ۔"

جوزف مشینی انداز میں "اٹین شن" ہو گیا اور ریٹا کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ جوزف صرف آنکھوں کو جنبش دے کر گھورتا رہا۔

"آؤ....!" صفدر نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

ریٹا اندر داخل ہوئی۔ صفدر اُس کے پیچھے تھا۔

"یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔" وہ چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"کس کی تلاش ہے۔"

"کسی کی بھی نہیں۔ اُس کالے نے کہا تھا تم اندر نہیں جا سکتیں پہلے سے ایک لڑکی موجود ہے۔"

"اوہ.... وہ میری سیکریٹری کے بارے میں کہہ رہا ہو گا۔"

"تمہاری سیکریٹری....!"

"ہاں.... یہاں تو سیکریٹریوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ میں براہِ راست رانا صاحب کا سیکریٹری ہوں۔ وہ میری سیکریٹری ہے.... اور اُس کا سیکریٹری فی الحال چھٹی پر ہے چونکہ وہ چھٹی پر ہے.... اس لئے اس کے سیکریٹری کی بھی چھٹی ہی سمجھو اور اُس کے بعد کے بھی بقیہ سیکریٹری موج کر رہے ہیں.... بیٹھو.... تم کھڑی کیوں ہو۔"

"تو گویا میں براہِ راست رانا صاحب کی سیکریٹری نہ بن سکوں گی۔"

"ناممکن.... قطعی ناممکن.... تو آپ مجھ پر دانت لگائے بیٹھی ہیں۔"

"کیا یہ ضروری ہے کہ براہِ راست ایک ہی سیکریٹری ہو۔"

"محترمہ.... محترمہ.... آپ براہِ راست ہمارے معاملات میں دخیل ہونے کی کوشش کر رہی ہیں۔"

"نہ جانے کیوں اپنائیت محسوس کرتی ہوں۔"

"ذرا آہستہ....!" صفدر نے چاروں طرف چور نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب....!"

"مم.... میری سیکریٹری....!" اُس کا لہجہ خوفزدہ تھا۔

"ارے.... کیوں؟ اُوہ تبھی.... یہ بات ہے۔ سیکریٹری کیوں.... مسٹریس ہو گی تمہاری۔"

دفعتاً دروازہ زور دار آواز کے ساتھ کھلا اور جوزف دھڑ دھڑاتا ہوا اندر گھس آیا.... ایڑیاں بجائیں اور تن کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات ہے۔" صفدر سچ مچ جھنجھلا گیا۔

"اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔"

"باہر جاؤ۔"

"ہرگز نہیں.... میں باڈی گارڈ ہوں۔"

"باہر ٹھہرو...." صفدر گرج کر بولا۔

"ہرگز نہیں جناب.... میں باس کو جوابدہ ہوں۔"

"کس باس کی بات کر رہا ہے۔" ریٹا نے آہستہ سے پوچھا۔

"رانا صاحب کی۔" صفدر نے بھرائی ہوئی سپاٹ آواز میں جواب دیا۔

اُسے حقیقتاً غصہ آ گیا تھا کیونکہ جوزف کے "باس" سے عمران مراد تھی.... کیا عمران نے اُسے اس قسم کی چوکیداری پر لگایا ہے؟ وہ سوچتا اور تاؤ کھاتا رہا۔ اس سے پہلے تو اس نے کبھی ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی۔

"تم کیا سوچنے لگے۔" ریٹا بولی۔ "کیا تم اس سے خائف ہو۔"

"تم غلط سمجھیں۔ یہ مجھے اپنے پالتو کتے کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔" صفدر کے بولنے سے پہلے ہی جوزف بول پڑا۔

"میں تم سے بات نہیں کر رہی۔" ریٹا نے جھنجھلا کر کہا۔

"یہاں تم میرے علاوہ اور کسی سے بات نہیں کر سکتیں۔"

"تم سن رہے ہو۔" وہ جھلا کر صفدر کی طرف مڑی۔ جو سر جھکائے سگریٹ سلگا رہا تھا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس کے اختیارات کتنے وسیع ہیں۔"

"کیا مطلب....!"

"رانا صاحب ایک خارش زدہ کتے کو بھی مجھ پر حاکم بنا سکتے ہیں۔"

"تب تو یہ ملازمت میرے لئے قطعی فضول ہو گی۔"

"ہاں ہاں.... بالکل فضول ہو گی۔ تم جاؤ یہاں سے۔" جوزف ہاتھ ہلا کر بولا۔

"حد ہوتی ہے۔" ریٹا پیر پٹخ کر چنگھاڑی۔ "میں تمہیں دیکھ لوں گی کالے خبیث!"

جواب میں جوزف نے بھی اُسے کتیا کی بچی کے خطاب سے نوازا اور وہ تیزی سے باہر نکل گئی.... صفدر جوزف کو قہر آلود نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔ جوزف بھی واپس جانے کے لئے "اباؤٹ ٹرن" ہوا۔

"ٹھہرو....!" صفدر غرایا اور جوزف آگے بڑھنے کی بجائے وہیں تھم گیا۔

"یہ کیا حرکت تھی تمہاری۔" صفدر نے پوچھا۔

"باس کا حکم....!" جوزف نے اُس کی طرف مڑے بغیر جواب دیا۔

"بکواس ہے۔"

"یقین کرو یا نہ کرو۔ میں مجبور ہوں۔"

"کیا کہا گیا تھا تم سے۔"

"یہی کہ کسی اجنبی لڑکی کو تمہارے قریب نہ آنے دوں۔"

"میں اپنی نگہداشت خود کر سکتا ہوں۔"

"میں بھی جانتا ہوں۔"

"پھر....؟"

"باس کا حکم....!"

"یہ کھلی ہوئی بکواس ہے۔ تم اب ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے۔"

"دوسری بار اس سے بھی زیادہ بُرا رویہ اختیار کروں گا۔ وہ تمہارے قریب آ کر تو دیکھے۔"

"میں تمہارے جبڑے توڑ دوں گا۔"

"وہ پہلے ہی سے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ایک بار اور سہی.... اکھڑے جبڑوں کو دوبارہ سٹ کر لینے کی مشق ہے مجھے۔"

صفدر کا غصے کے مارے بُرا حال ہو گیا۔

"ارے تو خود کو کیا سمجھتا ہے۔" وہ گھونسہ تان کر اُس کی طرف جھپٹا اور جوزف نے بڑے خاکسارانہ انداز میں دانت نکال دیئے۔ وہ کچھ اس طرح صفدر کے حملے روکتا رہا جیسے کوئی معمر آدمی کسی بچے کو کھلا رہا ہو۔ خود اُس نے ایک بار بھی صفدر پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔

ذرا ہی سی دیر میں مکا بازی کے سارے گر آزما ڈالے اور بُری طرح ہانپنے لگا۔

"بس کرو ماسٹر....!" جوزف بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اس قسم کی ورزشیں میرا نشہ اکھاڑ دیتی ہیں.... چھ بوتلوں میں پورا نہیں ہوتا۔"

"نکل جاؤ.... نکلو.... خبیث....!" صفدر دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔

جوزف دانت نکالے ہوئے دروازہ کی طرف مڑ گیا۔

اس بار وہ سب الگ الگ ایک دوسرے کی نگرانی کر رہے تھے اور ایک کو دوسرے کی خبر نہیں تھی۔ انہیں ایکس ٹو سے ہدایات ہی اس قسم کی ملی تھیں۔

صفدر جوزف اور ساجدہ حبیب کی نگرانی کیپٹن خاور اور سارجنٹ نعمانی کے ذمے تھی۔ لیکن صفدر وغیرہ کو اس کا علم نہیں تھا۔

وہ دونوں بھی ہوٹل روانو ہی میں مقیم تھے۔ ایرانی تاجروں کے روپ میں۔ میک اپ ایسا تھا کہ پہچان لئے جانے کا خدشہ نہیں تھا۔ صفدر وغیرہ نے متعدد بار انہیں دیکھا ہوگا لیکن پہچان نہیں سکے تھے۔

اس وقت نعمانی اور خاور اُس ٹیلی فون آپریٹر کی نگرانی کر رہے تھے جس نے صفدر سے مل بیٹھنا چاہا تھا۔

وہ ڈیوٹی پر نہیں تھی۔ سر شام ایک آدمی اُسے روانو سے باہر لے گیا تھا۔ یہ دونوں اُس کا تعاقب کرتے ہوئے ہوٹل شہوار میں آئے تھے۔

ریٹا اور وہ آدمی ایک ایسی میز کے گرد بیٹھے تھے جہاں ایک معمر اور بارعب آدمی پہلے سے موجود تھا۔ اُس نے کرسی سے اٹھ کر اُن کا استقبال نہیں کیا تھا بلکہ ایسے انداز میں بیٹھا رہا تھا جیسے وہ خود ہی اُن سے اپنا احترام کرانے کا عادی ہو۔

خاور اور نعمانی اُن کے قریب ہی کی ایک میز کے گرد جا بیٹھے.... دونوں میزوں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہی تھا کہ وہ اُن کی گفتگو بہ آسانی سن سکتے۔

"رپورٹ....!" معمر آدمی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"وہ نیگرو.... ہمارے درمیان حائل ہو رہا ہے۔" ریٹا بولی۔

"تم نے اُس آدمی کا نام معلوم کیا یا نہیں۔" معمر آدمی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... اُس کا نام صفدر سعید ہے.... اور اُس کی سیکرٹری کا نام نغمانہ ہے۔"

"اور وہ نیگرو.... جوزف ہے! کیوں....؟"

"جی ہاں.... وہ اسے جوزف ہی کے نام سے پکارتا ہے۔"

"یہاں تک تو درست ہے۔ لیکن اُس کے مالک کا نام صفدر سعید کی بجائے علی عمران ہونا چاہئے۔ مجھے یہی اطلاع ملی ہے۔" معمر آدمی خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا۔

"لیکن صفدر کہہ رہا تھا کہ ان کے مالک کا نام تہور علی ہے۔"

"ہوں....!" معمر آدمی سگار دانتوں میں دبائے ہوئے کسی سوچ میں گم ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر پرس نکالا اور اُس میں سے دو تصویریں نکال کر ریٹا کے سامنے ڈال دیں۔

وہ انہیں غور سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "نہیں ان دونوں میں سے تو کوئی بھی ان کے ساتھ نہیں دکھائی دیا۔"

معمر آدمی نے ایک تصویر پر انگلی رکھ کر کہا۔ "یہ علی عمران ہے۔"

پھر دوسری کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "یہ ساجدہ حبیب ہے۔ جس نے انجمن کے مفاد کے خلاف کچھ کام کئے ہیں اور اب عمران کے ساتھ ہے۔"

"میں دیکھوں گی.... ابھی تک تو.... یہ دونوں نہیں دکھائی دیتے۔"

"لیکن یہ جوزف جس کی تصویر تم پہلے ہی شناخت کر چکی ہو۔ عمران ہی کا آدمی ہے۔"

"آپ یہ دونوں تصویریں میرے پاس رہنے دیجئے۔ میں دیکھ لوں گی۔"

"رکھ لو.... دوسری بات.... ایم نائین ٹین آج صبح سول ہسپتال میں داخل کیا گیا ہے۔ اُس کی حالت بہتر نہیں.... وہ سماسی کے ویرانے میں زخمی اور بیہوش پڑا پایا گیا تھا۔"

"اوہ....!" ریٹا کے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آئے۔ "میں سمجھ گئی۔ وہ لڑکی سماسی ہی کی طرف تنہا جایا کرتی تھی۔ ایم نائین ٹین نے جو طریقہ اختیار کیا تھا اس کی مخالفت میں ہمیشہ سے کرتی رہی ہوں۔"

"اُسے ختم کرو۔" معمر آدمی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ زندہ نہیں بچے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ پولیس کو کسی قسم کا بیان نہ دینے پائے۔"

"کیا میں اسے بھی دیکھوں؟" ریٹا نے پوچھا۔

"نہیں اُسے دیکھ لیا جائے گا۔ تم لڑکی کو ٹٹولنے کی کوشش کرو۔ کیا وہ آج صبح سماسی کی طرف گئی تھی۔"

"اُس سے میری معمولی سی جان پہچان ہے.... میں سچ کہتی ہوں۔ اگر میری اسکیم کے مطابق کام ہوا ہوتا تو اس کی نوبت نہ آتی۔ میں اُسے بآسانی راہ پر لے آتی۔ لیکن ایم۔ نائین ٹین جو غالباً اس کے بنگلے کے سامنے والی عمارت میں رہتا تھا یہ کام اپنے ذمہ لے بیٹھا۔"

"بس...." وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اب جاؤ.... غالباً اُس لڑکی سے تمہاری اس حد تک جان پہچان ہے کہ تم اس کے گھر بھی جا سکو۔"

"نہیں بھی ہے تو میں اس کے لئے جواز پیدا کر ہی لوں گی۔"

خاور کاغذ کے ٹکڑے پر لکھ رہا تھا۔

"نعمانی تم لڑکی کا تعاقب کرو.... میں اس آدمی کو دیکھوں گا۔"

نعمانی نے کنکھیوں سے تحریر پڑھی اور اٹھتا ہوا خاور سے بولا۔ "اچھا دوست اب اجازت دو.... میں کل تم سے ضرور ملوں گا۔"

دونوں نے مصافحہ کیا اور نعمانی ریٹا کے باہر نکلنے سے پہلے ہی فٹ پاتھ پر اُتر گیا۔

خاور یہیں بیٹھا رہا۔ معمر آدمی اب اپنی میز پر تنہا تھا۔ یہ معمر ضرور تھا لیکن صحت قابل رشک تھی۔ کوٹ کی آستینوں کے اوپر سے بھی بازوؤں کی مچھلیوں کی اکڑن واضح نظر آتی تھی۔ چہرے پر رعب تھا بس ایسا ہی لگتا تھا جیسے سر کے بال قبل از وقت سفید ہو گئے ہوں۔ ڈاڑھی اور مونچھوں سے بے نیاز چہرہ اتنا چکنا نظر آتا تھا جیسے اس کے رکھ رکھاؤ پر دقت کا کافی حصہ صرف کیا جاتا ہو۔ آنکھوں میں بجلیاں سی کوندتی محسوس ہوتی تھیں۔ ورنہ عموماً اُس عمر کے لوگوں کی آنکھیں کسی قدر دھندلا ہی جاتی ہیں۔ خواہ صحت کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو وہ کرسی کی پشت سے نکا ہوا نیم وا آنکھوں سے خلاء میں دیکھ رہا تھا۔ دانتوں میں دبا ہوا سگار شاید بجھ چکا تھا۔

خاور نے سگریٹ سلگائی اور سوچنے لگا کہ کچھ طلب کرے یا نہیں۔ معمر آدمی اپنی میز پر تنہا

ہے ضروری نہیں کہ وہ وہاں بیٹھا ہی رہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس وقت اٹھے جب ویٹر خود اُس کی طلب کی ہوئی چیزیں میز پر لگا رہا ہو۔ پھر وہ کیسے اس کا تعاقب کر سکے گا۔ اچانک اس کا اٹھنا کسی طرح بھی مناسب نہ ہو گا۔

دوسری طرف یہاں بیکار بیٹھنا اور کچھ دیر بعد یونہی رخصت ہو جانا بھی ٹھیک نہیں۔ ہو سکتا ہے اس آدمی نے خود اپنی نگرانی کے لئے بھی کسی کو مقرر کر رکھا ہو۔ پھر ایسی صورت میں محتاط رہنا کھیل بگاڑ دینے کے مترادف ہو گا۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک تدبیر سمجھ میں آگئی۔ اُس نے جلدی جلدی مینو پر نظر دوڑا کر کھانے کی کچھ چیزیں منتخب کیں اور اشارے سے ویٹر کو بلا کر کہا۔ ”یہ چیزیں پیک کرادو..... میں یہاں کچھ دیر بیٹھ کر اخبار دیکھوں گا۔“

”بہت بہتر جناب عالی۔“

ویٹر چلا گیا اور صفدر نے دوسری خالی میز پر پڑا ہوا اخبار اٹھا لیا۔

معمر آدمی اب بھی اُسی پوزیشن میں بیٹھا ہوا تھا جس میں کچھ دیر پہلے نظر آیا تھا۔ کچھ دیر بعد ویٹر پیک کیا ہوا سامان میز پر رکھ کر چلا گیا۔ خاور نے اخبار سے نظر ہٹائے بغیر اُس سے کہا تھا کہ وہ بل لانے میں دیر نہ کرے۔

وہ اخبار دیکھتا رہا۔ ویٹر حسب ہدایت جلدی ہی بل لے آیا۔ دام چکانے کے بعد وہ اخبار پر اسی طرح جھک پڑا جیسے کوئی بہت اہم چیز پڑھتا رہا تھا اور ویٹر کی دخل اندازی گراں گذری ہو۔

معمر آدمی اب میز پر جھکا ہوا تازہ سگار سلگا رہا تھا۔

خاور کے اندازے کے مطابق شاید وہ کسی کا منتظر تھا۔

وہ اور زیادہ انہماک کے ساتھ اخبار پر جھک پڑا۔ اُس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ معمر آدمی ایک لنگڑے کے استقبال کے لئے اپنی کرسی سے اٹھتا ہوا نظر آیا۔ یہ لنگڑا بیساکھیوں کی مدد سے چل رہا تھا اور بیساکھیوں کی کھٹ کھٹ ہال کی پر سکون فضا میں گونج رہی تھی..... لباس کے رکھ رکھاؤ سے باسلیقہ اور ذی حیثیت آدمی معلوم ہوتا تھا۔

معمر آدمی نے سہارا دے کر اُسے کرسی پر بٹھایا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اُس لنگڑے کا بے حد احترام کرتا ہو..... ہوٹل شہوار کا عملہ بھی کچھ اس طرح چاق و چوبند نظر آنے لگا تھا جیسے کسی

بہت معزز ہستی نے وہاں قدم رکھا ہو..... جس سے بھی اس کی نظر ملتی بڑے ادب سے سلام کرتا اور وہ خالی الذہنی کے سے انداز میں سر کو خفیف سی جنبش دے کر سلام کا جواب دیتا۔

لنگڑے آدمی کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ بمشکل پینتیس سال کا رہا ہو گا۔ خدوخال دلکش تھے۔ صحت بھی اچھی تھی۔ بہر حال اُسے بیساکھیوں کی مدد سے چلتے دیکھ کر افسوس ہوتا تھا۔

دونوں کے درمیان چند رسمی باتیں ہوئیں۔ پھر معمر آدمی نے کہا۔ ”حالات کسی طرح بھی قابو میں نہیں آرہے۔“

”میں پہلے ہی کہتا تھا.....؟“ لنگڑے نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

”اوہ..... ہم جس بات کا بھی عہد کرتے ہیں.....!“

”ختم بھی کرو.....!“ لنگڑا ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”آپ سمجھنے کی کوشش کیجئے..... ہمارا ایک آدمی اس وقت ہسپتال میں پڑا ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ بچنے کی امید نہیں..... پسلیوں کی کئی ہڈیاں ٹوٹ کر پھیپھڑوں میں گھس گئی ہیں۔“

”بھلا یہ کیسے ہوا.....؟“ لنگڑے نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر پوچھا۔

”خدا جانے..... لیکن یہ سلسلہ وہی تھا۔“

”سلسلہ وہی تھا.....!“ لنگڑے نے کہہ کر قہقہہ لگایا۔

معمر آدمی کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔ لیکن ایسا لگتا تھا کہ وہ کسی وجہ سے اظہار خیال نہیں کر سکتا..... لنگڑا ہنستا ہی رہا۔

”آپ کیا پئیں گے۔“ بالآخر معمر آدمی نے غالباً اُس کی نہ رکنے والی ہنسی سے اکتا کر پوچھا۔

”اُس آدمی کا جام صحت جو سول ہسپتال میں دم توڑ رہا ہے..... یار کیوں مجھے اُلو بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”مت یقین کیجئے..... لیکن ہم نے جس کام کا بیڑہ اٹھایا ہے اُسے تکمیل کو پہنچا کر ہی دم لیں گے۔“

”مجھے جلدی ہے۔“ لنگڑے نے بہت سنجیدہ ہو کر کہا۔

”جلد ہی ہو گا..... میرا خیال ہے کہ طریق کار میں کوئی خامی رہ جانے کی بناء پر اتنی دیر ہوئی ہے۔“

لنگڑا کچھ نہ بولا۔ معمر آدمی نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر کچھ کہا اور وہ مؤدبانہ انداز میں سر کو جنبش دے کر چلا گیا۔

خاور کی نظر اخبار پر جمی رہی.... تھوڑی دیر بعد ویٹر ہاتھوں پر ایک ٹرے اٹھائے ہوئے ان کی میز کے قریب آیا... ٹرے میں شمپئن کی بوتل، سوڈے کا سائیفن اور دو گلاس تھے۔

معمر آدمی نے بوتل کی سیل توڑتے ہوئے لنگڑے سے کہا۔ "آپکو قطعی مطمئن رہنا چاہئے۔"

"یقیناً.... لیکن اگر اس سے پہلے ہی کوئی کامیاب ہو گیا تو۔"

"اُس پر بھی ہماری نظر ہے.... ہم کچا کام نہیں کرتے۔"

"اچھا اگر کوئی کامیاب ہی ہو گیا تو۔"

"انجمن آپ کی رقم پائی پائی کا حساب کر کے واپس کر دے گی۔"

"مجھے رقم نہیں چاہئے۔" لنگڑے نے کسی قدر غصے میں کہا۔ "اور جو کچھ چاہو دے سکتا ہوں۔"

"مجھے علم ہے جناب.... آپ کی مالی حیثیت کس سے پوشیدہ ہے۔ بس تھوڑا وقت اور دیجئے۔" معمر آدمی نے کہا۔ لنگڑا بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

معمر آدمی نے گلاسوں میں تھوڑی تھوڑی انڈیلی اور یکے بعد دیگرے اُن میں سوڈے کی دھار مارتا رہا۔

خاور سوچ رہا تھا دیکھو ان میں سے کب کون اٹھتا ہے۔ شہر کے کسی ذی حیثیت لنگڑے کو ڈھونڈ نکالنا مشکل کام نہ ہوتا۔ لیکن اگر معمر آدمی نظروں سے اوجھل ہو جاتا تو دوبارہ سراغ ملنے میں یقیناً دشواری پیش آتی۔

تقریباً پون گھنٹے تک ان کا شغل جاری رہا.... پھر لنگڑا اٹھ گیا تھا۔ لیکن معمر آدمی جما بیٹھا رہا.... آدھی بوتل سے کچھ کم شراب باقی بچی تھی۔ معمر آدمی نے بوتل پر ڈھکن جما کر اُسے کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ خاور سمجھا شاید اب اُٹھے گا لیکن وہ تو کرسی کی پشت سے ٹک کر پھر نیا سگار سلگا رہا تھا۔ اُس نے سوچا اب خود اس کا مزید بیٹھنا دوسروں کو شبہات ہی کی طرف لے جا سکتا ہے۔ لہٰذا اٹھنا چاہئے۔ باہر کہیں رک کر اُس کی آمد کا منتظر رہے گا۔

اُس نے ہوٹل سے خریدی ہوئی چیزیں سمیٹیں اور اخبار کو وہیں چھوڑ کر اٹھ گیا۔

رات خوشگوار تھی.... صبیحہ نے برآمدے کے وہ بلب روشن کر دیئے تھے جن سے لان پر

بھی روشنی پھیلتی اور خود برآمدے میں بیٹھی نئے ڈرائیور کو غور سے دیکھ رہی تھی جو سامنے والے روش پر گاڑی کی صفائی کر رہا تھا۔

وہ سوچ رہی تھی۔ بے حد چالاک معلوم ہوتا ہے۔ دوپہر ہی سے گاڑی میں لگے لگے رات کر دی۔ اُس کے گھر والوں پر اپنی مستعدی کا سکہ جمانا چاہتا ہے۔ لیکن یہ حقیقتاً کون ہے؟

اُس کا بہروپیا پن متحیر کر دینے والا تھا۔ رات اختر بنے تھے۔ اس وقت صورت بدل کر رہ گئی ہے اور پیشہ ور ڈرائیور معلوم ہو رہا ہے اس کے چہرے پر وہ پھولی ہوئی ناک اور گنجان مونچھیں قطعی نقلی نہیں لگتی تھیں.... ماں سے جب اُس نے اس کی مشاقی کا تذکرہ کیا تھا تو وہ فوراً ہی اُسے ملازمت دینے پر آمادہ ہو گئی تھیں اور اُس مکار نے بھی خوب ہی باتیں بنائی تھیں۔ کہنے لگا۔ "نہ پیسوں کی پرواہ ہے اور نہ کھانے کی.... ایسی گفتگو نہ کی جائے مجھ سے کہ میں خود کو ازلی غلام محسوس کرنے لگوں۔ عزت دار گھرانے کا آدمی ہوں۔ بس پڑھنے لکھنے میں جی نہیں لگتا تھا اس لئے یہ درگت بنی ہے۔ اگر آپ حوالے چاہیں تو بہت بڑے بڑے آدمیوں کے حوالے دے سکتا ہوں جن کے ساتھ رہ چکا ہوں۔"

اور پھر اُس نے سب سے پہلے ہوم سیکریٹری سر سلطان کا حوالہ دیتے ہوئے کہا تھا۔

"اُن سے پوچھ لیجئے کہ عبدالمنان کیسا ڈرائیور ہے اور کیسا آدمی ہے۔"

ماں اس حوالے پر کافی مرعوب ہوئی تھیں اور انہوں نے چاہا تھا کہ تنخواہ کا مسئلہ بھی طے کر لیں.... لیکن وہ یہی کہتا رہا تھا جو مناسب سمجھئے گا دے دیجئے گا۔ مجھے تو دو وقت کی روٹی اور رہنے کو جگہ چاہئے پھر یہ معاملہ باپ کی واپسی تک کے لئے ٹل گیا تھا۔

وہ سوچتی اور اُسے گھورتی رہی جو ایک نلکی کو ہونٹوں میں دبا کر پھونک رہا تھا۔

"اے عبدالمنان.... ادھر آؤ۔" دفعتاً صبیحہ نے اُسے مخاطب کیا۔

اور وہ کسی پالتو کتے کی طرح اُس کی طرف چلا آیا۔

"اب ختم بھی ہو گا یہ کھڑاگ.... یا نہیں۔" اُس نے کسی قدر جھلا کر کہا۔

"بی بی جی.... ہم کیا کرے۔" وہ آستین سے ناک گھستا ہوا بولا۔ "پچھلے ڈرائیور نے بڑا کباڑ کر رکھا ہے۔ سلف کا بش بالکل خلاص ہو چکا ہے۔ نیا بش نہیں پڑتا تو ہینڈل بازی کرنی پڑے گی۔"

"ارے تو تم مستری بھی ہو۔"

"ہاں ہاں بی بی جی.... اب یہ گاڑی کسی ورکشاپ میں نہیں جائے گی۔"

"کمال کے آدمی ہو بھئی۔"

"ارے ہم کیا.... ہمارا باپ تو آنکھوں پر پٹی باندھ کر انجن اُوور ہال کرتا تھا۔"

"ہاں.... ہاں ایسی ہی بات ہو گی۔" صبیحہ نے اونچی آواز میں کہا اور پھر آہستہ سے بولی۔

"میں نے سنا ہے اُس کی حالت بہت خراب ہے۔"

"مرنے دو....!" اُس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"میں بہت پریشان ہوں۔ اگر اُس نے پولیس کو بیان دے دیا تو۔"

"دیکھا جائے گا.... اُس نے مجھے اس حلیہ میں نہیں دیکھا تھا۔"

"مجھے تو دیکھا تھا۔ کیا وہ یہ نہ سمجھ گیا ہو گا کہ تم میرے ہی ساتھ آئے تھے۔"

"سمجھنے دو....!"

"ارے میری بدنامی....!"

"بدنامی....!" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "بدنامی کی پرواہ ہوتی تو تم کسی اختر کا بکھیڑا کرتیں۔"

"ارے.... اپنا لہجہ ٹھیک کرو.... عبدالمنان....!"

"بہت بہتر مس صاحب۔"

"تم آخر ہو کیا بلا۔"

"ڈرائیور مس صاحب.... فی الحال۔"

"میں سوچتی ہوں کہیں تم ہم لوگوں کے ساتھ کوئی فراڈ نہ کرو۔"

"بس سوچتی رہیئے.... اُس وقت تک جب تک کہ میں کوئی فراڈ نہ کر بیٹھوں۔"

"کیا مطلب....؟"

"آپ بس سوچتی ہی رہ جایئے گا.... اُوہ.... وہ دیکھئے.... کوئی میم صاحبہ آ رہی ہیں۔"

صبیحہ چونک کر پھاٹک کی طرف مڑی.... پھاٹک پر کوئی سفید فام عورت تھی۔ سفید بلاؤز اور نارنجی اسکرٹ میں ملبوس تھی۔

وہ برآمدے کی طرف بڑھتی رہی۔ کچھ اور قریب آئی تو صبیحہ نے اُسے پہچان لیا۔ اکثر ریڈکراس کے ورائٹی پروگراموں کے سلسلے میں پہلے بھی اُس سے ملاقات ہو چکی تھی۔ ریٹا

جبرائیل نام تھا۔ ریڈکراس تنظیم کے ہمدردوں میں سے تھی اور اس کے لئے فنڈ اکٹھا کرنے میں کارکنوں کو مدد دیتی تھی۔

صبیحہ نے اُس کے چہرے پر حیرت اور خوشی کے ملے جلے آثار دیکھے۔

"ہیلو صبیحہ.... یہ تم ہو....!" وہ قریب پہنچ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتی ہوئی چہکی۔ "کیا معلوم تھا کہ اس طرح ملاقات ہو گی۔"

"آؤ.... آؤ.... بیٹھو....؟"

"ضرور بیٹھوں گی.... بہت تھک گئی ہوں۔" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھتی ہوئی بولی۔ "دوپہر سے ان اطراف کے چکر لگ رہے ہیں۔"

"کیوں....؟"

"ارے وہی مسز آرتھر کا چکر ہے ریڈکراس والا.... فنڈ جمع کرنے نکلے ہیں۔"

"کافی پیؤ گی یا چائے۔"

"کچھ بھی نہیں.... تم تو یہ بتاؤ کہ کتنا دے رہی ہو۔"

"کافی پیؤ.... وہ پھر سوچیں گے۔" صبیحہ نے کہا اور ڈرائیور کو مخاطب کر کے کہا۔ "کافی کے لئے کہہ دو۔"

"جی اچھا....!" ڈرائیور نے سر ہلا کر کہا اور چلا گیا۔

"کہو کیسی گذر رہی ہے۔" ریٹا نے پوچھا۔

"کوئی خاص نہیں۔ یہاں بوریت کے علاوہ رکھا ہی کیا ہے۔"

"کیوں.... کیا اب ڈرائیونگ نہیں کرتیں۔ شائد ایک بار تم نے بتایا تھا کہ اکثر صبح ہی صبح دور تک تنہا نکل جاتی ہو۔"

"وہ.... تو.... ہاں.... اب.... بہت دنوں سے ایسا کوئی اتفاق نہیں ہوا۔" صبیحہ نے کسی قدر پریشانی کے ساتھ کہا کیونکہ اچانک آج کا واقعہ پھر یاد آ گیا تھا۔

"ضرور جایا کرو.... اس قسم کی تبدیلیاں صحت کے لئے مفید ہیں۔"

"اب تو وقت ہی نہیں ملتا۔"

"کہو تو میں بھی ساتھ چلا کروں۔"

"مشکل ہے.... پاپا نے پابندی لگا دی ہے۔ پھر اب ڈرائیور کو کون ساتھ بٹھائے پھرے۔"

"مجھے اپنے پاپا سے ملاؤ.... شاید میں ان سے کچھ زیادہ وصول کر سکوں۔"

"وہ تو پچھلے ہفتے دورے پر گئے تھے ابھی تک واپس نہیں آئے۔"

"اُوہ.... تب تو آزادی ہے.... چلو کل صبح چلیں۔"

"اور ممی جو ہیں۔"

"وہ کیا کریں گی۔"

"پاپا سے کئی گناہ زیادہ خونخوار ہیں۔"

"اُن سے ملاؤ۔"

"اس وقت تو مشکل ہے. وہ عبادت کر رہی ہوں گی۔"

"بہت ڈرتی ہو والدین سے۔"

"ڈرنا ہی چاہئے.... والدین کا خوف ہمارے کلچر کا جزو لازم ہے۔"

"بنومت.... تم آج ہی گاڑی لے کر حسب عادت ویرانے کی طرف نکل گئی ہو گی۔ کیونکہ میدان صاف تھا۔"

"ہم لوگ والدین کو دھوکا دینا بُرا سمجھتے ہیں۔"

"اچھا نہیں گئی تھیں۔"

"ہرگز نہیں۔"

"میں یقین نہیں کر سکتی۔"

قبل اس کے کہ صبیحہ کچھ کہتی ڈرائیور کی آواز سن کر چونک پڑی جو کہہ رہا تھا۔ "پاگل ہو گیا ہے.... کہہ رہا ہے ہرگز نہ بناؤں گا کافی.... پینا ہو تو چائے پئیں۔"

"کیا مطلب....؟"

"مطلب بھی اُسی سے پوچھئے گا.... میں کیا جانوں۔"

"ٹھہرو.... میں دیکھتی ہوں۔" صبیحہ نے کہا اور ریٹا سے انگریزی میں بولی "ٹھہرو میں ابھی آئی۔"

وہ تیزی سے صدر دروازے سے گذر گئی۔ پھر کچن کی طرف بڑھ ہی رہی تھی کہ ڈرائیور کی آواز سن کر رک جانا پڑا۔

"خواہ مخواہ باورچی پر نہ الٹ پڑنا۔ میں تمہیں وہاں سے ہٹا کر ایک بات کہنا چاہتا تھا۔"

"تم آدمی ہو یا گھن چکر....!" صبیحہ کو تاؤ آ گیا۔

"سن لو میری بات ورنہ کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گی۔" وہ شیطان کی خالہ تم سے صرف یہ معلوم کرنے آئی ہے کہ تم نے آج صبح ڈرائیونگ کی تھی یا نہیں۔"

"تم کیا جانو.... ہم انگریزی میں گفتگو کر رہے تھے۔"

"فرانسیسی اور جرمن میں بھی کر کے دیکھ لو.... اگر نہ سمجھ لوں تو مونچھیں اکھاڑ لینا.... کیا سمجھتی ہو ہاں....!"

"وہ کیوں اعتراف کرانا چاہتی ہے۔"

"بتاتا ہوں.... پہلے تم یہ بتاؤ کہ اُسے کب سے جانتی ہو۔"

"عرصہ سے جانتی ہوں لیکن وہ میرے گھر پہلی بار آئی ہے۔"

"آج بھی نہ آتی اگر وہ واقعہ پیش نہ آتا۔"

"تو کیا.... تو کیا.... اس کا تعلق خفیہ پولیس سے بھی ہو سکتا ہے؟"

"میں تو یہی سمجھتا ہوں۔"

"پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"ہرگز اعتراف نہ کرنا کہ تم آج صبح گاڑی لے کر گئی تھیں۔"

"اور.... اور.... کافی۔"

"تیار ہو رہی ہے.... بس اب جاؤ.... باورچی تو کسی فرشتے کی اولاد معلوم ہوتا ہے۔"

"تو تم محض بتانے کے لئے مجھے ادھر لائے تھے۔"

"بالکل.... بالکل.... اب جاؤ.... میں کچھ دیر تمہاری نانی اماں کو سن اٹھارہ سو ستاون کے غدر پر کمنٹری سناؤں گا۔"

صبیحہ سوچ میں ڈوبی ہوئی پھر وہیں واپس آ گئی جہاں ریٹا اس کی منتظر تھی۔

"کتنے کی رسید کاٹوں؟" ریٹا نے وینٹی بیگ سے رسید بک نکالتے ہوئے پوچھا۔

"پیسے لینے نہیں گئی تھی۔ میرا باورچی سخت نالائق اور کام چور ہے۔ اُس نے کافی تیار کرنے سے انکار کر دیا تھا کہہ رہا تھا کہ رات کو کافی پینے سے ملیریا ہو جاتا ہے۔"

"کیا اُس گندی مونچھوں والے نے یہی اطلاع دی تھی۔"

"ہاں....!"

"وہ بھی تمہارا کوئی ملازم ہے۔"

"ہاں....ڈرائیور ہے۔"

"میں تو ایسی گندی مونچھ والے کو ایک منٹ کے لئے بھی برداشت نہ کر سکوں۔"

"پسند اپنی اپنی.... مجھے اُس کی مونچھیں ہی تو اچھی لگتی ہیں۔"

"شش.... خیر.... کتنا دے رہی ہو۔"

"دس روپے لکھ لو.... پاپا کی واپسی سے پہلے میری ذاتی مالی حالت بہتر نہیں ہو سکے گی۔"

"اچھی بات ہے۔" ریٹا نے کہا اور رسید بک پر کچھ لکھنے لگی۔ پھر رسید پھاڑ کر اُس کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔ "میرا خیال ہے کہ صبح کی سیر میں کبھی نہ کبھی میرا اور تمہارا ساتھ ضرور ہو گا۔"

صبیحہ کچھ نہ بولی۔ اب تو سچ مچ اُسے سوچنا پڑا تھا کہ آخر وہ صبح کی سیر کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہے۔

"اچھا تو پھر....!" ریٹا اُٹھتی ہوئی بولی۔

"بیٹھو.... بیٹھو.... کافی پلائے بغیر نہیں جانے دوں گی۔"

"بہت کام کرنا ہے صبیحہ....!"

"فکر نہ کرو.... کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔"

وہ پھر کچھ کہنے والی تھی کہ ایک ملازم ٹرالی دھکیلتا ہوا آ گیا۔

صبیحہ نے ریٹا کے لئے کافی انڈیلی۔ لیکن اس کی الجھن بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ وہ کنکھیوں سے ریٹا کی طرف دیکھتی اور کافی کی چسکیاں لیتی رہی۔ سوچ رہی تھی کہ کیا وہ سچ مچ خفیہ پولیس سے تعلق رکھتی ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو آج ہی یہاں کیوں آن مری۔ پہلے کیوں نہیں آئی تھی۔ متعدد بار اس علاقے سے ریڈ کراس کے لئے فنڈ اکٹھا کیا گیا تھا۔

خدا خدا کر کے کافی ختم ہوئی اور ریٹا رخصت بھی ہو گئی۔ لیکن صبیحہ وہیں بیٹھی رہی۔ اُس کے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ رہی تھیں۔

نیا ڈرائیور گاڑی گیراج میں بند کر کے تھوڑی دیر بعد اُدھر سے گذرا۔ صبیحہ نے ہاتھ اٹھا کر اُسے رکنے کا اشارہ کیا۔ وہ قریب آ گیا۔

"میں بہت پریشان ہوں اختر....!" صبیحہ رومال سے چہرے کا پسینہ خشک کرتی ہوئی بولی۔

"مجھ سے زیادہ نہ ہو گی۔"

"اوہ.... تو اب تمہیں پریشانی ہے۔"

"بالکل.... تمہاری نانی مجھے زندہ نہ رہنے دیں گی.... کہنے لگیں یہ نگوڑ ماری مونچھیں کافروں کی سی ہیں.... مسلمانوں کو لب ضرور کتروانی چاہئیں۔"

"بس اسی کی پریشانی۔" صبیحہ حیرت سے بولی۔

"اور کیا.... لب کتروانے بیٹھا تو ناک سے بھی ہاتھ دھو بیٹھوں گا۔"

"ارے اس کی فکر نہیں.... وہ.... جو.... وہ جو پتہ نہیں زندہ بھی ہو یا مر گیا ہو۔"

"نہیں....!" ڈرائیور نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"وہ لڑکی ریٹا سچ مچ خفیہ پولیس ہی کی معلوم ہوتی ہے۔ بار بار مجھ سے اعتراف کرانے کی کوشش کر رہی تھی کہ آج میں ویرانے کی طرف گئی تھی یا نہیں۔"

"پھر تم نے کیا کہا۔"

"اس پر اڑی رہی کہ یہ عادت عرصہ ہوا ترک کر چکی ہوں۔"

"چلو بس ٹھیک ہے۔"

"لیکن آج صبح مجھے گھر سے نکلتے بہتوں نے دیکھا ہو گا۔"

"پرواہ مت کرو.... محض اتنی سی چیز تمہارے خلاف ثبوت کے طور پر نہیں پیش کی جا سکتی.... بس اپنی زبان بند رکھو....!"

"ہوں.... اچھا خیر.... تم اپنا سامان اسٹیشن سے لائے یا نہیں۔"

"موقع کہاں ملا.... کہو تو اب چلا جاؤں۔"

"ضرور جاؤ.... ورنہ آج پھر جھلنگے ہی پر سونا پڑے گا تمہیں۔ بستر کا انتظام نہیں کیا جا سکتا۔"

✧

خاور سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ دیر تک نعمانی کا منتظر رہنے کے بعد اُس نے محسوس کیا تھا کہ اب شاید بیٹھے بیٹھے ہی نیند آ جائے۔

پھر وہ لیٹا ہی تھا کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔ اٹھ کر دروازہ کھولا آنے والا نعمانی ہی تھا۔ اُس کی آنکھوں سے تھکن ظاہر ہو رہی تھی۔ آتے ہی جوتوں سمیت بستر پر ڈھیر ہو گیا۔

"کیا ہوا....!" خاور نے پوچھا۔

"یار تھکا ڈالا اُس کمبخت نے۔ پیدل چل کر ریڈ کراس کے لئے چندہ اکٹھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ لہٰذا میں اس کا اندازہ ہی نہ کر سکا کہ اُس کی منزل مقصود کہاں تھی۔ تقریباً ڈیڑھ درجن بنگلوں اور کوٹھیوں میں گھسی تھی۔ لہٰذا اندازہ کرنا مشکل ہے کہ وہ کس لڑکی کا قصہ تھا۔ البتہ ایک بات ہے۔"

"کیا.... ذرا جلدی سے یہ کہانی ختم کرو۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"ایک بنگلے میں مجھے عمران بھی نظر آیا تھا۔ اپنے ریڈی میڈ میک اپ میں تھا۔ یعنی جھکی ہوئی مونچھیں اور پھولی ہوئی ناک پلاسٹک والی۔"

"تب پھر یقین کر لو کہ وہ بنگلہ منزل مقصود تھی۔ کون رہتا ہے وہاں....!"

"طاہر صدیقی سٹی ڈپٹی کلکٹر....!"

"ہوں....!"

"تم نے کیا کیا....!" نعمانی نے پوچھا۔

"وہ معمر آدمی یہاں کا ایک کامیاب ترین ایڈووکیٹ ہے۔ اس سے زیادہ کسی کی بھی پریکٹس نہیں چلتی۔ جمشید کیانی نام ہے اور ایک لنگڑا آدمی ہے۔ اس کا تعاقب نہیں کر سکا تھا کیونکہ جمشید کیانی مجھے اس سے زیادہ اہم معلوم ہوتا ہے۔"

"آخر عمران وہاں کیا کر رہا ہے۔ اب اُس پر بھی نظر رکھنی پڑے گی۔ ورنہ ہو سکتا ہے وہ کھیل ہی بگاڑ دے۔"

"کیا مطلب۔"

"ہمارے معاملات میں پہلے ہی سے اُس کی ٹانگ اڑی رہتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم اُسی کے تحت کام کر رہے ہیں۔"

"یار اَب تو کھلنے لگی ہے یہ بات۔"

"کیوں....؟"

"وہ صرف ایک ایجنٹ ہے۔ آخر ایکس ٹو ہم میں سے کسی کو انچارج کیوں نہیں بناتا۔"

"ختم کرو۔" خاور جماہی لے کر بولا۔

"نہیں میں بڑی شدت سے بور ہوتا ہوں اکثر اس مسئلے پر۔" نعمانی نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

✪

ساجدہ حبیب کو جوزف کی حرکتوں پر غصہ نہیں آتا تھا۔ البتہ صفدر پر ہنسی آتی تھی جب وہ جوزف پر دانت پیستا تھا۔

جوزف کا معمول تھا کہ جب تک صفدر کمرے میں رہتا وہ باہر پہرے کے سپاہی کی طرح "ایٹ ایز" کھڑا نظر آتا اور اس کی عدم موجودگی میں ساجدہ حبیب کے ساتھ سائے کی طرح لگا رہتا۔

اس وقت بھی صفدر کہیں باہر گیا تھا۔ ساجدہ تنہا تھی اور جوزف اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر بیٹھا خلاء میں گھورے جا رہا تھا۔

ساجدہ سویٹر بن رہی تھی۔ جوزف کبھی کبھی اُس کے ہاتھوں کو غور سے دیکھنے لگتا۔ ایک بار ساجدہ نے بھی اُسے اپنے ہاتھوں کی طرف گھورتے ہوئے دیکھ لیا اور ہنس کر بولی۔ "کوئی بدروح تو نہیں منڈلا رہی ان ہاتھوں پر۔"

"میں یہ نہیں دیکھ رہا۔" جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"پھر کیا دیکھ رہے ہو۔"

"کچھ بھی نہیں مسی.... اپنا کام کرو۔"

"تم آخر اتنے چڑچڑے اور کٹکھنے کیوں ہو۔"

"میرے حصے کی خوش مزاجی بھی باس ہی کو مل گئی ہے۔"

"اچھا مجھ سے اپنے باس کے بارے میں باتیں کرو۔" ساجدہ نے اُون کا گولا اور سلائیاں ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا باتیں کروں۔"

"تم اُس کے سامنے کیوں بھیگی بلی بنے رہتے ہو۔"

"اکثر انتہائی خوش مزاج آدمیوں کو بھی غصہ آجاتا ہے۔"

"تم اُس سے ڈرتے ہو۔" ساجدہ نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ ڈرنے ہی کی چیز ہے مسی۔"

"ارے جاؤ....!" ساجدہ ہنس پڑی۔

"یقین کرو مسی اُسے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔"

"اور جاننے والوں میں سے ایک تم بھی ہو۔"

"ہاں میں جانتا ہوں انہیں۔"

"اچھا بتاؤ اُس کی نظروں میں کسی کی اہمیت بھی ہے یا نہیں۔"

"ان کی نظر میں خود ان کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔"

"وہ خود کو احمق کیوں پوز کرتا ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔" جوزف نے کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"پھر کیا جانتے ہو۔"

"کچھ بھی نہیں۔ خاموش رہو۔ یا کوئی اور بات کرو۔"

دفعتاً دروازہ پر کسی نے دستک دی۔ جوزف نے اٹھ کر دروازے کے قریب سے غراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "کون ہے؟"

"ویٹر نمبر گیارہ جناب۔" باہر سے آواز آئی۔

"کیا چاہتے ہو۔"

"مجھے بلایا گیا ہے جناب....!"

"کس نے بلایا ہے۔"

"اسی کمرے سے کسی نے فون کیا تھا؟"

"بھاگ جاؤ کسی نے نہیں بلایا۔"

"بہت بہتر جناب۔"

اور پھر جوزف قدموں کی دور ہوتی ہوئی چاپ کی طرف کان لگائے رہا۔

"یہاں سے تو کسی نے بھی فون نہیں کیا تھا۔" ساجدہ بولی۔

"مجھے باہر ہی ٹھہرنا چاہئے۔" جوزف سر ہلا کر بولا۔

"کیوں کیا تم کسی قسم کا خطرہ محسوس کر رہے ہو۔"

"ہم یہاں تفریحاً تو نہیں آئے مسی۔ باس نے کسی مقصد ہی کے تحت بھیجا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ تمہاری کہانی کیا ہے۔"

"مم.... میری کوئی کہانی نہیں ہے۔"

"ہو بھی تو مجھے کیا۔" جوزف نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

دروازہ کھول کر وہ باہر نکلا لیکن قبل اس کے کہ معاملے کی نوعیت سمجھ میں آتی سر پر قیامت گذر گئی۔ دو وزنی موگریاں یکے بعد دیگرے اتنی تیزی سے سر پر پڑی تھیں کہ وہ ایک کی بھی چوٹ نہ بچا سکا۔

حملہ آور دروازے کی دونوں جانب دیوار سے چپکے کھڑے تھے۔

جوزف کسی قسم کی آواز نکالے بغیر بے حس و حرکت ہو گیا۔ دروازے کے دونوں پاٹ کھل گئے تھے اور ساجدہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے کھڑی تھی۔ حملہ آوروں میں سے ایک نے اس سے کہا۔ "میرا داہنا ہاتھ کوٹ کی جیب میں ہے۔ انگلی بے آواز ریوالور کے ٹریگر پر ہے.... باہر نکلو اور بائیں جانب چلتی رہو۔"

"لل.... لیکن....!"

"خاموش.... چلو....!"

وہ لڑکھڑاتے قدموں سے باہر آئی۔ جوزف بے حس و حرکت پڑا نظر آیا۔

"بائیں طرف چلو....!" پھر کہا گیا۔

پوری راہداری سنسان پڑی تھی۔ وہ جلد ہی تیسری منزل کے زینے طے کر رہے تھے۔ اگر کوئی راہ میں بھی مل جاتا تو اُسے ذرہ برابر بھی کسی قسم کا شبہ نہ ہو پاتا کیونکہ ساجدہ ان دونوں سے کافی فاصلے پر چلتی رہی تھی.... یہ سوچ کر اُس کا دل ڈوب رہا تھا کہ وہ بالآخر پہچان لی گئی۔

تیسری منزل پر پہنچ کر دھمکی دینے والا اُس سے کسی قدر قریب ہوتا ہوا بولا۔

"کمرہ نمبر اٹھاون میں چلو۔"

وہ کھلے ہوئے دروازے میں مڑ گئی۔ اُس کے پیچھے وہ دونوں بھی کمرے میں داخل ہوئے اور دروازہ بند کر دیا گیا۔

اب دھمکی دینے والے کی جیب سے ریوالور بھی نکل آیا تھا۔ اُس نے اُس کا رخ ساجدہ کی طرف کیا ہی تھا کہ دوسرا بول اٹھا۔ "ٹھہرو.... فائر نہ کرنا۔"

"کیوں....!" پہلا غرایا۔

"پتہ نہیں یہ ساجدہ حبیب ہے بھی یا نہیں۔"

"وہی ہے۔ تصویر نکالو اور آنکھوں کی بناوٹ ملالو۔ محض ناک اور دہانے کے پلاسٹک میک اپ سے کیا ہوتا ہے۔ پیشانی کی بناوٹ دیکھو۔"

"کچھ بھی سہی.... اس طرح مار ڈالنے سے کیا فائدہ....؟"

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ زندہ رکھ کر ہی کیا کریں گے۔"

"احمق آدمی اس کے علاوہ اور کون عمران کا پتہ بتا سکے گا۔"

"اوہ ٹھیک ہے۔ لیکن کیا تمہیں اس حکم کا علم نہیں ہے کہ اگر نہ بتائے تو فوراً گولی مار دی جائے۔"

"مجھے علم ہے اور تم شاید یہ بھول رہے ہو کہ بتا دینے کی صورت میں اگر یہ بے گناہی بھی ثابت کر سکے تو زندہ رہے گی۔"

"مجھے سب معلوم ہے تم خاموش رہو۔" ریوالور والے نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور ساجدہ سے پوچھا۔ "بتاؤ عمران کہاں ہے۔"

"میں نہیں جانتی۔ یقین کرو۔"

"یہاں آنے کا مقصد ہی بتادو۔"

"میرے خیال سے وہ اس طرح انجمن کے سربرآوردہ لوگوں کا پتہ لگانا چاہتا ہے۔"

"بھلا کس طرح۔"

"اس طرح کہ میں اس میک اپ میں پہچان لی جاؤں گی اور انجمن والے مجھے مار ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ اس کے لئے انہیں بہر حال سامنے آنا پڑے گا۔"

"تو اس نے تمہیں قربانی کا بکرا بنایا ہے۔"

"اب اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتی ہوں جبکہ اتنی آسانی سے پہچان لی گئی۔ مجھے مل جائے تو خود بھی اس کی ہڈیاں چبا ڈالوں۔"

"اُلو بنا رہی ہو ہمیں۔"

"یقین کرو۔ میں نے زبردست دھوکا کھایا ہے۔ دراصل اُسے انجمن ہی کا کوئی رکن سمجھ بیٹھی تھی۔ پروفیسر کے قتل کے بعد میں ضروری کاغذات نکال لانے کی فکر میں تھی۔ جہاں چھپی تھی وہیں وہ بھی موجود تھا۔ اس طرح کی باتیں کیں اُس نے کہ میں اُسے عادل آباد شاخ کا صدر سمجھ بیٹھی۔ پھر اُس نے میرے اور مقامی سیکریٹری کے درمیان اس قسم کی غلط فہمیاں پیدا کردیں کہ میں انجمن کی طرف سے بھی بُری بن گئی۔ پھر بتاؤ میں اپنی جان بچانے کے لئے کیا کرتی۔"

"اس کے باوجود بھی تم نے کاغذات تک اُس کی رہنمائی کی تھی۔"

"پھر میں کیا کرتی۔ انجمن کی نظر میں تو میں غداری کی مرتکب ہو ہی چکی تھی۔ حالانکہ ایسا نہ پہلے تھا اور نہ اب ہے۔"

"تو پھر اپنی وفاداری کا ثبوت دو....!"

"کہہ تو رہی ہوں کہ میں نہیں جانتی۔ نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہے۔ مجھے صفدر اور جوزف کے ساتھ یہاں بھیج کر دوبارہ نہیں ملا۔"

"یہ تو بتایا ہی ہوگا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔"

"کچھ بھی نہیں.... قطعی نہیں۔"

"پھر سوچ لو.... ہم تمہیں گولی مار سکتے ہیں۔"

"جو تمہارا دل چاہے کرو.... میں موت سے نہیں ڈرتی۔ تم کیا ہو۔ تمہاری حقیقت کیا ہے؟"

"کیا مطلب....؟"

"میں ایک تانگے والے کی بیٹی ہوں۔ گھوڑے نہیں ملتے تو آدمیوں کو ہانک کر رکھ دیتی ہوں۔"

"بکواس مت کرو۔" وہ غرایا۔

ساجدہ ہنس پڑی۔ اب وہ انہیں مرعوب کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اُن دونوں کی آپس کی گفتگو سے اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ زیادہ ذہین لوگ نہیں ہیں۔ انہیں بہ آسانی اُلو بنا سکے گی۔ یہ احمق اُسے بچوں کی طرح ٹریٹ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ انہیں جھکائی دینے کی ترکیبیں سوچنے لگی۔

"تم ایسی ہی معلوم ہوتی ہو۔" دوسرے نے دانت پر دانت جما کر کہا۔ "ذرا اپنی اصلی شکل تو

دکھاؤ۔"

"میں نہیں جانتی کہ یہ میک اپ کیسے ختم ہوگا۔" اُس نے جھنجھلا کر کہا۔

"فکر نہ کرو۔ اس کا انتظام پہلے ہی کر چکے ہیں ہم لوگ۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ اُس کا اندازہ تھا کہ اُن دونوں میں سے ایک قطعی طور پر رام کیا جاسکتا ہے۔

پہلا آدمی الماری کھول کر کچھ تلاش کرنے لگا اور دوسرا ساجدہ کو گھورتا رہا۔ اسی کے متعلق اس کا خیال تھا کہ قابو میں کیا جاسکتا ہے۔

"انجمن نے مجھے غدار قرار دے کر اپنا ہی نقصان کیا ہے۔" ساجدہ آہستہ سے بولی لیکن آواز اتنی دھیمی بھی نہیں تھی کہ پہلا نہ سن سکتا..... وہ بھی مڑ کر ساجدہ کو گھورنے لگا تھا۔

"خاموش کیوں ہوگئیں..... بولتی رہو۔ تمہاری آواز کانوں کو بھلی لگتی ہے۔" اُس نے کہا۔

"میں غداری کی مرتکب نہیں ہوئی ہوں۔ انجمن ہی کے ارکان نے مجھے ان لوگوں کے پنجے میں پھنسایا ہے۔ میں عمران سے واقف نہیں تھی۔ صرف اُس کا نام پروفیسر کی زبانی سنا تھا۔ عمران نے خود کو عادل آباد شاخ کا صدر ظاہر کر کے مجھے دھوکا دیا میں اسے مقامی سیکریٹری کے پاس لے گئی۔ اُس نے عمران کو پہچان لیا۔ میں اُسے کسی طرح بھی یقین نہ دلا سکی کہ عمران کو اُس حیثیت سے نہیں جانتی جو انجمن کے مفاد کے خلاف تھی۔ پھر وہاں جھگڑا ہوا اور میں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ عمران ہی کے ساتھ چلی جاؤں۔ میں اب بھی انجمن کی وفادار ہوں۔ میں ان لوگوں میں رہ کر بھی انجمن کی پھر خدمت کرسکتی ہوں۔"

ساجدہ خاموش ہو کر ان کے چہروں پر اپنی گفتگو کا ردعمل تلاش کرنے لگی۔ وہ دونوں ہی کسی گہری سوچ میں معلوم ہوتے تھے۔

کچھ دیر بعد پہلے نے کھکار کر کہا۔ "ہوں..... اوں..... بات تو قاعدے کی ہے۔ لیکن ہم اس سلسلے میں کچھ نہیں کرسکتے۔"

"کیوں.....؟"

"ہم سے صرف اتنا ہی کہا گیا تھا کہ تمہیں قابو میں کر کے عمران کا پتہ معلوم کریں۔"

"میں بتا دیتی لیکن فی الحال مجھے خود علم نہیں ہے۔"

"ہمیں تمہارے متعلق دوسرے احکامات حاصل کرنے پڑیں گے۔"

"کچھ کرو بھی خدارا جلدی سے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ان دنوں سکھ کی نیند سو سکی ہوں گی۔"

دونوں پُر فکر انداز میں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔

ساجدہ باری باری سے انہیں گھورے جا رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ تیر شاید نشانے پر بیٹھا ہے۔ لہٰذا پھر بولی۔

"میں خود ہی اس فکر میں ہوں کہ کسی طرح مجھے اس مردود کا پتہ نشان معلوم ہوسکے۔ میری مٹی پلید کر کے رکھ دی اُس نے۔ لیکن وہ بھی کیا یاد کرے گا۔"

"کیا یاد کرے گا۔" پہلے نے پوچھا۔

"اگر یہ میری زندگی کا آخری دن نہیں ہے تو خود ہی دیکھ لینا۔"

"ختم کرو یہ قصہ.....!" دوسرے نے پہلے سے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ یہ لڑکی جھوٹ نہیں بول رہی۔"

"پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔"

"دوسرے احکامات تک ہمیں اسے یہیں روکنا چاہئے۔"

"اس کی کیا ضمانت ہے کہ یہ ہمیں دھوکا نہیں دے گی۔"

"کیوں.....؟" دوسرے نے ساجدہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میں اب ان لوگوں میں واپس نہیں جانا چاہتی۔"

وہ دونوں کچھ نہ بولے۔ اُن کے چہروں پر ایسے آثار تھے جیسے جلد سے جلد کوئی فیصلہ کرنا چاہتے ہوں لیکن عقل رہنمائی نہ کر رہی ہو۔

نعمانی نے جوزف کو فرش پر بیہوش پڑے دیکھا تھا۔ لیکن وہ اس کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا کہ ہوٹل کے ذمہ داروں کو اس کی اطلاع پہنچا کر خود قطعی بے تعلق ہو جاتا۔

اس کے بعد اُسے تیسری منزل کے کمرہ نمبر اٹھاون کی نگرانی شروع کر دینی پڑی تھی۔

وہ دونوں ساجدہ کو اندر لے گئے تھے اور پھر کچھ دیر بعد وہ باہر بھی نکل آئے تھے۔ کمرہ مقفل کیا تھا اور کہیں چلے گئے تھے اور وہ اب یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین تھا کہ ساجدہ پر کیا

گزری۔ اس طرح کمرہ بند کر کے چلے جانے کا مطلب تو یہی تھا کہ یا تو انہوں نے اُسے بے بس کر دیا ہے یا پھر قتل۔

ایکس ٹو کی طرف سے کسی معاملے میں دخل اندازی کی اجازت نہیں ملی تھی۔ صرف نگرانی کرنے اور رپورٹ دینے کے لئے کہا گیا تھا۔

زرد رنگ کے کاغذ پر کوڈ ورڈز میں رپورٹ لکھی جاتی تھی اور پھر وہ کاغذ توڑ مروڑ کر ہوٹل کے ایک مخصوص ڈسٹ بن میں ڈال دیا جاتا۔ اسکے بعد اُن میں اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ اس ڈسٹ بن کی نگرانی بھی کر سکتے۔ یہ دیکھتے کہ انکی مرتب کردہ رپورٹ ایکس ٹو تک کیسے پہنچتی ہے۔

اُس نے خاور کو راہداری کے سرے پر رکنے کا اشارہ کیا اور خود کمرہ نمبر اٹھاون کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اِدھر اُدھر دیکھ کر قفل کے سوراخ سے آنکھ لگا دی۔ سامنے ہی ساجدہ نظر آئی لیکن اس حال میں کہ ہاتھ پیر کرسی کے پایوں اور ہتھوں سے جکڑ دیئے گئے تھے اور منہ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ کبھی آنکھیں کھل جاتیں اور کبھی وہ انہیں طویل وقفے کے لئے بند کر لیتی۔

نعمانی نے قفل کے سوراخ سے آنکھ ہٹالی اور زینوں کی طرف بڑھا۔

"کیا بات ہے۔" خاور نے بھی زینوں کی طرف مڑتے ہوئے پوچھا۔

"زندہ ہے۔ لیکن وہ اُسے کرسی سے باندھ گئے ہیں اور منہ پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔"

"تب تو زبردست غلطی ہے۔ غالباً وہ اُس کے لئے کسی سے احکامات لینے گئے ہیں اُن کا تعاقب کیا جانا ضروری تھا۔"

"یہ بھی ممکن ہے کہ کفن دفن کا انتظام کرنے گئے ہوں۔" نعمانی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "لیکن تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ کسی سے احکامات لینے گئے ہوں۔ کیا تم اس سلسلے میں کچھ زیادہ جانتے ہو۔ مجھے تو اس سب کے مقصد کا علم نہیں۔"

"عقل کو تھوڑی سی جنبش دینے پر سب کچھ سمجھا جاسکتا ہے۔ ہمیں صرف ان کی نگرانی کرنے کو کہا گیا ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ساجدہ میک اپ میں ہے لیکن صفدر اور جوزف کیلئے لازی قرار نہیں دیا گیا ہم دونوں بھی میک اپ ہی میں ہیں ساجدہ کا میک اپ میری دانست میں مکمل نہیں ہے۔ وہ اپنی پیشانی اور آنکھوں کی بناوٹ سے صاف پہچانی جاسکتی ہے۔ ایسی صورت

میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ ایکس ٹو نے کسی بڑی مچھلی کے لئے یہ چارہ لگایا ہے۔"

نعمانی کچھ نہ بولا۔ وہ زینے طے کر کے نچلی منزل کی طرف جا رہے تھے۔ دوسری منزل پر پہنچ کر اُس نے پوچھا۔ "جوزف کو کہاں لے گئے ہیں۔"

"غالباً ہسپتال.... سر پھٹ گیا ہے۔"

"ہوش آگیا تھا....؟"

"کسی قدر.... اور وہ بڑبڑا رہا تھا کہ خون بہہ جانے کی وجہ سے نشہ اکھڑ گیا ہے۔ تھوڑی سی پی لینے دو.... پھر کہیں لے چلو۔"

"پتہ نہیں کیا چکر ہے۔ ادھر وہ اس قسم کی حرکتیں کرتا رہا ہے کہ ہوٹل میں اُس کی خاصی شہرت ہوگئی ہے۔"

✪

اُس کے لئے دوپہر کا کھانا وہ خود ہی لائی تھی۔ لیکن پراسرار ڈرائیور نے اس پر ذرہ برابر بھی حیرت ظاہر نہ کی۔ بالکل اسی طرح اکڑا بیٹھا رہا جیسے خلاف توقع کوئی بات نہ ہوئی ہو۔ صبیحہ اُس کے رویہ پر جھنجھلا گئی۔

"اَب اٹھ کر سنبھالو ٹرے.... یا میں یونہی لئے کھڑی رہوں گی۔"

"اُودب.... اچھا....!" وہ اٹھتا ہوا بولا اور کھانے پر نظر پڑتے ہی ایسا بُرا سا منہ بنایا جیسے اوبکائی روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔

کیوں؟ کیا بات ہے؟" صبیحہ نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"پھر وہی ارہر کی دال...." ڈرائیور بسور کر بولا۔ "وہ بھی برداشت کی جاسکتی ہے اگر لہسن کا بگھار نہ لگا ہوا ہو۔"

"بڑے لاٹ صاحب ہو۔"

"اور میں ہر کھانے کے بعد پڈنگ پسند کرتا ہوں۔ وہ نہ ہو تو کسٹرڈ فروٹ ہی سہی۔"

"ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"شراب قطعی نہیں پیتا.... البتہ تفنن طبع کیلئے چیونگم یا کوکا کولا۔ سے شوق کر لیتا ہوں۔"

"ٹرے سنبھالو....!"

"اس طرح ٹرے لئے پھرنا بھی تمہارے لئے مناسب نہیں۔" ڈرائیور نے ٹرے لے کر اسٹول پر رکھتے ہوئے کہا۔ "بنگلے سے اس کوٹھری تک ایک پختہ روش بنانی چاہئے تاکہ میرا کھانا ٹرالی پر لایا جاسکے۔"

"تمہیں دھکے دلوا کر نکال ہی نہ دیا جائے۔"

"دھکے کے بغیر نہیں اسٹارٹ ہوگی۔ بیٹری ڈاؤن ہے۔ گاڑی رننگ میں تو رہتی نہیں۔"

"جلدی کھاؤ.... مجھے یونیورسٹی جانا ہے۔"

"یہی تو میں کہوں کہ دوپہر کا کھانا گیارہ بجے ہی کیسے آگیا۔" اُس نے کھاٹ پر بیٹھ کر اسٹول اپنی طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔ پھر سالن کا نوالہ لیا ہی تھا کہ منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"اب کیا ہے....!" وہ جھلا کر بولی۔

لیکن وہ کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف جھپٹا اور دوسرے ہی لمحے میں نوالہ تھوک کر بُری طرح منہ پیٹ رہا تھا۔

"ارے مر گیا.... اتنی مرچیں.... ہائے.... سوسوسو.... ارے.... پپ.... پانی.... سی سی سی سی۔"

"اب میں پانی بھی پلاؤں گی تمہیں؟" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"میں ہی پی لوں گا۔ مگر یہ کھانا میرے دادا تک کو قبر سے اکھاڑ لانے کے لئے کافی ہوگا۔"

"تم دفع ہو جاؤ یہاں سے اتنے نخرے نہیں برداشت کئے جاسکتے۔"

"ارے تو میں کچھ کہہ رہا ہوں.... روکھی چپاتیاں پانی کے گھونٹوں سے اتار لوں گا۔"

"جہنم میں جاؤ۔" وہ کوٹھری سے نکلتی ہوئی بولی۔ "میں ابھی آرہی ہوں۔ گاڑی نکالو۔"

عجیب آدمی تھا۔ اس طرح ملازمت حاصل کی اور اب اس طرح دھونس جما رہا ہے۔ کیسے پیچھا چھوٹے گا اس سے.... کہیں کچھ دنوں کے بعد بلیک میل نہ کرنا شروع کردے.... وہ سوچتی ہوئی کمرے میں آئی۔

نوٹس کا فائیل اٹھایا اور پھر وہ لفافہ اٹھانے کے لئے جھکی جو فائیل سے گرا تھا۔ سبز رنگ کا لفافہ.... وہ سوچنے لگی کہ اس نے تو کوئی لفافہ فائیل میں نہیں رکھا تھا۔ پھر یہ کہاں سے آیا۔

لفافے پر کچھ تحریر نہیں تھا۔ دبازت بتاتی تھی کہ اندر بھی کاغذ موجود ہے۔ لفافہ کھلا ہوا بھی نہیں تھا۔ وہ چند لمحے اُس کے متعلق سوچتی رہی۔ شائد کبھی رکھ کر بھول گئی ہو.... لیکن کبھی اُس نے سبز رنگ کے لفافے استعمال نہیں کئے تھے۔

پھر اس نے کھول ہی ڈالا۔ اندر سے انگریزی حروف میں ٹائپ کیا ہوا خط برآمد ہوا۔

"صبیحہ .... میں تمہارے جرم سے واقف ہوں.... سہیل کو مرنے سے قبل ہوش آگیا تھا۔ اس نے اپنے بیان پر خود دستخط کئے تھے۔ اس کا بیان میرے پاس محفوظ ہے۔ بیان اُسی کی آواز میں ریکارڈ بھی کیا گیا تھا۔ ٹیپ میرے پاس محفوظ ہے۔ یہ دونوں چیزیں عدالت میں تمہارے خلاف استعمال کی جاسکتی ہیں۔ اسے کبھی نہ بھولنا.... فی الحال رخصت۔ تم اب پوری طرح میری مٹھی میں ہو۔"

صبیحہ کے ہاتھ کانپے اور خط چھوٹ پڑا.... سر چکرانے لگا۔ میز کا سہارا نہ لیتی تو گر ہی پڑی ہوتی۔ کئی منٹ تک وہ میز کے گوشے پر ہاتھ ٹکائے جھکی کھڑی رہی....!

تو وہی ہوا.... اس مردود نے آخر کار بلیک میلنگ کا سلسلہ شروع کردیا۔ اب کیا ہوگا۔ اب تو میں واقعی اُس کی مٹھی میں ہوں۔ کاش مجھ سے وہ شرارت سرزد نہ ہوتی۔ ماں کا جی جلایا تھا.... یا اللہ معاف کردے.... سزا نہ دیجیو.... میرے مالک۔ وہ سوچتی رہی پھر پے در پے ہارن کی آواز سن کر چونکی۔ دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ لفافہ فائیل میں رکھتی ہوئی باہر نکل آئی۔ لیکن قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

وہ اسٹیئرنگ پر بیٹھا نظر آیا۔ کتنا خوفناک لگ رہا تھا اس وقت۔ آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک نے چہرے کو پہلے سے زیادہ بھیانک بنادیا تھا۔

وہ پچھلی سیٹ پر نیم مردہ سی گر گئی۔

کار پھاٹک سے نکل کر سڑک پر آگئی تھی۔ ڈرائیور خاموشی سے اسٹیئرنگ کرتا رہا۔ صبیحہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اگر اس کے بارے میں پولیس کو اطلاع دیتی تو خود اس کی ذات بھی اس معاملے میں ملوث ہو کر رہ جاتی۔ خاموشی اختیار کرنے کی صورت میں نہ جانے کیا حشر ہو.... آخر یہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ لیکن وہ وہاں اپنی مرضی سے کب آیا تھا۔

خود اس کے ملازمین پکڑ لائے تھے۔ لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اس کی آمد کسی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوئی ہو۔ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ کیا براہِ راست اُس سے گفتگو شروع کردے؟

پھر اُسے سہیل یاد آیا۔ جو اُس کا تعاقب کیا کرتا تھا۔ کیسے مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ جسے اس نے ٹھوکروں پر رکھ کر موت ہی کی طرف دھکیل دیا؟ لیکن کون جانے یہ بھی محض فراڈ ہو۔ سہیل زندہ ہو۔

صبیحہ کی الجھن بڑھتی رہی۔ پھر اُسے اس پر غصہ آنے لگا۔ اُس نے سوچا جو کچھ ہونا ہوگا ہو کر رہے گا اس سے دو دو باتیں تو ہو ہی جائیں۔

کار یونیورسٹی والی سنسان سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

"سڑک کے کنارے لگا کر گاڑی کھڑی کردو۔" دفعتاً اُس نے اپنے لہجے میں سختی پیدا کر کے کہا۔

رفتار کم ہوگئی اور گاڑی سڑک کے کنارے جا لگی۔ لیکن ڈرائیور نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ اسٹیئرنگ پر جھکا بیٹھا رہا۔

"میں تم سے خائف نہیں ہوں.... سمجھے....!" صبیحہ غرائی۔

"نہ میں شیر نہ بھیڑیا.... پھر خائف ہونے کا کیا سوال؟" جواب ملا۔

"سنجیدگی سے گفتگو کرو۔"

"بالکل سنجیدہ ہوں۔"

"تم مجھے بلیک میل نہ کرسکو گے۔ میں کسی چیز سے بھی نہیں ڈرتی۔ بدنامی یا نیک نامی کا خیال بزدلوں کو آیا کرتا ہے۔"

"اطلاع پاکر خوشی ہوئی.... اور کچھ....؟"

"شٹ اپ یو ڈرٹی سوائین۔"

"انگریزی میں گالیاں بھی بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ البتہ اردو کی بات دوسری ہے۔ تمام کوائف کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔"

"میں کہتی ہوں خاموش رہو۔" وہ غصہ سے پاگل ہوئی جارہی تھی۔

"تم گالیاں دیئے جاؤ اور میں پسندیدگی کا اظہار بھی نہ کروں۔"

"تو تم انگریزی سمجھ لیتے ہو۔" وہ اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"جرمن اور فرانسیسی بھی۔"

"لیکن تم مجھے بلیک میل نہیں کرسکتے۔"

"بہت دیر سے تم بلیک میل کی رٹ لگائے ہو لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ اچھوتا خیال آیا کیسے۔"

"اُس کے قاتل تم خود ہو۔ میں نہیں.... میں نے تم سے مدد بھی نہیں مانگی تھی۔"

"میرے خدا.... میں اپنا سر کہاں دے ماروں....؟"

"مکاری کی باتیں مجھ سے نہیں چلیں گی۔ تم میرا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔"

"اب اگر تم اصل معاملے کی طرف نہ آئیں تو میں خود اپنا حلیہ بگاڑ کر رکھ دوں گا۔"

"مجھے اس خط کا مقصد بتاؤ۔"

"کس خط کی بات کر رہی ہو؟"

"جو تم نے میرے فائیل میں رکھ دیا تھا۔"

"میں نے تمہارے کسی فائیل میں کوئی خط نہیں رکھا۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"فائیل کہاں تھا تمہارا۔"

"میرے سونے کے کمرے میں۔"

"میرا خیال ہے کہ پرسوں رات کے علاوہ میں بنگلے کے اندر نہیں گیا۔"

صبیحہ نے سوچا یہ بات تو ٹھیک ہی ہے۔ اسٹور روم سے رہائی کے بعد سے وہ بنگلے کے اندر پھر کبھی نہیں گیا تھا۔ لیکن کیا پتہ گھر کا کوئی ملازم بھی تو اس کا مددگار بن سکتا ہے۔ مفت ہاتھ آنے والے پیسوں میں بڑی قوت ہوتی ہے۔

"تم نے میرے کسی ملازم کو بھی بدطینت بنادیا ہوگا۔"

"وہ تو سبھی صورت حرام اور بدطینت ہیں....!"

"تو تم نے ایسے ہی بدطینت کے ذریعہ وہ خط میرے فائیل میں رکھوایا تھا۔"

"میں نے اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کی۔ کیا میں تم سے کوئی زبانی بات نہیں کہہ سکتا۔"

"تو یہ لفافہ تم نے نہیں رکھوایا تھا۔" اُس نے فائیل سے سبز رنگ کا لفافہ نکال کر اُسے

دکھاتے ہوئے کہا۔ ڈرائیور نے پُر تشویش انداز میں سر کو منفی جنبش دی لیکن لفافہ اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھنے کی خواہش ظاہر نہیں کی۔

"دیکھو....!" صبیحہ نے لفافہ اگلی سیٹ پر ڈال دیا۔

ڈرائیور نے لفافے سے خط نکالا اور اُسے بآواز بلند پڑھنے لگا۔

صبیحہ حیرت سے سن رہی تھی۔ لہجہ اور تلفظ سے معلوم ہو رہا تھا جیسے واقعی اُس کی تعلیم بڑے سلیقے سے ہوئی ہو۔

خط ختم کرنے کے بعد اُس نے ایک طویل سانس لی اور مڑ کر صبیحہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"بھلا مجھے اس کی کیا ضرورت تھی۔ جب کہ وہ میری ہی ضربات کی وجہ سے مرا ہوگا۔"

"پڑھے لکھے بدمعاشوں کی بنائی ہوئی اسکیمیں دوررس ہوتی ہیں۔ میں خود بھی نہیں سمجھ سکتی کہ تمہیں اس سے کیا فائدہ پہنچے گا۔ جب کہ میں اس کا اعتراف کر سکتی ہوں کہ وہ میری موجودگی ہی میں پٹا تھا اور جس نے پیٹا تھا وہی مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے... اس سے یہی تو ثابت ہوتا ہے نا کہ اس خط کا تعلق میری ذات سے نہیں۔"

صبیحہ کچھ نہ بولی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اُسے کیا کہنا چاہئے۔

دفعتاً ڈرائیور نے کہا۔ "گھر واپس چلو۔"

"کیوں....؟"

"میں دیکھوں گا کہ یہ خط تمہارے کمرے تک کس ذریعہ سے پہنچا ہوگا.... ہاں.... آج کوئی باہری آدمی بھی آیا تھا؟"

"نہیں کوئی بھی نہیں۔"

"تب تو تمہارے تینوں ملازموں میں سے کوئی ہو سکتا ہے۔"

"پتہ نہیں۔"

"تمہارے چھوٹے بھائی بہن تو تمہارے لئے دوسروں کے خطوط نہیں لاتے رہے۔"

"جی نہیں۔" وہ کھسیا کر غصیلے لہجے میں بولی۔ "عشق کرنا ہوگا تو علانیہ کروں گی۔"

"شاباش شاباش... عمر دراز... لیکن ہو سکتا ہے کہ بچوں ہی میں سے کسی کو ورغلایا گیا ہو۔"

"میں نہیں جانتی۔"

"تو پھر چلو واپس۔"

"جیسا جی چاہے....!"

"لیکن اتنی جلدی واپسی کا جواز کیا پیش کرو گی۔"

"پروفیسر پیچش میں مبتلا ہیں۔ کلاس نہیں لیں گے۔"

"سبحان اللہ سبحان اللہ.... اچھی بات ہے۔"

ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ کر کے یوٹرن لیا اور گاڑی پھر گھر کی طرف روانہ ہوگئی۔ دونوں ہی خاموش تھے۔ بقیہ راستہ خاموشی ہی سے طے ہوا۔

گھر پہنچ کر گاڑی سے اترتے ہوئے صبیحہ نے آہستہ سے پوچھا۔ "کیسے پتہ لگاؤ گے۔"

"تمہاری دانست میں تمہارے ملازمین میں سب سے زیادہ خبیث کون ہے۔" ڈرائیور نے سوال کیا۔

"مجھے سبھی خبیث معلوم ہوتے ہیں۔"

"اچھا تو تینوں خبیثوں کو کسی بہانے سے میرے پاس بھیج دو۔"

"کیا کرو گے تم....!"

"اُگلواؤں گا اُن سے.... اور تم صرف آدھے گھنٹے کیلئے میری کوٹھری سے دور ہی رہنا۔"

صبیحہ اندر چلی آئی۔ پہلے ایک ملازم کو بلا کر اُس سے کہا کہ وہ ڈرائیور کو بلا لائے پھر دس منٹ بعد دوسرے کو بھیجا اور ان دونوں کی واپسی کی منتظر رہی لیکن اُن میں سے کوئی بھی نہ پلٹا۔

پندرہ منٹ بعد تیسرے کو روانہ کیا۔

پورا ایک گھنٹہ گذر گیا۔ لیکن ان میں سے کسی کی بھی واپسی نہ ہوئی.... اُس نے سوچا اب خود ہی چل کر دیکھنا چاہئے۔

وہ کوٹھری جہاں ڈرائیور کا قیام تھا مہندی کی قد آدم باڑھ کی اُوٹ میں تھی اس لئے بنگلے کے برآمدے میں کھڑے ہوئے کسی آدمی کی نظر میں آئے بغیر وہ اُسکے دروازے تک پہنچ سکتی تھی۔

کوٹھری کا دروازہ بند ملا۔ اندر سے کنڈی چڑھا دی گئی تھی۔ وہ چند لمحے خاموش کھڑی سن گن لیتی رہی۔ لیکن اندر سے کسی قسم کی بھی آواز نہ آئی۔ پھر اسے دروازے کی جھری سے جھانکنا ہی پڑا۔

اندر کے حالات تشویش کن تھے۔ تینوں ملازموں کے ہاتھوں اور ٹانگوں میں ڈنڈے پھنسا کر

اس طرح باندھا گیا تھا کہ وہ جنبش بھی نہیں کر سکتے تھے۔ منہ میں کپڑا بھی نہ ٹھونس دیا گیا ہوتا تو وہ غل غپاڑہ مچا کر آسمان سر پر اٹھا لیتے۔

اور ڈرائیور سامنے والے جھلنگے پر انہیں کے رخ کروٹ لئے سو رہا تھا۔

صبیحہ چکرا گئی۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ آخر وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟

دفعتاً ایک ملازم کے حلق سے عجیب سی گھٹی گھٹی آوازیں نکلنے لگیں اور ڈرائیور نے اس طرح آنکھیں کھول کر دیکھا جیسے بچوں کے شور میں بھی گہری نیند سونے والے کسی عیال دار بوڑھے کے کانوں میں کوئی نئی آواز پڑی ہو۔

اُس نے سیدھے ہو کر پورا جسم تان لیا۔ لیٹے ہی لیٹے انگڑائی لی اور اٹھ کر اُس شور مچانے والے کو پُر تشویش نظروں سے دیکھنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔" ڈرائیور نے سر ہلا کر کہا۔ "میں سمجھ گیا۔ اس لئے تمہارے علاوہ اور سب کی چھٹی.... تم میں سے کوئی بھی دوسرے کے متعلق نہیں جانتا کہ میں نے اس سے کیا پوچھا تھا۔ لہٰذا اس کا تذکرہ کوئی کسی سے نہ کرے۔ ورنہ جان سے مار دوں گا۔ مجھے ڈپٹی صاحب نے گھر کی نگرانی کے لئے بھجوایا ہے۔ سمجھے۔"

پھر اُس نے اُن دونوں ملازموں کو آزاد کر دیا جنہیں صبیحہ نے بے حس و حرکت اور خاموش دیکھا تھا۔

"ایک ایک کر کے یہاں سے چلے جاؤ.... تمہارے کسی معمول میں فرق نہ آنا چاہئے سمجھے۔" ڈرائیور نے دونوں کو مخاطب کر کے کہا۔

صبیحہ نے سوچا اب وہ باہر نکلیں گے۔ لہٰذا اُن کی نظروں میں نہ آنا چاہئے۔ وہ قریب کی بے ترتیب جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو گئی۔

کچھ دیر بعد اُس نے انہیں مالی کی کوٹھی سے نکلتے دیکھا۔ چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ آگے پیچھے چلتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

صبیحہ جھاڑیوں کی اوٹ سے نکل کر پھر دروازے کے قریب آ گئی۔

جھری سے آنکھ لگائی ہی تھی کہ اندر سے ڈرائیور کی آواز آئی۔ "اب آپ بھی اندر آ سکتی ہیں بی بی جی.... کنڈی نہیں لگی ہے۔"

وہ سناٹے میں آ گئی اور غیر ارادی طور پر ہاتھوں نے آگے بڑھ کر دروازے کو دھکا دیا۔ دونوں پاٹ کھل گئے۔ تیسرا ملازم بھی اب آزاد ہو چکا تھا۔ صبیحہ نے اُس پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور ڈرائیور کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"یہ ہے وہ ملازم جس نے لفافہ آپ کی فائیل میں رکھا تھا....؟" اُس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"کیوں....؟" صبیحہ اُس کی طرف مڑی لیکن وہ سر جھکائے کھڑا رہا۔ چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

"کس نے دیا تھا تمہیں وہ لفافہ۔" صبیحہ نے پھر کانپتی ہوئی آواز میں سوال کیا لیکن اس کا بھی جواب اُسے نہ مل سکا۔

"کسی نے دس روپیوں کے لئے اس سے یہ خدمت لی تھی۔" ڈرائیور نے خشک لہجے میں کہا۔

"کس نے....؟"

"اُسے پہچانتا نہیں۔" ڈرائیور بولا۔

"تم نے یقین کر لیا۔"

"یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسے یہاں سے جو تنخواہ ملتی ہے اس کے گذر اوقات کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ دس روپیوں کے لئے قتل بھی کر سکتا ہے یہاں تو صرف ایک خط رکھنا تھا اُس فائیل میں جسے تم عام طور پر استعمال کرتی ہو۔"

"میں اسے پولیس کے حوالے کر دوں گی۔"

"وہ اس سے کچھ وصول کر کے چھوڑ دیں گے.... ان بیچاروں کی تنخواہیں بھی اُن کے لئے ناکافی ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس بیچارے کو دس روپیوں کے نفع ہی میں رہنے دو لیکن پیارے کہیں تم بھی تو نمبر اسکا یونیورسٹی کے ایل ایل ڈی نہیں۔"

"فضول باتوں میں نہ پڑو.... اسے پولیس کے حوالے کر دو۔"

"نہیں اس کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ فوری طور پر یہاں سے منہ کالا کر جائے۔"

"کمبخت نمک حرام.... اتنے دنوں سے یہاں تھا۔"

ڈرائیور نے ہاتھ ہلا کر اُسے وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا اور وہ اسی طرح سر جھکائے ہوئے باہر نکل گیا۔ صبیحہ نے اُس کے پیچھے جانا چاہا تھا۔

"ٹھہرو۔"

"نہیں.... میں اُسے ضرور پڑھواؤں گی۔"

"اور دوسروں کو اس کی وجہ بتاتے ہوئے یہ بھی بتاؤ گی کہ اُس خط کی نوعیت کیا تھی... کیوں؟"

صبیحہ کے قدم رک گئے وہ دم بخود کھڑی رہی۔ پھر بولی۔ "سمجھ میں نہیں آتا کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں اور اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

٭

صفدر کو جوزف پر غصہ آرہا تھا۔ آخر کمرے میں بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی۔ بدستور دروازے ہی پر کھڑے رہ کر پہرہ دیتا رہتا۔

اُس نے جوزف سے بھی اس کی وجہ دریافت کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اُس نے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا تھا۔ "مقدر مسٹر مقدر.....!"

پھر صفدر نے کافی دیر تک اُس سے بات نہیں کی۔ جوزف کا سر زخمی تھا۔ ڈاکٹر کے بیان کے مطابق وافر مقدار میں خون ضائع ہو گیا تھا۔

جوزف والے واقعہ کا علم ہوٹل کے باشندوں کو ہو چکا تھا۔ لیکن یہ بات کسی کو بھی نہ معلوم ہو سکی کہ اسکے بعد کیا ہوا تھا۔ ساجدہ کی گمشدگی کے بارے میں صفدر نے بھی اپنی زبان بند ہی رکھی۔

جوزف اس وقت ہوٹل کے اُس کمرے میں تھا جہاں وبائی امراض کے شکار وقتی طور پر رکھے جاتے تھے.... اور پھر انہیں کسی ہسپتال میں منتقل کر دیا جاتا تھا۔

کچھ دیر بعد یہی مسئلہ جوزف کے لئے بھی پیدا ہو گیا۔ ہوٹل کے ذمہ داران کا اصرار تھا کہ اُسے پھر ہسپتال بھیج دیا جائے۔

"کیا میں مر رہا ہوں؟" جوزف نے سپروائزر سے جھلا کر پوچھا۔

"یہ میں کچھ نہیں جانتا مسٹر.... قانون بہر حال قانون ہے۔"

"نہیں میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم کسی کالے آدمی کا وجود برداشت نہیں کر سکتے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔"

"میں یہاں سے کہیں نہ جاؤں گا سمجھے۔ کیا میں بیمار ہوں۔ جاؤ ان کا پتہ لگاؤ جنہوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ وہ یقینی طور پر دو آدمی تھے۔"

"پولیس پتہ لگائے گی۔ یہ میرے فرائض میں داخل نہیں۔"

"ہسپتال بھجوا دینا تمہارے فرائض میں داخل ہے؟"

سپروائزر جھنجھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ریٹا جبرائیل کمرے میں داخل ہوئی۔

"اے یہ کیا ہوا؟" اُس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں جوزف سے پوچھا۔

"وہی جو اب تک ایسے حالات میں ہوتا آیا ہے۔" جوزف غرایا۔

"کیا بک رہے ہو..... میں کچھ نہیں سمجھی۔"

"تمہارے کسی سفید فام ہاتھی نے میرا سر پھاڑ دیا۔"

"بکواس ہے۔"

"یقین کرو.... مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے کسی دن تمہاری توہین کی تھی۔"

"کیا پولیس کو یہی بیان دیا ہے۔"

"اے مسٹر اب تم جاؤ۔" جوزف نے ہاتھ ہلا کر سپروائزر سے کہا۔

سپروائزر نے ریٹا کی طرف دیکھا اور ریٹا نے آنکھوں سے اشارہ کیا کہ وہ چلا جائے۔

"تم خواہ مخواہ میرا نام کیوں لے رہے ہو۔" ریٹا نے اُس کے چلے جانے کے بعد جوزف سے غصیلے لہجے میں پوچھا۔ "کیا تم نے حملہ آوروں کو پہچانا تھا۔"

"یہی تو مشکل ہے کہ پہچان نہیں سکا تھا۔ ورنہ اب تک یہاں خون کی ندیاں بہ جاتیں۔"

"پھر میرا نام کیوں لے رہے ہو۔"

"تمہاری نسل کے لوگ کینہ توز اور کمینے ہوتے ہیں۔"

"میں کہتی ہوں خاموش رہو۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔"

"اب اس سے بھی کیا بُرا ہوگا۔"

"میں خیریت دریافت کرنے آئی تھی اور تم یہ ذلالت لے بیٹھے۔"

"تو خیریت دریافت کرو نا۔" جوزف نے خلاف توقع دانت نکال دیئے۔ اگر اُس کے جاننے والوں میں سے کوئی یہاں موجود ہوتا تو اُس کی آنکھیں فرط حیرت سے پھیل گئی ہوتیں۔ یہ جوزف تھا جو اتنی لگاوٹ کی نظروں سے ریٹا کو دیکھ رہا تھا۔

جوزف جو کسی عورت کے قرب کو ملک الموت کی ہم نشینی سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ اچانک اس

طرح بدل گیا تھا۔

"یہ سب کیسے ہوا۔"

"میں نہیں جانتا مسی۔ کسی نے دروازے پر دستک دی تھی۔ میں پانی پینے اندر گیا تھا۔ دروازہ کھول کر باہر کھوپڑی نکالی ہی تھی کہ آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ کئی وار کیئے گئے تھے۔" وہ خاموش ہو کر سر پر بندھی ہوئی پٹی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہاری دل دہلا دینے والی حرکتیں کسی کو گراں گذری ہیں۔"

"میں تو ایسی کوئی حرکت نہیں کرتا۔" جوزف نے تحیر آمیز معصومیت کا مظاہرہ کیا۔

"تم کرتے ہو.... جب بہت زیادہ پی جاتے ہو۔"

"پتہ نہیں....!" جوزف ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں بہت بدقسمت آدمی ہوں۔ ماں باپ دونوں مر چکے ہیں۔"

"افسوس.... مجھے افسوس ہے۔" ریٹا نہ صرف سنجیدہ بلکہ کسی قدر رنجیدہ بھی نظر آنے لگی۔

"بچپن میں جن لوگوں کے ہاتھ پڑا تھا وہ مجھے جلتی زمین پر لٹا کر سینے پر پتھر رکھ دیا کرتے تھے۔"

"رہنے دو۔" ریٹا ہاتھ اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "ایسی باتوں سے مجھے دکھ ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے مسی۔" جوزف نے طویل سانس لی۔ "کون ہے اس دنیا میں جو میری رام کہانی سن کر میرے جی کا بوجھ ہلکا کرے۔"

"ضرور سنتی....!" وہ کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتی ہوئی بولی۔ "لیکن تین منٹ بعد میری ڈیوٹی شروع ہو جائے گی۔"

"تم یہاں کیا کام کرتی ہو مسی۔"

"ٹیلی فون آپریٹر ہوں۔"

"اچھا کام ہے مسی.... تم میرے باس رانا کو نہیں جانتیں بڑا جابر آدمی ہے۔ کاش میں بھی ٹیلی فون آپریٹر ہوتا۔"

"تم ہوتے....؟" ریٹا نے غالباً ہنسی روکنے کی کوشش کی تھی۔

"ہاں ٹیلی فون آپریٹر.... گالیاں دینے والے سامنے تو نہیں ہوتے کہ اُن کا سر پھاڑ دینے کو جی چاہے۔"

"تو کیا رانا.... تمہیں گالیاں بھی دیتا ہے۔"

"ہاں مسی.... بہت گندی گندی۔ لیکن کیا کروں.... اب وہ میرا آقا ہے.... میرے پہلے آقا نے مجھے اس کے پاس رہن رکھا ہے۔"

"رہن رکھا ہے.... تم کو.... یعنی ایک آدمی کو.... یہ تو سراسر غیر قانونی ہے۔"

"لیکن مجھے اپنے اُس آقا سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔"

"آخر وہ کون تھا ظالم....!"

"اُسے ظالم نہ کہو بہت اچھا آدمی ہے۔"

"اُس کے باوجود بھی کہ اس نے تمہیں یعنی کہ ایک آدمی کو رہن رکھ دیا۔"

"ہاں.... ہاں مجھے اُس سے محبت ہے۔ وہ میری کھال کے جوتے بھی پہن سکتا ہے۔"

"ذرا مجھے اس کا نام اور پتہ بھی تو بتاؤ۔ میں دیکھوں گی۔"

"کیا دیکھو گی۔"

"یقیناً.... وہ آدمی بیسویں صدی کے لئے عجوبہ ہو گا۔"

"نہیں وہ بُرا آدمی نہیں ہے۔" جوزف نے بُرا مان کر کہا۔

"ویسے اس وقت تم بھی عجوبہ ہی معلوم ہو رہے ہو۔"

"کیوں....؟"

"میں نے تمہیں اتنے شریفانہ موڈ میں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"اتنا خون بہہ جانے کے بعد تو وہ بھی شریف ہو جائیگا جس نے آدم کو جنت سے نکلوایا تھا۔"

"خیر پھر سہی.... اُوہ صرف ایک منٹ باقی ہے۔ مجھے پہنچ جانا چاہئے۔" وہ گھڑی دیکھتی ہوئی بولی اور کمرے سے نکل گئی۔

ساجدہ کو تین گھنٹے تک وہاں اُسی حال میں بیٹھے رہنا پڑا تھا پھر وہ دونوں واپس آئے تھے اور انہیں دیکھ کر ساجدہ نے اپنی آنکھوں کو غضب آلود بنانے کی کوشش شروع کر دی تھی۔

ان میں سے ایک نے اُس کے منہ سے پٹی کھول کر حلق تک ٹھونسا ہوا کپڑا نکالا اور وہ انہیں

بُرا بھلا کہنے لگی۔

"اگر میں اسی وقت چیخنا شروع کر دوں تو کوئی میرا کیا بگاڑ لے گا؟"

"کچھ نہیں.... اب تو تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑا جا سکتا۔ ویسے تمہارے ساتھیوں کا خیال ہے کہ تم بھی ہوٹل سے باہر نہیں گئیں۔"

"ساتھیوں سے کیا مراد ہے۔ میرے ساتھ صرف دو آدمی صفدر اور جوزف تھے۔ ان کے علاوہ میں کسی تیسرے کو نہیں جانتی۔"

"انہی دونوں کی بات کر رہا ہوں۔"

"وہ کلوٹا زندہ ہے یا مر گیا؟"

"اُس کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو کم از کم دوبار مرا ہوتا۔"

"تو وہ زندہ ہے۔"

"نہ صرف زندہ ہے بلکہ باتیں بھی بنا سکتا ہے۔"

"جہنم میں جائے۔ یہ بتاؤ کہ میرے لئے کیا طے پایا۔"

"تمہیں یہاں سے چلنا پڑے گا۔ ہیڈ کوارٹر میں پہنچا دینے کا حکم ملا ہے۔"

"ہیڈ کوارٹر کہاں ہے؟"

"کیا کسی کو علم ہے اس کا؟"

'میں نے کہا شائد عادل آباد والے جانتے ہوں۔"

"اور عادل آباد والوں کا خیال ہے کہ وہ دارالحکومت ہی میں کہیں ہے۔"

"ہونا تو یہی چاہئے کیونکہ صدر انجمن کا قیام دارالحکومت ہی میں تھا۔"

"صدر انجمن....!" ایک نے مضحکانہ انداز میں کہا اور دونوں ہنس پڑے۔

"کیوں....؟"

"تو کیا تم پروفیسر راشد ہی کو صدر انجمن سمجھتی رہی تھیں۔"

"کیوں نہیں.... وہ تو تھے ہی۔"

"غالباً یہ تمہاری ممبر شپ کا ابتدائی دور تھا۔"

"ہاں.... تو پھر....؟"

"کچھ دن گذارنے کے بعد انجمن کے رموز و اسرار پر نظر پڑتی ہے۔"

"پھر پروفیسر راشد کون تھے؟"

"صدر کا ایک ادنیٰ ایجنٹ۔ جو صدر سے باغی ہو گیا تھا اور دارالحکومت والی شاخ کو اپنے تابع فرمان بنانا چاہتا تھا۔"

"لیکن اُن کے پاس کچھ بہت ہی اہم قسم کے کاغذات تھے۔"

"رہے ہوں گے۔" لاپروائی سے جواب دیا گیا۔

"لیکن وہ تو پولیس کے ہاتھ لگ گئے ہیں۔"

"انجمن کو اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں۔ خیر ختم کرو.... اَب ہمیں سوچنا ہے کہ تمہیں یہاں سے کس طرح لے جایا جائے۔"

✿

رات کے آٹھ بجے تھے۔ صفدر جوزف کو اپنے کمرے میں واپس لایا تھا اور دیر سے زیرو نائین کا سفری ٹرانسمیٹر سنبھالے کسی پیغام کا منتظر تھا۔ یہ پیغامات اُسے عمران ہی کی طرف سے کوڈ ورڈز میں ملتے تھے۔ جوزف اس سے واقف تھا لہٰذا اُس کی آنکھیں بھی ٹرانسمیٹر کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

دفعتاً سگنل موصول ہوا اور صفدر کاغذ پنسل سنبھال کر بیٹھ گیا۔

پیغام کی ابتدا ہوئی۔ اب پنسل تیزی سے کاغذ پر چلنے لگی تھی۔ جوزف احمقانہ انداز میں آنکھیں پھاڑے بیٹھا تھا۔

پیغام کے اختتام پر ٹرانسمیٹر بند کر دینے کا اشارہ ملا اور صفدر کو ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کرتے دیکھ کر جوزف نے طویل سانس لی۔

"وہ تیسری منزل کے کمرہ نمبر اٹھاون میں ہے۔" صفدر نے کہا۔ "اُسے دو آدمی ریوالور دکھا کر یہاں سے لے گئے تھے۔ اب تک وہیں ہے۔"

"اور وہی دونوں حملہ آور بھی تھے۔"

"اس کے علاوہ اور کیا سمجھا جا سکتا ہے۔"

"اُوور....!" جوزف نے غرا کر بستر سے چھلانگ لگائی اور کمرے کے وسط میں کھڑا ہو کر

سینہ پیٹنے لگا۔

"میں مردود.... روسیاہ۔" وہ سینہ پیٹ پیٹ کر کہتا جارہا تھا۔ "اتنی دیر تک اپنے دشمنوں کو سر پر اٹھائے پھرا ہوں.... میں جو تنہا دس پر بھاری ہوں اُس چھت کے نیچے زندہ کیوں رہا جس کے سائے میں میرے دشمن عیش کر رہے ہیں۔"

پھر وہ دروازے کی طرف جھپٹا ہی تھا کہ صفدر نے اُس کی کمر پکڑلی۔

"چھوڑو.... مجھے چھوڑ دو....!"

"تم پاگل ہو گئے ہو.... پورا پیغام تم نے نہیں سنا۔ ہمیں صرف دیکھنا اور موقع کا منتظر رہنا ہے۔"

"میں دیکھنے جارہا ہوں تم موقع کے منتظر رہو۔ اَب یہ ذاتی معاملہ ہو گیا ہے مسٹر.... اُس کمرے میں جو بھی نظر آیا اُس کا سر ضرور پھٹے گا۔"

"جوزف.... ہوش میں آؤ.... اگر کھیل بگڑ گیا تو تمہارا باپ زندہ نہ چھوڑے گا۔"

"مجھے جنت ملے گی اگر باس کے ہاتھوں مارا گیا۔ چھوڑو مجھے ورنہ بعد میں مجھے بھی افسوس ہو گا۔"

صفدر نے اُسے پیچھے کھینچنے کی کوشش کی.... لیکن جگہ سے ہلا بھی نہ سکا اور پھر وہ ہانپنے لگا۔ جسم تھا یا پتھر کی چٹان۔

"بس اب چھوڑ دو....!" جوزف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں.... ہرگز نہیں.... تم نہیں جا سکتے۔" صفدر کو غصہ آ گیا.... لیکن دوسرے ہی لمحے میں اچھل کر دور جا پڑا جیسے کسی برق رفتار گاڑی کو دھکا لگا ہو۔

جوزف کمرے کے باہر تھا۔ صفدر بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھا اور اُس کے پیچھے دوڑ پڑا.... دروازہ کھولنا چاہا.... جو ہینڈل گھمانے کے باوجود بھی نہ کھل سکا۔

کنجی تو جوزف ہی کے پاس تھی۔ اُس نے سوچا۔ تو اب وہ خود کو مقید سمجھے۔ اُوہ یہ مردود....! وہ دانت پیس کر رہ گیا اور شائد ایک مکا دروازے پر بھی رسید کر دیا تھا۔

"کمرہ نمبر اٹھاون.... کمرہ نمبر اٹھاون....!" جوزف زیرِ لب غراتا ہوا تیسری منزل کی راہداریوں میں دوڑتا پھر رہا تھا۔

اچانک کسی نے پشت سے گردن پکڑلی اور وہ گردن چھڑا کر پلٹ پڑنے کی کوشش میں اُس سے لپٹ ہی پڑا۔

"اب شائد تو اپنے سر کا بھرتا بھی بنوانا چاہتا ہے۔" گردن پکڑنے والے نے کہا۔

"اُوہ.... بب.... بب.... باس.... یعنی کہ باس....!" جوزف کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور اُس نے دانت نکال دیئے۔

"شٹ اَپ.... بھاگو یہاں سے۔"

"لل.... لیکن.... باس....!"

"جاؤ....!" اُس نے اُسے دوسری طرف دھکا دیا۔

جوزف لڑکھڑاتا ہوا ایک دروازے سے ٹکرایا.... دروازہ کھل گیا.... اور وہ دھڑام سے اندر کمرے کے فرش پر جاگرا۔ دھکا دینے والا بھی بڑی پھرتی سے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ دروازہ بند کر کے وہ جوزف کی طرف مڑا۔ کوٹ کا کالر نیچے گراتے ہوئے فلٹ ہیٹ کا گوشہ بھی اوپر اٹھایا۔ یہ عمران تھا۔

"مم.... میں غصہ سے پاگل ہو رہا ہوں باس۔" جوزف نے غصیلی آواز میں کہا۔

"تم یہاں کیا کرتے پھر رہے تھے۔"

"خود پر لعنت بھیج رہا تھا کہ وہ میرے سر پر سوار تھے اور میں بستر میں پڑا ہائے ہائے کرتا رہا ہوں۔"

"کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"کمرہ نمبر اٹھاون کے ایک متنفس کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

عمران پُر تفکر نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "یہی سامنے والا کمرہ ہے۔"

"ان کم بختوں نے آخر نمبر کیوں نہیں ڈالے دروازوں پر۔"

"صبح منیجر کو مشورہ دینا کہ نمبر ضرور ڈلوا دے ورنہ ہو سکتا ہے کہ تم کسی دوسرے کمرے کو قبرستان بنا کر رکھ دو۔ او شب دیجور کے بچے.... تجھے کب عقل آئے گی۔"

"میں انہیں ضرور ماروں گا باس چاہے کچھ بھی ہو۔ اگر دوبدو جنگ میں میرا قیمہ بھی ہو جاتا تو مجھے پرواہ نہ ہوتی۔ مگر انہوں نے چھپ کر وار کیا تھا۔"

"مارے گا نہیں....؟" عمران نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں باس خدا کے لئے مجھے مت روکو۔"

"جاؤ...!" وہ دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "لیکن شرط ہے کہ خون خرابہ نہ ہو اور نہ کسی کی ہڈی ٹوٹے۔"

"چلو... یہی سہی... احتیاط سے ماروں گا۔"

جوزف دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور اپنی پشت پر دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔

سامنے والے کمرے کے دروازے پر رک کر مڑا... جس کمرے سے نکلا تھا اُس کا دروازہ بند ہی تھا۔

اُس نے سامنے والے دروازے پر دستک دی۔ قفل کے سوراخ میں روشنی نظر آ رہی تھی۔

"کون ہے۔" اندر سے کسی نے پوچھا۔

لیکن جوزف نے کوئی جواب دیئے بغیر پھر دستک دی۔

"آ جاؤ... دروازہ مقفل نہیں ہے۔"

جوزف نے ہینڈل گھما کر دروازے کو دھکا دیا۔

سامنے دو آدمی بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اس سے پہلے شاید پیتے بھی رہے تھے کیونکہ نیچے فرش پر سوڈے اور وہسکی کی خالی بوتلیں پڑی نظر آ رہی تھیں۔

جوزف کو دیکھتے ہی ان کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ جوزف کے ہولسٹر سے ریوالور نکل آیا تھا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ اُوپر اٹھا دیئے۔

جوزف نے ایک کو مخاطب کر کے کہا۔ "لڑکی کہاں ہے؟"

"کیسی لڑکی... کون ہو تم... کیا چاہتے ہو...!" اُس نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"لڑکی... جلدی بتاؤ... اور وہ ہتھیار بھی نکالو جس سے تم نے میرا سر پھاڑا تھا۔"

وہ دونوں کچھ نہ بولے۔

"دیکھو خبیثو... یہ ریوالور بے آواز ہے... یہ دیکھو۔" جوزف نے ٹریگر دبا دیا اور ایک آدمی کے حلق سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ بے آواز گولی اس کے بغل کے نیچے کوٹ سے رگڑ کھاتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی تھی۔

"چیخو تم... اب آواز نکلی تو اسی طرح کوئی گولی تمہارے دل میں اتر جائے گی۔"

"نن... نہیں... نہیں...!" چیخنے والا ہکلایا۔

"تم نے دھوکے سے حملہ کر کے میری سخت توہین کی ہے۔"

"ہم کچھ... کک... کچھ نہیں جانتے۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"غلط فہمی کے بچے میرے پاس کالا جادو ہے۔ اُسی نے مجھے کمرہ نمبر اٹھاون کے متعلق اطلاع دی ہے اور میرا کالا جادو کہتا ہے کہ تم نے لڑکی کو غسل خانے میں بند کر رکھا ہے۔"

اُن کی نظریں بے اختیاری میں غسل خانے کے دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔

"میں جھوٹ نہیں کہتا... اُسے نکالو۔"

"ہم بالکل نہیں سمجھے تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"اچھا تو اب تم سنبھالو...!" جوزف نے دوسرے کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں... نہیں... ٹھہرو۔"

"نکالو... جلدی... تم دونوں چلو دروازے کی طرف... اباؤٹ ٹرن۔"

وہ غسل خانے کے دروازے کی طرف گھوم گئے۔

"کوئیک مارچ... ہالٹ...!"

وہ بند دروازے سے ٹکراتے ٹکراتے بچے۔

"اب... دروازہ کھولو...!"

"اندر کوئی نہیں۔"

"دروازہ کھولو...!" جوزف نے ایک کی کمر پر لات رسید کرتے ہوئے کہا۔ وہ دروازے سے ٹکرا کر کراہا اور دوسرے نے جلدی سے ہینڈل گھما کر دروازہ کھول دیا لیکن غسل خانہ خالی تھا۔

"تم میں سے ایک اندر جائے۔" جوزف غرایا اور قبل اس کے کہ پہلے لات کھانے والا قدم بڑھاتا پھر ایک لات کمر پر کھا کر غسل خانے میں جا پڑا۔ جوزف نے ریوالور کا رخ دوسرے کی طرف کئے ہوئے دروازہ کھینچ کر باہر سے سٹکنی چڑھا دی۔

اب یہاں اُس کے سامنے ایک ہی رہ گیا تھا۔

"کک... کیا... مم... مطلب...!" وہ ہکلایا۔

جوزف نے دانت نکال دیئے اور پُر شفقت لہجے میں بولا۔ "ابھی بتاتا ہوں تم اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ.... چلو.... یوں نہیں.... منہ دیوار کی طرف کرو.... ٹھیک ہے۔"

اُس نے ریوالور اُس کی کمر سے لگا کر جامہ تلاشی لی۔ پھر اپنا ریوالور جیب میں ڈال کر بولا۔

"ہاتھ نیچے گرالو....اور میری طرف مڑ جاؤ۔"

وہ سہمے ہوئے انداز میں مڑا اور ایک بار پھر جوزف کے دانت نکل پڑے۔

"آخر.... آخر....!" وہ ہکلایا۔ "تت.... تم.... چاہتے کیا ہو....؟"

"میں تمہیں پیٹنا چاہتا ہوں.... اگر تمہارے حلق سے ذرا سی بھی آواز نکلی تو پھر قتل بھی کر دینا چاہوں گا۔" جوزف نے کہا اور اُسے دونوں ہاتھوں سے پیٹنا شروع کر دیا۔

اُدھر پٹنے والا بھی اُسے خالی ہاتھ دیکھ کر شیر ہو گیا اور جھپٹ جھپٹ کر حملے کرنے لگا۔

"اوہ....!" جوزف نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "باقاعدہ طور پر فائٹنگ کرو گے، لو یہ بابایاں سنبھالو....!"

گھونسہ پڑتے ہی مقابل کئی فٹ کے فاصلے پر جا پڑا۔

"اٹھو.... اٹھو....!" جوزف ہاتھ ہلا کر بولا۔ "ابھی دوسرے سے بھی نپٹنا ہے۔"

لیٹے ہی لیٹے اُس نے اگالدان اٹھایا اور جوزف پر کھینچ مارا لیکن وہ بے خبر تو نہیں تھا.... جھکائی دے کر صاف بچا گیا۔

"اب تو میں پیر بھی استعمال کروں گا۔" جوزف نے کہتے کہتے چھلانگ لگائی اور اُس کے سر پر ٹھوکر لگاتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ پھر پلٹا اور اُسے ٹھوکروں ہی پر رکھ لیا۔

پھر جیسے ہی اُس نے کراہنا شروع کیا جوزف غرایا۔ "کھوپڑی میں گولی ہی اتار دوں گا اگر آواز نکلی۔"

اسکے بعد وہ اُسے بے دردی سے پیٹتا رہا اور وہ خاموشی سے پٹتے پٹتے بالآخر بیہوش ہی ہو گیا۔

جوزف نے اُسے جھک کر دیکھا اور دانت نکال دیئے۔ پھر وہ غسل خانے کے دروازے کی طرف بڑھا۔ سٹکنی کھسکائی اور ایک دم دروازہ کھول دیا لیکن....؟

غسل خانہ خالی تھا۔ فوراً ہی اُسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ دوسرے آدمی کو اُس نے غسل

خانے میں بند تو کر دیا تھا لیکن اس دروازے پر اُس کی نظر نہیں پڑی تھی جو غالباً برابر کے کمرے میں کھلتا تھا۔ اب بھی وہ دروازہ اُسے بند ہی نظر آیا۔ اُس نے تیزی سے اِدھر کے دروازے کو دوبارہ بند کیا اور سٹکنی چڑھا دی۔

بیہوش آدمی پر نظر ڈالتا ہوا اب وہ نکاسی کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

جوزف پیدائشی سپاہی اور سخت جان قسم کا جنگجو تھا۔ لیکن عمران کی صحبت نے اُسے اتنا محتاط تو بنا ہی دیا تھا کہ وہ غسل خانے کے دوسرے دروازے کو کھولنے کی حماقت نہ کر بیٹھتا۔

کمرے سے باہر نکل کر اُس نے شکاریوں کے نرغے میں گھرے ہوئے کسی درندے کے سے انداز میں چاروں طرف دیکھا اور اُس کمرے کی طرف توجہ دیئے بغیر جہاں عمران سے ملاقات ہوئی تھی آگے بڑھ گیا۔

تیسری منزل کے زینوں سے اتر کر دوسری منزل پر آیا.... پھر یہاں سے زینوں کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ ریٹا سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

"ارے....!" وہ اُسے دیکھ کر ٹھٹکی۔

"ارے ورے کیا....!" وہ غراتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔

"ٹھہرو.... جوزف.... ٹھہر جاؤ۔"

"کیا ہے۔" وہ رک کر جھلائے ہوئے انداز میں مڑا۔

"کیا تمہیں علم ہے کہ تمہارے سر سے خون بہہ رہا ہے۔"

"بہہ رہا ہو گا....؟" وہ زینے طے کر کے پہلی منزل پر جا رہا تھا۔

ریٹا اُس کے پیچھے پیچھے اترتی رہی۔

پھر کچھ دیر بعد جب وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا ریٹا نے اُسے دوبارہ روکنا چاہا۔

"بولو مت.... مجھے جانے دو۔"

"ارے یہ زخم سڑ جائے گا۔"

"تو تمہارا کیا بگڑے گا۔" اُس نے خشک لہجے میں کہا۔

"اچھا اچھا.... جاؤ.... میں تمہارے لئے دکھی ہوں۔" ریٹا کھسیا کر بولی۔

جوزف نے اندر داخل ہو کر زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند کیا۔

ساجدہ اس وقت ایک صاف ستھرے ڈرائنگ روم میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ بظاہر اتنی ہی بشاش نظر آ رہی تھی جیسے اُس کے ذہن میں اس قسم کا کوئی سوال ہی نہ ہو کہ یہاں تک کیسے پہنچی ہوگی۔

ایک خوش اخلاق آدمی میزبانی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ ویسے ابھی تک معاملے کی بات نہیں چھڑی تھی۔

ساجدہ کو بس اتنا ہی یاد تھا کہ اُس نے ہوٹل کے کمرے میں اُن دونوں کی پیش کی ہوئی چائے پی تھی اور تھوڑی دیر بعد اس کا سر چکرانے لگا تھا۔

"ہمیں اپنی غلط فہمی پر بے حد افسوس ہے مس حبیب۔" دفعتاً میزبان نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ انجمن والوں کی غلط فہمی رفع کر سکی اور اب میں اُس مردود کو بتاؤں گی کہ بیوقوف کیسے بنایا جاتا ہے۔"

"وہ کس طرح محترمہ.....!"

"اوہ.....!" ساجدہ مضطربانہ انداز میں بولی۔ "اُن لوگوں نے اُن کا تعاقب ضرور کیا ہوگا جو مجھے یہاں لائے تھے۔"

"مطمئن رہیے محترمہ آپ اس طرح لائی گئی تھیں کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی ہوگی۔"

"بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟"

"آپ بیہوش کی گئی تھیں۔" میزبان مسکرا کر بولا۔ "آپ کا بنڈل بنا کر باورچی خانے پہنچا دیا گیا تھا.... اور وہاں سے ایک وین اس بنڈل کو یہاں تک لائی تھی۔"

"بے حد چالاک لوگ ہیں۔" ساجدہ سر ہلا کر پُر تشویش لہجے میں بولی۔ "آخر انہوں نے میرا میک اپ ایسا کیوں کیا تھا کہ میں بہ آسانی پہچان بھی لی جاؤں۔"

"ہاں یہ بات قابل غور ہے۔" میزبان کے چہرے پر بھی تشویش کے آثار نظر آئے اور کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "مجھے یقین ہے انہیں یہی نہ معلوم ہوگا کہ آپ اتنی دیر تک اُسی ہوٹل میں رہی تھیں۔"

"ایسا ہی ہو تو بہتر ہے۔" ساجدہ کی آواز کانپ رہی تھی۔

دفعتاً کسی دور افتادہ حصے سے دروازہ پیٹنے کی آواز آئی اور میزبان اس طرح چونک پڑا جیسے وہ انہونی ہو۔

"ایک منٹ محترمہ.... میں ابھی حاضر ہوا۔" وہ مضطربانہ انداز میں اٹھتا ہوا بولا۔

ساجدہ اُسے کمرے سے جاتے دیکھتی رہی۔

سخت الجھن میں تھی کہ اب کیا ہوگا۔ انہیں اس کی باتوں پر یقین آ گیا ہے یا نہیں! اگر نہیں آیا تو کیا اب تک وہ محض اس لئے زندہ رہنے دی گئی ہے کہ انہیں اُس سے عمران کا سراغ ملنے کی امید ہے؟ کچھ بھی ہو وہ تلوار کی دھار پر سے گذر رہی ہے۔

اُس کی نظر آمد و رفت کے دروازے پر تھی۔ اچانک میزبان آتا دکھائی دیا۔ اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

"انہیں خبر ہو گئی ہے۔" اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

ساجدہ کچھ بولی نہیں۔ سوالیہ نظروں سے دیکھتی رہی۔

میزبان نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "نیگرو نے ایک کو شاید جان ہی سے مار دیا۔ دوسرا بدقت بچ کر بھاگا ہے۔ آپ کا خیال بالکل صحیح تھا۔ انہوں نے ان کی نقل و حرکت پر نگرانی رکھی تھی۔ ورنہ نیگرو اُس کمرے تک ہرگز نہ پہنچ سکتا۔"

"کس سے اطلاع ملی۔"

"انہیں میں سے ایک یہ اطلاع یہاں لایا ہے جنہوں نے آپکو اُنکے پنجے سے رہائی دلائی تھی۔"

"حماقت.... کھلی ہوئی حماقت۔" ساجدہ میز پر گھونسہ مار کر بولی۔ "اگر پہلے وہ مجھ تک نہ پہنچ سکے ہوں گے اب پہنچ جائیں گے۔ آخر سیدھا یہیں کیوں دوڑا آیا۔ وہ آدمی اس کی اطلاع فون پر بھی دے سکتا تھا۔"

"دراصل وہ بہت زیادہ خائف ہے۔ نیگرو کسی خونخوار درندے کی طرح دوسرے آدمی سے چمٹا ہوا تھا۔ غالباً وہ باری باری سے دونوں کو مارنا چاہتا تھا اس لئے ایک کو غسل خانے میں بند کر دیا تھا۔ لیکن وہ دوہرے کمروں کا مشترکہ غسل خانہ تھا اور دونوں کمرے انہی کے قبضے میں تھے اس لئے دوسرا نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔"

"بس تو پھر وہ جلد ہی یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"یعنی.... یعنی.... کیا مطلب.... !" میزبان کسی قدر خوفزدہ بھی نظر آنے لگا تھا۔

"ارے یہ سب کچھ کسی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوا ہوگا۔ نیگرو کسی گینڈے کی طرح مضبوط اور سخت جان ہے۔ اُس نے یہ سوچ کر ہی ایک کو غسل خانے میں بند کیا ہوگا کہ وہ وہاں سے فرار ہو جائے۔ پھر وہ دیکھیں کہ بھاگ کر کہاں جاتا ہے۔ ایک کو بند کر کے دوسرے کو پیٹنے کا کوئی جواز ہی نہیں جب کہ وہ اُن دونوں کو ساتھ ہی پیٹ سکتا تھا۔"

"اُوہ.... اُوہ.... یقیناً یہی بات ہوگی۔ پھر اَب کیا کیا جائے۔"

"میرے ہاتھ پیر باندھ کر یہیں ڈال دو اور خود فرار ہو جاؤ۔"

"کیوں....؟ کیوں....؟"

"اوہ اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ اس طرح میں پھر اُن میں واپس چلی جاؤں گی اور مجھ پر اُن کا اعتماد بدستور برقرار رہے گا۔ پھر میں دیکھوں گی کہ انجمن کے لئے کیا کر سکتی ہوں۔"

"بالکل ٹھیک ہے محترمہ.... بالکل ٹھیک ہم آپ سے رابطہ قائم رکھیں گے۔" میزبان نے کہا اور تیزی سے کمرے سے چلا گیا۔ پھر واپسی میں بھی دیر نہیں لگائی اُس کے ہاتھ میں ریشم کی ڈور کا لچھا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے ساجدہ کے ہاتھ پیر باندھ دیئے اور لجاجت سے بولا۔ "مجھے افسوس ہے محترمہ....!"

"اوہ.... جلدی کرو.... عمارت خالی کر دو۔"

ذرا ہی سی دیر بعد وہاں قبرستان کا سا سناٹا چھا گیا۔ ساجدہ سختی سے ہونٹ پر ہونٹ جمائے صوفے پر پڑی رہی۔ اُس کا اندازہ غلط بھی ہو سکتا تھا۔ پھر ایسی صورت میں تو وہ اسی طرح بندھی پڑی رہ جاتی۔ اونہہ دیکھا جائے گا۔ اُس نے سوچا۔ اگر وہ اتنے ہی احمق ہیں کہ اس موقع سے بھی فائدہ نہ اٹھا سکیں تو پھر وہ کر ہی کیا سکیں گے.... ویسے جوزف کے ہاتھوں اسی طرح اُن دونوں کی پٹائی عمران ہی کی فکر کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ اس ایک کو غسل خانے میں بند کرتے وقت دوسری طرف کا دروازہ نظر انداز تو نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا مقصد اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ دوسرا آدمی فرار ہو جائے.... اور دوسرے آدمی کے فرار کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ اس کا تعاقب کیا جائے۔ پھر اتنی دیر کیوں لگ رہی ہے؟ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے اس کا تعاقب کیا ہوگا۔

دفعتاً وہ چونک پڑی۔ یقیناً کسی قسم کی آواز ہی تھی۔ پھر قدموں کی چاپ صاف سنائی دینے لگی۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور عجیب سا چہرہ دکھائی دیا۔ لیکن عجیب سا کیوں؟ وہ تو کوئی نقاب پوش تھا۔

اُس نے صوفے کے قریب آ کر اُس کے ہاتھ پیر کھولے اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"باہر سرخ رنگ کی ایک اسپورٹ کار موجود ہے۔ غالباً تم ڈرائیو کر سکتی ہو۔"

"تم کون ہو....؟"

"وقت نہ ضائع کرو۔" وہ دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر تحکمانہ لہجے میں بولا۔ آواز ساجدہ کے لئے بالکل نئی تھی۔ پھنسی پھنسی بھرائی ہوئی آواز۔

"مجھے کہاں جانا ہوگا....؟"

"ٹنکی میں اتنا پٹرول موجود ہے کہ تم صبح تک شہر میں چکر لگا سکتی ہو۔ کہیں کسی جگہ بھی تمہیں بتا دیا جائے گا کہ کہاں جانا ہے۔ جلدی کرو.... اس دروازے والی راہداری کے سرے پر صدر دروازہ ہے۔"

شہر کی سڑکوں پر مارے پھرنے کا مقصد اُس کی سمجھ میں نہ آسکا لیکن کرنا وہی تھا جس کے لئے کہا گیا تھا۔

عمارت سے باہر نکلنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ سڑک کی دوسری جانب سرخ رنگ کی اسپورٹ کار کھڑی دکھائی دی۔ اُس نے اطمینان سے سڑک پار کی اور گاڑی کا دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گئی۔ سوچ رہی تھی کہ کہاں جائے اس کا بھی تو خطرہ تھا کہ کہیں ٹریفک پولیس کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔ پوری طرح شہر دیکھنے کا اتفاق آج تک نہیں ہوا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ ٹریفک کے کسی قانون کی خلاف ورزی ہی سرزد ہو جائے۔ ایسی صورت میں اُس سے ڈرائیونگ لائسنس کا مطالبہ بھی کیا جائے گا۔ پھر وہ کیا کرے گی.... اونہہ.... اُس نے سوچا۔ جن لوگوں کے ہاتھوں وہ کھلونا بن کر رہ گئی ہے وہی اس پر بھی نظر رکھیں گے۔ اب تو زندگی طوفان کی نذر ہو ہی چکی ہے۔ کسی بھی دوسرے لمحے کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

اُس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔ عقب نما آئینے کی پوزیشن تبدیل کرتے وقت وہ سوچ رہی تھی کہ انجمن والے بھی اتنے احمق نہیں ہو سکتے۔ اُس کا تعاقب ضرور کیا جائے گا۔

دفعتاً ڈیش بورڈ کے کسی حصے سے آواز آئی.... "پرواہ نہ کرو۔ چلتی رہو۔" اور یہ آواز سو فیصد عمران ہی کی تھی۔

ساجدہ کا دل دھڑکنے لگا۔ اُس کی آواز اُس کا مخصوص لہجہ....!

ساجدہ کے ذہن میں وہ خوشبو انگڑائی لینے لگی جس کا تجربہ اُسے عمران کی موجودگی میں عموماً ہوتا رہتا تھا۔ پتہ نہیں وہ کسی مخصوص قسم کا سینٹ استعمال کرتا تھا یا وہ خوشبو قدرتی طور پر اُس کے وجود سے تعلق رکھتی تھی۔

"تم مجھ سے گفتگو بھی کر سکتی ہو۔" آواز پھر آئی۔

"تم کہاں ہو.... عمران....!" اُس نے بے ساختہ پوچھا۔

"یہ نہیں بتاؤں گا.... فی الحال۔"

"میں کیا کروں....؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"جو کچھ کہا گیا ہے؟" جواب ملا۔

"وہ کون تھا....؟"

"مجھے نہیں معلوم....!" جواب ملا۔

"کس مصیبت میں پھنسا دیا ہے تم نے اور پھر یہ مصیبت بھی نہ معلوم ہو اگر تم روز ملتے رہو۔"

"یہی تو مصیبت ہے۔"

"اوہ تو یہ مصیبت ہے تمہارے لئے۔"

"بالکل ہے.... اسی لئے میں نے شاعری شروع کر دی ہے ایک شعر سنو۔ ابھی ابھی کہا ہے.... کچھ لڑکیاں مجھے گھورتی ہوئی قریب سے گذری تھیں۔ کہا ہے۔

اے زہرہ جبینو مجھے اس طرح نہ دیکھو

میں ہوں تو تماشا مگر اتنا بھی نہیں ہوں"

"اُوہ.... تو تم محسوس کر سکتے ہو کہ تمہیں کوئی گھور رہا ہے۔" ساجدہ نے پوچھا۔

"بھئی گھورے جائیں گے تو ضرور محسوس کریں گے اُن میں مجھے ایک چھوٹے قد کی لڑکی بہت اچھی لگی تھی، جو غالباً گاؤن پہنے بغیر گھر سے باہر نہیں نکلتی۔ میرا خیال ہے کہ تم بھی اپنے چست لباس پر گاؤن پہنے بغیر باہر نہ نکلا کرو۔"

"تم مجھے باتوں میں بہلانے کی کوشش کیوں کر رہے ہو۔"

"پھر بتاؤ کیا کروں....؟"

"تم نے مجھ سے یہ بھی نہ پوچھا کہ کس حال میں ہوں....؟"

"پوچھنے کی کیا ضرورت ہے جب کہ میں تمہارے حالات سے ہر وقت باخبر رہا ہوں۔"

"تو یہ کلوٹے والی اسکیم تمہاری ہی تھی۔"

"ہرگز نہیں.... یہ اُس کی اپنی جدت تھی.... اُس کالی کھوپڑی میں بعض اوقات بڑے زور کی بجلی چمکتی ہے۔"

"اب مجھے کیا کرنا ہے۔"

"چکر لگاتی رہو۔"

"مقصد کیا ہے.... اس کا....!" وہ کسی قدر جھنجھلا کر بولی۔

"اچھا بس.... بقیہ پھر....!" ڈیش بورڈ سے عجیب طرح کی سرسراہٹ سنائی دی اور پھر سناٹا چھا گیا.... ساجدہ عمران کو پکارتی ہی رہ گئی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔

بُرا سا منہ بنا کر اُس نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔ اتنی دیر میں ایک بھی کام کی بات نہ ہو سکی۔ وہ اُسے شاعری اور لڑکیوں کے تذکرے میں الجھائے رہا تھا۔ وہ اور شاعری۔ عمران اور لڑکیاں؟ مضحکہ خیز.... پتہ نہیں اس کی دلچسپیاں کیا ہیں۔ اُس کی جگہ کوئی دوسرا نوجوان ہوتا تو اب تک.... تو اب تک پتہ نہیں کیا ہو چکا ہوتا۔

✡

"اوہ کیا ہو گیا ہے مجھے۔" صبیحہ نے تکئے پر ہاتھ مار کر بلند آواز میں غالباً سوچا ہی تھا پھر اٹھ بیٹھی تھی۔ ٹائم پیس تین بجا رہا تھا۔

وہ ٹھیک دس بجے سو جانے کی نیت سے لیٹی تھی لیکن ابھی تک تو آئی نہیں تھی نیند.... خیالات کا تار تھا کہ ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔

اُلجھن.... اُلجھن.... کیا کرے؟ کس سے کہے....؟ اور یہ آدمی.... یہ بہروپیا پتہ نہیں کس چکر میں ہے۔

وہ نئے ڈرائیور کے متعلق سوچتی رہی۔ خود اُس کے لئے وہ ابھی تک بے ضرر ہی ثابت ہوا تھا۔ اُس کا یہ شبہ بھی خود اُس نے ہی رفع کر دیا تھا کہ وہی اُسے بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پھر اگر وہ ان مضحکہ خیز حالات میں اس کے گھر تک نہ پہنچا ہوتا تو کہا جاسکتا کہ کسی خاص مقصد کے تحت وہ اُس کے خاندان سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہے۔

الجھن بڑھتی ہی رہی۔ بستر سے اٹھ کر کھڑکی کے قریب آئی۔ لان پر ملگجا سا اندھیرا مسلط تھا۔ آج تو شاید مسلسل جھائیں جھائیں کرنے والے جھینگر بھی سو گئے تھے۔ عجیب سا سناٹا فضا پر طاری تھا۔

وہ یونہی غیر ارادی طور پر پنجوں کے بل اوپر اٹھ کر مہندی کی باڑھ کے پیچھے دیکھنے کی کوشش کرنے لگی جہاں مالی کی کوٹھری تھی۔ لیکن باڑھ کی اونچائی بدستور رکاوٹ بنی رہی اور اسے خواہ مخواہ غصہ آگیا۔ آخر اتنی اونچی باڑھ لگا دینے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ پاپا بھی کریک ہیں.... پتہ نہیں اجلاس کیسے کرتے ہوں گے۔ بات کرنے کی تو تمیز ہے نہیں۔ گھر پر کوئی عزیز آجائے تو اس طرح دانت نکال کر پیشوائی کریں گے جیسے اُس کی آمد کے منتظر ہی بیٹھے رہے ہوں۔ وہ بات کرے گا تو آپ سر ہلا ہلا کر "جی ہاں.... اور کیا.... بھلا دیکھئے۔" کرتے رہیں گے۔ پی۔ سی۔ ایس کا وائیوا......اسی میں کیا کیا ہوگا۔ ضرور دادا ابا کی سفارشیں کام آئی ہوں گی۔ ورنہ یہ حضرت تو کلرکی کے قابل بھی نہیں تھے۔ زرینہ اُس دن کہہ رہی تھی کہ تمہارے پاپا چاہے کچھ لگتے ہوں ڈپٹی کلکٹر تو ہرگز نہیں لگتے۔

اونہہ یہ پاپا کہاں سے آکودے۔ سوال تھا اُس مردود کا جس کا نام اختر ہے۔ اور اختر کے بچے تم کون ہو۔ آخر یہ بہروپیا پن کس لئے۔ ارے غضب.... کہیں سی۔ آئی۔ ڈی کا آدمی نہ ہو.... اس کا تو خیال ہی نہیں آیا تھا۔ پہلے ہی رشوت کے معاملے میں پاپا بڑے بیباک واقع ہوئے ہیں۔ دوست شاید ہی کوئی ہو۔ دشمن ہزاروں ہوں گے۔ ہو سکتا ہے ان کی بھی اسکریننگ ہو رہی ہو۔ اچھا تو بیٹے سی۔ آئی۔ ڈی والے تمہیں بھی دیکھ لیا جائے گا۔ پاپا کو بات کرنے کی تمیز ہو یا نہ ہو لیکن اُن کی بیٹی تمہیں ضرور دیکھ لے گی اور پاپا بھی اتنے گھامڑ تو نہیں ہیں۔ اتنا سارا وقت لکھنے پڑھنے ہی میں گذرا ہے۔ قلم کے پکے ہیں۔

اُس نے کمرے کا دروازہ کھولا اور چپ چاپ راہداری میں نکل آئی۔ اب صدر دروازے کی

طرف جارہی تھی۔

بہ آہستگی دروازہ کھول کر برآمدے میں آئی اور غیر ارادی طور پر قدم لان کی طرف اٹھتے رہے۔ بس وہ چلی جارہی تھی.... کچھ سوچے سمجھے بغیر.... اور جب مالی کی کوٹھری کے قریب پہنچ گئی تو خیال آیا کہ وہ کیوں آئی ہے؟ کیوں آئی ہے؟

اس سوال پر وہ اسی طرح چونکی تھی جیسے کسی نے بہ آواز بلند یہ سوال کیا ہو؟

دروازے کی درزوں سے کیروسین لیمپ کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ اس نے اندر جھانک کر دیکھا۔ وہ پلنگڑی پر بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ اتنی رات گئے اب تک جاگ رہا ہے۔ صبیحہ نے سوچا۔ وہ اس وقت ڈرائیور والے بدنما میک اپ میں نہیں تھا۔ کتنی معصومیت تھی چہرے پر۔ غالباً معصومیت کی بہتات ہی نے حماقت کا روپ دھار لیا تھا۔

بالکل بے ضرر.... بالکل بے ضرر.... صبیحہ نے سوچا۔ یہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کبھی نہیں.... لیکن.... لیکن؟

اُسے وہ آدمی یاد آگیا جسے اس نے صرف گھونسوں اور لاتوں سے ادھ مرا کر دیا تھا اور پھر وہ ہسپتال میں مر ہی گیا تھا۔

کون ہے یہ؟ کون ہے یہ؟ اوہ خدا.... اَب کیا ہو.... یہ یہاں سے کیسے جائے گا۔ جب پاپا آجائیں گے تب کیا ہوگا۔

غیر ارادی طور پر اُس نے دروازے پر تھپکی دی اور اُسے چونکتے دیکھا۔ یہ بھی دیکھا کہ چہرے کی معصومیت یکلخت غائب ہوگئی ہے اور آنکھوں میں ایسی ہی چمک نظر آرہی ہے جیسے.... جیسے.... کوئی تشبیہہ یاد نہ آسکی لیکن چڑیا گھر کا وہ چیتا ضرور یاد آگیا جسے ایک بار اُس نے ایک لومڑی کو دبوچے دیکھا تھا۔

لومڑی کسی طرح اپنے کٹہرے سے نکل کر بدحواسی میں چیتے کے کٹہرے میں جا گھسی تھی اور چیتا اُس پر جھپٹ پڑا تھا۔ صبیحہ کو اچھی طرح یاد نہیں تھا کہ اس کے بعد کیا ہوا تھا لیکن چیتے کی آنکھیں اُس کے ذہن میں جم کر رہ گئی تھیں۔ پھر جب بھی وہ ان کا تصور کرتی پورا جسم ہل کر رہ جاتا۔

اور اس وقت بھی کانپ کر رہ گئی جب اُس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ اُسی قسم کا احساس ذہن کے کسی گوشے میں جاگ اٹھا جیسا اُس چیتے کی آنکھوں کے تصور سے بیدار

ہو جاتا تھا۔

پھر وہ بڑی احتیاط سے چلتا ہوا دروازے کے قریب آیا اور بہ آہستگی پوچھا۔ "کون ہے۔"

"صبیحہ....!" اُس نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"کیا بات ہے۔" دروازہ کھولے بغیر اُس نے اندر ہی سے پوچھا۔

"در.... دروازہ کھولو....!"

"کیوں....؟" اندر ہی سے پوچھا گیا۔

صبیحہ کو کوئی جواب نہ سوجھا بس یونہی کہہ بیٹھی۔ "مجھے الجھن ہو رہی ہے۔"

"کیا دروازہ کھلنے سے رفع ہو جائے گی۔"

"ہاں....!" یہ جواب بھی بس زبان ہی سے نکلا تھا۔ ذہن سے اُس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

ہلکی سی آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ صبیحہ نے ڈرتے ڈرتے اُس کے چہرے پر نظر ڈالی۔

لیکن اَب وہاں پھر حماقت کے ڈونگرے برس رہے تھے۔ آنکھوں میں پھر وہی پہلے کی سی حماقت آمیز سادگی نظر آرہی تھی۔

"تم کیوں جاگ رہے ہو؟" صبیحہ نے پھر یونہی سوال برائے سوال کر ڈالا۔

"یہی سوال تو میں تم سے بھی کر سکتا ہوں۔"

"میں الجھن میں مبتلا ہوں۔"

"اور میں آج تک کسی الجھن میں مبتلا ہی نہیں ہوا۔"

"پھر کیوں جاگ رہے تھے؟"

"ممی اور ڈیڈی یاد آگئے تھے؟"

"خدا کے لئے مجھے اس الجھن سے نجات دلاؤ۔"

"کس الجھن سے....؟"

"ارے پوچھتے ہو کس الجھن سے؟" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"میں تو اس الجھن کا ذمہ دار نہیں۔"

"تمہی نے تو اُسے مارا تھا۔"

"کتنی بار دہراؤ گی.... جاؤ سو جاؤ۔"

"تم ہی نے مجھے اس جنجال میں پھنسایا ہے۔"

"مجھے یہ بتاؤ کہ اس نے تمہیں دھمکایا کیوں تھا....؟"

"میں کیا جانوں۔"

"بہر حال وہ کچھ کر گذرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔"

"پتہ نہیں۔"

"کوئی بھی شریف آدمی اُس صورت حال کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

"تم کیوں چھپ گئے تھے ڈکے میں.... میرے ساتھ جانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ڈکے میں چھپتے وقت تو بے ایمانی ہی تھی دل میں۔"

"کیا مطلب....؟"

"سوچا تھا کہ کسی جگہ موقع ملتے پر انجن میں کچھ گھپلا کر دوں گا۔"

"کیوں....؟" صبیحہ نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

"تاکہ پھر تمہیں پریشانی میں مبتلا دیکھ کر تمہاری مدد کرتا اور تمہیں اپنا ممنون احسان بنا کر تمہارے یہاں ملازمت حاصل کرتا۔"

"آخر کیوں؟ تم یہ فراڈ کیوں کرنا چاہتے تھے؟"

"پیٹ پالنے کے لئے۔"

"غلط.... قطعی غلط.... میں سب سمجھتی ہوں۔"

"کیا سمجھتی ہو۔"

"نہیں بتاتی۔" صبیحہ کو غصہ آنے لگا تھا۔ کیونکہ اب اُس نامعقول آدمی کی آنکھوں میں حماقت آمیز سنجیدگی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔

"مت بتاؤ.... لیکن اب جاؤ۔"

"نہیں جاتی.... یہ کوٹھری میری ملکیت ہے۔"

"اچھی بات ہے.... تم تشریف رکھو اپنی ملکیت میں۔ میں اندر جا کر تمہارے کمرے میں سو جاؤں گا۔"

"میں نوکروں سے بے تکلف ہونا پسند نہیں کرتی۔ خاموش رہو۔"

وہ سچ مچ خاموش ہو گیا۔ کئی منٹ گذر گئے۔ اُس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ آخر صبیحہ ہی بولی۔ "تم یہاں کس کی ٹوہ میں آئے ہو۔"

"محترمہ میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں۔ کتنی بار یاد دلاؤں کہ آپ کی والدہ محترمہ نے مجھ پر کمبل ڈلوا کر اٹھوا منگایا تھا۔"

"وہ ایک غلط فہمی کے تحت ہوا تھا لیکن تم یہ بتاؤ کہ اتنی رات گئے میرے بنگلے کے سامنے تمہاری موجودگی کا مقصد کیا تھا۔"

"میرے خدا۔" وہ دانت پیس کر بولا۔ "میں کیا کروں.... تو نے عورت بنائی تھی تو ایک سائیلنسر بھی فٹ کر دیتا کہیں!"

"کیا بکواس ہے؟"

"یا پھر میرے دوست عبداللطیف کو سرے سے پیدا ہی نہ کیا ہوتا.... میں کس طرح یقین دلاؤں ان محترمہ کو....!"

"بس اَب بکواس بند کرو۔ اور حفظ مراتب کا خیال رکھو.... ورنہ....!"

"میں کہتا ہوں جاؤ یہاں سے مجھے سونے دو.... ورنہ....!"

"کیا کرو گے تم....؟"

"نہیں سوؤں گا؟" اُس نے مردہ سی آواز میں کہا اور وہ جھنجھلاہٹ کے باوجود بھی ہنس پڑی۔

اور پھر وہ کسی بچے ہی کے سے انداز میں پھولا بیٹھا رہا۔

"اب میں بتاؤں تم کون ہو؟"

"بے حد ممنون ہوں گا۔" اس نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ "کیونکہ ابھی تک خود مجھے اطلاع نہیں مل سکی کہ مَیں کون ہوں۔"

"تمہارا تعلق اینٹی کرپشن پولیس سے ہے۔"

"واہ....!" وہ بچکانہ انداز میں ہنس پڑا۔

"میری بات سنو.... تم مجھے اُلو نہیں بنا سکتے۔"

"اس کے باوجود بھی میرا یہاں کیا کام....!"

"ہو سکتا ہے.... میرے والد کی اسکریننگ ہو رہی ہو۔"

اس جواب سے وہ اس قدر محظوظ ہوا کہ دیر تک ہنستا رہا اور صبیحہ دانت پیستی رہی۔

"بھئی مزہ آ گیا.... کل تک روٹی کو محتاج تھا اور سوچ رہا تھا کہ کس کی جیب کاٹوں اور آج اینٹی کرپشن پولیس میں بھرتی ہو گیا۔"

"پھر کون ہو تم....؟ چلے جاؤ یہاں سے۔"

"میں اختر ہوں۔ تم سے خط و کتابت تھی۔ پکڑا گیا۔ پٹائی ہوئی اور اب بھیس بدل کر تمہارے یہاں ڈرائیوری کر رہا ہوں۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔ مگر یہ چکر عموماً فلمی ہی والدین کے ساتھ کامیاب ہوتے ہیں.... جیتی جاگتی زندگی میں تو گھریلو نوکر بھی ڈپٹی کمشنری ہی کے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔"

"اوہ.... تم تو واقعی بلیک میلر ہو۔"

"میں کہتا ہوں اب جاؤ یہاں سے اگر کسی نے اتنی رات گئے تمہیں یہاں دیکھ لیا تو....!"

"میں کوئی بچہ ہوں۔"

"نہیں تم تو اپنی نانی سے بھی سینئر ہو۔"

"تم بہت بد تمیز ہو۔"

"کھسکو یہاں سے۔ کیوں میری روزی پر لات مارنے کی کوشش کر رہی ہو۔ کسی کی نظر پڑ گئی تو اسی وقت نکال دیا جاؤں گا۔"

"صورت دیکھی ہے آئینے میں۔" وہ کھسیا کر بولی۔ "تو میں اسلئے آتی ہوں... لفنگے کہیں کے۔"

"ارے تم کسی لئے بھی آئی ہو۔ لیکن دوسرے تو یہی سمجھیں گے۔"

"میں تم سے صرف یہ معلوم کرنے آئی تھی کہ تم سے چھٹکارے کی کیا صورت ہو گی۔"

اُس نے ایک طویل سانس لی۔ چند لمحے منہ چلاتا رہا۔ پھر بولا۔ "کوہ قاف میں ملکہ کھٹل گلگوں پوش کا باغ ہے۔ بیچ اُس باغ کے ایک باؤلی ہے کہ جس کے گرد اژدھے پہرہ دیتے ہیں۔ اندر اُس باؤلی کے ایک پنجرہ ہے اور اُس پنجرے میں ایک زاغ کہن سال بیٹھا پے در پے صدا دیتا ہے اب اگر کوئی ایسا تاک کر تیر مارے کہ منقار سے گذر کر حلق میں ترازو ہو جائے تو اُدھر تو وہ پرند مثل ہیزم جل کر خاک ہو جائے گا اور اُدھر میں کافی ہاؤز کی راہ لوں گا۔"

"بکواس بند کرو۔ میں تمہارے بھانڈ پن سے محظوظ ہونے نہیں آئی تم نے ملازموں سے کہا ہے کہ پاپا نے تمہیں بھیجا ہے اب اگر وہ آ ہی گئے تو کیا ہو گا۔"

"یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔"

"ارے تو تم زبردستی رہو گے یہاں؟" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"اور نہیں تو کیا بھیک مانگتا پھروں گا۔"

"پھر کچھ کہنے والی تھی کہ اُس نے ہاتھ اٹھا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی آواز پر چونکا ہو۔ لیکن صبیحہ نے تو کچھ بھی نہیں سنا تھا۔

دفعتاً اُس نے کیروسین لیمپ بجھا دیا اور صبیحہ ہکلائی۔ "کک... کیا... تت... تم... کک کیا۔"

"خاموش رہو۔" اُس نے ہلکی سی غراہٹ سنی۔ پتہ نہیں کیسی آواز تھی۔ اس کی تو نہیں تھی بہر حال صبیحہ کی گھگھی بندھ گئی۔

دروازہ کھلا اور ایک سایہ تیزی سے باہر رینگ گیا۔ وہ ایک گوشے میں دبکی کھڑی رہی۔

کئی منٹ گذر گئے.... لیکن آس پاس کسی قسم کی بھی آواز نہ سنائی دی۔ پھر یک بیک دروازہ کھلا اور تین سائے باہر کی نیم تاریک فضا کے پیش منظر میں اندر داخل ہوتے نظر آئے.... دروازہ بند ہو گیا۔ ایک ٹارچ روشن ہوئی۔

"اوہ....!" آنے والوں میں سے کسی کی تحیر زدہ آواز تھی۔

ٹارچ کی روشنی صبیحہ پر پڑی اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کے اعصاب جواب دے گئے ہوں۔ آنے والے تین تھے لیکن اُن کے چہرے صاف نظر نہیں آ رہے تھے۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔" کسی نے آہستہ سے پوچھا۔ آواز اُس کے لئے نئی تھی۔ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے۔ لہٰذا خاموش ہی رہی۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔"

"تم کون ہو؟" صبیحہ نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کوٹھری کی تلاشی لو۔" وہی آواز پھر سنائی دی اور دو آدمی ٹارچ کی روشنی میں اِدھر اُدھر کچھ تلاش کرنے لگے۔ اب صبیحہ نے دیکھا کہ وہ نقاب پوش تھے۔ نقابوں میں پورے جسم چھپے ہوئے تھے صرف آنکھیں نظر آئی تھیں۔

اُسی آواز نے صبیحہ کو پھر مخاطب کیا۔ "لڑکی وہ کون ہے؟"

"کک.... کون....؟"

"وہی جو تمہارے ساتھ تھا اور جس نے سہیل کو زخمی کیا تھا....؟"

"وہ.... وہ.... پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"پرسوں صبح کی بات ہے جب تم گاڑی لے کر ویرانے کی طرف گئی تھیں۔"

"ہاں.... میں گئی تھی.... پھر....؟"

"وہاں.... سہیل کو کس نے مارا تھا....؟"

"کس سہیل کی بات کر رہے ہو۔"

"وہی جو اکثر تمہارا تعاقب کرتا تھا۔"

"اوہ.... اچھا.... وہ سامنے والا لفنگا....!"

"تو تم نے اُسے پٹوایا تھا؟"

"ایسا کوئی اتفاق نہیں ہوا۔ ویسے تمنا تو یہی ہے کہ کبھی ایسا ہو سکے۔"

"تم خود کار ڈرائیو کر رہی تھیں اُس دن۔"

"تم ہو کون۔ میں کیوں تمہاری بات کا جواب دوں۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"اس لئے کہ تم مصیبت میں پھنس گئی ہو۔ کسی وقت بھی پولیس ادھر کا رخ کر سکتی ہے۔ سہیل ایک آدمی کو اپنا تحریری بیان دے کر مرا ہے۔"

"کیا وہ بیان میرے خلاف ہے۔"

"نہ ہوتا تو کسی کو علم ہی کیسے ہوتا کہ تم نے اُسے پٹوایا تھا۔"

صبیحہ کچھ نہ بولی۔

اُسی نقاب پوش نے پھر کہا۔ "بہتری اسی میں ہے کہ اپنے معاون کا نام بتا دو۔"

"میں پوچھتی ہوں تم لوگ کس کی اجازت سے اس کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے ہو۔"

"خیر.... بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ تم کن خطرات سے دوچار ہو۔" اس نے کہا۔

پھر اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔ "کوئی خاص چیز۔"

"نہیں....!" کسی نے جواب دیا۔

وہ پھر صبیحہ کی طرف مڑ کر بولا۔ "ڈرائیور.... تمہارا ڈرائیور کہاں ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ابھی حال ہی میں تمہارے یہاں آیا ہے۔"

"تمہارا خیال درست ہے.... لیکن میں کیا بتا سکوں گی کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔"

"حالانکہ اس وقت یہاں اس کوٹھری میں تمہاری موجودگی بہت کچھ بتا رہی ہے۔" طنزیہ لہجے میں کہا گیا۔

"شٹ اپ....!" صبیحہ کو پھر غصہ آ گیا۔

"آؤ چلیں....!" غالباً اُس نقاب پوش نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا۔

دروازہ کھلا اور وہ تینوں ایک ایک کر کے باہر نکل گئے۔

صبیحہ جہاں تھی وہیں کھڑی رہی اب پھر فضا پر وہی پہلے کا سا بوجھل سناٹا طاری ہو گیا تھا۔

وہ سوچ رہی تھی کہ آخر اختر کہاں غائب ہو گیا۔ کچھ دیر اُس کی منتظر رہی پھر عمارت کی طرف چل پڑی۔ صدر دروازے سے گذر کر اُسے بند کیا اور اپنے کمرے میں آئی۔

لیکن جیسے ہی مسہری پر نظر پڑی آگ بگولا ہو گئی۔ اختر تو یہاں پڑا سو رہا تھا۔

بے اختیار مسہری کی طرف جھپٹی اور سونے والے کو اس بے دردی سے جھنجھوڑا کہ وہ تڑپ کر مسہری کے نیچے آ پڑا۔

"کہیں نہ سو سکوں گا....!" وہ آنکھیں ملتا ہوا بڑبڑایا۔

"یہ کیا حرکت تھی۔"

"ارے تم نے وہاں پہنچ کر ڈسٹرب کیا تھا تو پھر کیا کرتا۔"

"جاؤ.... نکلو.... چلے جاؤ یہاں سے۔" وہ آہستہ مگر تیز لہجے میں بولی۔

"اب میں جا کر کسی کنویں میں پھاند پڑوں گا۔"

"میری طرف سے جہنم میں چھلانگ لگا دو۔ نکلو.... جلدی چلو۔"

"شب بخیر۔" وہ دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

صبیحہ ڈر رہی تھی کہ کہیں کسی کی آنکھ نہ کھل جائے اس وقت تو یہ بہروپیا ڈرائیور والے بہروپ میں بھی نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر صدر دروازے کی طرف آئی اور اُسے بولٹ کر کے کمرے میں واپس چلی آئی۔

✪

صفدر متحیرانہ انداز میں ساجدہ کی کہانی سن رہا تھا۔ اُسکے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "پھر کیا ہوا؟"

"کچھ بھی نہیں.... خواہ مخواہ پورے شہر میں چکراتی رہی تھی۔ چلو اسی بہانے پورا شہر تو دیکھ لیا۔ تقریباً ڈھائی بجے رات کو گاڑی کے ٹرانسمیٹر پر وہی بھرائی ہوئی سی آواز سنائی دی تھی اور مجھے اُس سے ہدایت ملی تھی کہ میں گاڑی کو ہوٹل کے قریب ہی چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی جاؤں۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ آواز اسی نقاب پوش کی تھی جو تمہیں اُس عمارت میں ملا تھا۔"

"سو فیصدی یقین ہے۔"

"ہاں....!" صفدر کسی سوچ میں پڑ گیا اور ساجدہ نے پوچھا۔ "وہ کون تھا؟ اُس کا تحکمانہ لہجہ مجھے بُری طرح کھل رہا تھا لیکن کیا کرتی۔"

"پتہ نہیں کون تھا؟" صفدر نے لاپروائی سے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

ساجدہ نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر کہا۔ "اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میری کیا پوزیشن ہو گی۔"

"میک اپ میں رہنا فضول ہی ہو گا۔" صفدر بولا۔ "ہمیں احکامات کا منتظر رہنا چاہئے۔"

"کس کے احکامات کا؟"

"پتہ نہیں۔"

"کیوں الجھن میں ڈال رکھا ہے مجھے۔"

"صبر سے کام لو۔"

قبل اسکے وہ کچھ بولتی ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا اور صفدر کاغذ پنسل سنبھال کر بیٹھ گیا۔

کوڈ ورڈز میں کوئی پیغام تھا۔ اختتام کا اشارہ ملتے ہی اُس نے پنسل رکھ دی اور کاغذ کو اس طرح گھورنے لگا جیسے سب کچھ لکھ لینے کے باوجود بھی کچھ نہ سمجھ سکا ہو۔

"کیا بات ہے۔" ساجدہ نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"وہی حضرت ہیں۔" صفدر نے طویل سانس لے کر کہا۔ "فرماتے ہیں کہ اب ساجدہ کے لئے میک اپ میں رہنا ضروری نہیں۔ اگر ان میں سے کوئی اس کے متعلق پھر کچھ پوچھے تو وہ اُسے بتائے کہ آج شام کو چھ بجے عمران اُس سے پبلک گارڈن میں ملنے والا ہے! اور تم آج شام کو چھ بجے پبلک گارڈن میں پہنچ جاؤ۔"

"تو کیا وہ سچ مچ مجھے وہاں ملے گا۔" ساجدہ نے لہک کر پوچھا۔

"میں کیا بتا سکتا ہوں؟" صفدر کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

"عجیب چکر ہے؟"

"ویسے کیا تمہیں یقین ہے کہ اُن لوگوں کو تمہارے بیان پر یقین آ گیا ہو گا۔" صفدر نے پوچھا۔

"نہ آیا ہو گا تو اب آ جائے گا۔ ویسے عمران کو یقین آ گیا ہے شاید کہ وہ لوگ مجھے جھوٹی نہیں سمجھے۔ اُن میں سے کوئی مجھ سے رابطہ ضرور قائم رکھے گا۔"

"ہو گا.... ختم کرو.... میرا خیال ہے کہ اب تم سونا چاہتی ہو۔"

"آ.... ہاں....!" وہ جماہی لے کر بولی۔ "یقیناً.... پچھلی رات ایک پل کے لئے بھی آنکھ نہیں لگی تھی۔"

صفدر کچھ دیر بعد زیرو نائین کا سفری ٹرانسمیٹر سنبھالے ہوئے باہر چلا گیا اور وہ سونے کے

لئے لباس تبدیل کرنے لگی۔ اتنے میں جوزف نے دروازے پر دستک دے کر کہا۔ "میں آسکتا ہوں مسی۔"

"ٹھہرو....!" وہ جسم پر سلیپنگ گاؤن ڈالتی ہوئی بولی۔

کچھ دیر بعد اُس نے اُسے اندر آنے کی اجازت دی۔

"مجھے بے حد افسوس ہے مسی۔" وہ مسمسی صورت بنا کر بولا۔ "میری غفلت کی بناء پر تمہیں تکلیف اٹھانی پڑی۔"

"مجھے افسوس ہے جوزف کہ تم نے میری وجہ سے اتنی مہلک چوٹ کھائی مگر تم اُس کمرے میں کیوں جا گھسے تھے کیا اُسے مار ہی ڈالا۔"

"اُسکی قسمت مسی مر گیا ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ مار ڈالنے کی نیت سے ہرگز نہیں مارا تھا۔"

"کس نے مشورہ دیا تھا۔"

"کسی نے بھی نہیں مسی۔ بس غصہ آگیا تھا۔"

دفعتاً پھر کسی نے باہر سے دستک دی.... اور جوزف کسی زخمی اور محتاط بھیڑیئے کی طرح آہستہ آہستہ دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔

"ارے کیا کوئی ہے یہاں۔" باہر سے نسوانی آواز آئی۔ زبان انگریزی تھی۔

"کون ہے؟" جوزف غرایا۔

"ریٹا۔"

جوزف نے بُرا سا منہ بنا کر طویل سانس لی اور ساجدہ نے اُسے اشارہ کیا کہ دروازہ کھول دے۔ جوزف نے اس طرح دروازہ کھولا کہ کھلتے ہوئے پاٹ کی اوٹ میں ہوتا چلا گیا۔

ریٹا جبرائیل اندر آگئی اور دروازے کی طرف مڑ کر مسکرائی۔

"اب بہت محتاط ہوگئے ہو۔" اُس نے جوزف سے کہا۔

"ہونا ہی چاہئے مسی۔"

"پتہ نہیں اس ہوٹل میں کیا ہو رہا ہے۔ آج صبح کمرہ نمبر اٹھاون سے ایک نیم مردہ آدمی کو بحالت بیہوشی ہسپتال پہنچایا گیا ہے.... ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ کسی نے اُسے بے دردی سے پیٹا تھا۔"

"بدمعاشوں کا اڈہ ہے یہ ہوٹل۔" جوزف نے غصیلی آواز میں کہا۔

"اوہ.... یہ کون ہیں۔" ریٹا پہلی بار ساجدہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"یہ بھی باس کی سیکریٹری ہیں۔"

"ہوں.... اچھا.... کیا تم شام کی چائے میرے ساتھ پی سکو گے۔"

"میں کسی کے ساتھ کبھی کچھ نہیں کھاتا پیتا۔ کھانا بھی اس طرح چھپ کر کھاتا ہوں کہ کہیں کسی کی نظر نہ پڑ جائے۔"

"یہ کیوں....؟"

"بس عادت ہے!" جوزف نے کہا۔ "حتیٰ کہ شراب بھی چھپ کر پیتا ہوں۔"

یک بیک ساجدہ نے دیکھا کہ ریٹا نے اپنی پشت ساجدہ کی طرف کرلی ہے اور ایک ہاتھ پیچھے لے جا کر دو انگلیوں سے فتح کا نشان بنایا ہے۔ انجمن کے ممبر جو ایک دوسرے سے پوری طرح واقف نہ ہوں اسی نشان کے توسط سے ایک دوسرے کو پہچان سکتے تھے۔

"آپ بیٹھ جایئے نا.... کھڑی کیوں ہیں۔" ساجدہ نے آگے بڑھ کر کہا۔ "حالانکہ میں آپ سے متعارف نہیں ہوں لیکن آپ بہرحال میرے کمرے میں آئی ہیں۔"

"اوہ شکریہ۔" وہ ساجدہ کی طرف مڑ کر مسکرائی۔ "میں ریٹا جبرائیل ہوں۔"

"مجھے ساجدہ حبیب کہتے ہیں۔"

ریٹا نے اُس سے مصافحہ کیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"اَب تم باہر جا سکتے ہو۔" ساجدہ نے اُس سے کہا۔

"او کے مسی۔" جوزف نے ایڑیاں بجائیں اور باہر چلا گیا۔ ویسے اُس کی آنکھوں سے صاف ظاہر تھا جیسے اُسے ساجدہ کا رویہ پسند نہ آیا ہو۔

"مجھے ہدایت ملی ہے کہ تمہاری دیکھ بھال کروں۔" ریٹا نے آہستہ سے کہا۔

ساجدہ نے غسل خانے کی طرف چلنے کا اشارہ کیا پھر دونوں اٹھ کر غسل خانے میں آئیں اور ساجدہ نے دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دی اور مضطربانہ انداز میں کہا۔ "یہ بہت اچھا ہوا میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں کیسے اور کس طرح اطلاع بھجواؤں۔"

"کوئی خاص اطلاع۔" ریٹا نے پوچھا۔

"ہاں.... آج صبح مجھے عمران کا پیغام ملا ہے۔"

"کیا....؟"

"آج پانچ بجے شام کو مجھ سے پبلک گارڈن میں ملے گا۔"

"تمہیں یقین ہے؟"

"جو پیغام مجھے ملا تھا میں نے دہرا دیا ملے گا بھی یا نہیں۔ اس کے بارے میں وثوق کے ساتھ

کچھ نہیں کہا جاسکتا۔"

"کسی قسم کا شبہ تو نہیں ظاہر کیا تمہارے خلاف۔" ریٹا نے پوچھا۔

"نہیں یہ سب یہی سمجھ رہے ہیں کہ مجھے انہیں کی کوششوں کی بناء پر رہائی ملی ہے۔"

"یہ بہت اچھا ہے۔ اچھا اب مجھے اجازت دو۔ میں تم سے رابطہ قائم رکھوں گی۔"

"جوزف اور صفدر سے ہوشیار رہنا۔" ساجدہ بولی۔ "دونوں ہی اپنی اپنی حیثیت کے اعتبار سے بہت چالاک ہیں۔"

"تم فکر نہ کرو۔" ریٹا نے کہا اور دروازہ کھول کر کمرے میں آگئی۔

پھر وہ سیدھی باہر کے دروازے کی طرف گئی۔ ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور باہر نکل ہی رہی تھی کہ جوزف رکاوٹ بن کر سامنے آگیا۔ اُسکے دانت نکلے پڑرہے تھے اور اس کا مطلب تو ساجدہ ہی سمجھ سکتی تھی۔ عام حالات میں لوگ یہی سمجھتے تھے کہ وہ اس طرح خوشی کا اظہار کرتا ہے۔

"کیا بات ہے۔" ریٹا نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں مسی.... بائی بائی۔" وہ ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

ریٹا اُسے گھورتی ہوئی چلی گئی۔ کچھ دیر بعد جوزف اندر آیا اور دروازہ بولٹ کر کے ساجدہ سے بولا۔ "تم نے اُسے کیوں روکا تھا مسی۔"

"بس اکیلے میں جی الجھتا ہے۔ سوچا اسی سے دوستی ہو جائے۔"

"ایسی کوئی بات نہ ہونی چاہئے مسی باس کا حکم نہیں ہے۔"

"جاؤ اپنا کام کرو۔" ساجدہ جھلا گئی۔

"تم جانو.... وہ کسی سے بھی مروت نہیں کرتا۔"

"ارے تو کیا میں اُس کے باپ کی نوکر ہوں۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

اس جواب پر جوزف کے ہونٹ صرف ہل کر رہ گئے۔ اُس نے کچھ کہا نہیں۔ لیکن چہرے پر ایسے ہی تاثرات تھے جیسے اس جواب سے گہرا صدمہ پہنچا ہو۔

کچھ دیر بعد اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "مسی مجھے افسوس ہے۔ میں نے تمہیں غلط سمجھا تھا۔ میں دراصل ایک ایسا کتا ہوں جو مالک کے دوستوں اور دشمنوں کو بخوبی سونگھ سکتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے.... مجھے افسوس ہے۔"

وہ مغموم انداز میں دروازے کی طرف مڑا اور باہر نکل گیا۔

ساجدہ نے جھلاہٹ میں دروازہ بند کر کے بولٹ کیا اور بستر پر آگری۔

صبیحہ دن چڑھے تک سوتی رہی۔ جگائی نہ جاتی تو شاید ابھی بیدار ہونے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا کیونکہ فجر کی اذان سے پہلے آنکھ نہیں لگی تھی۔

آنکھ کھلتے ہی سب سے پہلے ڈرائیور کا دھیان آیا اور وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔ اُس نے اچھا نہیں کیا تھا اُسے باہر نکال کر؟ وہ لوگ اُس کی مزاج پرسی کے لئے تو آئے نہ ہوں گے۔ انہیں اُس آدمی کی تلاش تھی جس نے سہیل کو مار ڈالنے کی حد تک مارا تھا تو پھر انہوں نے اُسے کب زندہ چھوڑا ہوگا۔

وہ بے اختیاری میں بیرونی برآمدے کی طرف جھپٹی.... لیکن روش پر نظر پڑتے ہی اپنی اس بوکھلاہٹ پر غصہ آگیا۔ وہ تو بڑے اطمینان سے گاڑی کی صفائی کر رہا تھا۔ چہرے پر ایسا ہی سکون تھا جیسے پچھلے کئی دنوں سے کوئی غیر معمولی واقعہ پیش ہی نہ آیا ہو۔

نظریں ملتے ہی اُس نے ہاتھ اٹھا کر اُسے سلام بھی کیا تھا اور وہ دانت پیستی ہوئی پھر اپنے کمرے کی طرف واپس آگئی تھی۔

اس کم بخت کے متعلق اُس کے دل کی عجیب حالت تھی کبھی تو ایسا لگتا جیسے وہ اُس کے لئے بہت زیادہ فکر مند ہو اور کبھی اس شدت سے طیش آتا کہ کھڑے کھڑے نکال دینے کو جی چاہتا۔ کبھی صورت حرام لگتا اور کبھی تو سچ مچ پیار ہی آنے لگتا اور وہ اُس کیفیت سے پیچھا چھڑانے کے لئے اِدھر اُدھر کی باتیں سوچنے لگتی۔

آج مطلع ابر آلود تھا۔ ہوا میں خنکی تھی۔ بادلوں کے پرے کے پرے آتے اور بڑی دیر تک دھوپ نہ دکھائی دیتی۔ بارہ بجے کے قریب بار بار گاڑی کے ہارن کی آواز آنے لگی اور وہ جھلا کر پھر برآمدے میں نکل آئی۔

اُسے دیکھتے ہی ڈرائیور نے ہانک لگائی۔ "انورسٹی چلئے گا۔"

وہ تیزی سے گاڑی کے قریب آئی اور دانت پیس کر بولی۔ "تو ہارن بجانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میں سمجھا شائد آپ پھر سو گئی ہیں۔" اُس نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

"یونیورسٹی کی فکر مجھے ہونی چاہئے تمہیں نہیں۔"

"میں سمجھا.... شاید مجھے بھی ہونی چاہئے۔" وہ مسمسی صورت بنا کر بولا۔

"تم بہت بڑھتے جارہے ہو۔"

"نہیں اب تو نہیں بڑھ رہا۔ عرصہ ہوا اطلاع ملی تھی کہ قد پورا ہو چکا ہے۔ جی ہاں۔"

"شٹ اَپ....!"

"ایزیو پلیز....!"

وہ اُسے بدستور غصیلی نظروں سے گھورتی رہی پھر غرائی۔ "پچھلی رات وہ لوگ کون تھے۔"

"کون لوگ۔"

"جنہیں تمہاری تلاش تھی اس حد تک کہ انہوں نے کوٹھری کی باقاعدہ تلاشی لی تھی۔"

"میں نہیں جانتا کون تھے۔"

"تم کوٹھری سے بھاگے کیوں تھے۔"

"سونے کے لئے لیکن وہ تمہارے کمرے میں بھی نصیب نہ ہو سکا۔"

"بکواس ہے۔ تم نے کسی قسم کی آہٹ محسوس کر کے وہ حرکت کی تھی۔"

"چلو یہی سمجھ لو....اگر وہ مجھے پا جاتے تو کیا سمجھتی ہو کہ کوئی اس سے زیادہ اچھی ملازمت دلوا دیتے۔"

"تم ہمیں کسی بہت بڑے جنجال میں پھنساؤ گے۔ انہیں اُس آدمی کی تلاش بھی تھی جس نے سہیل کو مارا تھا اگر پاپا کو علم ہو گیا تو میری شامت ہی آجائے گی۔"

"لیکن یہ تو سوچو کہ وہ لوگ تمہیں کیوں بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔"

"اپنی تو سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر روپیہ اینٹھنا چاہتے ہیں تو بھلا میرے پاس کیا ہے۔ اس کے لئے...وہ پاپا کو بلیک میل کرتے اور مجھے پہلے سے ہرگز نہ مطلع کرتے کہ ان کے پاس میرے خلاف بلیک میلنگ کا کچھ مواد بھی ہے۔ وہ تو پاپا ہی کے ذریعہ مجھے اس کا علم ہونے دیتے کہ میری وجہ سے انہیں بلیک میل کیا جا رہا ہے اور چونکہ اچانک وہ بات میرے سامنے آئی اس لئے میں اپنے اعصاب پر قابو نہ پا سکتی اور بے دھڑک اعتراف کر لیتی کہ ہاں مجھ سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ اب تو میں نہایت صفائی سے انکار کر سکتی ہوں بلکہ اپنی صفائی پیش کرنے کے سلسلے میں کوئی پلاٹ بھی گھڑ سکتی ہوں۔"

"بہت ذہین معلوم ہوتی ہو۔" ڈرائیور مسکرایا۔

"لیکن حقیقتاً میں اس معاملے میں خود کو بے حد نروس محسوس کر رہی ہوں۔"

"یونیورسٹی چلو گی یا نہیں۔"

"میں کہیں نہ جاؤں گی۔ خصوصیت سے تمہارے ساتھ تو ہرگز نہیں جا سکتی۔ وہ لوگ تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔ اگر تمہاری بجائے میرے گولی لگ گئی تو کیا ہو گا وہ تھے بھی فلمی

ڈاکو قسم کے لوگ چہرے نقاب میں چھپائے ہوئے تھے۔"

"خود میری سمجھ میں بھی نہیں آتا کہ کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔"

ٹھیک اُسی وقت کچھ لوگ پھاٹک میں گھستے چلے آئے۔ ان میں ایک سب انسپکٹر اور دو کانسٹیبل بھی تھے۔

سادہ لباس والوں میں سے ایک نے چیخ کر کہا۔ "یہی ہے۔"

پولیس والے ڈرائیور کی طرف جھپٹے اور صبیحہ اندازہ ہی نہ کر سکی کہ ڈرائیور کس طرح اچھل کر کار کے اوپر سے گذرتا ہوا دوسری طرف چلا گیا تھا۔ کار دراصل ایسی جگہ کھڑی تھی جس کے دونوں اطراف میں مہندی کی باڑھ تھی۔ لہٰذا اَب ڈرائیور تک پہنچنے کے لئے وہ یا تو وہی کرتب دکھاتے جو ڈرائیور نے دکھایا تھا یا پھر مہندی کی قد آدم باڑھ پھلانگتے۔

جتنی دیر میں سب انسپکٹر گاڑی کے دروازے کی طرف متوجہ ہوتا ڈرائیور کمپاؤنڈ کی دیوار پھلانگ کر نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

گاڑی کے دروازوں سے گذر کر وہ دیوار کی طرف بھاگتے چلے گئے.... عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ گھر والے سبھی برآمدے میں نکل آئے تھے اور صبیحہ وہیں ہکا بکا کھڑی تھی۔

"ارے کیا ہوا.... کیا ہے۔" بیگم صاحبہ نے چیخ کر اُسے اپنی طرف متوجہ کیا اور وہ مردہ سی چال چلتی ہوئی برآمدے میں آئی۔

"ڈرائیور کو پولیس نے دوڑایا ہے۔" اُس نے مضمحل سی آواز میں کہا۔

"کیوں....؟"

"پتہ نہیں۔ پولیس والوں کے ساتھ اور لوگ بھی تھے اور انہوں نے ڈرائیور کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا یہی ہے۔"

"پھر کیا ہوا۔"

"ڈرائیور بھاگ نکلا....وہ اُس کے تعاقب میں گئے ہیں۔"

"صورت ہی سے ڈاکو معلوم ہوتا تھا۔" نانی کھر کھرائیں اور زہریلی نظروں سے صبیحہ کو گھورنے لگیں۔

"اب دیکھو کیا ہوتا ہے۔" بیگم صاحبہ سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر بولیں۔ "یہ لڑکی جو کچھ نہ کرائے تھوڑا ہے۔"

"میں نے کیا کیا ہے۔"

"میں لائی تھی اُسے....؟" بیگم صاحبہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولیں۔ "میں نے نوکری دی تھی؟"

"اُس کی پیشانی پر تو کچھ لکھا ہوا نہیں تھا۔" صبیحہ بھی جھنجھلا گئی۔

"اب دیکھ کیا ہوتا ہے۔ پتہ نہیں قاتل ہے یا ڈاکو۔"

پھر وہ ان کی بک جھک کی پرواہ کئے بغیر سیدھی اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ اس واقعہ سے دل کو اچانک دھچکا سا لگا تھا۔

وہ اُس کے متعلق قطعی نہیں سوچ رہی تھی کہ ابھی پولیس آئے گی اور پتہ نہیں کس قسم کی پوچھ گچھ کرے گی۔ وہ تو بس ڈرائیور ہی کے متعلق سوچے جا رہی تھی؟ کیا وہ کوئی بہت بڑا مجرم تھا؟ پولیس سے بچنے کے لئے یہاں پناہ لی تھی؟ یا اُس تک پولیس کی رہنمائی کرنے والے وہی لوگ تھے جنہیں پچھلی رات اُس کی تلاش تھی وہ لوگ تو پولیس سے متعلق نہیں معلوم ہوتے تھے۔ بھلا پولیس والوں کو کیا پڑی ہے کہ چہرے نقابوں میں چھپائے پھریں۔

وہ مسہری پر اوندھی پڑی سوچتی رہی تھی۔ وقت کا بھی احساس نہیں رہا تھا۔ پھر دروازے پر دستک سن کر چونکی تھی۔ اٹھ کر دروازہ کھولا تھا اور بیگم صاحبہ غرائی تھیں۔ "چل اب کر جوابدہی۔ وہ لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں۔ غضب خدا کا ہمارے یہاں پولیس آئی ہے۔"

وہ ڈرائنگ روم میں آئی تھی اور پولیس انسپکٹر نے بے حد نیاز مندانہ لہجے میں ڈرائیور کے متعلق پوچھ گچھ شروع کی تھی۔

صبیحہ نے اُس کی گفتگو سے اندازہ کر لیا کہ ڈرائیور ہاتھ نہیں آسکا۔ پھر صبیحہ کا موڈ یکلخت بدل گیا تھا اور وہ کھل کر باتیں کرنے لگی۔ پولیس انسپکٹر کو تفصیل سے بتاتی رہی کہ کسطرح اچانک اُس کی گاڑی رک گئی تھی اور اُس نے نیچے اُتر کر بونٹ اٹھایا تھا لیکن پرزوں کے متعلق معلومات نہ ہونے کی بناء پر گاڑی رک جانے کی وجہ نہ معلوم کر سکی تھی۔ پھر کسی طرف سے وہ آنکلا تھا اور تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد انجن پھر کام کرنے لگا تھا۔ اُس نے اُسے کچھ دینا چاہا تھا لیکن اس نے لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ ملازمت کی تلاش میں ہے اگر کسی بھلے مانس کی گاڑی پر کام مل جائے تو وہ اپنے لواحقین کا پیٹ پال سکے گا ورنہ اب فاقوں کی ہی نوبت آنے والی ہے۔

پھر جب وہ اپنی کہانی ختم کر چکی تھی تو سب انسپکٹر کی زبانی یہ سن کر اُسے اپنے چہرے پر گہرے صدمے کے آثار پیدا کرنے پڑے تھے کہ وہ ایک بہت بڑی ڈکیتی کے کیس میں ماخوذ تھا۔

بیگم صاحبہ نے چھوٹتے ہی پوچھا تھا کہ کیا وہ اُسے پکڑنے میں کامیاب ہو گیا لیکن جواب نفی

میں سن کر اُن کے چہرے پر مایوسی بکھر گئی تھی۔

شام کو پبلک گارڈن میں خاصی بھیڑ رہتی تھی۔ اس کے باوجود بھی بعض حصے بالکل ویران تھے.... بہت بڑا باغ تھا۔

ساجدہ وہاں پہنچ تو گئی تھی لیکن سوچ رہی تھی کہ اُسے کہاں ہونا چاہئے۔ پہلی ہی بار وہ اس طرف آئی تھی کسی مخصوص جگہ کے لئے ہدایت بھی نہیں ملی تھی، ویسے اُسے یقین کامل تھا کہ انجمن کے افراد اس کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک ضرور آئے ہوں گے۔ انہیں عمران کی تلاش تھی۔ وہ اُس کے خون کے پیاسے تھے۔

وہ سوچ رہی تھی کیا عمران سچ مچ اُس سے یہاں ملے گا؟ یا کوئی اور چکر ہے؟

وہ باغ کے مختلف حصوں میں گھومتی پھری۔ ابھی پانچ نہیں بجے تھے۔ وہ تقریباً بیس منٹ پہلے یہاں پہنچ گئی تھی۔

پانچ بجے کیا ہوگا؟ وہ سوچتی رہی اور دل کی دھڑکنیں آہستہ آہستہ تیز ہوتی رہیں۔

اس نے سوچا تھوڑی عقل بھی استعمال کی جائے۔ ظاہر ہے کہ وہ کسی ویران ہی گوشے میں ملے گا۔ مخالفین بھی یہی توقع رکھتے ہونگے پھر بھرے پُرے حصوں میں ٹہلتے پھرنے سے کیا فائدہ۔

وہ ایک ویران حصے کی طرف چل پڑی.... اُس کا خیال تھا کہ اس طرح وہ انجمن کے اُن افراد کی تعداد بھی معلوم کر سکے گی جو اس کے تعاقب میں ہوں گے۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ دور دور تک کسی متنفس کا پتہ نہ تھا۔

اُس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ پانچ بجنے میں صرف پانچ منٹ باقی تھے۔ دل کی دھڑکن تیز سے تیز تر ہوتی رہی۔

دفعتاً قریب ہی جھاڑیوں میں سرسراہٹ ہوئی اور وہ چونک پڑی۔ پھر ایک ہاتھ نظر آیا جس میں سیاہ رنگ کا خوفناک ریوالور تھا۔ اُس کا منہ حیرت اور خوف سے کھل گیا لیکن وہ فوری طور پر نہ تو کچھ سمجھ ہی سکی اور نہ فیصلہ کر سکی کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔

پھر یک بیک اُسی ریوالور سے دھواں نکلا دھاکہ ہوا اور وہ چیخ کر گر پڑی۔

بدحواسی میں اس کا بھی احساس نہیں تھا کہ وہ گر پڑنے کے بعد بھی بڑے بے ڈھنگے پن سے چیخے جا رہی ہے..... گولی تو لگی نہیں تھی..... فائر ضرور ہوا تھا اور اُس نے اپنے کان کے قریب

سنسناہٹ کے ساتھ ہی آنچ بھی محسوس کی تھی۔

چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے۔ کچھ بدحواسی میں مبتلا ہو کر نکاسی کے راستے کی طرف دوڑے.... کئی ان جھاڑیوں میں جا گھسے جہاں سے فائر ہوا تھا۔

ساجدہ کے گرد بھیڑ لگ گئی اور شاید بھیڑ ہی اُس کے ساکت ہو جانے کی وجہ بنی تھی۔ اب وہ زمین پر بے سدھ پڑی اس طرح پلکیں جھپکا رہی تھی جیسے سچویشن کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

پھر کسی نے اُس سے پوچھا تھا۔ ”آپ ٹھیک تو ہیں....؟“ اور وہ کراہ کر اٹھ بیٹھی تھی۔

”کس نے فائر کیا تھا....؟“ مجمع میں ہی سے کسی نے پوچھا۔

”آپ کو میڈیکل ایڈ کی ضرورت ہے۔“ اُن میں سے ایک نے جلدی جلدی کہا پھر دوسرے سے بولا۔ ”گاڑی فوراً یہیں لاؤ۔ اس وقت یہاں کا عملہ معترض نہ ہوگا۔ جلدی کرو۔“

ساجدہ نے دیکھا کہ وہ انگلیوں سے انجمن کا نشان وکٹری بھی بنائے ہوئے ہے۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

جلد ہی اُس نے کسی گاڑی کے انجن کی آواز سنی اور خلاف قاعدہ وہ گاڑی روش سے لان پر اتر کر اُس کے قریب آ گئی۔

”چلیے اٹھیے....!“ اُس آدمی نے ساجدہ کا بازو پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

وہ گاڑی میں بیٹھ تو گئی لیکن ذہن کچھ سوچنے سمجھنے سے قاصر تھا۔

اتنے میں ایک آدمی جو شائد گارڈن کے ذمہ داران میں سے تھا الجھ پڑا۔ وہ اسٹیئرنگ پر بیٹھے ہوئے آدمی سے کہہ رہا تھا کہ پولیس کے آئے بغیر وہ وہاں سے نہیں جا سکتے۔

”میں ڈاکٹر ہوں۔“ اُسے جواب ملا۔ ”میں سمجھ سکتا ہوں کہ ان کے اعصاب اس صدمہ سے کس درجہ متاثر ہوئے ہیں۔ میرا فرض ہے کہ انہیں میڈیکل ایڈ ملنے میں تاخیر نہ ہونے دوں۔ میرا ساتھی پولیس کے آنے تک یہیں ٹھہرے گا۔ میں ہسپتال پہنچ کر خود ہی پولیس کو مطلع کر دوں گا۔“

پھر قبل اس کے کہ وہ کچھ اور کہتا انجن دوبارہ بیدار ہوا اور گاڑی تیزی سے روش پر چڑھ گئی۔

گارڈن کے گیٹ سے باہر نکل آنے کے بعد ڈرائیو کرنے والے نے پوچھا۔ ”تم زخمی تو نہیں ہوئیں۔“

”نہیں....!“ ساجدہ نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

”میڈیکل ایڈ کی ضرورت تو نہیں۔“

”نہیں.... میں ٹھیک ہوں۔“

”کیا تم فائر کرنے والے کی شکل دیکھ سکی تھیں۔“

”نہیں....!“

”بچ کر نہیں جا سکتا۔ جو کوئی بھی ہو۔“

”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ....!“

”تمہیں یقین ہے کہ وہی تھا۔“

”کیا کہہ سکتی ہوں جب کہ صورت نہیں دیکھ سکی تھی۔ بس ایک ہاتھ جھاڑیوں سے نکلا تھا۔ قبل اس کے کہ کچھ سوچ بھی سکتی فائر ہو گیا تھا۔“

”ہوں....!“

پھر کوئی کچھ نہ بولا۔ گاڑی تیزی سے راستہ طے کرتی رہی۔ ساجدہ سوچ رہی تھی دیکھئے اب کیا ہوتا ہے؟ کہاں لے جائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اب وہ اُسے اس کے ہوٹل تک پہنچانے سے تو رہا۔ انجمن ہی کے کسی ٹھکانے پر لے جائے گا۔ جی تو چاہا کہ اس سلسلے میں استفسار کرے لیکن پھر خاموش ہی رہی۔ اس وقت تو سب کچھ ہی غیر متوقع طور پر ظہور میں آیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اُسے ان حالات سے گذرنا پڑے گا۔

وہ سوچتی رہی اور پھر ڈرائیور کی آواز سن کر چونک پڑی۔

وہ کہہ رہا تھا۔ ”میں تمہیں ایک سنسان عمارت میں اُتار دوں گا۔“

”سنسان عمارت میں۔“ ساجدہ نے حیرت سے دہرایا اور خود اُسے اپنی آواز اجنبی سی لگی۔

”ہاں کوئی فکر کی بات نہیں۔“

”لیکن سنسان عمارت میں کیوں؟“

”دراصل میں خود فیصلہ نہیں کر سکا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ لہٰذا رپورٹ دے کر تمہارے پتہ سے آگاہ کر دوں گا۔“

ساجدہ نے بدقت خود کو روکا۔ ورنہ اس کے بعد تو وہ یہی پوچھتی کہ کس کو آگاہ کرے گا۔ کسے رپورٹ دے گا....؟ اس نے ایک طویل سانس لی اور نشست کی پشت سے ٹک گئی۔

تن بہ تقدیر ہو جانے کے علاوہ اور کیا چارہ تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ عمارت مختصر ہی سی تھی لیکن اس کے گرد بہت بڑے رقبے میں لان اور باغ تھے۔

"یہ کنجی ہے۔" ڈرائیور نے جیب سے ایک کنجی نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
"اندر ضروریات کی ساری چیزیں تمہیں مل جائیں گی۔"

"تت.... تو میں یہاں بالکل تنہا ہوں گی۔" ساجدہ نے پوچھا۔

"شائد زیادہ دیر تک کے لئے نہیں۔ اچھا اب گاڑی سے اُتر جاؤ۔"

وہ طوعاً و کرہاً گاڑی سے اُتری۔ اندھیرا پھیلنے لگا تھا لیکن ابھی اتنا اجالا تو تھا ہی کہ وہ بیرونی برآمدے کا جائزہ لے سکتی۔

اُس کے اترتے ہی گاڑی ریورس گیئر میں پھاٹک کی طرف دوڑتی چلی گئی تھی۔ بس پھاٹک ہی پھاٹک تھا اس میں کواڑ نہیں تھے۔

ساجدہ نے مڑ کر دیکھا۔ گاڑی نے پھاٹک سے بھی گذر کر رخ بدلا تھا اور تیزی سے ایک طرف روانہ ہوگئی تھی۔

"کیا مصیبت ہے؟" وہ بڑبڑاتی ہوئی برآمدے کی سیڑھیاں طے کرنے لگی۔

صدر دروازے پر قفل نظر آیا۔ آگے بڑھ کر اُس نے کنجی لگائی۔ قفل کھول کر دروازے کو دھکا دیا۔ نیم تاریک سی راہداری نظر آئی.... اندر داخل ہوتے ہی بائیں جانب سوئچ بورڈ نظر آیا جس پر صرف ایک ہی سوئچ تھا۔

سوئچ آن کرنے پر راہداری روشن ہوگئی اور وہ دروازے کو بند کئے بغیر آگے بڑھتی رہی۔

عمارت صرف چار کمروں پر مشتمل تھی۔ روزانہ زندگی کے سارے لوازم سے متعلق چیزیں وہاں موجود تھیں۔ کچن میں پہنچ کر ریفریجریٹر کھولا تھا تو اُس میں دودھ کی بوتلیں تک مل گئی تھیں۔

پوری عمارت کا جائزہ لینے کے بعد وہ سوچنے لگی کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ وقت کاٹنے کے لئے کچھ تو ہونا ہی چاہئے۔

وہ پھر باورچی خانے میں واپس آئی۔ اُس نے سوچا سب کچھ موجود ہے تو پھر چائے ہی کیوں نہ بنائی جائے۔ بجلی کا چولہا جلا کر پانی سے بھری ہوئی کیتلی اُس پر رکھ دی۔

کچھ دیر بعد ایسا محسوس ہوا جیسے اُس نے کسی قسم کی آواز سنی ہو۔ وہ ہمہ تن گوش ہوگئی۔ دوسری بار یقین ہوگیا کہ وہ قدموں کی چاپ ہی تھی اور زیادہ دور نہیں معلوم ہوتی تھی۔ غالباً قریب ہی کے کمرے میں کوئی چل رہا تھا۔ وہ تیزی سے باورچی خانے سے نکلی اور اُسی کمرے کی طرف چل پڑی۔

اب آواز تو نہیں سنائی دے رہی تھی لیکن چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ یہاں اُس کے علاوہ

بھی کوئی موجود ہے.... اُس کمرے میں کوئی بھی نہ ملا۔ پھر اُس نے دوسرے تین کمرے بھی چھان مارے لیکن لاحاصل۔

کچھ دیر بعد وہ اُسے واہمہ سمجھ لینے پر مجبور ہوگئی۔ پھر خیال آیا کہ پانی تو ابلنے لگا ہوگا اس لئے دوبارہ باورچی خانے کی طرف واپس آنا پڑا۔ ابلتے ہوئے پانی میں چائے کی پتی ڈالی اور پھر کان کسی آہٹ کی طرف لگا دیئے۔

جلد ہی وہ پھر کمروں کی جانب واپس آئی۔ چائے کا کپ بھی ساتھ ہی لیتی آئی تھی۔ اُسے میز پر رکھ کر بیٹھ گئی۔ بائیں جانب کتابوں کی الماری تھی جس میں خوش نما گٹ اَپ والی کتابیں چنی ہوئی تھیں۔ ہاتھ بڑھا کر ایک کتاب نکالی اور اُسکی ورق گردانی کرتی ہوئی چائے کی چسکیاں لیتی رہی۔

دفعتاً ایسا محسوس ہوا جیسے کتاب کے حروف کانپنے لگے ہوں۔ رفتہ رفتہ سطریں آپس میں گڈمڈ ہونے لگیں اور اس نے بوکھلا کر چائے کا کپ میز پر رکھ دیا۔ اور اب اُسے محسوس ہوا کہ اس کا سر چکرا رہا ہے۔ کتاب بھی ہاتھ سے چھوٹ پڑی اور دوبارہ نہیں اٹھائی جاسکی اس کا سر صوفے کی پشت سے جالگا تھا۔ پلکیں جھکتی چلی گئیں.... وہ کوشش کررہی تھی کہ آنکھیں کھولے رکھے مگر ممکن نہ ہوا۔

پھر وہ گردوپیش سے بے خبر ہوگئی۔ پتہ نہیں کتنی دیر تک اس حال میں رہی تھی۔ بہرحال دوبارہ سر اٹھانے کے قابل ہوئی تو اندازہ کرنا دشوار تھا کہ کتنی دیر تک بے خبری کے عالم میں رہی ہے؟ لیکن یہ وہ کمرہ تو ہرگز نہیں تھا اگر ہوتا تو بائیں جانب والی کتابوں کی الماری ضرور دکھائی دیتی۔ وہ صوفہ سیٹ بھی نہیں تھا۔ وہ میز کہاں گئی جس پر اُس نے چائے کی پیالی رکھی تھی۔

آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگی اور پھر یک بیک اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ اس کمرے میں تو دروازہ بھی نہیں تھا۔ چاروں طرف سپاٹ دیواریں کھڑی تھیں اور سر پر سادہ سی چھت تھی۔ کہیں کوئی روشندان بھی نہ دکھائی دیا۔

کمرہ کافی کشادہ تھا لیکن اس کی ساخت کی بناء پر دم گھٹنے لگا تھا۔ اس نے دیوار کو چھوتے ہوئے پورے کمرے کا چکر لگایا۔ دیواریں بھی سخت تھیں۔ انہیں ٹھونک بجا کر بھی دیکھا لیکن وہ لکڑی یا ہارڈبورڈ کی نہ ثابت ہوسکیں۔

اوہ.... تو کیا یہ اس کا مقبرہ ہے؟ اس نے سوچا اور پھر قریب تھا کہ اس کے حلق سے ہسٹریائی انداز کی چیخیں نکلنے لگیں تیز قسم کی سرسراہٹ سنائی دی اور سامنے والی دیوار درمیان سے شق ہو کر ادھر اُدھر سمٹی چلی گئی۔ اب اُس کے سامنے ایک بہت بڑا ہال تھا۔

ہال کے اختتام پر اسٹیج سا نظر آیا جس پر صرف ایک آدمی کھڑا دکھائی دے رہا تھا۔ دبلا پتلا لمبا سا آدمی.... فاصلہ زیادہ ہونے کی بناء پر اُس کے خدوخال نظر میں واضح نہیں تھے۔

وہ ساکت و سامت کھڑی رہی۔ دفعتاً لمبے آدمی نے ہاتھ ہلا کر اُسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا اور غیر ارادی طور پر اُس کے قدم اُسی جانب اٹھتے رہے۔

کچھ آگے بڑھنے پر لمبے آدمی کا چہرہ جانا پہچانا سا معلوم ہونے لگا۔ اور پھر جہاں سے اُس نے اُسے پوری طرح پہچانا بس وہیں کی ہو کر رہ گئی۔

کوشش کے باوجود بھی قدم آگے نہیں بڑھ رہے تھے۔

یہ تو.... یہ تو وہی ہے جس نے پروفیسر راشد کے کاغذات نکال لے جانے کی کوشش کی تھی؟ وہی جو خود اُسے اٹھالے گیا تھا اور ایسی بیہودہ حرکتیں کی تھیں کہ وہ اُس کی طرف دیکھ بھی نہیں سکتی تھی۔

پہلے عمران نے اُسے اُس کا نام داور بتایا تھا لیکن پھر یہی داور پروفیسر راشد کے تہہ خانوں میں کسی دوسرے روپ میں نظر آیا تھا۔ لیکن صورت سے تو ہر حال میں حرام زدگی ہی ظاہر ہوتی تھی۔

"آؤ.... آؤ....!" دفعتاً اُس نے پیار بھرے لہجے میں اُسے مخاطب کیا۔ "ڈرو نہیں۔ میں ایسا مرد نہیں ہوں جس سے عورتیں خوف کھائیں۔ بعض اوقات صبح سے شام تک عورتوں کی جوتیاں کھاتا رہتا ہوں۔"

وہ پھر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلی اور خود اُسے اپنی طرف آتے دیکھا۔

قریب پہنچ کر وہ اُسی طرح خادمانہ انداز میں جھکا تھا۔ جیسے ساجدہ کا زر خرید غلام ہو۔

"آخر ملکہ عالیہ اس خادم سے خفا کیوں ہیں۔" اُس نے گڑگڑا کر کہا۔

ساجدہ سوچ رہی تھی یوں کام نہ بنے گا۔ اگر تم ہچکچاتی رہیں تو اپنا سب کچھ کھو بیٹھو گی؟

وہ بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی اور خالص شاہانہ لہجے میں بولی۔ "ہمیں یاد نہیں کہ ہم نے تجھے کہاں دیکھا تھا۔"

"تلوے کی خاک پر کس کی نظر رہتی ہے علیا حضرت۔" وہ کم بخت بھی ڈائیلاگ ہی بولنے پر تل گیا تھا۔

"حاضر جوابی پر ہم خوش ہوئے۔ لیکن فی الحال کنگال ہیں ورنہ انعام ضرور دیتے ہیں۔"

"خزانہ حسن سے کچھ عطا ہو جائے۔"

"یہ لو.... تھو....!" ساجدہ نے اُس کے منہ پر تھوک دیا۔

اس نے بڑے اطمینان سے رومال نکال کر چہرہ صاف کیا اور بے حد سنجیدگی سے بولا۔ "میں اس کا مستحق تو نہیں تھا لیکن بڑی قدر افزائی ہوئی۔ علیا حضرت۔"

"ہمارے سینڈل بھی بہت مضبوط ہیں۔"

"جو مزاج حسن میں آئے۔" اُس نے سر جھکا کر کہا۔

"بکواس بند کرو۔" ساجدہ شیر ہوتی جا رہی تھی۔

"پھر علیا حضرت کیا ساعت فرمانا پسند فرمائیں گی۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ ایسے بیہودہ لوگ کیسے انجمن میں بار پاتے ہیں۔"

"میں خود ہی ایک علیحدہ انجمن ہوں علیا حضرت۔ آپکی انجمن سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

"لیکن میں یہاں انجمن ہی کے ایک فرد کے ہمراہ آئی تھی۔"

"کہیں اور گئی ہوں گی.... یہاں تو آپ نے محض اس خادم کی کوششوں کی بناء پر قدم رنجہ فرمایا ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"حضور جس کی آہٹ پر باورچی خانے سے نکل آئی تھیں وہ یہی خادم تھا۔"

"اوہ سمجھی۔" وہ دانت پیس کر بولی۔ "پھر جب میں کمرے میں پہنچی تو تم دوسری طرف سے باورچی خانے میں جا پہنچے تھے اور چائے کے پانی میں کوئی خواب آور چیز ڈال دی تھی۔"

"چائے کے پانی میں نہیں بلکہ دودھ کی بوتلوں میں ڈالی تھی۔"

"کیوں....؟"

"اس لئے کہ علیا حضرت کو یہاں لانا چاہتا تھا۔"

"تو پھر ریوالور سے فائر بھی تمہیں نے کیا ہوگا۔"

"اس کہانی کے سننے کا اشتیاق ضرور ہے کیا آپ اسے دہرانا پسند فرمائیں گی۔"

"مت بکواس کرو۔ تم نے ہی فائر کیا ہوگا ورنہ عمران کیا جانے کہ میں اُسے دھوکا دے رہی ہوں۔"

"ایک بات ہے علیا حضرت! عمران کسی عورت پر فائر نہیں کر سکتا۔"

"کیا مطلب۔"

"وہ کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔"

"پھر وہ کون تھا....؟"

"ہو سکتا ہے عمران ہی رہا ہو۔"

"کیسی بے تکی باتیں کر رہے ہو۔ کر بھی سکتا ہے.... نہیں بھی کر سکتا؟"

"حضور کو مار ڈالنے کی نیت سے اس نے فائر نہ کیا ہو گا۔"

"پھر وہی بکواس۔ اُس نے مجھے وہاں ملنے کے لئے بلایا تھا۔"

"ہو سکتا ہے؟" اُس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"تو پھر....؟"

"بھلا میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ حضور عمران کی وفادار ہیں یا اپنی انجمن کی۔"

"اچھا تو پھر....!"

"میں تو حضور کو اس انجمن کی انڈر سیکریٹری بنانا چاہتا ہوں۔" اس نے اپنی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"شٹ اپ....!"

"خوبصورت عورتوں کی ڈانٹ پھٹکار بھی میرے لئے لذت آگیں ہوتی ہے۔"

"حد سے زیادہ نہ بڑھو داور....!"

"داور نہیں سنگ ہی۔ میرا نام سنگ ہی ہے.... میں چینی ہوں۔"

"تم کوئی بھی ہو بکواس بند کرو اور مجھے وہیں پہنچا دو جہاں مجھے ہونا چاہئے تھا۔"

"تمہیں تو یہیں ہونا چاہئے تھا۔" سنگ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اور تم یہیں ہو۔ ہمیشہ یہیں رہو گی۔"

ساجدہ کچھ نہ بولی۔ اُسے قہر آلود نظروں سے گھورے جا رہی تھی اور سنگ کے ہونٹوں پر ہڈیاں جھلسانے والی مسکراہٹ تھی۔

"میں اپنی محبوباؤں کی بے حد عزت کرتا ہوں۔"

ساجدہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُس سے کس طرح پیش آئے۔ اس سے زیادہ ڈھیٹ آدمی آج تک اُس کی نظر سے نہیں گذرا تھا۔ وہ خود بہت زیادہ اسٹریٹ فارورڈ تھی لیکن اس وقت کٹی جارہی تھی۔

"تو پھر کیا فیصلہ کیا علیا حضرت نے....؟"

"خاموش رہو۔"

"چلئے یہ بھی سہی....!" وہ اُس کے پیروں کے قریب فرش پر بیٹھتا ہوا بولا اور وہ بوکھلا کر

پیچھے ہٹ گئی۔

اب دونوں ہی خاموش تھے۔ سنگ اُس کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کرتا اور وہ نظریں چراتی.... آخر وہ کچھ کہے بغیر اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا پھر اسٹیج کی طرف چلا گیا۔

ساجدہ وہیں کھڑی رہی۔ عجیب پوزیشن میں تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ دفعتاً ہلکی سی آواز میں ساز بجنے لگا اور یہ آوازیں چاروں طرف سے آتی محسوس ہوتی تھیں۔ ہو سکتا تھا دیواروں کے اندر مائیک فٹ رہے ہوں۔

سنگ اسٹیج پر کھڑا سازوں کی آواز پر تھرک رہا تھا۔ اُس کے ہاتھوں میں بوتل اور گلاس تھے.... وہ اسی طرح تھرکتا اور ناچتا ہوا اسٹیج سے اتر کر اُس کی طرف بڑھنے لگا۔

قریب آکر بولا۔ "بہترین.... کئی برسوں کی پرانی پرتگالی شراب ہے۔ تم بھی پیئو اور مجھے بھی پلاؤ.... اسی کا نام زندگی ہے.... لو انڈیلو.... پیئو.... پلاؤ...."

"پیچھے ہٹو...." ساجدہ قریب پڑی ہوئی ایک کرسی اٹھاتی ہوئی بولی "ہٹو.... ورنہ سر پھوڑ دوں گی۔"

"چلو یہ بھی برداشت کر لوں گا اگر مجھ سے محبت کرنے پر آمادہ ہو جاؤ۔"

"بہن نہیں ہے تمہاری کوئی....!" ساجدہ نے جل کر پوچھا۔

"صرف ماں تھی۔" سنگ نے مغموم لہجے میں کہا۔ "وہ بھی عرصہ ہوا مر چکی ہے۔"

"پیچھے ہٹو سور....!" ساجدہ نے کرسی گھمائی کیونکہ وہ آہستہ آہستہ اُس سے قریب ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ سنگ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور پھر آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا کر بولا۔ "تم عمران کو چاہتی ہو۔"

"ہاں تو پھر.... تجھ سے کیا۔"

"میں بہت جلد اُسے مار ڈالوں گا۔"

"تو میرا کیا بگڑے گا۔" ساجدہ نے سنبھل کر کہا۔ بے اختیاری میں وہ عمران سے اپنی محبت کا اعتراف کر بیٹھی تھی۔ حالانکہ ان لوگوں کے سامنے تو اُسے اُس کی مخالفت ہی کا بہروپ بھرنا تھا۔

"تم اُس کے لئے روؤ گی.... تڑپو گی۔"

"میں تو اُس کی ہڈیاں اپنے دانتوں سے چبانا چاہتی ہوں کیونکہ اُسی کی بدولت اس حال کو پہنچی ہوں۔"

"تو پھر آؤ.... میرا کلیجہ ٹھنڈا کرو۔" سنگ ہی نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا۔

"میں تمہیں ساری دنیا کی ملکہ بنادوں گا۔"

"میں تمہارا بھی منہ کچل دوں گی سمجھے۔"

"دنیا میں کسی مرد کی ہو بھی سکو گی یا نہیں۔"

"نہیں.... کیونکہ میں بھی مرد ہی ہوں۔"

"نہیں چلے گی۔" وہ انگلی اٹھا کر بولا۔ "تمہاری پوری ہسٹری سے واقف ہوں۔"

"ہوا کرو.... لیکن تم جیسے چمگادڑ شکل کے مردوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"ادھر دیکھو....!" سنگ نے آہستہ سے کہا۔

اس نے اُسکی طرف دیکھا اور کرسی پھینک ماری۔ اور اب تو اس کے منہ سے بے تکی گالیوں کا طوفان امنڈ رہا تھا۔ سنگ ہی دور کھڑا ہنستا رہا۔ لیکن ساجدہ اُس کی طرف دیکھ نہیں رہی تھی۔

پولیس کی پوچھ گچھ کے بعد بھی صبیحہ کو کافی دیر تک بور ہونا پڑا تھا ماں اور نانی کی ڈانٹ پھٹکار قریب قریب دو گھنٹے تک جاری رہی۔

سر شام ہی وہ اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔ رات کا کھانا بھی نہ کھایا اور پھر کسی نے پرواہ کب کی تھی۔ چھوٹے منہ پوچھا بھی نہیں تھا۔

وہ بستر پر پڑی اُس پُراسرار آدمی کے متعلق سوچے جا رہی تھی۔ اُس کے اس طرح جانے سے اُسے گہرا صدمہ پہنچا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی اب کیا ملاقات ہو سکے گی کبھی.... اب اس الزام کی بناء پر وہ خود ہی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔ لیکن وہ یہیں کیوں رہ پڑا تھا۔ آخر اسی بنگلے کے سامنے کیوں کھڑا پایا گیا تھا اور پھر کار کی ڈکے میں چھپ کر اُس کے ساتھ اُس مقام تک کیوں گیا تھا جہاں سہیل کی پٹائی ہوئی تھی۔

پھر اس بلیک میلنگ اسٹف کا خیال آیا اور وہ پہلے سے بھی زیادہ بوریت محسوس کرنے لگی۔

اختر نے تو پتہ لگایا تھا کہ وہ خط اس کے فائل میں کس نے رکھا تھا لیکن اگر اب کچھ ہوا تو کیا ہوگا۔ آخر وہ بلیک میلر اُس سے کیا چاہتا ہے؟

کچھ دیر تک وہ بلیک میلر ہی کے متعلق سوچتی رہی اور پھر خیالات کی رو دوبارہ ڈرائیور کی طرف مڑ گئی۔ اس کا سامان کوٹھری ہی میں پڑا رہ گیا تھا۔ کیا اُس کے سامان میں کوئی ایسی چیز مل جائے گی جو اُس کی اصلیت پر روشنی ڈال سکے؟ اوہ کیوں نہ اُس کا سامان دیکھا جائے۔ پتہ نہیں

کیوں پولیس والوں نے اُس کا سامان دیکھنے کے لئے نہیں کہا تھا۔ صرف پوچھ گچھ کر کے چلے گئے تھے۔ ممکن ہے وہ پھر آئیں.... اور سامان کا بھی مطالبہ کریں۔

سامان ہی کیا تھا ایک پرانا سوٹ کیس اور ایک میلا سا بستر۔ پچھلی رات اُن نقاب پوشوں نے بھی اُس کے سامان کی تلاشی لی تھی۔

اوہ.... اختر.... اختر.... اگر واقعی اُس کا نام اختر ہی تھا تو اس اتفاق کو کیا کہا جائے۔ میرے خدا کیا ہونے والا ہے۔

گھڑی نے گیارہ بجائے اور وہ بستر سے اٹھ گئی۔ آج تو نہ بھوک یاد رہی تھی اور نہ پیاس۔ اس کا خیال تھا کہ گھر کے سب لوگ سو گئے ہوں گے۔

خیال غلط بھی نہیں تھا۔ وہ دبے پاؤں اپنے کمرے سے نکلی اور احتیاط سے چلتی ہوئی صدر دروازے تک آئی۔ بہ آہستگی دروازہ کھولا اور برآمدے سے روش میں اتر آئی۔

کچھ دیر بعد مالی کی کوٹھری کا دروازہ کھولا.... اور اندر داخل ہو کر دروازہ بند کرنے کے بعد ٹارچ روشن کی۔

پھر بدقت تمام اپنے حلق سے نکلنے والی آواز کو روک سکی تھی کیونکہ وہ تو چارپائی پر پڑا بے خبر سو رہا تھا۔

لیکن اس وقت اپنی اصلی صورت میں تھا۔ تنفر پیدا کرنے والی مونچھیں چہرے پر نہیں تھیں.... وہ دم بخود کھڑی اسی کو دیکھتی رہی۔ اس کا خیال رکھا تھا کہ ٹارچ کی روشنی براہ راست آنکھوں پر نہ پڑنے پائے۔

کتنی معصومیت تھی چہرے پر جیسے کوئی شریر بچہ تھک کر سو گیا ہو۔ اب اگر ایسے میں کوئی آ کر گردن ناپ جائے تو.... مگر واہ ری دلیری.... کتنے مزے میں آ کر سوئے ہیں حضرت۔ ایسا لگتا ہے جیسے یہ ان کے باپ کی جاگیر ہو۔ اس کا بھی دھیان نہ آیا کہ کس حال میں فرار ہوئے تھے۔

اچھا جی.... ابھی قدر و عافیت معلوم ہو جائے گی۔

رگ شرارت پھڑک اٹھی تھی۔ ٹارچ بجھا کر بغل میں دبائی اور گھٹنوں کے بل چارپائی کے نیچے گھس گئی۔ پھر اچھل کر نیچے سے ٹکر مارنے ہی والی تھی کہ اوپر سے آواز آئی۔ "میں مر چکا ہوں۔ اس لئے کیا فائدہ۔"

"مر بھی چکو کسی صورت سے....!" وہ جھلا کر بولی اور چارپائی کے نیچے سے نکل آئی۔

شرارت سے قبل والے لذت انگیز ہیجان پر اوس پڑ چکی تھی۔

وہ ویسے ہی چت لیٹا رہا۔ صبیحہ نے پھر ٹارچ روشن کر لی۔

"نہیں اسے بجھا دو۔" اُس نے کہا۔ "ورنہ اگر کوئی روشنی دیکھ کر ادھر آ گیا تو؟"

"تم نے دوبارہ یہاں آنے کی جرأت کیسے کی؟"

"پھر کہاں جاتا.... رات بسر کرنے کے لئے چھت ضروری ہوتی ہے۔"

"اگر میں پولیس کو اطلاع دے دوں تو۔"

"جتنی دیر اطلاع دینے میں لگے گی میں سان فرانسسکو جا پہنچوں گا۔"

"میں پوچھتی ہوں تم آئے کیوں....؟"

"دن کے اجالے میں تم مجھے یہاں نہ پاؤ گی۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد کہا۔ "آخر تم نے کون سا جرم کیا ہے جس کی بناء پر پولیس تمہیں گھیرتی پھر رہی ہے۔"

"اس کا خیال ہے کہ میری شادی بین الاقوامی تعلقات پر اثر انداز ہو گی لیکن میں فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ خود میں ابھی تک ایک یوزلس نان سنس آرگنائزیشن یعنی.... یو۔این۔اُو ہوں۔"

"بیکار باتیں نہ کرو ٹھیک سے بتاؤ۔"

"اچھا تو سنجیدگی سے سنو۔" وہ اٹھ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "میں عرصہ سے اُس بلیک میلر کو تلاش کر کے قتل کر دینے کی فکر میں ہوں۔ اس نے بہتیری زندگیوں کو جہنم بنا رکھا ہے۔"

"وہ.... وہ.... یعنی کہ وہ....؟"

"ہاں....! وہی جس نے تمہیں لکھا تھا....؟"

"لیکن .... لیکن .... تم سیدھے یہیں کیوں چلے آئے۔ کیا تمہیں معلوم تھا کہ مستقبل قریب میں بلیک میل کی جانے والی ہوں۔"

"یہ محض اتفاق تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ سامنے والی عمارت کا اُس بلیک میلر سے تعلق ہے اُس رات بھی اُس کی تاک میں تھا کہ تمہارے ملازموں نے بے خبری میں چادر ڈال کر اٹھا لیا۔"

"اُوہ.... تو تم اُسی عمارت کی بات کر رہے ہو جس میں سہیل رہتا تھا۔"

"ہاں اُسی عمارت کی۔"

"عجیب اتفاق ہے۔ عجیب اتفاق ہے۔" وہ مضطربانہ انداز میں بڑبڑائی۔

"اور اب میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم اس سلسلے میں میری کافی مدد کر سکتی ہو۔"

"میں کیا مدد کر سکوں گی۔"

"چونکہ اس عمارت کا ایک فرد تمہارا تعاقب کرتا رہا تھا۔ اس لئے تم نے اس عمارت میں خاص طور پر دلچسپی لی ہو گی۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"کیا سہیل وہاں تنہا رہتا تھا۔"

"نہیں.... اکثر میں نے دوسروں کو بھی دیکھا ہے لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی کہ وہاں مستقل طور پر رہتے تھے یا محض ان کی آمد و رفت تھی۔"

"کبھی کوئی دبلا پتلا اور لمبا سا آدمی بھی دکھائی دیا تھا جسکے چہرے کی بناوٹ تمہیں عجیب لگی ہو۔"

"میں نے قریب سے تو کسی کو بھی نہیں دیکھا۔"

"غالباً یقین کے ساتھ یہ بھی نہ بتا سکو گی کہ سہیل یہاں تنہا ہی رہتا تھا۔"

"یہی بات ہے۔ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی۔"

"یہ کس نے بتایا تھا کہ وہ ڈویژنل کمشنر کا سالا ہے۔"

"پاپا نے بتایا تھا.... وہ خود ہی ہاتھ اٹھا کر اُسے سلام کیا کرتے تھے۔"

"تم نے اپنے پاپا کو بھی بتایا ہو گا کہ وہ تمہارا تعاقب کیا کرتا ہے۔"

"بتا دیتی تو پھر کبھی گاڑی نہ لے جانے پاتی۔ اسلئے کسی سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔"

"اچھی بات ہے۔ میری سب سے بڑی مدد یہی ہو گی کہ مجھے اسی کوٹھری میں راتیں بسر کرنے دو۔"

"میرا کیا جاتا ہے.... رہو لیکن اگر پکڑے گئے تو میں اس سے اپنی لاعلمی ہی ظاہر کروں گی۔"

"بالکل.... بالکل۔"

"لیکن پولیس نے تمہیں کیوں گھیرنے کی کوشش کی تھی۔"

"وہ بلیک میلر جانتا ہے کہ میں اُس کی تاک میں ہوں۔ پچھلی رات اُسی کے آدمیوں نے مجھے گھیرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن بس نہیں چلا تھا۔ لہٰذا آج انہوں نے پولیس کی آڑ لی۔"

"وہ خود ہی مجرم ہوتے ہوئے بھی پولیس کے پاس گئے تھے؟"

"جب تک کسی کے جرائم منظر عام پر نہ آجائیں قانون کی نظر میں وہ محترم ہی رہتا ہے۔ انہوں نے مجھ پر کوئی الزام رکھ کر....!"

"آہاں....!" وہ بات کاٹ کر جلدی سے بولی۔ "پولیس نے تم پر کسی ڈکیتی میں حصہ لینے کا

الزام عائد کیا ہے۔"

"کچھ بھی کہہ سکتے ہیں.... میں صفائی پیش کرنے سے تو رہا۔"

وہ چند لمحے خاموش رہ کر بولی۔ "تمہیں بھوک تو نہیں لگی۔"

"نہیں آج بالکل ٹھیک ہوں۔"

"ایک بات بتاؤ.... بتاؤ گے؟"

"پوچھو....!"

"صورت سے تو بالکل احمق معلوم ہوتے ہو۔ لیکن یہ اتنے سارے داؤں پیچ کہاں سے آ گئے تمہیں۔"

"ویسے بھی احمق ہی ہوں۔ اب یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے کہ خواہ مخواہ اتنا بڑا خطرہ مول لے بیٹھا ہوں۔"

"تم حقیقتاً کون ہو اور کیا کرتے ہو؟"

"دوسروں کے پھٹے میں ٹانگ اڑانا میری ہابی ہے محض دلچسپی کی خاطر کنویں میں بھی چھلانگ لگا سکتا ہوں۔"

"تم بتانا نہیں چاہتے اپنے متعلق۔ کیا میں کسی سے کہتی پھروں گی۔"

"میں کیا بتاؤں اپنے بارے میں۔ میں صرف میں ہوں۔ اپنے علاوہ دنیا میں کوئی میرا نہیں ہے۔"

"ماں باپ....!"

"ضرور ہوں گے ورنہ میں پھر کہاں ہوتا؟"

"میں پوچھ رہی ہوں زندہ ہیں یا مر گئے....!" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"زندہ ہیں۔"

"کیا انہیں تمہاری پرواہ نہیں ہے۔"

"پرواہ تو ہے۔ لیکن وہ بہت زیادہ شریف لوگ ہیں۔ میری طرح کسی کو قتل نہیں کر سکتے۔"

"تم قاتل بھی ہو۔"

"ضرورتاً قتل بھی کر دیتا ہوں۔ لیکن ابھی تک میرے ہاتھوں کوئی بے گناہ نہیں مرا۔"

"تمہاری صورت دیکھ کر کوئی تمہیں قاتل نہیں کہہ سکتا۔"

"اور یہی چیز میرے لئے آسانیاں پیدا کرتی ہے۔"

"تم پڑھے لکھے بھی ہو۔"

"کہہ تو دیا کہ آکسفورڈ سے سائنس میں ڈاکٹریٹ لی تھی۔ ویسے فلسفہ بھی بہت پڑھا ہے۔ آج کل تم کسے پڑھ رہی ہو۔"

"ہیگل کو....!"

"مجھے نٹشے پسند ہے۔"

"کیوں نہ پسند ہو۔" صبیحہ نے کہا اور سوچنے لگی کہ اب اُسے کیا پوچھنا چاہئے۔ آخر اُس نے کہا۔ "اگر پولیس نے تمہارے سامان کا مطالبہ کیا تو....!"

"شوق سے حوالے کر دینا۔"

"کوئی قیمتی چیز ہو تو نکال لے جاؤ۔"

"زندگی سے زیادہ قیمتی چیز اور کیا ہو گی۔"

"کیا میں ٹارچ روشن کر لوں۔"

"کیوں....؟"

"تت.... تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔" اُس نے کہا اور پھر جھینپے ہوئے انداز میں ہنس پڑی۔

وہ کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد صبیحہ نے پوچھا۔ "تو تم جاگ رہے تھے۔"

"ہرگز نہیں.... بے خبر سو رہا تھا۔"

"میں نہیں مان سکتی۔ کیونکہ میری دانست میں.... چارپائی میں ہلکا سا بھی دھکا نہیں لگا تھا۔"

"لیکن میری آنکھ کھل گئی تھی اور فوری طور پر خیال آیا تھا کہ تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

"کیوں کیا ان لوگوں میں سے کوئی نہیں ہو سکتا تھا جو پچھلی رات آئے تھے۔"

"ہرگز نہیں.... وہ سوچ بھی نہیں سکیں گے کہ میں پھر ادھر کا رخ کروں گا۔"

"سامان لینے آ سکتے ہیں۔"

"لے جانا ہوتا تو کل ہی لے جاتے۔"

"تو تمہاری اس منطق نے تمہیں مطمئن کر دیا تھا اور تم سیدھے یہیں چلے آئے۔"

"میرے اندازے عموماً غلط نہیں ہوا کرتے۔"

"اب کیا کرو گے۔"

"پھر سو جاؤں گا.... لہٰذا اب سو ہی جانے دو۔"

"بھگا رہے ہو....!"

"ابھی شرافت سے کہہ رہا ہوں پھر کاٹنے دوڑوں گا۔"

"اچھی بات ہے میں جا رہی ہوں۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"شکریہ۔"

صفدر زیرو نائین کے ٹرانسمیٹر پر کوڈ ورڈز میں کہہ رہا تھا۔ "پبلک گارڈن سے ایک آدمی اُسے لے گیا تھا اور وہ اسی عمارت میں پہنچا دی گئی جہاں سہیل رہتا تھا۔ مکان مقفل تھا۔ پہنچانے والا بھی کچھ دیر بعد وہاں سے چلا گیا تھا۔ اب وہ وہاں تنہا ہے۔ نگرانی ہو رہی ہے.... اوور اینڈ آل۔"

سوئچ آف کر کے وہ جوزف کی طرف مڑا، جو قریب ہی دانت نکالے کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے؟"

"وہ کتیا کی بچی مجھے اپنے ساتھ کہیں لے جانا چاہتی ہے۔" جوزف نے خشک لہجے میں کہا۔

صفدر نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "ساڑھے بارہ بجے رات کو۔"

"ہاں....!"

"کہاں لے جائے گی۔"

"خدا جانے کہتی ہے سفید سوٹ پہن کر چلنا۔ مجھے تماشا بنانا چاہتی ہے۔"

"اندھیرے میں بھی چمکو گے سفید سوٹ میں۔"

"میں تو ہرگز نہیں جاؤں گا۔"

"تمہارے باس کا حکم ہے۔"

"میں کیسے یقین کرلوں۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔"

"دیکھو مسٹر میں ابھی تک محض تمہارے کہنے سے اُسے منہ لگاتا رہا ہوں۔ اَب وہ اس قدر آگے بڑھ گئی ہے کہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہے.... کیا یہ اچھی بات ہے۔"

"میں نے اپنی مرضی سے تمہیں اس پر آمادہ نہیں کیا تھا۔ تمہارے باس کا حکم تھا۔"

"اُو میرے باپ....!" جوزف نے دانت پیس کر اپنی پیشانی پر مکا مارا۔

"تم ڈرتے ہو کیا اُس سے۔" صفدر نے چھیڑنے کے سے انداز میں پوچھا۔

"میں ڈرتا ہوں.... جوزف....!" وہ چھاتی ٹھونک کر دہاڑا۔

"یقیناً یہی بات ہے۔"

"ہاں میں ڈرتا ہوں۔" جوزف نہ جانے کیوں مضمحل ہو گیا۔

"ڈرتے ہو نا....!"

"یہ بات نہیں ہے۔" وہ چیخنے لگا۔ "مجھے عورتوں کی مسکراہٹ سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ جب وہ خاص انداز میں مسکراتی ہیں اور آنکھیں اُس بلی کی آنکھوں سے مشابہ ہوتی ہیں جسے بیداری میں چھچھڑوں کے خواب آ رہے ہوں۔"

"تمہیں جانا پڑے گا.... تم جاؤ گے۔ سفید سوٹ میں.... تمہارے باس کا حکم ہے۔ نمک حرامی نہ کرو۔"

یک بیک جوزف کے چہرے پر گہری سنجیدگی نظر آنے لگی پھر ہونٹ کانپے اور صرف اتنا نکلا.... "نمک حرامی....!"

اور وہ اپنا سر پیٹ پیٹ کر کہنے لگا۔ "جاؤں گا.... جاؤں گا.... جاؤں گا۔"

اور یہی رٹتا ہوا کمرے سے نکل بھی گیا۔ آواز بے بسی اور جھلاہٹ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

صفدر نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کر کے فریکوینسی تبدیل کی اور کوڈ ورڈز میں بولا۔ "ہیلو ہیٹو.... ہیلو ہیٹو.... نگرانی کرنے والوں کو ہدایت دی جائے کہ جوزف کا تعاقب ہرگز نہ کیا جائے.... اوور اینڈ آل....!"

سفید سوٹ میں وہ اتنا نمایاں ہوا کہ تماشہ بن کر رہ گیا.... ریٹا اُس کے ساتھ تھی اور وہ ہوٹل سے نکل کر فٹ پاتھ پر رک گئے تھے۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس وقت مجھے کہاں لے جانا چاہتی ہو۔" جوزف نے کنکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بہت لمبا بزنس ہے.... تم فائدے ہی میں رہو گے۔"

"کیسا بزنس....؟"

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔ تم مرے کیوں جا رہے ہو میں تمہیں اتنا ڈرپوک نہیں سمجھتی تھی۔"

"مجھے غصہ نہ دلاؤ۔" جوزف غرایا۔ "اب کچھ نہ پوچھوں گا۔"

"شاباش.... میں تمہیں سکھاؤں گی کہ عورتوں کے ساتھ کیسے رہا جاتا ہے۔"

"وہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"کیا جانتے ہو.....!"

"چمڑے کا چابک بھی ساتھ ہوتا ہے۔"

"جنگلی.....!"

"جنگلی ہونا ہمارا طرہ امتیاز ہے.....!" جوزف غرایا۔

"اب آؤ.....!" ریٹا ایک طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"میں سمجھا تھا تم شائد ٹیکسی کا انتظار کر رہی ہو۔"

ریٹا کچھ نہ بولی۔ جوزف اُس کے ساتھ چلتا رہا۔

ایک موڑ پر وہ پھر رک گئی اور دوسرے ہی لمحے میں ایک لمبی سی کار سامنے آ کر فٹ پاتھ سے آلگی۔

"چلو بیٹھو.....!" ریٹا نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

جوزف نے چپ چاپ تعمیل کی.... ریٹا نے اُس کے برابر بیٹھتے ہوئے دروازہ بند کر دیا اور کار چل پڑی۔

"یہ لو.....!" ریٹا نے چمڑے کا ایک پرس جوزف کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسے اپنے پاس رکھ لو۔"

"اس میں کیا ہے۔" جوزف نے پوچھا۔

"جواہرات.....!" ریٹا آہستہ سے بولی۔

"تو پھر میں کیوں رکھ لوں.....؟"

"میں دراصل جواہرات کی دلالی کرتی ہوں۔"

"ضرور کرو.... لیکن میں.....!"

"تم سمجھے نہیں.... میں تمہیں ان جواہرات کا مالک ظاہر کروں گی.... تم نائیجیریا کے ایک تاجر کا رول ادا کرو گے۔"

"لیکن میں ایسا کیوں کروں گا.....؟"

"یہ جواہرات میری ملکیت ہیں۔ جس آدمی کے پاس تمہیں لے چل رہی ہوں میرا پرانا گاہک ہے۔ لیکن اگر اُسے شبہ بھی ہو گیا کہ میں ان جواہرات کی مالک ہوں تو وہ انہیں کم سے کم قیمت پر خریدنے کی کوشش کرے گا۔"

"اچھا تو پھر.....؟"

"میں اُس کی احسان مند بھی ہوں۔ اس لئے اپنی بات پر اڑی نہ رہ سکوں گی۔"

"اچھا تو پھر.....؟"

"تمہاری کھوپڑی میں عقل بھی ہے یا نہیں۔"

"ہے کیوں نہیں۔ لیکن اُس ساخت کی نہیں جس میں کوئی عورت فتور کا بیج بو سکے۔"

"تو اس میں مصیبت کیا ہے کہ میں تمہیں جواہرات کا مالک ظاہر کروں تم اپنا کمیشن لے لینا۔"

"اُس کی شرح کیا ہو گی۔"

"چلو اچھا ہے.... تم نے پوچھ لیا۔ ورنہ بعد میں جھگڑا کرتے۔ میں تین فیصد سے زیادہ نہ دے سکوں گی۔"

"کیا ہزاروں میں سودا ہونے کے امکانات ہیں۔"

"تقریباً ڈیڑھ لاکھ کا چکر ہے۔"

"اس کا مطلب ہوا ساڑھے چار ہزار روپے۔"

"بالکل.....!"

"مجھے منظور ہے.... لاؤ.....!"

اُس نے پرس ریٹا سے لے کر اپنے ہاتھ پر تولا اور لاپروائی سے جیب میں ڈال لیا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر ریٹا نے کہا۔ "کچھ بولتے بھی رہو۔ سانپ کیوں سونگھ گیا۔"

"مجھے سوچنے دو۔ ساڑھے چار ہزار کا مصرف.....!"

"اُوہ.... بس اتنے ہی میں مگن ہو گئے۔"

"ایک بات ہے مسی.... کیا بتاؤ گی مجھے۔"

"پوچھو.....؟"

"جب تم لاکھوں کا بزنس کر سکتی ہو تو نوکری کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"محض اس لئے کہ انکم ٹیکس نہیں ادا کرنا چاہتی۔"

"تم تنہا ہو اس بزنس میں یا اور کوئی بھی ہے۔"

"صرف میری بہن.... جو کولمبو میں رہتی ہے۔"

"تو وہی تمہیں جواہرات بھیجتی ہے۔"

"ہاں.....!"

"اسمگلنگ.....؟"

"جو چاہو سمجھ لو.....!"

"تم ان کے عوض کو لمبو کیا بھیجتی ہو۔"

"چرس.....!"

"او.... ہو.... وہاں کیا ریٹ چل رہا ہے؟"۔

"ساڑھے چار ہزار روپے سیر.....!"

"مائی گڈنس.....!"

"کیا تم کبھی رہ چکے ہو اس بزنس میں۔"

"کافی عرصہ تک رہا ہوں۔"

"کب سے خالی ہو۔"

"پانچ سال ہوئے ہیروں کی آخری کھیپ ہانگ کانگ سے لایا تھا۔"

"اپنے رانا صاحب کے لئے کام کرتے تھے۔"

"ارے نہیں.... وہ بہت شریف آدمی ہے۔ لاکھوں ایکڑ میں کھیتی باڑی کرتا ہے۔"

"پھر کب سے شروع کر رہے ہو۔ ہانگ کانگ میں چھ ہزار کا ریٹ چل رہا ہے۔"

"چرس کا.....!"

"ہاں.....!"

"چین کے سارے چرسی شائد ہانگ کانگ ہی میں اکٹھا ہو گئے ہیں۔ خیر میں سوچوں گا۔ پہرے داری مجھے بھی پسند نہیں ہے۔"

"بائیں موڑو.....!" ریٹا نے ڈرائیور کو ہدایت دی۔

"لیکن میں وہاں بات کیا کروں گا۔"

"کچھ بھی نہیں۔ بات تو میں کروں گی۔ میری بتائی ہوئی قیمتوں میں اگر گاہک تخفیف کرانے کی کوشش کرے تو تم انکار کر دینا۔ جب میں تم سے کہوں کیوں شیخ کیا خیال ہے.... تب تم کہنا.... خیر دے دو.... بس لفظ شیخ کا خیال رکھنا اگر میں لفظ شیخ نہ استعمال کروں تو انکار ہی کرتے رہنا۔"

"چلو ٹھیک ہے.... مجھے زیادہ نہ بولنا پڑے گا۔"

کچھ دیر بعد گاڑی ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔

"چلو.... اترو.....!" ریٹا نے کہا۔

وہ گاڑی سے اتر کر برآمدے میں آئے۔ ریٹا نے دروازے پر کھڑے ہوئے باوردی ملازم کو

اپنا کارڈ دیا.... کچھ دیر بعد اندر طلبی ہوئی۔ ڈرائنگ روم شاندار تھا۔ فرش پر قیمتی ایرانی قالین میں جوزف کے پیر دھنس رہے تھے۔

انہیں زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا لیکن ڈرائنگ روم میں داخل ہونے والے پر نظر پڑتے ہی جوزف کا دل ہمدردی کے جذبہ سے لبریز ہو گیا۔ کیسا حسین اور صحت مند نوجوان تھا۔ لیکن پیروں سے معذور۔ بیساکھیوں کی کھٹ کھٹ اس کی زندگی پر نوحہ کرتی معلوم ہوتی تھی۔

"شیخ حمزہ کووَنڈا.....!" ریٹا نے جوزف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور آپ عادل آباد کے سب سے زیادہ دولت مند آدمی کرنل حیدر صدیقی۔"

جوزف نے ہونٹ بھینچ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اُس نے محسوس کیا تھا کہ آدمی جاندار ہے۔

"بڑی خوشی ہوئی شیخ صاحب۔" کرنل حیدر نے کہا۔ "تشریف رکھئے۔"

"میرا خیال ہے کہ تکلفات میں وقت ضائع نہ کرنا چاہئے۔" ریٹا بولی۔ "مسٹر کووَنڈا.... اپنی چیزیں نکالئے۔"

جوزف نے جیب سے پرس نکال کر ریٹا کی طرف بڑھا دیا.... ریٹا نے چھوٹی میز کرنل کے صوفے کی طرف کھسکا کر پرس اُس پر خالی کر دیا۔

جواہرات میز کی سطح پر بکھر گئے۔ کرنل حیدر انہیں توجہ اور دلچسپی سے دیکھتا رہا۔ پھر بیساکھیاں سیدھی کرتا ہوا بولا۔ "ٹھہرئے میں ذرا میگنیفائینگ گلاس لے آؤں۔"

"میں ملازم کو بلاؤں۔" ریٹا جلدی سے بولی۔

"نہیں میرا رکھا ہوا ہے۔ کسی ملازم کو نہیں ملے گا۔"

جوزف نے محسوس کیا کہ ریٹا اُس کے اس رویہ پر کچھ بے چین سی نظر آنے لگی ہے۔ اس نے معنی خیز انداز میں جوزف کی طرف بھی دیکھا تھا۔ کرنل کے چلے جانے کے بعد اُس نے آہستہ سے جوزف سے کہا۔ "میں خطرہ محسوس کر رہی ہوں۔"

"کیوں.....؟"

"پہلے کبھی وہ میگنیفائینگ گلاس ساتھ لانا نہیں بھولا کرتا تھا۔"

"پھر کیا خیال ہے۔"

"پتہ نہیں میں اس کی اس حرکت کو سمجھ نہیں سکی۔"

"کیا خیال ہے.... وہ پولیس کو مطلع کرنے گیا ہوگا۔"

"سوچا بھی نہیں جاسکتا کیونکہ میں پہلے بھی کئی بار اس سے بزنس کر چکی ہوں۔"

"تو پھر خاموش بیٹھو....!"

"مجھے الجھن ہو رہی ہے۔"

"چپ رہو۔"

ریٹا خاموش ہوگئی۔ لیکن وہ بار بار بے چینی سے دروازے کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔ کچھ دیر بعد پھر بیساکھیوں کی کھٹ کھٹ سنائی دی۔

ایک بڑا سا میگنیفائینگ گلاس اس کے ہاتھ میں تھا۔

وہ میز کے قریب بیٹھ کر خاموشی سے جواہرات کا جائزہ لینے لگا۔ ان میں چھوٹے بڑے ہر قسم کے نگینے تھے وہ ان دونوں کی طرف دیکھے بغیر نگینوں کے متعلق اظہار خیال بھی کرتا جارہا تھا۔ جوزف نے کئی بار کنکھیوں سے ریٹا کی طرف دیکھا لیکن اُس کے چہرے پر بے اطمینانی ہی کے آثار پائے۔

کرنل حیدر قریب قریب بیس منٹ تک نگینوں کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر یک بیک سر اٹھا کر اونچی آواز میں بولا۔ "آپ لوگ اندر آسکتے ہیں۔ میں اپنا اطمینان کر چکا ہوں۔"

دفعتاً چار باوردی پولیس والے کمرے میں گھس آئے ان میں ایک سب انسپکٹر بھی تھا۔

"یہی ہیں۔" کرنل حیدر ان دونوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"کیا مطلب....!" ریٹا کی آواز کانپ رہی تھی۔

"میری آنکھوں میں دھول جھونکنے آئے تھے تم لوگ.... یہ سارے نگینے نقلی ہیں۔" کرنل حیدر دہاڑا۔

جوزف کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ وہی اسمگلر ہیں۔" سب انسپکٹر نے اُن دونوں کو گھورتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ نگینے نقلی ہیں۔" کرنل حیدر دہاڑا۔

"تمہیں کس بات کی فکر ہے۔" جوزف نے غرا کر کہا۔ "میں نے کب کہا تھا کہ اصلی ہیں۔ کیا تم ان میں سے کچھ اصلی کے دھوکے میں خرید چکے ہو۔"

"نہیں۔"

"تو پھر اس ہنگامے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تم لوگ فراڈ ہو۔"

"ہم لوگ کچھ بھی ہوں تمہیں اس کی پرواہ نہ ہونی چاہئے کیونکہ میں نے ابھی تک تمہیں ان کے دام بھی نہیں بتائے۔"

"کچھ بھی ہو۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "تم دونوں حراست میں لئے جاتے ہو۔"

"دونوں کیوں؟" جوزف نے آنکھیں نکالیں۔ "ان نگینوں کا مالک میں ہوں یہ نہیں۔ اس بیچاری نے تو صرف فروخت کرا دینے کا وعدہ کیا تھا اور اسے بھی اس کا علم نہیں کہ نگینے نقلی ہیں۔"

"کیوں....؟" سب انسپکٹر نے ریٹا کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔ لیکن ریٹا اسے جواب دینے کی بجائے جوزف کی طرف دیکھنے لگی۔ اُس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"تم صرف مجھ سے بات کرو۔" جوزف نے سب انسپکٹر سے کہا۔

"تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو۔"

"میں شیخ کوڈانڈا ہوں.... نائیجیریا کا باشندہ۔"

"پاسپورٹ دکھاؤ۔"

"پاسپورٹ ساتھ لئے نہیں پھرتا۔ وہ میرے ہوٹل میں ہے۔"

"تم خاموش رہو شیخ۔" ریٹا بول پڑی۔ "جب تک میرا وکیل یہاں نہ پہنچ جائے تم ان لوگوں سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کرو گے۔"

"جب آپ کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے تو آپ کیوں ٹانگ اڑا رہی ہیں۔" سب انسپکٹر غصیلے لہجے میں بولا۔

"میں نے تو نہیں کہا کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" ریٹا کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

"نہیں مسی تم خاموش ہی رہو۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں دھوکے میں رکھا تھا۔ تم خواہ مخواہ بیچ میں نہ آؤ۔" جوزف نے کہا اور ریٹا کے چہرے پر عجیب سے آثار دیکھے جیسے وہ کسی اندرونی کشمکش میں مبتلا ہو۔

کچھ دیر کے لئے کمرے کی فضا پر بوجھل سا سکوت طاری ہو گیا۔

"ہتھکڑیاں لگادو۔" آخر سب انسپکٹر نے جوزف کی طرف اشارہ کر کے کہا اور ایک کانسٹیبل نے ہتھکڑیوں کا جوڑا نکال کر جوزف کے ہاتھوں میں ڈال دیا۔

"آپ میرے وکیل کے آنے سے پہلے انہیں یہاں سے نہیں لے جاسکیں گے۔" ریٹا نے کسی قدر غصیلی آواز میں کہا۔

"تھانے ہی میں لے آیئے گا وکیل کو....!" سب انسپکٹر خشک لہجے میں بولا۔

"بہت بہتر۔" ریٹا کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

سب انسپکٹر نے کرنل حیدر سے کہا۔ "کرنل صاحب! محرر کو بیان لکھوا کر اپنے دستخط کر دیجئے گا۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔" پھر ریٹا کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ان کا بھی تحریری بیان۔"

وہ کرنل سے مصافحہ کر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ جوزف اُس کے پیچھے چل رہا تھا اور دو کانسٹیبل اُس کے پیچھے تھے۔

جوزف کو پندرہ بیس منٹ تک ایک بند گاڑی میں سفر کرنا پڑا تھا۔ اس لئے اس کا اندازہ کرنا ممکن ہی نہیں تھا کہ اُسے کن راستوں سے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔

کچھ دیر بعد گاڑی کسی جگہ رکی اور اُس سے نیچے اترنے کو کہا گیا۔ وہ بے چوں و چرا گاڑی سے اتر آیا.... باہر چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ کچھ دور پیدل چلنے کے بعد وہ ایک عمارت میں داخل ہوئے اور بالآخر ایک کمرے میں پہنچ کر رک گئے۔ سامنے ہی ایک پروقار معمر آدمی بیٹھا نظر آیا اس نے جوزف کو تیکھی نظروں سے دیکھا تھا۔

"کیوں کیا ہے؟" اُس نے سب انسپکٹر سے پوچھا۔

"جناب عالی۔ کرنل حیدر نے جس سلسلے میں ہم سے مدد طلب کی تھی اُس فراڈ کا ذمہ دار یہی شخص ہے۔ اپنا نام شیخ حمزہ کوونڈا بتاتا ہے اور نائیجیریا کا باشندہ ہے۔"

"کیا بک رہے ہو۔" معمر آدمی نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں جناب۔"

"کیا نام بتاتا ہے۔"

"حمزہ کوونڈا....!"

"ارے یہ ہیوی ویٹ چیمپئن جوزف ہے کیوں بدمعاش تم پھر دکھائی دیئے۔"

"میرا خیال ہے کہ میں پہلے کبھی نہیں آیا۔"

"تو کیا شکوہ آباد کے ڈاکٹر طارق کا ملازم نہیں تھا؟"

"بالکل تھا....!"

"ڈاکٹر طارق کو کس بنا پر سزا ہوئی تھی۔"

"جعلی نوٹ چھاپتا تھا اور انہیں مشرق وسطیٰ کے لئے اسمگل آؤٹ کرتا تھا۔"

"پھر....!" معمر آدمی نے سوالیہ انداز میں آنکھیں نکالیں۔

"کچھ بھی نہیں جناب.... وہ جیل میں ہے اور میں کچھ دیر پہلے بالکل آزاد تھا۔" جوزف نے لاپروائی سے کہا اور جماہی لے کر منہ چلانے لگا۔

"مجھے اس کا بھی علم ہے کہ تم بڑے پیکڑ ہو۔" معمر آدمی زہریلے انداز میں مسکرایا۔ "شاید نشہ اکھڑ رہا ہے۔"

"ہاں بہت دیر سے نہیں پی۔"

پہلے تو ایسا معلوم ہوا تھا جیسے معمر آدمی کچھ اور بھی کہے گا لیکن پھر وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ دفعتاً چونک کر بولا۔ "فائیل ٹی سی سکسٹی تھری لاؤ۔"

سب انسپکٹر کمرے سے چلا گیا اور معمر آدمی جوزف کو پُر تفکر نظروں سے دیکھتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد سب انسپکٹر فائیل سمیت واپس آیا۔

معمر آدمی نے مضطربانہ انداز میں فائیل اُسکے ہاتھوں سے جھپٹ لیا تھا اور دیر تک اسکی ورق گردانی کرتے رہنے کے بعد پھر جوزف کی جانب اس طرح متوجہ ہوا تھا جیسے پھاڑ ہی تو کھائے گا۔

"ہوں! تو تم عمران کے ساتھ ہو آج کل....!" اُس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

جوزف نے اعتراف میں سر ہلا دیا لیکن اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا....

"عمران کہاں ہے۔ ہمیں عرصہ سے اُس کی تلاش ہے۔"

"ان کی تلاش کیوں ہے آپ کو۔" جوزف نے پُرسکون لہجے میں پوچھا۔

"اس لئے کہ عادل آباد کی ایک عدالت کا سمن آج تک اس پر تعمیل نہیں کر سکا وہ سمن لینے سے گریز کر رہا ہے۔"

"ہوگا....!" جوزف نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "اپنے معاملات وہ خود ہی جانیں۔"

"نہیں تم بھی جانو.... تمہیں بتانا پڑے گا کہ وہ کہاں مل سکے گا۔" معمر آدمی میز پر ہاتھ مار کر دھاڑا۔

"میں نہیں جانتا.... وہ کہاں ہیں۔"

"لے جاؤ۔" معمر آدمی حلق کے بل چیخا۔ "مرمت کرو۔"

ٹھیک اسی وقت وہ محرر ریٹا سمیت کمرے میں داخل ہوا جو کرنل حیدر کا بیان لکھنے کے لئے وہیں رہ گیا تھا۔

"کیوں؟ کیا ہے؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"جناب مجھے اس عورت کو بھی ساتھ لانا پڑا۔ مجھے شبہ ہے کہ یہ محض بروکر کی حیثیت نہیں رکھتی۔"

"یہ کون ہے؟" معمر آدمی نے سب انسپکٹر سے پوچھا۔

"جی وہی عورت جس کا تذکرہ میں نے کیا تھا۔"

"اوہ....!" وہ اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "تم بتاؤ عمران کہاں ہے؟"

"مم.... میں.... یہ نام میرے لئے بالکل نیا ہے۔"

"یہ ٹھیک کہتی ہیں۔ میری ان سے آج ہی ملاقات ہوئی تھی۔" جوزف نے سپاٹ آواز میں کہا۔

"تم جواہرات کی بروکر ہو۔" معمر آدمی نے ریٹا سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"یہ اپنے نقلی جواہرات تمہارے توسط سے فروخت کرنا چاہتا تھا....!"

"ج.... جی ہاں.... جی ہاں۔"

"اور اس نے تمہیں اپنا نام شیخ حمزہ کووٹنڈا بتایا تھا۔"

"نن.... نہیں.... جی ہاں۔"

"اوہ.... سب بکواس ہے۔" معمر آدمی پھر میز پر گھونسہ مار کر دہاڑا۔

"دونوں کو لیجاؤ.... انہیں اگلنا پڑے گا۔"

ٹرانسمیٹر پر ایکس ٹو کی بھرائی ہوئی آواز کوڈ ورڈز میں پیغام نشر کر رہی تھی اور اُس کے سارے ماتحت مختلف مقامات سے اُسے نوٹ کر رہے تھے۔

"ڈپٹی کلکٹر طاہر صدیقی کے بنگلے کے سامنے والی عمارت بے حد اہم ہے۔ لڑکی وہاں لے جائی گئی تھی لیکن اُسے دوبارہ نکلتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ اس کے باوجود بھی عمارت خالی پڑی ہے۔ لڑکی کا سراغ اب تک نہیں مل سکا۔ عمارت کی کڑی نگرانی کی جائے.... اُوور....!"

پیغام وصول کرنے والوں میں صفدر بھی تھا۔ لیکن یہ پیغام خاص طور پر اس کیلئے نہیں تھا۔ اُسے تو پہلے ہی حکم مل چکا تھا کہ وہ ہوٹل ہی میں رہے۔ مقصد جو کچھ بھی رہا ہو۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایکس ٹو کی ہدایت کے مطابق اُسے دوسروں کیلئے پیغام نشر کرنے پڑتے تھے۔ مثلاً

کچھ دیر پہلے اس نے جوزف سے متعلق پیغام نشر کیا تھا کہ جوزف اور ریٹا کا تعاقب نہ کیا جائے۔

یہ پیغام اُسے الفاظ کی بجائے صوتی اشاروں میں موصول ہوا تھا اور اس نے متعلقہ لوگوں کو کوڈ ورڈز میں مطلع کیا تھا۔ یہ صوتی اشارے صرف صفدر کے لئے مخصوص تھے۔ ایکس ٹو کے دوسرے ماتحتوں کو ان کا علم نہیں تھا۔

لیکن صفدر کو حیرت تھی کہ آخر جوزف کا تعاقب کرنے سے کیوں روکا گیا ہے جبکہ ریٹا کے بارے میں یقین کیا جا چکا تھا کہ وہ انجمن بیباکاں کی ایک سرگرم رکن ہے اور ان لوگوں سے تعلق رکھتی ہے جو عمران کی تلاش میں ہیں۔

پتہ نہیں وہ اُسے کہاں لے گئی ہو؟ کیا گذری ہو اس پر؟

بڑی دیر تک وہ ان کے بارے میں سوچتا اور الجھتا رہا۔ پھر خیال آیا ممکن ہے خود ایکسٹو نے ان کا تعاقب کیا ہو۔ اس معاملے کو دوسروں پر چھوڑنا مناسب نہ سمجھا ہو۔

جوزف ایک ستون سے بندھا کھڑا تھا۔ پشت ننگی اور اُس پر لمبی لمبی اُبھری ہوئی دھاریاں سی نظر آ رہی تھیں۔ جوزف کا منہ ستون کی طرف تھا اور قریب ریٹا کھڑی سسکیاں لے رہی تھی۔ آخر اس نے رقت آمیز آواز میں کہا۔

"جوزف جھوٹ موٹ ہی کسی جگہ کا نام لے دو۔"

"کیوں....؟"

"ورنہ یہ لوگ مار ڈالیں گے۔"

"مار ڈالیں۔" جوزف نے لاپروائی سے کہا۔

"میرے خدا کتنی بے دردی سے پیٹ رہے تھے.... شائد چوپایوں پر بھی انہیں رحم آ جاتا لیکن تم پر نہ آیا۔"

"مارنا اور مار کھانا میرا پیشہ ہے۔" جوزف نے غصیلی آواز میں کہا۔

"میں فائٹر ہوں۔"

"لیکن مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔ میں نے ہی تمہیں اس مصیبت میں پھنسایا ہے۔"

"بھول جاؤ۔" جوزف غرایا۔ "بزنس میں اکثر خسارہ بھی ہو جاتا ہے۔"

"تم نہیں سمجھے۔ نہیں سمجھ سکتے.... تم بہت اونچے آدمی ہو جوزف.... تمہارے سیاہ فام

سینے میں ایک پُر نور دل ہے۔"

"میں نہیں جانتا.... تم اگر مجھے پٹتے نہیں دیکھ سکتیں تو ان سے کہو کہ تمہیں کہیں اور لے جائیں۔"

"اوہ.... جوزف.... میں آدمی کی بچی ہوں.... مجھے کسی کتیا نے نہیں جنم دیا تھا.... میں کیا کروں۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا تو یہ کرو کہ میرے سامنے کھڑی ہو کر اس قسم کی باتیں نہ کرو۔ کسی دوسرے گوشے میں چلی جاؤ۔"

"وہ.... پھر آرہے ہیں.... اوہ خدا....!"

دفعتاً دروازہ کھلا اور سب انسپکٹر کمرے میں داخل ہوا۔

وہ چند لمحے جوزف کو حقارت آمیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "یہ تو بہت ہلکی قسم کی ورزش تھی اب سچ مچ مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

"مجھے ہٹاؤ یہاں سے خدا کے لئے میرے سامنے....."

"تم خاموش رہو۔ دیکھو اور اسے مجبور کرو کہ عمران کا پتہ بتادے۔"

"میں قسم کھا سکتی ہوں کہ یہ نام میرے لئے بالکل نیا ہے۔"

"لیکن اس کلوٹے سے تو بہت پرانی دوستی رکھتی ہو۔"

"ہم آج ہی ملے تھے۔" جوزف غرایا۔ "کیا تم سن نہیں سکتے۔ بہرے ہو۔"

"ابھی بتاتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔" سب انسپکٹر نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

دروازہ پھر بند ہو چکا تھا۔

"میں کیا کروں۔ میں کیا کروں۔" ریٹا اپنے بال مٹھیوں میں جکڑتی ہوئی بڑبڑائی پھر جوزف سے بولی۔ "خدا کے لئے کوئی الٹا سیدھا پتہ بتادو۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمیں چھوڑ دیں گے اور جواہرات والے معاملے کو بھی آگے نہ بڑھائیں گے۔ تمہارا نقصان ہی کیا ہے اگر وہ تمہارے بتائے ہوئے پتہ پر اُسے نہ پاسکے تو تم کہہ سکو گے ممکن ہے وہ تمہیں اطلاع دیئے بغیر کہیں اور چلا گیا ہو۔"

"وہ اُسے پالینے کے بعد ہی مجھے چھوڑیں گے۔" جوزف نے کہا۔

"اس کی ذمہ داری میں لیتی ہوں.... اچھا میں تمہیں ایک پتہ بتاتی ہوں تم وہی دہرا دینا۔"

"تم کس طرح ذمہ داری لے سکتی ہو۔" جوزف نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

وہ قریب آکر آہستہ سے بولی۔ "جس طرح تم نے ہیروں والا معاملہ قطعی طور پر اپنے سر

اوڑھ لیا تھا۔"

"وہ تو بزنس تھا۔ اس پار یا اُس پار۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں خود کو اُن ہیروں کا مالک ظاہر کروں گا۔ لہٰذا اب تک کئے جا رہا ہوں۔"

"لیکن یہ تو سوچو کہ میں نے تم سے فراڈ کیا تھا۔ تمہیں بتایا نہیں تھا کہ ہیرے نقلی ہیں۔"

"کچھ بھی ہو.... جوزف بااصول آدمی ہے جو بات ایک بار زبان سے کہہ دی اسے پتھر کی لکیر سمجھو.... میں کہہ تو رہا ہوں کہ میں اس کو خسارے کا سودا سمجھ کر سب کچھ برداشت کرلوں گا۔ بزنس میں خسارہ ہونے کی بناء پر ہم فریق ثانی کو مار تو نہیں بیٹھتے۔"

"تم سچ مچ بہت اونچے ہو.... سچ بتاؤ میرے حسن سے تو متاثر نہیں ہوئے۔"

"چھی....!" جوزف بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "مجھے ہر سفید فام سے نفرت ہے خواہ وہ مرد ہو خواہ عورت....!"

"اس کے باوجود بھی۔"

"ہاں.... زبان.... زبان دے چکا تھا تمہیں.... اب چاہے گردن کٹ جائے۔"

"میں نے تمہیں بہت بڑا دھوکا دیا ہے۔ خدا مجھے معاف کرے۔ زندگی میں پہلی بار اپنی کسی حرکت پر پچھتاوا ہوا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"سب کچھ بتادوں گی خدا کے لئے تم میرا بتایا ہوا پتہ انہیں بتادو۔"

جوزف حیرت سے آنکھیں پھاڑے تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ "اچھی بات ہے۔ میں انہیں تمہارا بتایا ہوا پتہ بتادوں گا۔"

صبیحہ نے وہ رات اپنے کمرے میں ٹہل کر گزاری جیسے ہی کلاک نے پانچ بجائے کمرے سے باہر آگئی۔ ابھی گھر والے سو رہے تھے۔ اس نے سوچا کہیں وہ گہری نیند سو رہا ہو۔ سوتا ہی رہ جائے اور گھر کا کوئی فرد اُسے کوٹھری میں دیکھ لے۔

وہ برآمدے سے گذرتی ہوئی لان تک آئی۔ چند لمحے کھڑی اِدھر اُدھر دیکھتی رہی پھر کوٹھری کی طرف چل پڑی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ پچھلی رات وہ اتنا مطمئن تھا کہ سونے سے قبل دروازے کی کنڈی بھی

نہیں چڑھائی تھی۔ حالانکہ اُسے محتاط رہنا چاہئے تھا۔

اس وقت بھی اُس نے جیسے ہی دروازے پر ہاتھ رکھا دونوں پاٹ کھل گئے۔ وہ اندر آئی ٹارچ روشن کی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ چارپائی پر اختر کی بجائے کوئی اور چت پڑا ہوا تھا۔

وہ بوکھلا گئی۔ لیکن جلد ہی اپنی اس بوکھلاہٹ پر ہنسی بھی آنے لگی۔ اُس نے سوچا ارے بہروپ بھی تو بھر سکتا ہے وہ۔ کہیں اب کوئی دوسرا میک اپ نہ اختیار کیا ہو۔

دبے پاؤں چلتی ہوئی وہ چارپائی کے قریب آئی اور مونچھ کے سرے کو چٹکی سے پکڑ کر زور کا جھٹکا مارا۔ خیال تھا کہ نقلی مونچھ اکھڑتی چلی آئے گی۔ لیکن وہاں تو اُس جھٹکے کے ساتھ سر ہی اوپر اٹھتا چلا آیا تھا۔

بوکھلاہٹ میں گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور سر تکئے پر جا پڑا۔ لیکن جسم میں جنبش تک نہ ہوئی۔

اس حرکت پر شاید بیہوش آدمی کی بھی چیخ نکل جاتی۔

یہ اختر نہیں ہو سکتا۔ ہرگز نہیں.... اُس کی مونچھ تو نقلی ہی ہو سکتی تھی۔ جو نہایت آسانی سے اکھڑ آتی۔ پھر یہ کون ہے۔ اس کے کان پر تو جوں بھی نہ رینگی۔

اُس نے پھر ٹارچ روشن کی لیکن ٹھیک اُسی وقت کسی نے آہستہ سے کہا۔ "ٹارچ بجھا دو اور یہاں سے چلی جاؤ۔"

وہ اچھل کر مڑی۔ اختر سامنے کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر ٹارچ اس سے لے لی اور اس کا سوئچ آف کر دیا۔

"یہ کون ہے؟"

"خاموش رہو.... بلکہ یہاں سے چلی ہی جاؤ تو بہتر ہے۔ اجالا پھیلنے سے پہلے میں اسے یہاں سے نکال لے جانا چاہتا ہوں۔"

"یہ کون ہے۔ اسے کیا ہوا ہے۔ کیا بیہوش ہے۔"

"نہیں مر چکا ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"یہ انہیں لوگوں میں سے ہے۔ پولیس کے ساتھ یہ بھی تھا غالباً صرف اسے ہی خدشہ تھا کہ میں رات یہیں بسر کروں گا۔ تنہا آیا تھا۔"

"لیکن مرا کیسے....!" وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

"وہ نہ مرتا تو میں مر جاتا۔ اب جاؤ۔" وہ اُسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

صبیحہ کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ ذہن میں آندھیاں سی اٹھ رہی تھیں۔ وہ بے چون و چرا دروازے کے باہر نظر آئی اور پھر قریب ہی جھاڑیوں میں چھپ رہنا بھی مشینی ہی طور پر عمل میں آیا تھا۔ ارادے کو اس میں دخل نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد اُس نے دیکھا کہ اختر ایک بڑا سا بنڈل اپنی پشت پر لادے کوٹھری سے برآمد ہو رہا ہے۔ اتنا اندھیرا ابھی نہیں تھا کہ وہ دیکھ ہی نہ سکتی۔

وہ پھاٹک کی طرف جانے کی بجائے اُسی طرف جا رہا تھا جدھر سے دوپہر کو دیوار پھلانگ کر بھاگا تھا۔

✪

صبح ہوتے ہوتے ایک بار پھر جوزف کی پٹائی ہوئی اور اس نے ریٹا کا بتایا ہوا پتہ دہرا دیا.... لیکن اُسے یقین نہیں تھا کہ وہ اُسے چھوڑ ہی دیں گے۔ ایک جرم میں بہر حال ملوث ہو چکا تھا۔

سب انسپکٹر اپنے ساتھیوں سمیت باہر چلا گیا اور جوزف نے ریٹا سے مسکرا کر کہا۔ "تمہارا خیال تھا کہ پتہ بتاتے ہی وہ ہمیں رہا کر دیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو.... انہیں اپنا اطمینان کر لینے دو.... ٹھیک ہے وہ ہمیں اُسی وقت چھوڑیں گے جب ہمارے بتائے ہوئے پتے پر دیکھ بھال کر لیں۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ ناکامی کے بعد وہ کیسے یقین کر لیں گے کہ میں نے صحیح پتہ بتایا تھا۔"

"میں دیکھ لوں گی۔"

"تمہارا وکیل کہاں ہے۔"

"اب کیا بتاؤں۔ کچھ دیر کے لئے خاموشی ہی اختیار کرو۔"

"اگر کچھ دیر اور شراب نہ ملی تو ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جاؤں گا۔"

"تم اتنی زیادہ کیوں پیتے ہو۔"

"میں نے آج تک اس پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ اچھا اب مجھے کچھ دیر سونے دو۔"

"اس طرح کھڑے کھڑے نیند آجائے گی اور یہ لمبے لمبے زخم.... کیا تم ان کی موجودگی میں سو سکو گے۔"

"ہاں مجھے نیند آجائے گی.... تم فکر نہ کرو۔"

ریٹا خاموش ہوگئی۔ جوزف نے اُس سے یہ بھی نہ کہا کہ اگر وہ چاہے تو اُسے اُس رسی سے نجات دلاسکتی ہے جس نے اُسے ستون سے جکڑ رکھا تھا ذرا ہی سی دیر میں وہ گہری نیند سو گیا۔

پھر اُسی وقت آنکھ کھلی تھی جب اُسے رسی کے بلوں سے آزاد کیا جارہا تھا۔ آنکھ کیا کھلی تھی بس وہ اسی قدر بیدار تھا کہ چونکائے جانے پر اپنے جسم کو پولیس والوں کے احکامات کے مطابق حرکت دے سکے۔

انہوں نے کسی کاغذ پر اُس کے دستخط بھی لئے تھے۔اس کے بعد ان دونوں کو پھر اُسی بند گاڑی میں بٹھادیا گیا تھا جس پر جوزف یہاں تک لایا گیا تھا۔

وہ گاڑی پر بیٹھا اونگھتا رہا۔ ریٹا بھی اس کے قریب ہی بیٹھی تھی دن کے گیارہ بجے تھے۔اس بند گاڑی کے ڈرائیور نے انہیں ایک سنسان سڑک پر اتار دیا.... اور گاڑی ذرا ہی سی دیر میں ان کی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

جوزف خاموش تھا۔ آنکھیں کھلی ہوئی ضرور تھیں لیکن بیدار نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ سڑک کے کنارے کھڑے رہے۔ جوزف بدستور خلاء میں گھورے جارہا تھا۔

دفعتاً ایک کار دکھائی دی.... اور ساتھ ہی اس کی رفتار بھی کم ہوتی رہی اور پھر وہ ٹھیک اُس جگہ آرکی جہاں وہ دونوں کھڑے تھے۔

"لفٹ چاہئے۔" ڈرائیو کرنے والے نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا اور جوزف بیساختہ اچھل پڑا.... منہ کسی قدر کھلا تھا لیکن پھر دانت سختی سے ایک دوسرے پر جم گئے تھے۔

"بہت بہت شکریہ....!" ریٹا بولی۔ "میرا ساتھی بیمار ہے۔"

اُس نے پچھلا دروازہ کھول کر جوزف سے اندر بیٹھنے کو کہا اور اُس کے بیٹھ جانے کے بعد خود بھی بیٹھ کر دروازہ بند کردیا۔

"کہاں جانا ہے۔" ڈرائیور نے پوچھا۔

"پہلے کسی بار میں لے چلو.... میرا ساتھی بیمار ہے۔ برانڈی اس کے لئے مفید ہوگی۔"

"اوہو.... برانڈی تو میرے پاس بھی موجود ہے۔ اگر کسی کام آسکے۔"

اُس نے سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک بوتل نکالی جو چوتھائی خالی تھی۔ مومی کاغذ کے دو گلاس نکالے اور پچھلی سیٹ کی طرف بڑھا دیئے۔

"بہت بہت شکریہ....!" ریٹا بولی۔ شائد وہ خود بھی کچھ پینے کی ضرورت شدت سے

محسوس کررہی تھی۔اُس نے گلاس میں انڈیل کر پہلے جوزف کی طرف بڑھائی.... جسے وہ ایک ہی سانس میں پی گیا اور گلاس دوبارہ ریٹا کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ تمہیں جتنی لینی ہو لے کر بوتل میرے حوالے کرو۔"

ریٹا نے اپنے گلاس میں تھوڑی سی انڈیلی تھی.... شاید اُس سے زیادہ پی بھی نہ سکتی کیونکہ پانی ملائے بغیر پینے کی عادت نہیں معلوم ہوتی تھی۔

ریٹا جوزف کی طرف پھر بوتل بڑھا ہی رہی تھی کہ ڈرائیور غرایا۔"میں قارون نہیں ہوں.... لاؤ بوتل ادھر دو۔"

"مجھے افسوس ہے۔" ریٹا نے کہا اور بوتل ڈرائیور کی طرف گھمادی۔ جسے جھٹکے کے ساتھ اُس کے ہاتھ سے لے لیا گیا۔

ریٹا نے سر بھاری بھاری سا محسوس کیا.... جوزف کی طرف دیکھا وہ بھی پھر اونگھنے لگا تھا۔

آہستہ آہستہ دونوں کی آنکھیں بند ہوگئیں۔

☼

دوبارہ ریٹا کی آنکھ کھلی تو بدحواس ہوگئی کیونکہ اُس اجنبی کی گاڑی میں ہونے کی بجائے خود کو ایک آرام دہ مسہری پر پایا تھا.... اور جوزف کا کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔

یہ کسی کی خواب گاہ ہی تھی۔

دروازہ کھلا نظر آیا۔ وہ تیزی سے اٹھی اور ننگے پیر ہی دروازے کی طرف جھپٹی۔

دروازے سے گذر کر دوسرے کمرے میں آئی یہاں جوزف کو دیکھا جو مسہری پر پڑا جسم تان کر جماہیاں لے رہا تھا۔

"ہم کہاں ہیں۔" وہ اُس کی جانب جھپٹتی ہوئی بولی۔

"ایں....!" وہ بھی بوکھلا کر اٹھ بیٹھا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"اب ہم یقیناً کسی بڑی مصیبت میں پڑنے والے ہیں۔" ریٹا نے آہستہ سے کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"ہم اُسی گاڑی میں تھے نا۔"

"ہاں.... ہاں....!" جوزف نے احمقانہ انداز میں آنکھیں نکال کر سر ہلایا۔

"تو پھر یہاں کیسے پہنچے۔"

"اوہو.....!" وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

پھر وہ پوری عمارت میں گھومتے پھرے لیکن باہر جانے کے لئے کوئی ایسا دروازہ نہ مل سکا جو مقفل نہ ہوتا۔ پوری عمارت میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

وہ تھک ہار کر بیٹھ گئے۔ دونوں ہی خاموش تھے۔ اس وقت ایک ایسے کمرے میں تھے جسے لائبریری ہی کہا جاسکتا تھا۔ چاروں طرف الماریوں میں کتابیں لگی ہوئی تھیں اور ایک بڑی میز تھی جس کے گرد کئی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

دفعتاً ریٹا نے میز پر سے سادہ کاغذ کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور قریب ہی پڑی ہوئی پنسل سے اُس پر لکھنے لگی۔ "کیا تم لکھ پڑھ سکتے ہو۔"

اور وہ کاغذ جوزف کی طرف بڑھا دیا۔ جوزف اُسے دیکھ کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرایا۔ ریٹا پھر لکھنے لگی۔ "میں نہیں چاہتی کہ ہماری آوازیں سنی جاسکیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں ڈکٹافون پوشیدہ ہوں۔ میں نے ابھی تک تمہیں دھوکے میں رکھا ہے لیکن یقین کرو اُسی وقت سے میرے دل میں تمہارے لئے ہمدردی کا جذبہ جاگ اٹھا تھا جب تم نے کرنل حیدر کے یہاں سارے الزامات اپنے سر لے لئے تھے میں تمہارے ٹائپ کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ تم کبھی کسی عورت سے جنسی طور پر متاثر نہیں ہو سکتے۔ تمہارا وہ اقدام محض اصولوں کے تحت تھا۔ تم ایک ایماندار آدمی ہو۔ تمہاری انسانیت نے مجھے متاثر کیا تھا۔ لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ پولیس والے نہیں تھے۔ بس انہیں تمہارے باس کی تلاش ہے۔ میں انہیں لوگوں کے لئے کام کر رہی ہوں۔ کرنل حیدر پہلی بار میرے سامنے آیا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ بھی انہیں لوگوں سے تعلق رکھتا ہو۔ اسکیم یہ تھی کہ مجھے اور تمہیں ایک جگہ بند کر دیا جائے تمہیں یہ ذہن نشین کرانے کی کوشش کی جائے کہ پولیس کو تمہارے باس کی تلاش ہے۔ اگر اس کا پتہ بتادو تو جواہرات کے سلسلے میں فریب دہی کا مقدمہ بھی تمہارے خلاف نہیں قائم کیا جائے گا۔ میں تمہیں اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتی۔ میں نے دیکھا کہ تم بُری طرح پٹ رہے ہو لیکن پتہ نہیں بتاتے تو میرا دل پھٹنے لگا۔ میں نے تمہیں اس پر آمادہ کیا کہ میرا بتایا ہوا پتہ تم انہیں بتادو تاکہ وقتی طور پر ہی سہی اس اذیت سے تو نجات مل جائے۔ وہ تمہارے بتائے ہوئے پتہ پر اُسے تلاش کرتے رہے۔ واپسی پر شائد تمہیں جان ہی سے مار دیتے لیکن میں نے انہیں مشورہ دیا کہ تمہیں چھوڑ دیا جائے۔ میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ میں اُس کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوں۔ کسی دوسرے طور پر اُسے مجبور کروں گی کہ اپنے باس کا صحیح پتہ بتادے۔ یہ

ہے پوری داستان..... اب خیال ہے کہ انہیں مجھ پر بھی شبہ ہو گیا ہے۔ اس لئے وہاں سے نکال کر یہاں بند کیا ہے۔"

ریٹا نے پنسل ایک طرف رکھتے ہوئے کاغذ جوزف کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اُسے غور سے پڑھتا اور سر ہلاتا رہا۔ پھر خود بھی پنسل اٹھا کر لکھنے لگا۔ "انہوں نے شائد کسی کاغذ پر میرے دستخط لئے تھے۔ اُس کاغذ کی کیا نوعیت تھی؟"

"اس اعتراف پر دستخط لئے تھے کہ تم نے جواہرات کے سلسلے میں کرنل حیدر کو دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی۔" ریٹا نے لکھا۔

"لیکن جب وہ پولیس والے تھے ہی نہیں تو.....!" جوزف نے لکھا لیکن ریٹا نے جملہ پورا نہ کرنے دیا۔

"سمجھنے کی کوشش کرو۔ پولیس والے اتنی پٹائی کرنے کے بعد کہ زخم تک ہو گئے ہوں کسی اعتراف نامے کے بغیر نہیں چھوڑ سکتے اگر ایسا کریں تو خود ان کے خلاف وہی آدمی قانونی کارروائی کر سکتا ہے۔"

"لیکن وہ پولیس والے نہیں تھے۔" جوزف نے لکھا۔

"وہ دراصل تمہیں باور کرانا چاہتے تھے کہ وہ پولیس والے ہی ہیں تاکہ مجھ پر تمہارا اعتماد بدستور برقرار رہے۔"

جوزف تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ "بالکل سمجھ گیا ہوں۔"

"شش.....!" اُس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اُسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

"کیا تم سمجھتی ہو کہ میں بھی تمہاری طرح بیہوش ہو گیا تھا۔" جوزف ہنس کر بولا۔

"اگر ایسا ہی ہے تب بھی خاموش رہو۔" ریٹا نے پنسل اٹھا کر کاغذ پر لکھا۔

"ختم کرو۔" جوزف بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "میں نے ایک ہی گلاس تو پی تھی۔ اس اتنی شراب میں جتنی خواب آور دوا ہو سکتی تھی اس نے مجھے اپنی مقدار سے کہیں زیادہ سر در بخش دیا تھا بس.....!"

ریٹا نے بوکھلا کر لکھا۔ "خدا کے لئے خاموش رہو۔ ورنہ ہم دونوں ہی جان سے مار دیئے جائیں گے۔"

"فکر نہ کرو۔ سبھی چن چن کر مارے جائیں گے جنہوں نے یہ چکر چلایا ہے۔ تم میرے باس کو کیا سمجھتی ہو۔ ارے خدا نے دس ہزار آدمیوں کی عقل اُسے عطا کی ہے۔ تم کیا سمجھتی ہو۔

تمہیں یہاں کون لایا ہے؟"

"کون لایا ہے....؟" ریٹا نے بے ساختہ پوچھا۔

"میرا باس....!"

ریٹا اچھل پڑی۔

"ہاں وہ میرا باس تھا۔ وہ اپنے خادموں کی طرف سے کبھی اور کسی حال میں بھی غافل نہیں رہتا۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔" ریٹا یک بیک چہکنے لگی۔ "مجھے بھی اُس کی صورت کچھ جانی پہچانی سی لگی تھی کیونکہ ہم لوگ اس کی تصویر دیکھ چکے ہیں۔ شائد ایک میرے وینٹی بیگ میں بھی پڑی ہو۔ لیکن اب کیا ہوگا۔"

"باس جانے!" جوزف نے لاپروائی سے کہا۔

"باس....! اوہ میں تمہارے باس کو قریب سے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"کیوں....؟" جوزف کسی شکاری کتے کی طرح چوکنا نظر آنے لگا۔

"وہ سب اُس سے بہت خائف ہیں۔ اُسے تلاش کر کے قتل کر دینا چاہتے ہیں۔ انجمن نے کبھی کسی کی پرواہ نہیں کی۔"

"تمہارا باس کون ہے۔"

"جمشید کیانی.... یہاں کا سب سے بڑا ایڈووکیٹ.... وہ معمر آدمی جس نے بڑے پولیس آفیسر کا رول ادا کیا تھا۔ جمشید کیانی ہی تو تھا....؟"

"وہ کیا چاہتا ہے؟"

"فی الحال تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے باس کو تلاش کر کے قتل کر دیا جائے۔"

"مجھے اپنے باس سے ملاؤ۔"

"کہاں سے ملاؤں....؟ وہ ہمیں یہاں چھوڑ کر نہ جانے کہاں چلا گیا۔"

"کیا تم پر اس حد تک اعتماد نہیں کرتا کہ تم اُس کے پتے سے واقف ہو۔"

"میں خود ہی نہیں چاہتا کہ وہ مجھ پر اس حد تک اعتماد کرے۔"

"کیوں....؟"

"ہو سکتا ہے کسی قسم کی اذیت مجھ سے اس کا پتہ اگلوا ہی لے۔"

"تو تم اس کے لئے جان دے سکتے ہو۔"

"میں اپنے باپ کو بھی اُس پر قربان کر سکتا ہوں۔"

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ "مجھے رات کی ڈیوٹی پر پہنچنا ہے۔"

"تم ضرور پہنچو گی مطمئن رہو۔ ہم تمہیں قید میں نہیں رکھیں گے۔ میرا باس جرائم پیشہ عورتوں کی بھی بے عزتی پسند نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے عورت چاہے جیسی ہو ہر حال میں متبرک ہستی ہے کیونکہ اُس نے پیغمبروں ولیوں اور بڑے بڑے بزرگوں کو جنم دیا ہے۔"

سنگ ہی تین دن سے ساجدہ کو راہ پر لانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت بھی وہ اُس سے کہہ رہا تھا۔

"چلو.... میں نے تسلیم کر لیا کہ تم انجمن کی وفادار ہو اور عمران کے پنجے سے نکلنے کی کوشش کرتی ہو۔ لیکن اس میں کیا برائی ہے کہ تم پہلے بھی اس برائی میں ملوث رہ چکی ہو۔ اُس مل اونر کے لڑکے نے۔"

"ہاں....!" ساجدہ سر ہلا کر بولی۔ "لیکن بعد میں اُسی مل اونر کے لڑکے کی پسلی کی دو ہڈیاں بھی میں نے توڑ دی تھیں۔"

"ارے تم بعد میں میرا بھی قیمہ کر دینا.... مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ دیکھو مان جاؤ.... میں اس معاملے میں بے حد شریف آدمی واقع ہوا ہوں۔ اگر چاہتا تو تم بچ نہیں سکتی تھیں۔ لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا.... عورت تو ایک نرم و نازک پھول ہے.... اس کے لئے قصاب بن جانا کم از کم میری جمالیاتی حس تو برداشت نہیں کر سکتی۔"

"واقعی بڑے خوش ذوق ہو۔" ساجدہ مسکرائی۔ "اچھا میں ایک تدبیر بتاتی ہوں۔ اب تم اللہ میاں سے دعا مانگو کہ میں راہ پر آ جاؤں.... اپنے فلسفے سے تو بے حد بور کر چکے ہو اور اُس کے خلاف میرے دلائل بھی سن چکے ہو.... اور میں تمہیں بتاؤں.... تم دراصل اپنے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"تم دراصل ایکزبیشن ازم کے مریض ہو اور بس....!"

"کئی بڑے آدمی اسی مرض میں مبتلا رہ چکے ہیں۔ ان میں ژاں ژاک روسو بھی تھا۔ روسو کے اعترافات پڑھے ہیں تم نے۔"

"میں نے پڑھے ہیں یا نہیں۔ اس بات کو یہیں ختم کردو۔ یہ بتاؤ کہ انجمن سے تمہارا کیا تعلق ہے۔"

"فی الحال میں ہی اس انجمن کا صدر ہوں۔"

"مجھ پر پبلک گارڈن میں حملہ کس نے کیا تھا....؟"

"عمران یا عمران کے ساتھی نے۔"

"کیوں؟ کیا اُسے علم ہو گیا ہے کہ میں انجمن کی وفادار ہوں۔"

"ہرگز نہیں۔" سنگ نے تلخ سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "صرف ہمیں یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ تم انجمن ہی کی وفادار ہو۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"وہ مجھے چچا کہتا ہے.... کچھ سمجھ کر ہی کہتا ہو گا۔"

"میں بالکل نہیں سمجھی۔"

"اچھا تو سمجھو.... تم انجمن کی وفادار ہرگز نہیں ہو تم اس لئے یہاں بھجوائی گئی ہو کہ وہ تمہارے ذریعہ سے مجھ تک پہنچ سکے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میں جس عورت میں دلچسپی لیتا ہوں اُسے اُس کی قبر سے بھی کھود نکالتا ہوں۔ لہٰذا کیوں نہ وہ تمہیں ہی آلہ کار بنائے۔"

"وہ کیا جانے کہ تم مجھ میں دلچسپی لیتے ہو۔"

"اوہ کیا وہ رات بھول گئیں جب میں تمہیں اُس دیہی حویلی میں لے گیا تھا اور وہ تمہاری تلاش میں وہاں جا پہنچا تھا۔"

ساجدہ کچھ نہ بولی۔ اب وہ بھی سوچ رہی تھی کہ آخر گولی اس کے لگی کیوں نہیں تھی۔

کچھ دیر بعد سنگ ہی بولا۔ "کسی کو یقین آئے یا نہ آئے مجھے یقین ہے کہ تم آج کل اُس کے صحیح پتہ سے واقف نہ ہو گی۔ اُس کا کوئی ساتھی واقف نہ ہو گا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"مجھے بھی اس کے بارے میں بتاؤ۔" ساجدہ نے گھگھیا کر کہا۔ وہ قطعی طور پر بھلا چکی تھی کہ خود کس قسم کا رول ادا کر رہی ہے۔

"قریب قریب اتنا ہی حرامی ہے جتنا میں ہوں۔" سنگ ہی نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے تو کم از کم تم جیسی عورتیں ہی سمجھ سکتی ہیں لیکن اُسے کسی قسم کی بھی عورت نہیں سمجھ سکتی.... اور

سنو کئی مواقع ایسے بھی آئے جب میں اُسے ہمیشہ کی نیند سلا سکتا تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔'

"کیوں....؟"

"ایک انجانا سا لگاؤ مجھے روک دیتا ہے۔"

"کیا تم اُسے بہت دنوں سے جانتے ہو۔"

"ہاں اُس وقت سے جب وہ لندن میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔"

"اُس کا پیشہ کیا ہے۔"

"پولیس کے لئے کام کرتا ہے۔ اکثر پرائیوٹ کیسز بھی لے لیتا ہے۔"

"انجمن سے کیوں بگڑ گئی اس کی.... اور اسے اس کا علم کیسے ہوا کہ انجمن غیر قانونی حرکات کی مرتکب بھی ہوتی رہتی ہے۔"

"پروفیسر راشد کی حماقت کی بناء پر انجمن روشنی میں آئی تھی ورنہ سارے کام بحسن و خوبی انجام پاتے رہتے.... وہ میرے متعلق معلومات حاصل کرنے کیلئے عمران کے پاس دوڑا گیا تھا۔"

"تم کیا چاہتے تھے پروفیسر راشد سے....!"

"میں اس کا خاتمہ چاہتا تھا۔"

"کیوں؟ کیا وہ پوری تنظیم کا صدر نہیں تھا۔"

"یقیناً تھا....! لیکن جس ملک کے لئے انجمن کام کر رہی ہے وہ اُس سے غداری پر آمادہ ہو گیا تھا وہ پوری تنظیم کو اس طرح ایک دوسرے ملک کے حوالے کر دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ انجمن کے کسی فرد کو اس تبدیلی کی ہوا بھی نہ لگنے پاتی اور وہ اسی طرح کام کرتی رہتی۔"

"وہ جانتا تھا کہ تم اُس کے پیچھے ہو۔"

"اُسے علم ہو گیا تھا لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ میں کیوں اُس کی تاک میں ہوں۔ دراصل انجمن کے قیام کے بہت پہلے میرے اور اس کے تعلقات رہے ہیں۔ ہم دونوں ہی ہیروں کے خبط میں مبتلا تھے اور اکثر ان کے لئے ساتھ ہی بیرونی ممالک کا سفر کرتے رہتے تھے۔ ایک بار کسی بات پر جھگڑا ہوا اور یہ اتنا بڑھا کہ میں نے اُسے مار ڈالنے کی قسم کھالی۔ پھر عرصہ تک ہم ایک دوسرے سے بے خبر رہے۔ میں اُس ملک کے لئے کام کرنے لگا جس کے لئے راشد نے انجمن بنائی تھی۔ لیکن ہم دونوں ایک دوسرے کے حالات سے بے خبر رہے۔ ویسے ساری دنیا میں میرے متعلق یہی رائے قائم کرلی گئی تھی کہ میں مر چکا ہوں۔ پھر میرے ملک کی سیکرٹ سروس کو علم ہو گیا کہ راشد کسی طرح غداری پر آمادہ ہے۔ اُس کی سرکوبی کے لئے مجھے یہاں بھیجا گیا اگر

راشد کو معلوم ہو جاتا کہ میں اپنا ذاتی انتقام نہیں لینا چاہتا بلکہ اُسی ملک کی طرف سے بھیجا گیا ہوں تو میری فکر میں پڑنے سے پہلے ہی وہ اُن ساری چیزوں اور کاغذات کو تلف کر دیتا جو انجمن سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ تو یہی سمجھا تھا کہ میں صرف اپنی قسم پوری کرنے کے درپے ہوں اوہ.... ختم بھی کرو.... تم نے بھی مجھے کن باتوں میں الجھا لیا۔ کیا تمہیں مجھ پر کبھی رحم نہ آئے گا۔"

"جیتے جی تو ناممکن ہے۔" ساجدہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں خوب جانتا ہوں تم عمران پر ریجھی ہو۔ لیکن یقین کرو کہ وہ اُس حیثیت سے تمہیں کبھی نہ دیکھے گا۔"

ساجدہ کچھ نہ بولی۔ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

صبیحہ تین راتوں سے برابر مالی کی کوٹھری کے چکر لگاتی رہی تھی لیکن پھر اس حیرت انگیز آدمی سے ملاقات نہ ہو سکی۔ وہ اپنا سامان بھی کسی وقت اُس کی لاعلمی میں نکال لے گیا تھا۔

اُس نے سوچا ممکن ہے ڈیڈی کی واپسی کی بناء پر وہ یہاں سے چلا گیا ہو۔ اُس کے باپ طاہر صدیقی دورے سے واپس آگئے تھے اور انہیں گھر کے ہنگاموں کے متعلق بھی سب کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ اختر والا معاملہ بھی اُن کے علم میں لایا گیا۔

انہوں نے صبیحہ کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا تھا جیسے اُن کے اعتماد کو ٹھیس لگی ہو۔

"سب فراڈ تھا ڈیڈی....!" وہ ہنس کر بولی تھی۔

"میں مان لیتا.... اگر وہ پکڑا نہ گیا ہوتا....!" طاہر صدیقی نے مغموم لہجے میں کہا تھا۔

"ارے وہ پتہ نہیں کون شامت زدہ تھا۔ دیکھئے میں ابھی ثابت کئے دیتی ہوں.... وہ خط ممی کے پاس ہے۔"

پھر وہ اُسی مضمون کا دوسرا خط لکھنے بیٹھ گئی تھی اور اپنے باپ کو مطمئن کر دیا تھا لیکن وہ اُس آدمی کے متعلق پھر بھی تشویش میں مبتلا رہے تھے جس نے اس طرح پکڑے اور پیٹے جانے کے باوجود بھی ان لوگوں کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی تھی.... ڈرائیور اور سہیل والے واقعات کے تذکرے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی لہٰذا صبیحہ نے اس سلسلے میں خاموش ہی رہنا مناسب سمجھا تھا۔ ڈرائیور کے بارے میں باپ کو بھی وہی کہانی سنا دی تھی جو ماں کو سنائی تھی۔

آج اچانک طاہر صاحب نے بے حد سنجیدگی سے اُسے مخاطب کیا اور وہ ان کے انداز میں

ہچکچاہٹ سی محسوس کر کے چونک پڑی۔ وہ اُسے الگ لے جا کر گفتگو کرنا چاہتے تھے۔

"مم.... میں تمہیں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تم بہت ذہین اور رحم دل ہو۔"

"شکریہ ڈیڈی۔" اُس نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔ ان کی گفتگو کا یہ انداز اُس کیلئے بالکل نیا تھا۔

"تم نے اپنے مستقبل کے بارے میں کیا سوچا۔"

"فلسفے میں ڈاکٹریٹ لوں گی.... اور کیا ڈیڈی۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"پھر کیا مطلب تھا۔"

"مطلب یہ کہ اب تمہاری شادی ہو جانی چاہئے۔"

"اونہہ.... وہ تو ہو ہی جائے گی۔ لیکن شادی کے بعد مجھے دوسرے کا پابند ہو جانا پڑے گا۔ پھر شائد میں اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکوں۔"

"تم تعلیم جاری رکھ سکو گی.... وہ اس میں قطعی حارج نہ ہوگا۔ اُسے سہارے کی ضرورت ہے بے بی.... تم رحم دل ہو.... ہمدردی کے جذبات سے بھرپور.... میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"کس کی بات کر رہے ہیں آپ....!"

"کرنل حیدر کی۔ وہ تمہاری پھوپھی کا لڑکا ہے۔"

"اُوہ.... تو یہ مسئلہ پھر چھیڑ دیا آپ نے۔ کیا آپ کو علم نہیں کہ میں پہلے ہی شدت سے اس کی مخالفت کر چکی ہوں۔"

"کیا اس لئے کہ اس کی ایک ٹانگ ضائع ہو گئی ہے۔"

"جی ہاں.... وہ قریب قریب اپاہج ہے۔"

"لیکن اتنی دولت رکھتا ہے کہ کئی پشتیں بیٹھ کر کھا سکتیں۔"

"اسی لئے تو وہ میری ہمدردی کا مستحق نہیں۔ دولت اُس کا سب سے بڑا سہارا ہے.... وہ مجھ جیسے سینکڑوں سہارے خرید سکتا ہے۔ میں شادی ضرور کروں گی لیکن کسی دوسرے کا انتخاب کر چکی ہوں۔"

"کس کا انتخاب کر چکی ہو۔" طاہر صاحب نے کسی قدر ناخوش گوار لہجے میں پوچھا۔

"اگلے چوراہے پر پیپل کے درخت کے نیچے ایک فقیر بیٹھا رہتا ہے جس کے دونوں ہاتھ مفلوج ہیں۔"

"کیا بکتی ہو۔"

"میرا دل ہمدردی کے جذبات سے لبریز ہے میں رحم دل ہوں میں اس کا سہارا بنوں گی۔ اُسے کما کر کھلاؤں گی.... اُسے دن بھر ایک ایک پیسے کے لئے حلق نہ پھاڑنا پڑے گا.... میں اس کے لئے دنیا کی ہر آسائش مہیا کروں گی۔"

"بکواس بند کرو.... میں نے تمہیں بہت سر چڑھالیا ہے۔"

"تیر کمان سے نکل چکا ہے۔" صبیحہ نے شانوں کو لاپروائی سے جنبش دی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

غصے سے اُس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ وہ اپنے باپ کو ایسا نہیں سمجھتی تھی کرنل حیدر اُس کی پھوپھی کا لڑکا تھا وہ اسے صرف اس حد تک پسند کرتی تھی کہ شائستہ اور ملن سار تھا لیکن اس سے شادی کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ یقیناً اُس نے پھر ڈیڈی پر دباؤ ڈالا ہو گا اس سے پہلے بھی ایک بار اس کا پیغام آچکا تھا اور اُس نے شدت سے اُس کی مخالفت کی تھی۔ دولت محض دولت .... وہ سوچتی اور تاؤ کھاتی رہی۔ گھر میں جی نہیں لگ رہا تھا۔ اس لئے فائیل سنبھالا اور یونیورسٹی جانے کے لئے گھر سے نکل پڑی۔ اس وقت اپنی کار استعمال کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کیونکہ طاہر صاحب کو آفس جانا تھا۔

بس اسٹینڈ تک پیدل آئی۔ ٹیکسی سے پہلے یونیورسٹی کی بس مل گئی اُس نے سوچا آج بس ہی سہی۔ ہو سکتا ہے اَب عوامی ہی قسم کی زندگی بسر کرنی پڑے۔ ممکن ہے جھگڑا اتنا بڑھ جاتا کہ اُسے خود اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرنی پڑتی۔

یونیورسٹی میں بھی جی نہ لگا۔ کلاس اٹنڈ کرنے کے بعد لائبریری کی طرف چلی آئی۔ اپنا فائیل میز پر ڈال کر الماری میں کتابیں دیکھنے لگی۔ کوئی کتاب پسند نہ آئی۔ اُکتا کر پھر میز کی طرف پلٹی فائیل اٹھایا اور چونک پڑی کیونکہ فائیل کے صفحات سے ایک لفافہ پھسلتا ہوا میز پر گرا تھا۔ اُسے اٹھایا۔ نام اُسی کا تحریر تھا اور لفافہ بند تھا۔

اُس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ سہمی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ ساری ہی صورتیں جانی پہچانی نظر آئیں۔ کوئی اجنبی نہ دکھائی دیا۔

لفافے کو پھر فائیل میں رکھ کر باہر نکل آئی۔ دل کی دھڑکیں تیز ہو گئی تھیں وہ کوئی سنسان گوشہ ڈھونڈھنے لگی جہاں اُس لفافے کو کھول سکتی۔ آخر ایک جگہ موقعہ مل ہی گیا۔ اُس نے لفافہ چاک کر کے پرچہ نکالا۔ انگریزی ٹائپ میں مضمون تھا۔

"تمہارے باپ نے جو کچھ کہا ہے اُس پر تمہیں عمل کرنا پڑے گا۔ انکار کی صورت میں ایک

تباہ کن مقدمے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تمہارے باپ کا عہدہ بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔ مرنے والے کا بیان پولیس کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ اپنی رضامندی فوراً ظاہر کرو۔ صرف دو دن کی مہلت دی جاسکتی ہے۔"

اُس نے ایک طویل سانس لی اور پرچے کو دوبارہ لفافے میں رکھ کر فائیل میں ڈال لیا۔

اس جنجال سے کیسے نجات ملے گی۔ اُسے اختر یاد آیا.... لیکن وہ بھی تو نہیں ملا کئی دنوں سے اب کیا ہو گا۔ اب اگر سہیل والا واقعہ سامنے آتا ہے تو ڈیڈی بھی ریوالور تان کر کھڑے ہو جائیں گے کہ اس نے پہلے ہی انہیں کیوں نہیں بتایا جب سہیل اُس کا تعاقب کیا کرتا تھا لیکن اس بلیک میلر کا کرنل حیدر سے کیا تعلق۔ اُوہ سمجھی وہ لنگڑا مردود ایسی اوچھی حرکتوں پر اتر آیا۔ بڑا گھمنڈ ہے دولت پر.... سب خاک میں نہ مل جائے تو سہی۔ لنگڑا.... صورت حرام۔

وہ یونیورسٹی کے بس اسٹاپ کی طرف بڑھ رہی تھی کہ ایک خالی ٹیکسی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اُس کے قریب سے گذری۔

"ٹیکسی....!" اُس نے ہاتھ اٹھا کر آواز دی۔ ٹیکسی رک گئی.... ڈرائیور نے نیچے اتر کر میٹر ڈاؤن کیا اور اُس کے لئے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا۔

وہ ڈرائیور کو گھورتی ہوئی ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ آنکھیں کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی تھیں۔ دفعتاً ڈرائیور نے آہستہ سے کہا۔ "اس طرح نہ گھورو۔"

اور پھر وہ سیٹ پر اچھل ہی پڑی کیونکہ وہ آواز اختر کی تھی۔ اُس نے ایک طویل سانس لی اور سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

ٹیکسی چل پڑی اور صبیحہ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم یہاں کہاں۔"

"کل سے ایک آدمی کا تعاقب کر رہا ہوں۔ وہ یہاں آیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ تمہارا تعاقب کر رہا ہے۔"

"کون تھا.... کیا گھر ہی سے میرا تعاقب کر تا رہا تھا۔"

"نہیں.... یہاں آکر مختلف عمارتوں میں کسی کو تلاش کرتا رہا تھا۔ جب تمہیں دیکھا تو پھر آگے نہیں بڑھا۔ لائبریری تک تمہارے پیچھے پیچھے ہی گیا تھا جب تم الماریوں میں کتابیں دیکھتی پھر رہی تھیں تو وہ ایک جگہ رک کر تمہاری نگرانی کرنے لگا تھا۔"

"تب تو یہ خط اُسی نے میرے فائیل میں رکھا ہو گا۔"

"کیسا خط....!"

"اُسی بلیک میلر کی طرف سے موصول ہوا ہے۔"

"اوہو.... اُوہ....!" صبیحہ نے اُس کی آواز میں اضطراب محسوس کیا۔

"کیوں کیا بات ہے؟"

"تب تو میں نے غلط آدمی کا تعاقب نہیں کیا تھا اور اب وہ میرا تعاقب کر رہا ہے۔" ڈرائیور نے عقب نما آئینے کی پوزیشن بدلتے ہوئے کہا۔ "تم پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا وہ سرخ رنگ کی سپورٹس کار میں ہے۔"

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" صبیحہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"فکر مت کرو۔ مجھے پڑھ کر سناؤ کیا لکھا ہے۔"

صبیحہ نے خط کا مضمون دہرایا۔ ڈرائیور تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "تمہارے والد تم سے کیا چاہتے ہیں۔"

"اُن کی پسند سے شادی کروں۔"

"کسی خاص آدمی کی طرف خیال ہے۔"

"ہاں.... میرے پھوپھی زاد بھائی کا پیغام ہے۔"

"تو یہ بلیک میلر اُسی پھوپھی زاد بھائی کے حق میں تمہیں بلیک میل کر رہا ہے۔"

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"ذرا اُن ذات شریف کا بھی اَتا پتا بتاؤ۔"

"یہاں کے بڑے آدمیوں میں سے ہے.... کرنل حیدر....!"

"اُوہ.... وہ لنگڑا تو نہیں۔"

"وہی.... وہی.... کیا تم اُسے جانتے ہو۔"

"کہیں دیکھا تھا....؟" اُس نے لاپروائی سے کہا۔

"پھر اب میں کیا کروں؟"

"دو دن کا وقت دیا ہے اُس نے.... دو دن بہت ہوتے ہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیا ٹھیک ہو جائے گا۔"

"وہی جو تم چاہتی ہو۔ تم اُس سے شادی نہیں کرنا چاہتیں۔"

"ہرگز نہیں۔"

"تو بس یہ شادی نہیں ہو سکے گی۔"

"لیکن بلیک میلر....!"

"دو دن بعد شائد اُس کا نشان بھی نہ مل سکے۔"

"تم کیا کرو گے۔"

"اس وقت وہ کام ہوا ہے کہ اب میں بہت کچھ کر سکوں گا۔"

"تم اب رات کو کہاں رہتے ہو۔"

"چکر لگاتی رہی ہو کوٹھری کے.... کیوں؟"

"نن.... نہیں.... تو....!"

"پھر یہ کیوں پوچھ رہی ہو۔"

"ارے تو بحث کی کیا ضرورت ہے۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ سرخ رنگ کی اسپورٹ کار ٹیکسی کے پیچھے اب بھی تھی۔

*

ریٹا جبرائیل چلتے چلتے رک گئی۔ حسب ہدایت اُسے ایک میل پیدل چلنا تھا تاکہ وہ اس پر بھی نظر رکھے کہ اُس کا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا۔

وہ دل ہی دل میں ہنس رہی تھی۔ بھلا اب انہیں تعاقب کی کیا ضرورت ہے۔ جب کہ وہ انہیں کے لئے کام کر رہی ہے۔ وہ جوزف سے بہت زیادہ متاثر تھی۔ پہلے وہ اُس کا مضحکہ اڑایا کرتی تھی لیکن اب احترام کا جذبہ اُس پر ہنسنے سے روک دیتا تھا۔

انجمن سے متعلق اُس کے خیالات بہت پہلے سے متزلزل تھے۔ انجمن میں شریک ہونے سے پہلے وہ اسے بے فکرے کھلنڈرے اور ایڈونچر کے شائق آدمیوں کی تنظیم تصور کرتی تھی لیکن رفتہ رفتہ اُسے احساس ہوا تھا کہ اُس سے کئی جرائم بھی سرزد ہو چکے ہیں اور اب وہ کبھی ان لوگوں سے چھٹکارا نہ پا سکے گی۔ اجتماعی حیثیت سے وہ ایک دوسرے کی پردہ پوشی کر سکتے تھے لیکن الگ رہ کر شاید ایک دن بھی پولیس کی گرفت سے آزاد نہ رہ سکتے۔ لہٰذا کوشش کے باوجود بھی وہ اُن سے الگ نہ ہو۔

اب ایک موقعہ ہاتھ آیا تھا۔ وہ ایک ایسے آدمی کے ساتھیوں سے آ ٹکرائی تھی جسے انجمن کے مفاد میں قتل کر دیئے جانے کی اسکیم بنائی گئی تھی اور وہ آدمی پولیس کے لئے کام کر رہا تھا۔ گلو خلاصی کے لئے بہترین موقعہ تھا۔

آج صبح جوزف نے بڑی سنجیدگی سے اُسے اپنے باس کا پتہ بتایا تھا اور اُس نے اُس سے پوچھا تھا کہ اس طرح پتہ بتانے کا مقصد کیا تھا۔

جوزف نے شانوں کو لاپروائی سے جنبش دے کر کہا تھا۔ "میں نہیں جانتا مقصد و قصد۔ باس نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہیں ان کا پتہ بتادوں۔"

ریٹا سمجھ گئی کہ اس سے باس کا کیا مقصد ہے۔ خود اُسکے ذمے انجمن کیطرف سے یہی کام تو تھا کہ وہ جوزف کو ڈھرے پر لا کر اُس سے عمران کا وہ پتہ معلوم کرے جہاں وہ یقینی طور پر مل سکے۔

اُس نے مخصوص ہرکارے کے ذریعہ جمشید کیانی کو اطلاع دی کہ اُس کے پاس ایک اہم اطلاع ہے۔ جمشید کیانی نے مخصوص ہدایات کے تحت اُسے ایک جگہ پہنچنے کے لئے پیغام بھجوایا تھا اور اب وہ اُسی بتائے ہوئے پتہ پر پہنچنے کے لئے ہوٹل سے نکلی تھی۔

ایک میل پیدل چلنے کے بعد وہ بائیں جانب والے کچے راستے پر مڑ گئی۔ ادھر وہ پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ یہاں عالی شان کوٹھیاں تو موجود ہیں لیکن سڑک آج تک پکی نہ ہو سکی۔ اگر ان کوٹھیوں کے رہنے والے آپس ہی میں چندہ کر کے اس سڑک کو پختہ کرانا چاہتے تو یہ کوئی ایسی بڑی بات نہ تھی۔

اُس نے مڑ کر دیکھا دور دور تک کسی ایسے آدمی کا پتہ نہ تھا جس پر تعاقب کرنے والے کا شبہ کیا جاسکتا۔ تیسری عمارت کے پھاٹک پر وہ ٹھٹکی۔ کیونکہ عمارت سنسان معلوم ہوتی تھی۔ اُسے یہیں آنا تھا۔ پھاٹک پر نیم پلیٹ بھی موجود نہیں تھی۔ وہ پھاٹک سے گذر کر اُس روش پر ہولی جو پورچ تک جاتی تھی۔

برآمدے میں پہنچ کر کال بل کا بٹن دبا دیا.... دور سے گھنٹی کی آواز آئی اور پھر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ دروازہ کھلا۔

ایک دبلا پتلا اور لمبا سا چینی سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"اُوہ.... شاید میں غلط جگہ آگئی ہوں۔" ریٹا نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بالکل صحیح آئی ہو۔ مس ریٹا جبرائیل.... اندر آجاؤ۔" اُس نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔ لیکن لہجے میں ایسی کوئی چیز ضرور تھی جس کی بناء پر ریٹا نے سخت توہین محسوس کی تھی۔

قہراً جبراً اندر آئی۔ چینی اُس کے پیچھے چل رہا تھا۔ آخر اُس نے ایک دروازے میں مڑنے کو کہا جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی ایک جانی پہچانی شکل نظر آئی یہ ساجدہ حبیب تھی۔

"تم....!" ریٹا کی زبان سے اتنا ہی نکلا پھر اُس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے چینی بھی

اُس کے بعد ہی کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"بیٹھو.... ریٹا....!" اُس نے کہا۔ "یہ ساجدہ حبیب ہیں۔"

"میں جانتی ہوں۔" ریٹا نے خشک لہجے میں کہا۔

"یہ اور اچھی بات ہے۔"

"تم کون ہو۔" ریٹا نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔

"شش....!" ساجدہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔ "ہمارا اصلی باس۔"

"کیا مطلب....!"

"انجمن کا اصلی سربراہ۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"رفتہ رفتہ سمجھ جاؤ گی۔" چینی ہنس کر بولا۔

"مگر میرا پیغام تو جمشید کیانی کے لئے تھا۔"

"رہا ہوگا.... ہاں تو بتاؤ.... وہ اہم اطلاع کیا تھی۔"

"یعنی.... تو کیا یہ....!" ریٹا ساجدہ کی طرف دیکھ کر بولی۔ "میرا مطلب یہ ہے۔"

"جمشید کیانی بھی انہیں کو جوابدہ ہے۔" ساجدہ نے کہا۔

ریٹا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "اُن لوگوں کو تمہارے اس طرح غائب ہو جانے پر بے حد تشویش ہے۔"

"ہونی ہی چاہئے۔" ساجدہ مسکرائی۔

"تو اب تم اُن میں واپس نہیں جاؤ گی۔"

"کیا ضرورت ہے۔"

"ارے میں اُس اہم اطلاع کا منتظر ہوں۔" چینی بول پڑا۔

"میں تمہیں نہیں جانتی اس لئے کسی قسم کی اطلاع نہیں دے سکتی۔"

"تم غلطی پر ہو ریٹا مجھ پر اعتماد کرو۔" ساجدہ بولی۔

"نہیں.... تم کیانی سے فون پر گفتگو کر سکتی ہو۔" چینی نے میز پر رکھے ہوئے فون کی طرف اشارہ کیا۔

"میں یقیناً ایسا ہی کروں گی۔"

"بہت محتاط ہو۔" چینی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ "یہ اچھی بات ہے۔"

ریٹا نے اٹھ کر کیانی کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے اُسی کی آواز آئی اور اُس نے اُسے مطمئن کر دیا تھا کہ وہ کسی غلط آدمی سے گفتگو نہیں کر رہی جو اطلاع وہ اسے دینا چاہتی تھی چینی کو بھی دے سکتی ہے۔ ریسیور رکھ کر وہ چینی کی طرف مڑی۔ اب صرف وہی دونوں اس کمرے میں تھے۔ ساجدہ جا چکی تھی۔

"جوزف کا باس.... دن بھر ادھر اُدھر رہتا ہے۔" ریٹا نے طویل سانس لے کر کہا۔ "لیکن رات ہر حال میں ڈپٹی کلکٹر طاہر صدیقی کے بنگلے میں بسر ہوتی ہے۔ کمپاؤنڈ میں مالی کی کوٹھری ہے.... وہیں سوتا ہے۔"

"طاہر صدیقی کے بنگلے میں..!" چینی بڑبڑا کر کچھ سوچنے لگا۔ ریٹا خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی۔

"تمہیں یہ اطلاع کیسے ملی۔" اُس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"جوزف نے بتایا تھا۔"

"خود بخود....؟"

"ہاں وہ بہت خائف ہے۔ اب تک اُسے خوف ہے کہ پولیس اُس کے خلاف ضرور کوئی نہ کوئی کارروائی کر بیٹھے گی کیونکہ اُس سے کسی کاغذ پر دستخط لئے گئے تھے۔ میں بھی اُسے کہتی رہی ہوں کہ جب تک پولیس اُس کے باس تک نہیں پہنچ جاتی وہ خطرے ہی میں رہے گا۔"

"اُس نے وہ واقعہ اپنے باس سے ضرور بیان کیا ہوگا کیا خیال ہے تمہارا۔" چینی نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں بھلا اس کا کیا جواب دے سکوں گی۔"

"اُس نے یقیناً تذکرہ کیا ہوگا۔ اور اُس کا باس اتنا احمق نہیں ہے کہ اُسے صحیح آدمیوں کی کارروائی سمجھا ہو۔ اُس نے یہاں کے سارے تھانوں سے اس کے متعلق معلومات حاصل کی ہوں گی۔ تم سب احمق ہو۔ جمشید کیانی نے مجھ سے اپنی اس اسکیم کا تذکرہ نہیں کیا تھا، جو کچھ کرنا تھا احمقوں کی طرح کر بیٹھا.... خیر اب یا تو جوزف تمہیں اُلو بنا رہا ہے یا پھر تم مجھے اُلو بنانے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"کک.... کیا مطلب....!" ریٹا بوکھلا گئی۔

"کچھ نہیں....!" چینی مسکرایا۔ "کیا عمر ہوگی تمہاری۔"

"پچیس سال... مم.... مگر کیوں؟ تمہیں کیا حق ہے میری عمر پوچھنے کا۔" ریٹا کو غصہ آ گیا۔

"اچھی لگتی ہو۔"

"شٹ اپ....!"

"مجھ سے محبت کرو گی۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ ٹھہرو بتاتی ہوں۔" وہ فون کی طرف جھپٹی لیکن چینی نے کلائی پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ کتنی سخت گرفت تھی۔ ریٹا کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کلائی کی ہڈی ٹوٹ ہی جائے گی۔

وہ مسکرا کر بولا۔ "تم جوزف کے باس سے مل گئی ہو۔"

"چھوڑ میرا ہاتھ۔" وہ آپے سے باہر ہو گئی۔ "ہاں میں اُس سے مل گئی ہوں۔ گندے سور۔ تم سب بہت جلد فنا کر دیئے جاؤ گے۔"

چینی نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ "میں غلط تو نہیں کہہ رہا تھا کہ تم مجھے اُلو بنا رہی ہو۔"

پھر اُس نے اس طرح جھٹکا دیا کہ وہ اُس سے آ ٹکرائی اور اب وہ اس کے ہاتھوں کے حلقے میں تھی۔ جیسے جیسے وہ الگ ہونے کی کوشش کر رہی تھی حلقہ تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ آخر وہ چیخنے لگی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" دروازے کی طرف سے ساجدہ کی آواز آئی۔

"سب ٹھیک ہو رہا ہے۔" چینی نے کہا۔ "تم ذرا دوڑ کر میرے لئے دو پگ بنا لاؤ۔"

"میں کہتی ہوں چھوڑو.... اسے ورنہ....!"

"بھاگ جاؤ....!"

"تم واقعی پکے سور ہو۔ ابھی مجھ پر مر رہے تھے.... اور اب یہ۔"

"مگر تم مرنے کب دیتی ہو۔"

"میں کہتی ہوں چھوڑ دو۔ ورنہ سر پھاڑ دوں گی۔" ساجدہ نے میز پر سے پیپر ویٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔

ریٹا کی گھگھی بند گئی دفعتاً اُس نے محسوس کیا کہ گرفت ڈھیلی پڑ رہی ہے اور پھر اُس نے چھوڑ ہی دیا اب وہ ساجدہ کو گھورے جا رہا تھا۔

"تم میرا سر پھاڑو گی کیوں؟" دفعتاً وہ سانپ کی طرح پھپھکارا۔

"ہاں تمہارا سر پھاڑ دوں گی؟"

"رقابت....!" وہ مسکرایا۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔ لیکن اس قسم کی حرکتیں نہیں ہونے دوں گی۔"

"اسے اچھی طرح جانتی ہو۔"

"ہاں.... یہ بھی انجمن کی ممبر ہے۔"

"انجمن کی ممبر تو تم بھی ہو۔" وہ بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

ساجدہ کچھ نہ بولی۔ اُس نے پھر کہا۔ "لیکن یہ بھی تمہاری ہی طرح عمران پر ریجھ گئی ہے۔"

ساجدہ نے ریٹا کو گھور کر دیکھا اور چینی ہنس کر بولا۔ "یہ مجھے اُلو بنانے آئی تھی۔ بظاہر انجمن سے متعلق ہے لیکن اُن کی ہمدرد ہے۔ اُن کی نہیں صرف عمران کی۔"

ریٹا خاموش تھی۔ غصے کے مارے بُرا حال تھا۔ شرمندگی بھی تھی اور اس جذباتی الجھاؤ نے زبان الگ روک رکھی تھی۔ ورنہ اُسے تو اُبل پڑنا تھا۔ اس ذہنی کشمکش کے دوران میں ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے اب سر چکرائے گا اور بے سدھ ہو کر گر پڑے گی۔

کچھ دیر بعد ساجدہ نے اُس سے پوچھا۔ "کیا یہ سچ ہے کہ تم انجمن کے مفاد کے خلاف کام کرنے لگی ہو۔"

"بالکل غلط ہے۔ اس نامعقول آدمی نے مجھے خواہ مخواہ غصہ دلا کر ایسی بات میری زبان سے نکلوا دی جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور پھر یہ تو تمہارے لئے بھی یہی کہہ رہا تھا۔"

"تم دونوں کے سامنے ہی عمران کو قتل کروں گا۔ مطمئن رہو۔ تم دونوں سچی ہو اور اُس کے خون کی پیاسی بھی۔" چینی نے تلخ لہجے میں کہا۔

اس کے بعد وہ فون کی طرف بڑھا۔ ریٹا دیکھ رہی تھی کہ اُس نے جمشید کیانی ہی کے نمبر ڈائیل کئے ہیں۔

✡

جمشید کیانی فون کا ریسیور کریڈل پر رکھ کر رومال سے پیشانی کا پسینہ خشک کرنے لگا۔ سامنے بیٹھے ہوئے دونوں آدمی اُسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"کیا بات ہے جناب....!" اُن میں سے ایک نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"ہم غلطیوں پر غلطیاں کر رہے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"ریٹا اور جوزف والی اسکیم مناسب نہیں تھی۔"

"آپ یقین کیجئے۔ ہم شروع سے اخیر تک دیکھتے رہے تھے ان کا تعاقب نہیں کیا گیا۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن ہم اُسے بھول گئے تھے کہ وہ خود پولیس کے لئے کام کرتا رہتا ہے۔ کچھ

تعجب نہیں کہ اس بار بھی پولیس ہی کے لئے کام کر رہا ہو ایسی صورت میں پولیس کا چکر چلا کر اُسے قابو میں کرنے کی کوشش حماقت ہی تھی۔"

"پھر بتایئے ہم کیا کر سکتے ہیں۔ جو کچھ ہم سے کہا گیا تھا ہم نے اُس میں کوتاہی نہیں کی۔"

"نہیں.... غلطی میری ہی تھی۔ اب خیال یہ ہے کہ ریٹا ان لوگوں سے مل گئی ہے؟"

"ختم کر دیں اُسے۔"

"نہیں.... وہ صدر صاحب کے پاس ہے۔"

"یہ صدر صاحب میری سمجھ میں نہیں آتا جناب۔ ہم تو آپ ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے۔"

"پروفیسر راشد کی موت کے بعد وقتی طور پر چارج مجھے ملا تھا۔"

"اب.... یہ کون ہے۔"

"اپنی حدود میں رہو۔" جمشید کیانی کو غصہ آ گیا۔

"اوہ.... مجھے افسوس ہے جناب۔"

جمشید کیانی تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا نتھنے پھلاتا رہا۔ پھر غصیلی آواز میں بولا۔ "جو کوئی بھی ہے مجھ سے بہتر ہے۔ جانتے ہو وہ کون تھا جسے ہم طاہر صدیقی کے بنگلے میں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔"

دونوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"صدر کا خیال ہے کہ وہ عمران کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

"وہ یعنی.... اُس کا ڈرائیور....!"

"ہاں ڈرائیور....!"

"لیکن ہم نے تو اُسے اچھی طرح دیکھا تھا اور عمران کی تصویر بھی اچھی طرح دیکھ چکے ہیں۔ ہمیں تو دونوں میں ہلکی سی مشابہت بھی نہیں محسوس ہوئی تھی۔"

"میک اپ بھی ہو سکتا ہے۔"

وہ دونوں کچھ نہ بولے۔ تھوڑی دیر بعد ایک نے کہا۔ "آخر وہ اس طرح طاہر صدیقی کے بنگلے تک کیسے جا پہنچا۔"

"تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ پروفیسر راشد کے سارے کاغذات غائب ہو گئے تھے۔ اس میں اسی عمران کا ہاتھ تھا اور طاہر صدیقی کے بنگلے کے سامنے والی عمارت ہمارے اہم ترین ٹھکانوں میں سے ہے۔ سہیل وہاں رہتا تھا۔ پروفیسر کے کاغذات نے اُس عمارت کی نشاندہی کی ہو گی۔"

وہ ابھی کچھ اور کہنے والا تھا کہ بیساکھیوں کی کھٹ کھٹ سنائی دی اور کرنل حیدر کمرے میں داخل ہوا۔ بہت زیادہ غصے میں معلوم ہوتا تھا وہ تینوں کھڑے ہو گئے۔

وہ ایک گوشے میں رکھی ہوئی کرسی کی طرف بڑھتا ہی چلا گیا۔

"اِدھر تشریف لائیے جناب۔" جمشید کیانی نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" کرنل حیدر غرایا اور بیساکھیوں سے ہاتھ نکال کر بیٹھ گیا۔ وہ تینوں بھی بیٹھ گئے تھے اور اُسے تحیر آمیز سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

کرنل حیدر نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر باہر نکالا تو اس میں اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور نظر آیا جس کا رخ اُنہیں تینوں کی طرف تھا۔

"اپنے ہاتھ اٹھا کر میز پر رکھ لو۔" اُس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

انہوں نے مشینی طور پر اپنے ہاتھ میز پر رکھ لئے۔ لیکن اُسے ایسی ہی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے سمجھتے ہوں کہ اُس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔

"لیکن..... یہ کیوں.....!" جمشید کیانی نے احتجاج کیا۔

"یہ اس لئے کہ تم لوگ ابھی تک مجھ سے فراڈ کرتے رہے ہو۔ پچپن ہزار روپے مجھ سے وصول کر چکے ہو۔"

"ہم کام بھی تو کر رہے ہیں۔"

"اور اُسی کام کے صلے میں تم تینوں مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

"آپ ہوش میں ہیں یا نہیں.....!" ایک آدمی غرایا۔

"شٹ اپ..... میں تم سے بات نہیں کر رہا۔"

"مجھے کچھ سمجھنے بھی دیجئے جناب۔" جمشید نے کہا۔

"پچھلی رات..... وہ ڈرامہ کس لئے ہوا تھا۔"

"کون سا ڈرامہ!"

"تمہارے تین نقاب پوش۔"

"ہمارے تین نقاب پوش..... میں کچھ نہیں سمجھا۔"

"گولیاں ہی تمہیں سمجھائیں گی۔ میری ایک ٹانگ محاذ جنگ پر ضائع ہوئی تھی سمجھے۔"

"آپ کچھ بتائیے تو سہی..... ہم بالکل لاعلم ہیں۔"

"میں کہتا ہوں وہ خط مجھے واپس کر دو جو تمہارے آدمیوں نے پچھلی رات زبردستی مجھ سے لکھوایا

تھا۔ مجھے اذیتیں دی تھیں۔ میری بیساکھیاں چھین لی تھیں اور مجھے زمین پر گھسٹنے پر مجبور کیا تھا۔"

"خدا کی پناہ.....! میں اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا۔" جمشید کیانی بولا اور اُن دونوں کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

"ہم بھی کچھ نہیں جانتے یقین کیجئے..... ہم اتنا ہی کرتے ہیں جتنے کیلئے ہم سے کہا جاتا ہے۔"

"ہوں..... لیکن انہوں نے آپ سے کیا لکھوایا تھا۔" جمشید کرنل کی طرف مڑا۔

کرنل حیدر بھی کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "ماموں طاہر صدیقی کے نام ایک خط لکھوایا تھا جو کچھ وہ بولتے گئے لکھتا رہا تھا۔ بے بس تھا۔"

"آخر کیا لکھوایا تھا۔"

"بس یہ لکھوایا تھا کہ اگر خط ان تک پہنچ گیا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دونوں خاندانوں کے تعلقات بہتر نہ ہو سکیں گے۔"

"کیا آپ خط کا مضمون بتا سکیں گے۔" کیانی نے پوچھا۔

"مجھے مزید اُلو بنانے کی کوشش نہ کرو۔ خط میرے حوالے کر دو۔ میں پچیس ہزار روپوں کو صبر کر لوں گا۔"

"میں آپ کو یقین دلاؤں..... ہمارا معاہدہ تھا کہ اگر آپ کا کام نہ ہو سکا تو ہم پائی پائی واپس کر دیں گے۔"

"لہٰذا کام نہیں ہو سکا اور تم پائی پائی بھی واپس نہیں کرنا چاہتے۔" کرنل حیدر نے تلخ لہجے میں کہا۔

"کرنل حیدر براہِ کرم ریوالور جیب میں رکھ لیجئے اور شریف آدمیوں کی طرح گفتگو کیجئے۔ پتہ نہیں آپ کس غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔"

"میں غلط فہمی کا شکار ہوا ہوں۔" کرنل حیدر نے چیخ کر پوچھا۔

"ہاں آپ غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔" کیانی بھی میز پر گھونسہ مار کر دہاڑا۔

پھر کچھ دیر کے لئے سکوت طاری ہو گیا تھا۔

آخر کرنل حیدر نے اوپری ہونٹ بھینچ کر پوچھا۔ "میں کس طرح غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہوں۔"

"آپ کو یاد ہوگا ابھی کچھ ہی دن ہوئے ہمارا وہ آدمی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا جو آپ کے سلسلے میں کام کر رہا تھا۔"

"اچھا تو پھر.....؟"

"کیا خیال ہے آپ کا کہ وہ اُس لڑکی کے ہاتھوں مرا ہو گا۔"

"آہم....!" کرنل حیدر کسی سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔ "تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ اپنے کچھ مددگار بھی رکھتی ہے۔"

"بالکل.... میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔" کیانی نے طویل سانس لے کر کہا۔ "اسی لئے میں خط کا مضمون بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

کرنل حیدر پھر خاموش ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر ایسے ہی تاثر تھے جیسے خود کو مطمئن نہ ہونے دینا چاہتا ہو۔ بالآخر کچھ دیر بعد اُس نے بتایا کہ خط اُس کے ماموں یعنی لڑکی کے باپ کے نام لکھوایا گیا تھا۔ الفاظ سخت اور توہین آمیز تھے یعنی اُس کی لڑکی خود کو کیا سمجھتی ہے۔ اُس جیسی دس لڑکیاں وہ خرید سکتا ہے اور اگر وہ چاہتے تو پل بھر میں اُس کی ڈپٹی کلکٹری بھی خاک میں مل سکتی ہے۔ وہ جیل جا سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اخیر میں لکھوایا گیا تھا کہ وہ خود ہی ایسی خود سر اور مغرور لڑکی سے شادی کرنا پسند نہیں کرے گا۔

"بہت بُرا ہوا۔" جمشید کیانی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "اگر خط اس کے باپ کو مل گیا تو ہماری ساری محنت برباد ہو جائے گی۔"

"تمہاری کیسی محنت....!" کرنل حیدر نے پوچھا۔

"ہم لڑکی کو اسی معاملے میں بلیک میل کر کے راہ پر لانے کی کوشش کر رہے تھے۔"

کرنل حیدر کا ریوالور والا ہاتھ خود بخود جھکتا چلا گیا اب وہ سبھی خاموش تھے۔

کچھ دیر بعد کرنل حیدر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "کیا تم ان لوگوں کو جانتے ہو جو اُس کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔"

"ہاں جانتا ہوں لیکن عرصہ سے اُن کے ہاتھوں تنگ بھی ہیں ہم لوگ۔"

"کچھ کرو... کہ وہ خط ماموں تک نہ پہنچ سکے۔ میں اُس کے لئے تمہیں مزید دس ہزار دوں گا۔"

"اب میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ کوئی حتمی وعدہ کر سکوں۔"

"تو پھر میرے پچپن ہزار....!"

"آپ نے خود ہی تحریر دے کر کھیل بگاڑ دیا ہے۔ بھلا ہم پر اس کی ذمہ داری کیسے عائد ہو سکتی ہے۔"

ابھی وہ بات ختم بھی نہیں کر پایا تھا کہ اُس کے ساتھیوں میں سے ایک نے کرنل حیدر پر چھلانگ لگائی اور ریوالور اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دوسرے نے جھپٹ کر ریوالور اٹھایا اور پھر اپنی

جگہ پر جا بیٹھا۔

"یہ.... یہ.... کیا.... تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔" کرنل حیدر حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"آپ مطمئن رہئے کرنل صاحب۔ ہم نے احتیاطاً ریوالور آپ سے لے لیا ہے۔ کیونکہ آپ اس وقت غصے میں ہیں۔"

کرنل حیدر بے بسی سے انہیں دیکھتا رہا پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "وہ اُس حبشی آدمی کا کیا معاملہ تھا۔ وہ کون تھا اور تم نے مجھے کس قسم کا رول ادا کرنے کو کہا تھا۔"

"اسے بھول جائیے۔ ہم آپ کے لئے اتنا کچھ کرتے رہے ہیں اگر آپ نے بھی کسی معاملے میں ہماری تھوڑی سی مدد کر دی تو کیا ہوا۔"

"لیکن وہاں پولیس والوں کا بھی تو چکر تھا۔"

"میں پھر کہتا ہوں کہ اُسے بھول جائیے۔ ورنہ بڑے خسارے میں رہئے گا۔"

کرنل حیدر بیساکھیاں ٹیک کر اٹھتا ہوا بولا۔ "میرا ریوالور واپس کرو۔ میں جا رہا ہوں۔"

کیانی نے ریوالور اپنے ساتھی کے ہاتھ سے لے کر اُسے خالی کیا اور اٹھ کر کرنل حیدر کے پاس آیا۔

"آپ بہت غصے میں ہیں۔" وہ اُس کی طرف ریوالور بڑھاتا ہوا بولا۔ "میں دیکھوں گا کہ آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ کوشش تو یہی ہو گی کہ خط اُس کے باپ تک نہ پہنچ سکے۔"

کرنل حیدر نے جھٹکے کے ساتھ ریوالور اُس کے ہاتھ سے لیا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔

وہ اس کی بیساکھیوں کی کھٹ کھٹ سنتے رہے۔ چہرے پر فکر مندی کے آثار تھے۔ کافی دیر تک وہ ایک دوسرے سے نہیں بولے۔

✿

ساجدہ نے کراہ کر کروٹ لی اور آنکھیں کھول دیں۔ دیر تک پلکیں جھپکائے بغیر خلا میں گھورتی رہی پھر بڑبڑاتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ "پھر وہی منحوس تہہ خانہ....!"

پچھلی رات وہ اسی تہہ خانے میں سوئی تھی۔ لیکن آنکھ کھلی تھی تو خود کو ایک ایسی عمارت میں پایا تھا جہاں سے آسمان بھی نظر آیا تھا۔ ریٹا سے بھی ملاقات ہوئی۔ سنگ ہی دن بھر دونوں کو چھیڑتا اور اُن کی گالیاں سنتا رہا تھا۔

سرِ شام اُسے نیند آ گئی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ شام کی چائے میں بھی کوئی خواب آور چیز شامل رہی ہو۔

اور اب پھر وہی تہہ خانہ.... اس نے گھڑی دیکھی بارہ بج رہے تھے۔ رات ہی کے بارہ بجے ہوں گے۔ اُس نے سوچا یہ کم بخت چینی سچ مچ حرام زادہ معلوم ہوتا ہے۔ کس طرح شیشے میں اتارا تھا ریٹا کو.... اب وہ اُس کے ساتھ ہی ہوگی۔ کچھ بھی ہو اتنی بات تو ہے.... ورنہ زندگی پر نہیں آمادہ ہوتا۔

پھر وہ اپنے نامعلوم انجام کے متعلق سوچنے لگی۔ خیالات میں اس طرح ڈوب گئی کہ گردوپیش کی خبر ہی نہ رہی۔

پھر وہ کسی قسم کی آواز ہی تھی جسے سن کر اچھل پڑی تھی۔ قہقہہ.... تیز قسم کا قہقہہ.... دروازے کی طرف مڑی۔

سنگ ہی کھڑا بے تحاشہ ہنس رہا تھا۔ وہ غصیلی نظروں سے اُسے دیکھتی رہی۔ مردود نے بُری طرح ڈرادیا تھا۔ صورت حرام کہیں کا۔

"پھنس گیا....!" وہ ہاتھ اٹھا کر بدستور ہنستا ہوا بولا۔ "بالآخر چوہا پھنس گیا۔"

"کون پھنس گیا....؟"

"وہی عمران.... جس کے لئے تم اپنی جان ہتھیلی پر لئے پھرتی تھی۔ اب میں تمہارے ہی سامنے مار ڈالوں گا تاکہ تم سکون ہی سے میری ہو سکو۔ پہلے طرح دیتا تھا اب ناممکن ہے۔"

"کہاں ہے.... کیسے پھنسا....!"

"آؤ دکھاؤں.... میں اَب اس دردِ سر کو ختم ہی کر دینا چاہتا ہوں۔"

وہ واپسی کے لئے مڑا.... ساجدہ بھی اُس کے پیچھے چل پڑی.... آخر کار وہ لفٹ کی شکل کے ایک بہت بڑے پنجرے کے پاس آپہنچے۔

پنجرے کے اندر عمران کھڑا احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہا تھا۔

بیک بیک ساجدہ ہنس پڑی اور سنگ ہی نے اُسے حیرت سے دیکھتے ہوئے پلکیں جھپکائیں۔

"اب بتاؤ" ساجدہ عمران کو گھونسہ دکھاتی ہوئی بولی۔ "گن گن کر بدلے لوں گی۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ انداز سے ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے سچویشن کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ دفعتاً ساجدہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "تم نے اُس دن مجھے پبلک گارڈن میں بلوایا تھا ملنے کے لئے اور پھر وہیں مجھے قتل کر دینے کی کوشش کی تھی۔ کیوں؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ کیا تمہارے ہی لئے اپنی زندگی نہیں برباد کر لی تھی۔"

"غالباً میں نے تم سے کہا تھا کہ تم میرے لئے اپنی زندگی برباد کر لو۔" عمران نے بھی کسی

لڑاکا عورت کے سے انداز میں جلے کٹے لہجے میں کہا۔ بس صرف ناک پر انگلی بھی رکھ لینے کی کسر رہ گئی تھی۔

"ارے نہیں.... لڑو نہیں تم لوگ۔" سنگ ہی ہنس کر بولا۔ "ضروری نہیں کہ مرنے سے پہلے یہ بیچارہ گالیاں بھی کھائے۔ ویسے تم دونوں ہی کی گفتگو سے مکاری کی بو آرہی ہے۔ سنو بھتیجے میں اب تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔ اس لڑکی کو اس لئے اس تہہ خانے کے اوپر والی عمارت میں بلوایا تھا کہ اُسے تمہارے لئے چوہے دان بناؤں۔ تم نے اس مصلحت سے اس پر خود فائر کیا یا کرایا تھا کہ یہ ہم لوگوں کے ہاتھ لگے اور ہم پوری طرح مطمئن ہو جائیں کہ یہ تم سے بددل ہو چکی ہے۔ پھر یہ تم سے بھی ملتی رہے اور ہم سے بھی۔ اس طرح تم مجھے جال میں پھانسنے کی کوشش کرو۔ اب بتاؤ کیسی رہی۔ یہ اس عمارت میں تنہا رہ گئی تھی۔ تمہارے آدمی عمارت کی کڑی نگرانی کرتے رہے تھے۔ انہوں نے صرف اُس آدمی کو عمارت سے نکلتے دیکھا جو ساجدہ کو یہاں لایا تھا۔ ساجدہ کہاں غائب ہوگئی یہ کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔ پھر تمہارے آدمی عمارت میں گھسے بھی۔ لیکن ساجدہ وہاں کہاں ملتی وہ یہاں اس زمین دوز عمارت میں منتقل ہو چکی تھی۔ وہ اُسے اوپر ہی تلاش کر کے چلے گئے اور تمہیں اطلاع دی۔ دی ہوگی کہ اسے یا تو زمین نگل گئی یا وہ فضا میں تحلیل ہو گئی۔ تم نے تہہ خانوں کی موجودگی کے امکانات پر غور کرنا شروع کر دیا ہوگا۔ کیوں ہے نا یہی بات۔"

عمران نے سعادت مندانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔

"لہٰذا اپنی عقلمندی کے نتیجے میں یہاں نظر آرہے ہو۔ پہلے تمہارے آدمی آکر یہاں تہہ خانے تلاش کرتے رہے تھے پھر تم بھی آدھمکے دراصل تمہارا ہی انتظار تھا مجھے۔ نہ جانے کتنی راتیں جاگ کر گذاری ہیں۔ تمہارے انتظار میں بھتیجے۔"

"شکریہ چچا جان....!" عمران نے گلوگیر آواز میں کہا۔

سنگ ہی مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہتا رہا "میں تمہارا منتظر تھا۔ تم آئے اور میں نے اس چوہے دان کے میکنزم کو حرکت دی اور تم ٹھیک اُسی جگہ آپہنچے جہاں میکنزم کا سلسلہ ملتا تھا تم اسی نتیجے پر پہنچے جس پر میں تمہیں پہنچانا چاہتا تھا یعنی اُسی جگہ تم نے تہہ خانے کا راستہ تلاش کرنا شروع کر دیا۔ اچانک اوپر سے تم پر یہ پنجرہ گرا اور تم اُسی تختے سمیت نیچے چلے آئے۔"

"غالباً تم نے بہت جلدی میں یہ میکنزم ترتیب دیا تھا۔" عمران نے پوچھا۔

"ہے نا معجزہ....!"

"بالکل چچا.... لیکن دیکھو تو آخر بھتیجے نے بھی تمہیں ڈھونڈھ ہی نکالا۔"

"صرف اسی عمارت کی حد تک.... میرا خیال ہے کہ یہاں تک تمہاری راہنمائی راشد کے کاغذات نے کی ہوگی اور انہیں کاغذات ہی سے تمہیں اس کا بھی اندازہ ہوا ہوگا کہ تنظیم کے دو بڑے مراکز میں سے ایک عادل آباد بھی ہے اور تم نے پہلے یہیں قسمت آزمائی مناسب سمجھی۔"

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے مجھے یقین ہی نہیں تھا کہ تم سے یہاں ملاقات ہوگی۔" عمران نے کہا۔

سنگ ہی ہنس کر بولا۔ "تم لوگوں کی حرکتوں کی بناء پر میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ تم اندھیرے میں تیر چلا رہے ہو۔"

"مثال کے طور پر ایک آدھ حرکت کا تذکرہ بھی کرتے چلو۔"

"تمہارے ساتھی ایسی حرکتیں کر رہے تھے جو دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیں۔ مثال کے طور پر جوزف کی حرکتیں۔ اس بات کا اعتراف ضرور کروں گا کہ تمہارے ساتھی بہت منظم ہیں۔ بڑی اچھی ٹریننگ دی ہے تم نے۔"

"شکریہ انکل....!" عمران نے خلوص کا مظاہرہ کیا۔

"بہر حال اس چکر میں تھے تم کہ اگر میں یہیں ہوں تو تم لوگوں کی طرف متوجہ ہو جاؤں اور پھر تم مجھے گھیر سکو۔"

"بالکل یہی بات تھی انکل ڈیئر....!"

"ریٹا اور جوزف والی حماقت دوسروں سے سرزد ہوئی تھی میں کچے کام نہیں کرتا بھتیجے۔"

"یہ آخر تم نے کتنی ریٹائیں پال رکھی ہیں.... وہ بھی تو ریٹا ہی تھی جو مجھے مادام نشی کا والے کیس میں نچاتی پھری تھی.... ریٹا نکسن نام تھا شاید.... یہ ریٹا جبرائیل ہے۔"

"اور تم لوگوں کی ہمدرد بھی۔"

"نہیں....!" عمران خوشی کے مارے اچھل پڑا۔

سنگ کا موڈ یکلخت تبدیل ہو گیا۔ آنکھوں سے شدید ترین نفرت ظاہر ہونے لگی اور اُس نے عجیب سی آواز میں پوچھا۔ "تم نے جو کاغذات راشد کے یہاں سے اڑائے تھے وہ کہاں ہیں۔"

"دیکھو چچا.... اب میں سمجھوتا کرنا چاہتا ہوں۔" عمران نے آہستہ سے کہا۔

"سمجھوتا.... کیسا سمجھوتا۔"

"عمران مضطربانہ انداز میں آگے بڑھا اور جنگلے کی سلاخیں پکڑی ہی تھیں کہ اچھل کر پیچھے

جا پڑا.... چت گرا تھا اور اب اُس کے ہاتھ پیر اس طرح اینٹھ رہے تھے جیسے جانکنی میں مبتلا ہو۔"

"اُوہ....!" سنگ جنگلے کی طرف جھپٹا.... پھر پیچھے ہٹ آیا۔ اس کے بعد ساجدہ نے اُسے سوئچ بورڈ کی طرف دوڑتے دیکھا۔ خود ساجدہ بُری طرح بوکھلا گئی تھی لیکن کر ہی کیا سکتی تھی اُسے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اب خود اس کا بھی ہارٹ فیل ہو جائے گا۔

سنگ نے سوئچ بورڈ پر جلدی جلدی کئی سوئچ آف کئے اور پھر جنگلے کی طرف دوڑا آیا۔ پہلے اُسے انگلی سے چھوا اور اُس کے بعد ایک جگہ کی سلاخ ہلانے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جنگلے کے سامنے کا پورا حصہ ایک طرف کھسک گیا۔

"چلو.... اِدھر آؤ....!" سنگ نے ساجدہ کو پکارا۔ "اسے الیکٹرک شاک لگا ہے۔ میری مدد کرو.... اسے باہر نکالو۔"

دونوں نے بدقت تمام اُسے جنگلے سے باہر نکالا۔ اُس کا جسم ساکت ہو چکا تھا۔ لیکن سانس چل رہی تھی۔

"ابھی اسے بچایا جا سکتا ہے.... لکڑی کے تختے نے جان بچالی۔" سنگ بولا۔

"الیکٹرک کے کام میں کوئی خامی رہ گئی تھی۔ کرنٹ پورے جنگلے میں دوڑ گیا تھا۔"

"لل.... لیکن تم اُسے بچانا کیوں چاہتے ہو۔" ساجدہ نے روہانسی آواز میں پوچھا۔

"میرے بہت ہی اہم کاغذات ہیں اس کے قبضے میں۔ میں اسے فوری طور پر مار ڈالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔"

"مم.... میرا خیال ہے کہ اسکی زندگی خطرے میں ہے۔" ساجدہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

سنگ عمران پر جھک کر اُس کے ہاتھوں کو جنبش دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ دفعتاً عمران کے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں سے پھسل کر گردن کے گرد چمٹ گئے پھر اُس نے قلابازی کھائی اور سنگ ہی پر سوار ہو گیا۔

"اُوہو.... اُوہو.... اُوہو....!" ساجدہ اپنی جگہ پر اس طرح اچھل رہی تھی جیسے اس حرکت میں کسی مشینی عمل کو دخل ہو۔

عمران اور سنگ ایک دوسرے سے گتھ کر رہ گئے تھے۔

ساجدہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔

اچانک ایک جانب سے آواز آئی۔ "ڈارلنگ.... ڈارلنگ.... تم کہاں ہو۔"

آواز ریٹا کی تھی۔ ساجدہ چونک کر مڑی۔ اُس نے دیکھا کہ ریٹا لڑکھڑاتی ہوئی اُسی طرف چلی

آ رہی ہے۔ اُس کے ہاتھ میں شیمپئن کی بوتل تھی۔ چال کی لڑکھڑاہٹ بتا رہی تھی کہ وہ بہت زیادہ نشے میں ہے۔

ساجدہ کے قریب آکر رک گئی اور آگے پیچھے جھولتی ہوئی بولی۔ "یہ.... کیا آہو راہاہائے۔"

ساجدہ کچھ نہ بولی۔ وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے پر مختلف قسم کے داؤں کو آزمارہے تھے۔ ریٹا اس طرح آنکھیں پھاڑ رہی تھی جیسے انہیں پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر وہ اُن کی طرف بڑھنے بھی لگی۔ ساجدہ نے بازو پکڑ کر اُسے پیچھے کھینچ لیا اور وہ گرتے گرتے بچی۔

"چھوڑ دو.... چھوڑ دو....!" ریٹا حلق پھاڑ کر دہاڑی۔ لیکن ساجدہ اُسے دھکیلتی ہوئی چلی گئی۔ اُس دروازے تک آئی جس سے برآمد ہوتے دیکھا تھا۔ اندر دھکیل کر دروازہ نیچے کھینچ دیا۔ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس فولادی دروازے کو وہ نشے کی حالت میں جنبش بھی نہ دے سکے گی۔

اس سے مطمئن ہو کر وہ پھر ان دونوں کی طرف پلٹ آئی۔ عمران سنگ ہی سے گتھا ہوا کہہ رہا تھا۔ "آج رات ہم دونوں میں سے ایک کو ضرور مرنا ہے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" سنگ ہی نے کہا اور ساجدہ اُس کی آواز سن کر چونک پڑی۔ وہ کسی ایسے آدمی کی آواز قطعی نہیں معلوم ہوتی تھی جو کسی کے خلاف جسمانی قوت صرف کر رہا ہو۔

"بہر حال یہ ڈاج کیسا رہا انکل ڈیئر... میں نے بے وجہ نہیں پوچھا کہ یہ میکنزم نیا ہے یا پرانا!"

سنگ کچھ نہ بولا۔ ساجدہ دیکھ رہی تھی کہ وہ بار بار عمران کی گردن پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اُسے حیرت تھی کہ آخر یہ دبلا پتلا جسم گوشت و پوست سے مرکب ہے یا کوئی فولادی ڈھانچہ ہے جس کی حرکت کسی مشینی نظام کی مرہون منت ہے۔

وہ ڈر رہی تھی کہ کہیں اس کا کوئی مددگار نہ آجائے۔ ویسے اس نے ان تہہ خانوں میں ابھی تک اُس کے علاوہ اور کسی کو نہیں دیکھا تھا۔

یک بیک سنگ ہی عمران کی گرفت سے نکل گیا۔ پھر قبل اس کے کہ عمران اُس پر جھپٹتا اُس نے پتلون کی جیب سے چاقو نکال کر کھول بھی لیا۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ.... اگر تمہارا ہاتھ جیب کی طرف گیا تو کچھ نکال لینے سے پہلے ہی چاقو تمہارے سینے میں پیوست ہو جائے گا۔" سنگ ہی نے تیز لہجے میں کہا۔

عمران نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور سنگ ہی چاقو کو اسی طرح پکڑے رہا جیسے پھینک مارنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

پھر اُس نے ساجدہ سے کہا۔ "تم بھی اُسی کے پاس کھڑی ہو جاؤ۔"

ساجدہ بڑی متانت سے چلتی ہوئی عمران کے قریب آئی اور شانے سے شانہ ملا کر کھڑی ہو گئی۔ ہاتھ پتلون کی دائیں جانب والی جیب سے ٹکرایا تھا اور ساجدہ نے محسوس کیا تھا کہ اُس کی جیب میں ریوالور موجود ہے۔

"تم بھی اپنے ہاتھ اٹھاؤ۔" سنگ نے اُسے للکارا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اپنا داہنا ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے بایاں عمران کی پتلون کی جیب میں ڈال دیا اور جیب ہی سے فائر کرنے کی کوشش کی۔ فائر ہوا بھی.... لیکن ساتھ ہی سنگ کا چاقو بھی اڑتا ہوا عمران کے جسم کے کسی حصے میں پیوست ہو گیا تھا۔ ساجدہ نے اُس کی کراہ سنی۔ جیب سے ہونے والا فائر نشانے پر نہیں بیٹھا تھا۔ دوسری ہی لمحے میں سنگ ہی نے اُن دونوں پر چھلانگ لگائی۔ پھر ساجدہ کو تو اتنی مہلت بھی نہ مل سکی کہ عمران کی جیب سے ریوالور ہی نکال لیتی۔ سنگ نے ان دونوں کو فرش پر گرا دیا تھا۔

"اُوہ.... نشانہ خطا ہو گیا۔" سنگ بڑبڑا رہا تھا۔ "بازو میں لگا ہے چاقو.... اب میں اسے تمہارے سینے میں اتار دوں گا۔"

اتفاقاً اس کے دونوں ہاتھ ساجدہ کی گرفت میں آگئے اور عمران کو اس سے پہلے ہی اُس کے نیچے سے نکل جانے کا موقع مل گیا کہ وہ بازو میں پیوست چاقو کو کھینچ کر اُس کے سینے میں پیوست کر دیتا۔ اُس نے بازو سے چاقو کھینچا اور سنگ پر ٹوٹ پڑا۔

سنگ کو شاید سچویشن کا احساس ہو گیا تھا اس لئے عمران کی مٹھی میں دبا ہوا چاقو فرش پر پڑا۔ وہ اس سے پہلے چھلانگ لگا کر دوسری طرف نکل گیا تھا۔ ساجدہ بال بال بچی۔ عمران کا ہاتھ اگر ایک بالشت ہٹ کر بھی پڑا ہوتا تو اس وقت وہاں ساجدہ کی لاش نظر آتی۔

دفعتاً ساجدہ چیخی۔ "دیکھو.... وہ بھاگ رہا ہے۔ اگر نکل گیا تو یہ تہہ خانہ ہمارا مقبرہ بن جائیگا۔"

سنگ واقعی ایک طرف دوڑا جا رہا تھا۔ قبل اس کے عمران اُس تک پہنچتا اُس نے اُس کمرے کا دروازہ جس میں ساجدہ نے ریٹا کو بند کیا تھا کسی قدر اٹھایا اور تیزی سے اندر رینگ گیا۔ قریب پہنچتے پہنچتے دروازے کا نچلا حصہ پھر فرش سے آلگا۔

عمران اُسے دوبارہ اٹھانے کے لئے زور لگانے لگا لیکن اُس نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ اِدھر سے مایوس ہو کر وہ سوئچ بورڈ کی طرف دوڑا۔

"کیا کر رہے ہو....!" ساجدہ چیخی۔

"خاموش رہو۔ تم نے جیب سے فائر کر کے سارا کھیل بگاڑ دیا۔ کیا میں خود فائر نہیں کر سکتا تھا۔"

ساجدہ کچھ نہ بولی۔ عمران سلاخوں دار جنگلے والی لفٹ کی طرف دیکھتا ہوا مختلف سوئچوں کو

آف اور آن کرتا رہا۔

دفعتاً ساجدہ کو کچھ یاد آیا اور وہ چیخی۔ "ٹھہرو..... ٹھہر جاؤ.....!"

ٹھیک اسی وقت ایسا محسوس ہوا جیسے زمین ہل کر رہ گئی ہو۔ عجیب طرح کی آوازیں چاروں طرف سے آنے لگیں۔

"یہاں ڈائنامیٹ لگے ہوئے ہیں۔" ساجدہ اُسی شور میں چیخ رہی تھی۔ "اُس نے مجھے بتایا تھا۔"

دفعتاً چھت کا کچھ عرصہ ٹوٹ کر نیچے آرہا۔

عمران نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور دوڑتا ہوا ایک دیوار سے آلگا۔

"لیٹو.... لیٹ جاؤ.... دیوار سے لگ کر۔" اُس نے اُسے دھکیلتے ہوئے کہا۔

دونوں دیوار کی جڑ سے لگ کر اوندھے لیٹ گئے۔

ساجدہ پر غشی سی طاری ہو رہی تھی۔ جلد ہی اُس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

پھر اُسے ہسپتال ہی میں پوری طرح ہوش آیا تھا۔ نہ وقت کا احساس تھا اور نہ تن بدن کا ہوش۔ وہ بھیانک حادثہ کسی ڈراؤنے خواب کی طرح کچھ کچھ یاد آرہا تھا۔

پھر کچھ دنوں بعد عمران نے اُسے بتایا کہ ایک فولادی دروازہ اس طرح آکر دیوار سے ٹک گیا تھا کہ وہ دونوں کے درمیان خلا میں آگئے تھے ورنہ ملبے میں دب کر خود بھی فنا ہو جاتے۔ جب وہ ہنگامہ ختم ہوا تھا تو عمران نے دروازے کی اوٹ سے نکلنے کی کوشش کی تھی اور پھر اُس نے خود کو ایک گہرے کنوئیں میں محسوس کیا تھا۔ اوپر کھلا آسمان بھی نظر آیا تھا۔

پوری عمارت تباہ ہو گئی تھی اور چیخ چیخ کر تھک جانے کے بعد وہ فائر بریگیڈ کے عملے کو اپنی طرف متوجہ کر سکا تھا۔ سنگ کے متعلق یقین کے ساتھ کہنا دشوار تھا کہ وہ بچ کر نکل گیا یا نکلنے سے پہلے ہی اُسے بھی اس تباہی کا شکار ہو جانا پڑا تھا اور یہ تباہی نادانستہ طور پر عمران خود لایا تھا۔ سوئچ بورڈ پر اُسے اس سوئچ کی تلاش تھی جس کا تعلق لفٹ سے تھا۔ نادانستگی میں وہ سوئچ آن ہو گیا جو عمارت میں لگے ہوئے ڈائنامیٹ سے منسلک تھا۔

بہر حال اس حادثے کے بعد اعلیٰ پیمانے پر گرفتاریاں عمل میں آئی تھیں۔ پولیس والوں کے پلے کچھ نہیں پڑ رہا تھا۔ وزارت خارجہ کے احکامات کے تحت گرفتار کئے جانیوالوں کی ایک طویل فہرست انکے پاس ضرور تھی لیکن نہیں معلوم تھا کہ ان کا جرم کیا ہے۔ ان گرفتار ہونے والوں میں جمشید کیانی بھی تھا۔ لیکن اُسے حوالات میں رکھنے کی بجائے کسی نامعلوم مقام پر پہنچا دیا گیا تھا۔

تباہ ہونے والی عمارت وہی تھی جس کے بارے میں اختر نے بتایا تھا کہ اس کا تعلق اس بلیک میلر سے تھا اور سہیل وہیں رہتا تھا۔ اس دھماکے سے آس پاس کی عمارتوں کو بھی کسی قدر نقصان پہنچا تھا۔ خود صبیحہ کے بنگلے کی ایک دیوار شق ہو گئی تھی۔ لیکن دوسری عمارتوں میں جانی نقصان نہیں ہوا تھا۔ حادثے سے دو دن پہلے یک بیک اُس کے باپ نے گھر میں اعلان کر دیا تھا کہ کرنل حیدر سخت نالائق آدمی ہے۔ اگر کبھی ملاقات کی غرض سے بھی گھر آئے تو نوکروں کو چاہئے کہ اسے اٹھا کر باہر سڑک پر پھینک دیں۔ پھر اُسی رات کو وہ مالی کی کوٹھری میں اس توقع پر گئی تھی کہ شاید اختر سے ملاقات ہو جائے لیکن وہاں اُسے اس کا خط ملا تھا جس میں اُس نے اُسے بتایا تھا کہ اب وہ مطمئن رہے کرنل حیدر ساری زندگی اُس کا نام بھی نہ لے سکے گا اور اس بلیک میلر کا انجام بھی قریب ہی ہے۔

پھر عمارت کی تباہی کے بعد اُسے اطلاع ملی تھی کہ ملبے کے ڈھیر سے دو زندہ افراد برآمد ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک مرد ہے اور ایک عورت۔ لیکن اُن کے بارے میں تفصیل نہ معلوم ہو سکی۔ رات کو کئی کئی بار مالی کی کوٹھری کے چکر لگاتی لیکن تاریکی اور سکوت کے علاوہ وہاں اور کیا رکھا تھا۔ راتوں کی نیند حرام ہو گئی عمارت والے حادثے کی بناء پر سارے شہر میں سنسنی پھیل گئی۔ لیکن کسی کو بھی اس کے بارے میں حقائق نہ معلوم ہو سکے۔

آج شام صبیحہ بہت اداس تھی۔ گھر میں جی نہیں لگ رہا تھا۔ اُس نے سوچا پبلک گارڈن ہی تک ہو آئے.... اس دوران ایک نیا ڈرائیور بھی آگیا تھا اور خود ڈرائیو کرنے کے سلسلے میں باپ کی خفگی کا بھی خدشہ نہیں تھا۔

گارڈن کے پارکنگ کے حصے میں پہنچ کر اُس نے ایک ایسے آدمی کو ایک لمبی سی گاڑی سے اترتے دیکھا کہ باچھیں کھل گئیں۔ یہ اختر تھا سو فیصدی اختر.... لیکن وہ کون تھا.... وہ لحیم شحیم حبشی جو نہایت ادب سے اس کے لئے دروازہ کھولے کھڑا تھا اور اُس نے دونوں پہلوؤں سے دو ریوالور بھی تو لٹکا رکھے تھے۔

اور.... اور.... یہ عورت کون ہے؟

جیسے ہی اُس کے ڈرائیور نے کار پارک کی وہ جھپٹ کر نیچے اتر آئی.... اور بے خیالی میں تقریباً دوڑتی ہوئی ان لوگوں کی طرف چل پڑی۔

"اختر.... اختر....!" قریب پہنچنے سے قبل ہی بے اختیارانہ طور پر اُس نے اُسے آوازیں

دیں لیکن اس نے مڑ کر دیکھا تک نہیں۔

اس حرکت پر وہ جھنجھلا گئی اور تیزی سے دو قدم آگے بڑھ کر ان کا راستہ روک لیا۔

"تم سنتے کیوں نہیں۔"

"جی....!" اُس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"اونچا سننے لگے ہو....!"

"معاف کیجئے گا میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" نہایت خشک لہجے میں کہا گیا۔

وہ سمجھی شاید حسب عادت اُسے پریشان کرنا چاہتا ہے۔ اسلئے اسکے ساتھیوں کی پرواہ کئے بغیر مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولی۔ "اختر صاحب جیل چلے جایئے گا۔ بہت اودھم مچایا ہے آپ نے۔"

"آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے محترمہ....!" پہلے سے بھی زیادہ خشک لہجے میں جواب ملا۔

"میرا نام اختر نہیں.... علی عمران ہے۔"

اور پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ اُس کے ساتھی بھی چل پڑے تھے۔ لیکن عورت مڑ مڑ کر اُسے دیکھے جا رہی تھی۔

وہ وہیں کھڑی کھسیاہٹ میں طرح طرح کے منہ بناتی رہی۔ پھر یک بیک اپنی گاڑی کی طرف مڑی۔ دوڑتی ہوئی گاڑی تک آئی اور دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر گر گئی۔

"گھر چلو....!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں ڈرائیور سے کہا۔

"جی بی بی.... جی.... گھر چلوں....!" ڈرائیور کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں.... گھر....!" وہ چیخ کر بولی۔ "کیا تم نے سنا نہیں۔"

گاڑی چل پڑی.... صبیحہ کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں اور وہ غصہ کے مارے ہانپ رہی تھی.... پھر یک بیک اُس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

شفق کی سرخی پر آہستہ آہستہ سیاہی غالب آتی جا رہی تھی۔

﴿ختم شد﴾

عمران سیریز

جلد نمبر 19

-64 عقابوں کے حملے

-65 پھر وہی آواز

-66 خونریز تصادم

-67 تصویر کی موت

جلد نمبر 20

-68 کنگ چانگ

-69 دھوئیں کا حصار

-70 سمندر کا شگاف

-71 زلزلے کا سفر

-72 بلیک اینڈ وائٹ

جلد نمبر 21

-73 نادیدہ ہمدرد

-74 ادھورا آدمی

جلد نمبر 22

-75 آپریشن ڈبل کراس

-76 خیر اندیش

-77 پوائنٹ نمبر بارہ

-78 ایڈلاوا

جلد نمبر 23

-79 بیمبو کیسل

-80 معصوم درندہ

-81 بیگم ایکس ٹو

-82 شہباز کا بسیرا

جلد نمبر 24

-83 ریشوں کی یلغار

-84 خطرناک ڈھلان

-85 جنگل میں منگل

-86 تین سنکی

جلد نمبر 25

-87 آدھا تیتر

-88 آدھا بٹیر

جلد نمبر 26

-89 علامہ دہشت ناک

-90 فرشتے کا دشمن

-91 بیچارہ شہ زور

-92 کالی کہکشاں

جلد نمبر 27

-93 سہ رنگی موت

-94 متحرک دھاریاں

-95 جونک اور ناگن

-96 لاش گاتی رہی

جلد نمبر 28

-97 خوشبو کا حملہ

-98 بابا سگ پرست

-99 مہکتے محافظ

جلد نمبر 29

-100 ہلاکت خیز

-101 زیبرا مین

-102 جنگل کی شہریت

جلد نمبر 30

-103 مونالیزا کی نواسی

-104 خونی فنکار

جلد نمبر 31 (اول)

-105 موت کی آہٹ

-106 دوسرا رخ

-107 چٹانوں کا راز

-108 ٹھنڈا سورج

جلد نمبر 31 (دوم)

-109 تلاش گمشدہ

-110 آگ کا دائرہ

-111 لرزتی لکیریں

جلد نمبر 32

-112 پتھر کا آدمی

-113 دوسرا پتھر

-114 خطرناک انگلیاں

جلد نمبر 33

-115 رات کا بھکاری

-116 آخری آدمی

جلد نمبر 34

-117 ڈاکٹر دعاگو

جلد نمبر 35

-118 جونک کی واپسی

-119 زہریلی تصویر

-120 بیباکوں کی تلاش